اسلام کی معاشی تعلیمات کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابلی مطالعہ

۲۰۰۹ء

تحقیق کنندہ

محمد بلال

لیکچرار - اسلامک اسٹڈیز

این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی

نگران استاذ

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدّین ثانی

ریسرچ سپروائزر - ایم فل/ پی ایچ ڈی

HEC اسلام آباد اور وفاقی اردو یونیورسٹی

وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی - کراچی کیمپس
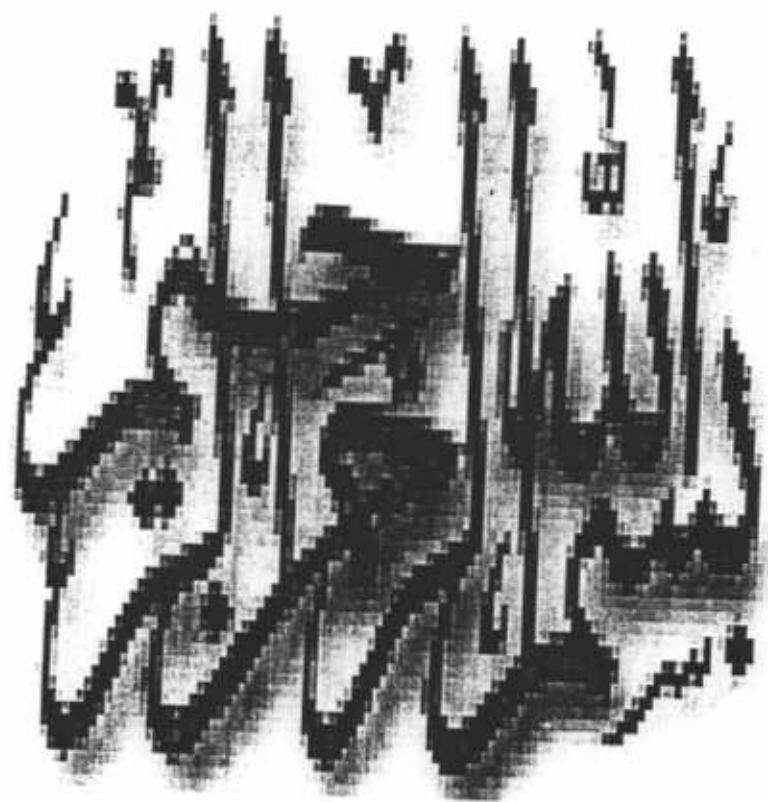
Certificate
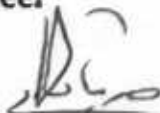
This is to certify that Mr. Muhammad Bilal S/o. Rais Ahmed, Lecturer, Islamic Studies, NED University of Engineering & Technology, Karachi, Enrolment No:VAY/019/2004; has successfully completed his Research Thesis under my supervision, on the following topic:

'اسلام کی معاشی تعلیمات کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابلی مطالعہ'

(The Comparative Study of Islamic Economic Education with other Heavenly Religions)

This topic has an invaluable importance for both Islamic Economic Education and Islamic Banking issues through out the World. The benefits and values of the topic are more realistic in this era. Therefore, this Dissertation will prove to be a beneficial literature, salubrious guide and a useful document for the people belonging to the Literal, Cultural, Financial and other Islamic Aspects.

This Thesis has been written for getting Ph. D. Degree; for which, I am fully conversant to the efforts, endeavors and struggles made by the Scholar for this purpose and allow him to submit his Thesis for awarding the Doctorate of Philosophy / Ph. D . Degree.

Professor Dr. Salahuddin Sani
PRINCIPAL
QUAID-E-MILLAT GOVT. DEGREE COLLEGE
Liaquatabad, Gulshanabad, Karachi

DR. SALAHUDDIN SANI
Research Supervisor- M.Phil/Ph.D.,
HEC Islamabad & Federal Govt Urdu University & Principal,
Quaid-e-Millat Govt., Degree College, Liaquatabad, Karachi.

اسلام کی معاشی تعلیمات کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابلی مطالعہ

فہرستِ مضامین

دوسری فصل

معاشیات کی اہمیت اسلام کی روشنی میں

دوسرا باب

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

پہلی فصل

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب کی روشنی میں

دوسری فصل

کسبِ حرام کی ممانعت مذہبِ اسلام کی روشنی میں

تیسرا باب

سود آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

پہلی فصل

سود آسمانی مذاہب کی روشنی میں

دوسری فصل

سود اسلام کی روشنی میں

چوتھا باب

ملکیت کا تصوّر آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

پہلی فصل

دوسری فصل

پانچواں باب

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

پہلی فصل

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

(الف) یہودیت میں تصورِ مملکت

(ب) عیسائیت میں تصورِ مملکت

دوسری فصل

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات اسلام کی روشنی میں

دوسری فصل

تقابلی مطالعہ وامتیازات

ساتواں باب

تقابلی مطالعہ و امتیازات

پہلی فصل

دوسری فصل

اسلامی تعلیمات کے امتیازات

ملحقات

اظہارِ تشکّر

الحمدلله ربّ العالمین والعاقبة للمتقین والصلواة والسلام علی رسوله الکریم !

سب سے اوّل میں اُس ربِّ کریم کا شکر گزار ہوں جس نے مجھ جیسے کم علم وکم عقل کو اپنے دین اسلام کے اہم ترین شعبہ معیشت کی اشاعت ِ خاص میں کچھ حُرف تلاش کرنے اور اُنکو ضبطِ تحریر لانے کی سعادت بخشی۔اور جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ پر ہزارہا کروڑہا درود وسلام پیش ہیں کہ آپ ﷺ کا دیا ہوا ورثہ دراصل نورِ نبوّت کا پرتو ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس علم سے فیضیاب فرمائے۔ آمین! اس کے بعد میں اُن اپنے گرانقدر راہنماؤں کا ذکر کروں گا جنکے باعث میں اس عمل میں ایک لحہ بھی غافل نہ ہونے دیا گیا۔کیونکہ اسلام کی تعلیمات بھی یہی ہیں کہ ' لا یشکر الله من لا یشکر الناس '(۱) یعنی جو بندوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں۔

سب سے پہلے اپنے محترم والدین اور جملہ اہلِ خانہ کا شکر گزار ہوں کہ جنکی تعمیری وتنقیدی نگاہوں نے مجھے دنیا کے بیشتر بگڑے ماحول میں ملوث ہونے سے بچایا۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت سے ہمارے لئے دیر تک سایۂ فگن رکھے-آمین!اور تمام اساتذہ کرام کا میں شکر گزار ہوں، جنہوں نے مجھے قرآنِ کریم کی تجوید وقرأت سے سنوارا،خصوصا قاری ہلال احمد دہلوی،سابق خطیب جامع مسجد طوبیٰ، ڈیفنس اور قاری محمد حنیف پہلوان صاحب اور انکے علاوہ وہ اساتذہ جو اس دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں،اللہ تعالیٰ انکی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے ، آمین! اور پھر اپنے اُن احباب کا بھی ذکر کرونگا جنہوں اس مقالہ کے مواد کی تلاش میں میری رہنمائی کی-جنمیں قاری عبدالحلیم خاں ،سابق پیش امام مسجد بیت الرحمٰن ، جامع این ای ڈی ، محترم ڈاکٹر حافظ محمد ثانی ، قاری سعید احمد صدیقی، پروفیسر شعیب، حکیم فیاض، اور جناب نسیم اشرفی صاحبان شامل ہیں۔

اس موقع پر اگر میں ایک معزز ومکرم شخصیت کا ذکر نہ کروں تو انتہائی ناانصافی ہوگی ، کہ جن کی علم دوستی میرے انتہائی کام آئی ، اگر مجھے وہ اپنی جامعہ میں اسلامی تعلیمات پڑھانے کا موقع فراہم نہ کرتے اور برائے تحقیق دوسال کی رخصت عنایت نہ فرماتے تو میرے لئے یہ بات ممکن نہ تھی کہ میں یہ تحقیقی کام پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا۔جسکے لئے میں این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے **وائس چانسلر انجینئر ابوالکلام صاحب** کی انتہائی مخلصانہ مدد پر تہہ دل سے مشکور وممنون ہوں۔

آخر میں،میں اپنے محب ومشفق استاذ جناب **پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب** کا ممنون ومشکور ہوں کہ جنکی مشفقانہ اصلاح وہدایات کے سبب میں بحیثیت طالب علم کے، ایک ریسرچ اسکالر ہونے تک کی منازل طے کرسکا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہ صرف ایک استاذ ہیں بلکہ اپنے اندر پوری ایک جمعیت ہیں ، ہر ایک تشنہ لب کے لئے

(۱) البخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، مکۃ المکرمۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۲۰۰۴ء، باب من لم یشکر الناس، رقم الحدیث ۲۱۸/ص:۵۳

بہترین راہنما guide ہیں، جو اپنی دور اندیش نگاہوں کے طفیل طالب علم کے اذہان کو پڑھ کر اسکے مطابق اس سے تعمیری وتخلیقی کام لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں. اور نہ صرف یہ بلکہ دینی اعتبار سے بھی اپنے نام نامی کا عملی پیکر ہیں کہ طالب علم کی دینی و اخلاقی اصلاح کا طریقہ یقیناً انکی عالمانہ و فاضلانہ صلاحیتوں کا نتیجہ ہیں. جسکا اعتراف میری کامیابی کی یہ منزل ہے، جس میں آج میں ڈاکٹر صاحب کی قدم بہ قدم ہدایات سے استفادہ کرتے ہوئے نہ جانے کتنی قیمتی علمی درسگاہوں اور لائبریریوں تک رسائی حاصل کر کے وہاں پر موجود علمی خزانوں سے فیضیاب ہوسکا ہوں. اور یہی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب صرف اشارہ سے بتادیتے ہوں بلکہ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ مدینۃ الحکمۃ جیسے پُر خار راستوں پر ڈاکٹر صاحب صرف اپنے طلبہ کی راہنمائی کے لئے سخت ترین گرم موسم میں میرے ساتھ ہمدرد یونیورسٹی تشریف لے گئے جسکے لئے تو حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس انکی اس خدمت پر کوئی شکرانہ کے الفاظ بھی نہیں، البتہ یہ ضرور کہنے میں فخر محسوس کروں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت نے مجھ ناکارہ کو ایسے مشکل علم کی تحقیق و ترویج کے لئے پسند کیا، جسکا میں اہل نہ تھا.

آخر میں! میں دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صلاح الدّین صاحب کی ان مخلصانہ کوششوں کو بارگاہ ایزدی میں قبول فرماتے ہوئے انکے اس رشد و ہدایت کا سرچشمہ دور دنیا تک پھیلائے. اور مجھے بھی اس تحقیق کے ذریعے سعادتِ دین و دنیا نصیب فرمائے- اور میری اس ناچیز کاوش کو تحقیق کرنے والے اپنے مقبول محققین بندوں میں شمار فرمائے. آمین!

وما علینا الا البلاغ- واخر دعوانا عن الحمد للہ ربّ العلمین!

علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہا کہ!

الفاظ ومعانی میں تفاوت نہیں لیکن — مُلا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضائیں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

محمد بلال

لیکچرار، اسلامک اسٹڈیز، ہیومنٹیز ڈیپارٹمنٹ،

این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی

[اینرولمنٹ نمبر: وای/۰۱۹/۲۰۰۲ء] ۲۳ ذوالقعدۃ-۱۴۳۰ھ/ ۱۲ نومبر-۲۰۰۹ء

✿✿✿

مُقَدَّمَۃ

دنیا بھر میں اسلامی معیشت کو اپنائے ہوئے طویل عرصہ گزر چکا ہے، ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس شعبہ کی اہمیت کو جاننے اور اپنانے میں بہت وقت صرف ہوا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے. مگر '**دیر آید درست آید**'، کے مصداق آج اس ملک میں اسلامی معیشت و بینکاری الحمدللہ تیزی سے اپنی ترقی کی منازل طے کررہی ہے جس کا سہرا اس مملکت کے مشہور ومعروف اسکالر جناب جسٹس مفتی ڈاکٹر محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے سر ہے جنکا ہمارے ملک میں اسلامی معیشت و بینکاری کے شرعی قوانین کو بذریعہ شریعت کورٹ لاگو کروانے کا عظیم کارنامہ اب تاریخ کا سنہری باب بن چکا ہے. بحیثیت مسلمان اور راسخ العقیدہ مؤمن **Staunch Believer** ہونے کے مذہب اسلام نے '**امر بالمعروف ونہی عن المنکر**' "نیکی کرنے اور بدی سے رُکنے کا حکم کرتے رہو" کے زمرہ میں ہماری یہ ذمہ داری لگائی ہے کہ ہم سارے عالم کی انسانیت کو 'اچھی' باتوں کی تلقین کریں اور 'بری' باتوں سے روکیں. جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی سب سے اچھی بات، کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھلانا ہے، اور دین اسلام چونکہ پوری انسانیت کے لئے روشنی و ہدایت کا پیغام ہے تو یقیناً یہ پیغام تمام انسانوں تک پہنچانا بالعموم اور اہل کتاب میں پہنچانا بالخصوص اہم کام ہے، کیونکہ جو لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ آسمانی کتابیں پچھلے انبیاء علیہم السلام پر اتاری گئیں اور وہ لوگ کسی بھی درجہ میں اُن پر ایمان رکھتے ہوں تو دنیاوی اعتبار سے ایسے لوگ اُن کتبِ سماوی کے ماننے والوں میں شامل ہیں چنانچہ یہ روشنی انکے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے کہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اسکی تلقین کریں، مثلاً '**سود**' *Interest* سے بچنا اور '**حلال رزق**' *Lawful Earning* کی تلاش کرنا جیسے اہم ترین موضوعات زندگی بھی 'معروفات' میں شامل ہیں. لہذا اسی اعتبار سے اسلام نے علمائے دین کو بھی دنیاوی حالات سے جڑے رہنے کی تلقین کی ہے وہ یہ ہے کہ 'ایک عالم کیلئے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کیلئے زمانہ کے 'عرف' اور زمانے کے حالات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اس کے بغیر وہ شرعی مسائل میں صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا. اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو زمانے کے اعتبار سے نا واقف ہو وہ دراصل 'جہل' پر ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسے سمجھنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں: '**من جهل با هل زمانه فهو جاهل**'(۱) 'جو آدمی اپنے اہل زمانہ سے واقف نہ ہو تو وہ **جاہل** ہے'۔ جسکے معنی یہ ہوئے کہ جو شخص اہل زمانہ کے طرز زندگی، انکی معاشرت، انکے معاشی معاملات اور ان کے مزاج ومذاق سے واقف نہ ہوسکے تو ایسے شخص نے جہالت کو اختیار کیا ہوا ہے۔

---

(۱) عثمانی تقی ڈاکٹر مفتی محمد، - اسلام اور جدید معیشت وتجارت - دارالاشاعت، کراچی ۲۰۰۰ء/ص: ۱۷ - بحوالہ شرح عقود رسم المفتی /ص: ۹۸

چنانچہ حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ ملتی ہے کہ فقہ کی تدوین کے دوران وہ باقاعدہ بازاروں میں جا کر تاجروں کے پاس بیٹھتے، اور انکے معاملات کو سمجھتے تھے اور یہ دیکھا کرتے تھے کہ کونسے طریقے بازار میں رائج ہیں، ظاہر ہے کہ انکا مقصد خود تجارت کرنا نہیں تھا، وہ صرف یہ جاننے کیلئے ان تاجروں کے پاس بیٹھتے تھے کہ انکے کیا طریقے ہیں اور انکے درمیان آپس میں کیا عرف 'نظام تجارت' رائج ہے؟ اسلئے کہ ان چیزوں سے واقفیت ایک عالم اور بالخصوص ایک فقیہ اور مفتی کے فرائض میں داخل ہے کہ جب اسکے بارے میں اسکے پاس سوال آئے تو وہ اس سوال کے پس منظر سے اچھی طرح واقف ہو اسکے بغیر وہ صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا.... بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ جب کسی علاقے یا کسی معاشرے میں ناجائز کاروبار کی کثرت ہو تو چونکہ عالم اور مفتی صرف فتوی جاری کرنے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک داعی الی اللہ بھی ہوتا ہے، اسلئے اسکا کام اس حد پر جا کر ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں کام ناجائز اور حرام ہے، بلکہ بحیثیت داعی اسکے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کام کو ناجائز اور حرام کہنے کے بعد یہ بھی بتائے کہ اسکا متبادل حلال طریقہ کیا ہے. وہ متبادل قابل عمل بھی ہونا چاہیے، اور شریعت کے احکام کے مطابق بھی. حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب انکے پاس قید خانے میں بادشاہ کا پیغام پہنچا اور خواب کی تعبیر ان سے پوچھی گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر تو بعد میں بتلائی کہ سات سال کا قحط آنے والا ہے لیکن اس قحط سے نجات حاصل کرنے کا راستہ پہلے بتا دیا چنانچہ فرمایا کہ:(۱)

'فما حصد تم فذروہ فی سنبلہ الا قلیلا مما تأکلون ○ ثم یاتی من بعد ذلک سبع شداد یا کلن ما قدمتم لھن الا قلیلا مما تحصنون ○' (۲)

'پس فصل کاٹ کر اُسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا، سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔ اسکے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے، جو تم نے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا، سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھتے تھے۔'

یہ آیتِ مبارکہ مسلمانوں کے لئے پوری اقتصادی پالیسی کی جانب اشارہ کر رہی ہے؛ جس سے مراد یہ ہے کہ دعوتِ الی اللہ کی ذمہ داری صرف مرض کا پتہ بتلانے پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اُسکا مکمل علاج بتلانا بھی اُسے آنا چاہئے. جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو بنیادی طور پر نبی ہیں اور نبی کا کام دعوتِ الی اللہ ہی ہوا کرتا ہے، لیکن انہوں نے عزیزِ مصر کی حکومت کی اقتصادی کمزوریوں کو قابو میں لانے کے لئے جو مستقبل کی پالیسی اُسے سکھلائی وہ گویا اسلامی اقتصادیات کے اصولوں میں سے ایک اصول بچت کا بنیادی پہلو بن کر سامنے آیا.

---

(۱) عثمانی، تقی ڈاکٹر مفتی محمد، ۔اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔ محولہ سابقہ/ص:۱۷

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ یوسف/۱۲:۴۷

سیرت طیبہ ﷺ ہمیں اُن احوال سے آ گاہی کراتی ہے جن کے ذریعے تجارتی اصولوں کی تعلیم کا حاصل کرنا جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی سنت ٹھہرتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی اوّلین حیاتِ مبارکہ ابھی بمشکل تمام ۱۱ یا ۱۲ برس ہوئی تھی، کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے تجارتی قافلے کے ہمراہ جانے کی خواہش ظاہر کی تو سیرت نگار لکھتے ہیں کہ 'بیرونِ ملک کا سفرِ تجارت انتہائی مُشکل ہونے اور آپکی عمر مبارک کم ہونے کے باوجود ابوطالب آپ ﷺ سے اپنی پدرانہ محبت کے باعث منع نہ کرسکے'(۱) اور ملک شام کے سفر پر لیکر روانہ ہوگئے، جہاں بحیرہ کا وہ واقع پیش آیا جس میں اُس راہب نے آپ ﷺ کے نبی آخرالزماں ہونے کی پیشنگوئی علامات صادقہ سے کی تھی.

یہ واقعہ نبی پاک ﷺ کیلئے زمانہ کے خدوخال سے نہ صرف واقفیت کا ذریعہ بنا بلکہ معیشت وتجارت کے معاملات کو اپنا کر حلال رزق کے ذرائع کو تلاش کرنے کا بھی ذریعہ بنا- میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ نہ تو نئی زمانہ اس بات کے کہہ دینے سے جان چھڑائی جاسکتی ہے کہ 'دنیا میں ابتک جو نظام ہائے معیشت کارفرما ہیں وہ یا تو بالکل صحیح ہیں یا پھر اسلام کا ان سے کسی قسم کا تصادم و تعلق نہیں ہے، جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اسلام کا ان سے کوئی تصادم موجود ہے تو پھر انکا حل اسلام ہی کی روشنی میں تفصیلا دنیا کے سامنے پیش کرنا کسی فردِ واحد کی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ ہر اس تعلیم یافتہ فرد کی ذمہ داری ہے جو دراصل داعی بھی ہو' چنانچہ انہیں چاہئے کہ وہ اسلام کے اقتصادی نظریات کو بلا کسی تردّد، اس انداز میں پیش کریں کہ وہ نہ صرف قابلِ توجہ ہو بلکہ عملی اعتبار سے پُرکشش انداز میں دنیا کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی پوری پوری صلاحیت بھی رکھتا ہو.

لہذا جب ہم دنیا میں رائج نظام ہائے معیشت کا ذکر کرتے ہیں، تو ہمیں یہ بات ماننا پڑے گی کہ معاشیات عہدِ حاضر کا اہم ترین موضوع ہے، اور طاقتور معیشت اسوقت کا اہم ترین ہتھیار ہے، پہلے اسلحہ کے زور پر قوموں کو محکوم بنایا جاتا تھا، اور انہیں تباہ کیا جاتا تھا، جبکہ آج آلاتِ حرب میں اسلحے سے کہیں زیادہ معیشت کو اہم ترین ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، کہ امریکہ اگر جاپان کو زیر نہ کرسکا تو کیا، محض معیشت کے ذریعے اسنے اُسے انتہائی پرخطر حالات **Crises** میں مبتلا کردیا، اسی طرح ہمارا ملک پاکستان، بھی آئی ایم ایف **International Monetary Fund** سمیت دیگر **World Bank** جیسے انٹرنیشنل اداروں کے ہاتھوں گروی رکھا جاچکا ہے. اور **سود** در **سود** **Compound Interest** وصول کرکے ہمیں مزید بدحال وبدتر کیا جارہا ہے. چنانچہ ایک طرف ہمارے ملک کی معاشی بدحالی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے تو دوسری جانب ہمارے ملک کے

---

(۱) نعمانی، شبلی وندوی سید سلیمان، علاّمہ 'سیرۃ النبی ﷺ'، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، اگست ۱۹۸۴ء/ص ۲۱۱

روپے کی قدر میں روزمرّہ کی اشیائے صرف کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ کا باعث بنی ہوئی ہے، ایسی صورت میں اگر ہم اپنی معیشت کو نظریاتی معیشت میں تبدیل کرنے کی سعی نہ کریں تو ہم اپنے دین وملّت کے ساتھ ناانصافی کے مرتکب ہوجائیں گے، لہٰذا ایسے حال میں اسلامی بینکاری کا قیام عمل میں لانا ہے از خود ناگزیر عمل ہے.لیکن اس عمل میں اسلامی معیشت کے شرعی قوانین کی درجہ بندی اور انکے لاگو کرنے کی کوششیں ایک احسن عمل ثابت ہوگا.لہٰذا اسی تناظر میں ''**اسلامی معیشت**'' کی اہمیت اور اس کام کی ضرورت واضح ہوجاتی ہے. جبکہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے اسلامی بینکوں کے پاس قوانین کی انتہائی سہل انداز میں تشریحات یعنی **Interpretation of Islamic Economic Terminologies** کی بے انتہاء کمی محسوس ہوتی ہے. چنانچہ اسلامی معیشت کے موضوع پر میرے اندازے کے مطابق ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی اور لٹریچر کی اشد ضرورت ہے.

ہمارے ملک پر معاشی اعتبار سے جو سخت ترین دباؤ ہے، اور یہ دباؤ ڈالنے والے یہود و نصاریٰ کے اقتصادی ادارے ہیں جو قرض کی آڑ میں ہم سے سود در سود رقوم وصول کرکے ہمارا مزید استحصال کر رہے ہیں. اسلامی معیشت نہ صرف ہمیں سود سے نجات دلائے گی بلکہ اسکے باعث اللہ کی رحمت و فضل اسی انداز میں حاصل کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوگا جیسا کہ قرآنِ کریم میں بعد از صلوٰۃ و ذکر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں پھیل جانے اور اسکا فضل تلاش کرنے کی دعوت دی ہے:

'فاذا قضیت الصّلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله' (۱)

پھر جب نماز ادا کی جاچکے، تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو.

حضرت ابراھیم علیہ السّلام کی دعاء تھی جب آپ نے مکّہ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر مکمّل فرمائی تو یہ دعا فرمائی:

'ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرّم ۷ ربنالیقیموا الصلوۃ فاجعل أفئدۃ من النّاس تھوی الیھم وارزقھم من الثّمرات لعلّھم یشکرون' ○

'اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حُرمت والے گھر 'بیت اللہ' کے پاس بسائی ہے، اے ربّ! یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں، پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو اُنکی طرف مائل کردے اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تاکہ یہ شکرگزاری کریں.'

اس دعاء سے بھی معاشی امور کی جانب متوجّہ کیا گیا ہے.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الجمعہ/۶۲:۱۰

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ ابراھیم/۱۴:۳۷

مقالہ کی اہمیت اور غرض و غایت

عصر حاضر میں مذہب کی طاقت کو تسلیم کیا جاچکا ہے اور یہ بات طے ہے کہ مستقبل کی تاریخ مذاہب کی بنیاد پر متعین ہوگی، اگر ہم معیشت کو سود اور کسبِ حرام سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنوں اور غیروں کو مذہب کے حوالے سے ہی معیشت کے استحصالی پہلوؤں سے آگاہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کو انکی کتب مقدسہ کے ذریعے ہی قائل کرنا ہوگا، کہ سود دراصل معاشرتی و معاشی استحصال کا بڑا سبب ہمیشہ سے تھا اور رہے گا. یہی وجہ ہے کہ اسپر قدغن لگا کر اللہ سبحانہ وتعالی نے ہر دور میں اپنے نبیوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے. یہ مسئلہ صرف اسلامی دنیا ہی کا نہیں، بلکہ جو مذاہب آسمانی کتب پر یقین رکھتے ہیں، یا انکا یہ دعوی ہے کہ وہ کتب سماوی **Heavenly Books** کے پیرو ہیں، ان پر یہ بات خاص طور پر لازم آتی ہے کہ وہ اپنی قوم کو سود اور حرام کمائی کی لعنت سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کریں. جیسا کہ امریکہ کے ایک اسکالر نے جو خود کیتھولک مسلک کے پیرو ہیں، اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے کہ دور جدید کی مادّہ پرستی **Materialism** اور جدیدیت پسندی یا روشن خیالی **Modernalism or Modernity** اگر اسی طرح جاری رہی تو مذہب کو صفحہ ہستی سے مٹادے گی. وہ لکھتے ہیں:

> **Modernity meant secularism, which in turn meant the exclusion of religion from the public life and decision-making process of society.(1)**
>
> **ماڈرنٹی کے معنی لادینیت کے ہیں، جسکا لازم نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانوں کی ایک فیصلہ کن جماعت کی زندگیوں سے مذہب بالکل نکل جائے گا.**

ہمیں معاشرے میں مذہبی آزادی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے معاشروں کی مذہب کی بنیاد پر تعمیر کرنا پڑے گی وگرنہ ہم مذاہب سے باہر کی دنیا کے زہریلے اثرات سے نہیں بچ سکیں گے. لہذا 'سود' و 'حرام کمائی' جیسے زہر قاتل سے نہ صرف دنیا کو آگاہ کریں بلکہ معاشرے سے نکال باہر کرانے کے لئے ان مذاہب کو اپنے خیالات پر متفق کرنے کے کوشش کریں اور اہل کتاب **Scripture Holders** کو یہ بات بھی باور کرادیں کہ اللہ تعالی نے سود اور حرام کمائی کو ہر مذہب میں مشترکہ طور پر ممنوع قرار دیا ہے.

آپ ﷺ نے اپنے دور کی سپر پاور روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل اور دیگر بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے جن میں سے ایک خط میں آپ ﷺ نے قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کے ذریعے اہل نصاری کو مخاطب فرمایا تھا:

---

(1) Davis, Charles, Religion and the making of Society, Cambridge University Press 1994,Uk/ page-39

'قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینا کم' (۱)

آپ ﷺ! کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔

یہ بات جس اعتماد سے کی جارہی ہے اس پر تائید امریکہ کے ایک اور پروفیسر ڈاکٹر چارلس بینسن کا ایک جملہ نقل کیا جارہا ہے جس کو پاکستان کے ممتاز قلمکار جناب ایم اے منّان نے اپنی کتاب 'اسلامی معیشت تھیوری اینڈ پریکٹس' کے دیباچہ رقم کیا ہے:

To me, there is an urgent need for synthesis between economic progress and preservation of moral and spiritual values. (2)

میرا خیال ہے کہ اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ اخلاقی و روحانی اقدار کو معیشت سے ہم آہنگ کیا جائے۔

مندرجہ بالا خیالات سے ظاہر ہورہا ہے کہ پروفیسر بینسن اس بات سے متفق ہیں کہ دنیا کے معاشی نظام میں روحانی و اخلاقی اقدار جیسے اجزاء کی بہت حد تک نہ صرف کمی ہے بلکہ اس موضوع پر کام کی اہمیت کی جانب ایک اشارہ بھی ہے۔

اخلاقی ہوں یا روحانی اقدار، ہر ایک کا بنیادی ڈھانچہ صرف اور صرف مذہب کی پیروی سے مل سکتا ہے۔ لہذا میں نے اپنے مقالہ کا موضوع یہ رکھا ہے:

'اسلام کی معاشی تعلیمات کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابلی مطالعہ!'

❁❁❁

ہماری غرض و غایت معیشت کو مذہب سے ہم آہنگ کرنا ہے!

جب ہم دنیا میں رائج دیگر نظام ہائے معیشت **Economic System** کا ذکر کرتے ہیں، تو وہ صرف اشتمالیت/ کیمونزم **Communism** یا اشتراکیت/ سوشلزم **Socialism** پر مشتمل ایسا نظام معیشت ہے، جو دنیا میں رائج مذاہب سے بیگانہ ہے۔ اور نہ اس حد تک مذہب سے دور ہے کہ سرمایادارنہ نظام/ کیپٹیلزم **Capatilism** کے نام پر مذہب کی اہمیت کو کم سے کم کرنے کے درپے ہے۔ جبکہ اسلام نے معاشرہ کو ایک مکمل ضابطہ حیات قرار دیا ہے نہ کہ وہ کوئی منطقی خیالات پر مبنی محض ایک فلسفہ یا پیراڈی **Parody** ہے، بلکہ اسلام نے تو تمام معاشرتی و اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ

---

(۱) قرآن کریم: سورۃ آل عمران/۳:۶۴ بحوالہ سیرت النبی ﷺ، شبلی نعمانی، بحولہ سابقہ

(2) M. A. Mannan, Islamic Economics Theory & Practice, Sh. Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar, Lahore-1975/page-vii; referred to Dr. Charles S. Benson, Professor, University of California, Berkeley, U.S.A.

دیگر اہم اصول وقوانین میں معیشت پر بھی عمیق پہلو سے روشنی مہیا کی ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا بھر کے تمام مذہبی و غیر مذہبی معاشروں کے آپس میں لین دین کو پروان چڑہانے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے بلکہ تمام دنیا سے ابتری، ظلم و جبر کے خاتمہ کی وجہ بن سکتا ہے. علاوہ ازیں اگر ہم مذہبی دنیا سے اس قسم کا کوئی بھی قابل ذکر وقابل عمل پہلو سامنے لاسکتے ہیں تو ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم اس دنیا کے ان مذاہب کو بھی خاطر میں لائیں جنکی بنیادیں دراصل آسمانی کتب پر مبنی ہیں، جنکی تصدیق وتکذیب کے لئے اسلام نے انتہائی رواداری کے ساتھ واضح اصول مرتب کردیا ہے کہ:

' لاتصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوهم وقولوا امنا بالله وما انزل الینا' . (۱)

اہل کتاب کی نہ تصدیق کرواور نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر.

لہذا ایک پہلو تقابل ادیان کا رہ جاتا ہے کہ جس میں یہ بات شامل ہے کہ موازنہ برائے تنقید وتنقیص نہ ہو بلکہ برائے اصلاح ہوتا کہ اگر کسی کو ہدایت کا راستہ نظر آجائے تو اس سے اچھی اور کونسی بات ہوسکتی ہے.

مقصدِ تحقیق و منہج

اس ضمن میں میری کوشش ہے کہ آسمانی کتب مقدسہ کی روشنی میں معیشت کے اُن پہلوؤں کو اجاگر کروں جن میں معیشت اہل کتاب کے مذاہب سے ہم آہنگ ہوسکے اور اہل کتاب 'یہود ونصاریٰ' **Jews & Christians** اور مسلمانوں **Muslims** کے ساتھ ملکر اس دنیا سے '**سود و حرام کمائی**' **Interest and Unlawful earning** کا باب بند کر کے دنیا کو اقتصادی امن کا گہوارہ بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں. چنانچہ یہ امید ہے کہ یہ تحقیق نہ صرف اہل کتاب کے درمیان مواخات قائم کرنے میں بہترین راہنمائی کرسکتی ہے بلکہ دیگر مذاہب کو بھی اس سے فطری فوائد حاصل ہوسکیں گے. میرے علم میں نہیں ہے کہ اس قسم کی کوشش اس سے قبل کسی ماہر معاشیات **Economic expert** نے کی ہو، بلکہ مجھے اپنی تحقیق کے دوران کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ملی جو معاشیات کا تقابلی مطالعہ مذاہب کے تناظر میں پیش کرسکے. جس میں یہ بھی بتلایا گیا ہو کہ قرآن کریم معاشیات کے حوالے سے جن باتوں کی تعلیم دیتا ہے، وہی تعلیم تمام آسمانی کتب و مذاہب میں موجود ہیں. یہ اور بات ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنی اپنی مذہبی تعلیمات کو دنیاوی معاملات میں بروئے کار نہیں لاتے، جسکے باعث یہود ونصاریٰ اپنی مذہبی تعلیمات کو بھلا کر بین الاقوامی استحصالی نظام کی بنیاد روایتی بینکاری **Conventional Banking System** میں موجود نظام

---

(۱) شفیع، حضرت مولانا مفتی محمد، ادارہ المعارف، کراچی، نمبر ۱۴/ ج ۱/ ص: ۳۶ بحوالہ جواہر الفقہ.

قرض Interest based system کے چنگل میں خود پھنس کر اب اُسی نظام کو پروان چڑہانے پر مجبور و بے بس ہیں، جسکی وجہ سے بھوک و افلاس کا دور دورہ تمام دنیا میں عمومی شکل اختیار کر چکا ہے.

اصولِ تحقیق

میں نے اس سلسلہ میں آسمانی مذاہب یعنی یہودیت وعیسائیت اور انکی مذہبی کتب مقدسہ جیسے تورات Torah ، زبور Zaboor اور انجیل Bible وغیرہ سے معاشی احکامات وتعلیمات اخذ کر کے ابواب کی مذکورہ ترتیب کے مطابق یکجا کرنے کی کوشش کی ہے. اسی لئے میں نے اپنے اس مقالہ میں ہر باب میں جہاں فصل اوّل رکھی ہے، وہاں پر لفظ 'دیگر آسمانی مذاہب' کو ترتیبا اوّل رکھا ہے، 'اسلام' بھی آسمانی مذاہب میں شامل ہے، مگر اسلام سے متعلق مباحث کو اُسی باب کی فصل دوم میں جمع کر کے اُنہیں حتمی قرار دیا ہے. یوں لفظ ' دیگر' سے خاص طور سے یہ مراد لی گئی ہے کہ فی الوقت یہاں پر یہودیت وعیسائیت سے متعلق تعلیمات سے بحث جاری ہے. آخری باب میں قرآن کریم کی معاشی تعلیمات و امتیازات و وسعت اور اثر پذیری کا جائزہ بھی شامل کیا ہے، مجھے امید ہے کہ مقالہ نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی معیشت کا رخ بہتر بنانے، اور مذاہب سے ہم آہنگی پیدا کرانے میں اہم کردار ادا کرے گا، بلکہ دیگر مذاہب کے متبعین کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکے گا.

اس تحقیق کے آغاز میں سب سے مشکل کام اُن حقائق کو جمع کرنا تھا جو درحقیقت کراچی کی لائبریریوں میں دفینہ کے طور پر موجود تو ہیں لیکن اُن تک رسائی محققین کے بس کی بات نہیں. اس حقیقت سے روشناس کرانا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ ہمارے شہر کی یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں ایک ریسرچ اسکالر کی پہنچ انتہائی مشکل و ناممکن عمل ہے، جسکے بہت سارے پہلو ایسے بھی ہیں جو اس موقع پر زیر بحث نہیں لائے جاسکتے، البتہ اشارۃ اتنا عرض ہے کہ لائبریری کا نگہبان عملہ بے تاج بادشاہ بنا بیٹھا ہے، وہ اسکالر کو جس کیٹلاگ سے کتاب کی تلاش کرنے کا اشارہ کرتا ہے وہ کیٹلاگ جو زندگی میں ایک مرتبہ بنتی ہے، شاید پھر اُسکی کسی بھی موقع پر دوبارہ درجہ بندی نہیں کی جاتی، جسکے باعث اکثر ایسا ہوا کہ گھنٹوں صرف کر کے جب اپنے موضوع سے متعلق کوئی کتاب حاصل کرنے کا غالب گمان ہوا تو انکشاف ہوا کہ یہ کتاب تو عرصہ دراز ہوا ضائع ہو چکی ہے، یا پھر کتاب نکل آئی تو اسکا وہ معیار سامنے نہیں آسکا جو کہ کیٹلاگ سے پتہ چلا تھا، بہر حال پھر بھی میں ہمدرد یونیورسٹی اور جامعہ کراچی کے ایک ذیلی ادارے، ایم بی اے کی لائبریری اور نیپا اور اسٹیٹ بنک کی لائبریریوں سمیت شہر کی دیگر چھوٹی بڑی لائبریریوں کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکوں گا کہ جنکے نگہبان حضرات کا بھی مجھے مکمل تعاون حاصل رہا اور اسکے علاوہ مجھے اِن لائبریریوں سے بہت حد تک مفید مواد حاصل ہو سکا.

اس تحقیق میں جس حد تک میں جاسکا وہ سمندر میں محض ایک سوئی کو ڈبونے اور اس کی نوک پر آنے والے پانی کے

قطرے کو جمع کر لینے کے مترادف ہے- اس دوران اللہ تعالی کا شکر ہے کہ مجھے عمرہ کی غرض سے حرمین الشریفین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو اپنے محترم استاد پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدّین ثانی صاحب کی ہدایت پر خصوصی طور پر پیدائش گاہ نبی ﷺ، عقب حرم کعبہ شریف میں موجود لائبریری اور مسجد نبوی ﷺ کی حاضری پر مسجد کے احاطے میں موجود ریسرچ لائبریری دیکھنے اور وہاں سے عربی زبان میں مواد حاصل ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا کوئی شک نہیں کے صرف انہیں دو لائبریریوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عربی زبان کتنی وسیع ہے اور تقابل ادیان پر عربی زبان میں لاتعداد کتب موجود ہیں، بس صرف اُنکے پڑھنے کا سلیقہ اللہ تعالی ہم سب کو عطا فرمادے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر اور کوئی مشغلۂ دُنیا نہیں کہ جس سے روشن ہو سکے سارا جہاں!

اسکے برعکس بلاتبصرہ ملاحظہ کیا جائے کہ جب میں کراچی کے گلشنِ اقبال 13-D کے علاقے میں موجود کرسچن لائبریری جسکے صدر دروازے پر بڑے الفاظ میں یہ تحریر ہے' Library Dominican House of Studies, Karachi ' میں جب بغرض تحقیق و مطالعہ وہاں پہنچا تو وہاں پر موجود لائبریرین صاحب نے مجھے کمرے میں داخل ہونے ہی سے منع کر دیا گیا، اور کہا کہ:

"Sorry, we can't show you our Religious Library, that is particular for Christian Student"
Librarian. DHSK

بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　　یہ تو چلتی تجھے اونچا اڑانے کے لئے ہے

اس شعر کے مصداق، درجہ بالا حالات کے پیشِ نظر میں نے اپنی ریسرچ کا دائرہ اور وسیع کرنے کی ٹھان لی، جس کے باعث اللہ ربّ العزت کی خاص مدد شاملِ حال ہوئی اور یہود و نصاری کے مذہبی افکار سے متعلق انتہائی قیمتی، عمیق اور ضخیم مواد اپنی جستجو و لگن اور دن رات کی انتھک محنت سے تلاش کر ہی لیا، جس کی روشنی میں آج میں یہ اپنا تحقیقی مقالہ برائے ڈاکٹریٹ آف فلاسفی- پی ایچ ڈی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کر رہا ہوں. اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس مقالہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں.

محمد بلال

لیکچرار، اسلامک اسٹڈیز

ہیومنیٹیز ڈیپارٹمنٹ، این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی

اینرولمنٹ نمبر: وائی/۰۱۹/۲۰۰۳ء

۲۳ ذوالقعدۃ-۱۴۳۰ھ/۱۲ نومبر-۲۰۰۹ء

✿✿✿

خلاصۂ بحث

اسلام کی معاشی تعلیمات کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابلی مطالعہ

ابتدائیہ

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور یہ بات اسکی تعلیمات کے شایانِ شان نہیں کہ کسی دوسرے مذہب کے خلاف لوگوں کو اُکسایا جائے، اور انہیں برملا بُرا بھلا کہنے کی اجازت دے، بلکہ اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ بغیر کسی وجہ کے کسی بھی مذہب کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنا، قرآنِ کریم کی رو سے ممنوع ہے:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیرِ علم ط (۱)

اور نہ کہو اُن خُداوں کو بُرا بھلا، جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بوجہ جہالت کے، تمہارے اللہ کو بُرا بھلا کہہ بیٹھیں،

یعنی جو لوگ شرک کے گناہ میں تو پہلے ہی سے مبتلا ہیں پھر تمہاری ضد میں آ کر اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی کے مرتکب نہ ہو جائیں. اسکے برعکس اسلام نے دوستی کے ضمن میں یہ تعلیمات دی ہیں کہ جو اسلام کے ماننے والوں کو چین سے رہنے دیتے ہیں اُن غیر مسلموں کے حُسنِ سلوک کا حکم ہے. جسکی طرف قرآنِ کریم کی درجِ ذیل آیت رہنمائی کرتی ہے:

لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدّین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم ط (۲)

جن لوگوں نے تم سے تمہارے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا، اُنکے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا.

یہ آیت اسلام کے امن پسند مذہب ہونے کی طرف ایک بڑا اشارہ ہے، جس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آسمانی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں کون کون سی ایسی قدرِ مشترک اخلاقی و اعتقادی باتیں موجود ہیں جنکو تلاش کر کے انہیں ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے اور وہ موجودہ دور کے سب سے بڑے چیلنج گلوبلائزیشن اور بین المذاہب مکالمہ کی رو سے بھی یکسانیت کے پیمانے پر پوری اُترتی ہوں، جو 'اسلام کی معاشی تعلیمات' بھی دیگر موضوعات میں سے ایک ہے، جس کو دیگر آسمانی مذاہب کی معاشی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے.

لہٰذا اس تحقیقی مقالہ میں حد درجہ کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی قسم کی مذہبی منافرت پیدا کئے بغیر، مذہبی رواداری کے ایک

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الانعام/۶:۱۰۸

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الممتحنہ/۶۰:۸

نئے باب کو کھولنے کی سعی کی گئی ہے. اس مقالہ میں درجِ ذیل نکات کا اختصار کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے. اس تحقیق میں ابواب کی ترتیب کچھ یوں رکھی گئی ہے:

پہلا باب

معاشیات کی اہمیت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

پہلے باب میں ہم نے آسمانی مذاہب کا تعارف اور چند دیگر غیر آسمانی مذاہب کا بھی انتہائی اختصار سے تعارف کرایا ہے، تاکہ تحریر میں کہیں کسی مذہب کا کوئی اہم نکتہ سامنے آجائے تو بابِ اوّل کی مدد سے اُس مذہب کا فوری تعارف حاصل کیا جاسکتا ہے دیگر یہ کہ اس باب میں سب سے پہلے مذہب کی عمومی وخصوصی تعریفات کو شامل کیا گیا ہے، تاکہ وہ حضرات جن کا تقابلِ ادیان سے تھوڑا بہت بھی واسطہ نہ رہا ہو، وہ بھی ابتدا ہی سے مذہب کے مزاج کو سمجھ کر آگے آنے والی مذہبی ونظریاتی معیشت کی بنیادوں کو سمجھنے میں ممکنہ طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں.

پہلی فصل

پہلی فصل میں معاشیات کی اہمیت کی آسمانی مذاہب کی روشنی میں تحقیق کی گئی ہے. جس کے لئے پہلے مذاہب کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جسمیں الہامی وغیر الہامی مذاہب کو اس بیان کیا گیا ہے کہ الہامی مذاہب کی بنیاد 'وحی' پر ہے، جسکی علیحدہ تعریف اس فصل میں شامل ہے. وحی سے مراد وہ آسمانی صحائف و کتب ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف رُسُل پر نازل ہوئیں. جیسا کہ صحیفہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر، کتب میں سے زبور حضرت داؤد علیہ السّلام پر، تورات حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر اور آخری کتاب قرآنِ کریم آخری نبی و رسل حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئیں.

اسلام سے پہلے کے الہامی مذاہب میں قرآنِ کریم کے علاوہ کتب کی اہمیت کتبِ مقدّسہ کی ہے لیکن اُنمیں مفقود شدہ صحائف شامل نہیں بلکہ زبور سے تورات تک کتب عہدِ قدیمہ اور انجیل عہد جدید کہلاتی ہے. عہدِ قدیمہ کے پیروکار یہود ہیں جبکہ انجیل بحیثیت عہدِ جدید نصاریٰ کی کتابِ مقدّسہ ہونے کے علاوہ، نصاریٰ عہدِ قدیم کی کتب سے بھی مذہبی رہنمائی کے لئے استفادہ کرتے ہیں.

یہودیت کی عہد قدیم یا عہدِ عتیق **Old Testament** میں تعلیمات کا نچوڑ وہ دس احکاماتِ مقدّسہ ہیں، جنھیں 'احکامِ عشرہ' **Ten Commandments** کہتے ہیں-

اسی طرح عیسائیت کی انجیلِ مقدّسہ جسے عہد جدید **New Testament** کہتے ہیں، میں اناجیلِ اربعہ ***Gosple*** کے ساتھ حوارین ***Apostiles*** کے اعمال خطوط اور مکاشفات بھی شامل ہیں.

دوسری فصل

اس فصل میں اسلام کی تعلیمات سے متعلق تعارف شامل ہے. جسمیں قرآنِ کریم، وسنۃ یعنی رسول حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ

کی احادیث پر مشتمل احکامات اور فقہ سے متعلق دیگر شرعی نصوص کے مأخذ کا تعارف کرایا گیا ہے. یہ بات سب پر عیاں ہے کہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام آخر ہے جس کے ذریعہ اتمامِ حجت قائم کردی گئی ہے کہ اب دنیا پر سیاسی، معاشرتی یا معاشی اور سائنسی میدان میں کسی بھی قسم کی تبدیلیاں کیوں نہ رونما ہوجائیں لیکن اسلام کے مأخذِ شریعہ ایسے جامع ومانع ہیں کہ اب کسی اور احکامِ سماوی کی ضرورت باقی نہیں. تمام باتوں کا حل اسلام کی معاشی تعلیمات میں موجود ہونا خود ایک معجزہ سے کم نہیں. لہٰذا اس باب میں اہلِ کتاب کے انہیں مذہبی مآخذ سے اسلام کی معاشی تعلیمات کے تقابل کے لئے استفادہ کیا گیا ہے.

دوسرا باب

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

دوسرے باب میں کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں پیش کی گئی ہے. معاشیات کی تعلیمات ہوں یا مذہبی و دینی معاشی تعلیمات ہوں اُن سب میں حلال وحرام کے درمیان بنیادی تمیز کرنے کا تصور موجود ہونا ایک ناگزیر انسانی ضرورت ہے. لیکن لادینی معاشی نظام میں صرف سطحی اونچ نیچ اور سچ اور جھوٹ کے علاوہ کسی بھی طرح حلال وحرام کا تصور موجود نہیں ہوتا. لیکن جب آسمانی مذاہب کا گہرائی سے مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حلال وحرام کے درمیان تمیز قائم کرنے کا تصور تمام آسمانی مذاہب میں نہ صرف موجود ہے بلکہ اس پر انسانی معاشرے کی بنیاد ڈالی گئی ہے.

پہلی فصل

پہلی فصل میں یہودیت وعیسائیت کے مأخذ شریعہ سے یہ بات منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ حلال وحرام دونوں مذاہب کی تعلیمات میں یکساں موجود ہیں. مثلاً ذبیحہ کا تصور جسمیں جانور کو احکام خداوندی کے مطابق حلال کرنے اور اسپر غیراللہ کے نام لینے سے بچنے کے صریح احکامات آج تک کی کتبِ سماوی میں موجود ہیں.

اس فصل میں سب سے پہلے کسبِ حلال اور حرام کی تعریفات پیش کی گئی ہیں. جس کے لئے مختلف انواع کی لغات سے استفادہ کرتے ہوئے، کسبِ حلال کے لئے **Lawful Earning** اور کسبِ حرام کے لئے **Unlawful Earning** کے الفاظ کو ثابت کیا گیا ہے. جیسا کہ یہود کی شرعی کتاب تورات میں ذکر ملتا ہے:

> شریروں کے راستہ میں نہ جانا- اور بُرے آدمیوں کی راہ پہ نہ چلنا- اُس سے بچنا- اُسکے پاس سے نہ گذرنا- اس سے مُڑ کر آگے بڑھ جانا. کیونکہ وہ جب تک بُرائی نہ کرلیں سوتے نہیں- اور جب تک کسی کو گرا نہ دیں، انکی نیند جاتی رہتی ہے. کیونکہ وہ شرارت کی روٹی کھاتے اور ظلم کی مے پیتے ہیں- لیکن صادقوں کی راہ نُورِ سحر کی مانند ہے. جسکی روشنی دوپہر تک بڑھتی جاتی ہے. شریروں کی راہ تاریکی کی مانند ہے.(۱)

(۱) عہد نامہ قدیم؛ امثال/۴:۱۴-۱۹

عیسائیت میں حرام مال کھانے کی ممانعت میں بتوں کی مکروہات یعنی چڑھاوے، حرام کاری وفواحشات کا پیشہ اور اُس سے حاصل شدہ آمدن کے احکامات، بھی شامل ہیں جبکہ مذہب عیسائیت میں اپنے ہاتھ کی کمائی اور محنت میں عظمت کے پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ مثلاً:

''اور ہم نے مناسب جانا کہ اِن ضروری باتوں کے سوائم پر اور بوجھ نہ ڈالیں۔ کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو۔ اگر تم اِن چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے۔ والسلام۔''(۱)

دوسری فصل

دوسری فصل میں حلال وحرام کے تصوّرات کو واضح کیا گیا ہے. جسمیں کہ تجارت کو جائز اور سود کو حرام، شادی کو جائز مجرد زندگی کو ناپسندیدہ اور زنا کو حرام، پاکیزہ کھانے پینے کی اشیاء کو حلال اور نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دے کر حقیقت پسندی اور مثالیت کو جمع کر دیا ہے، اسی طرح دینی اور اخلاقی اقدار کے تحفظ کے ساتھ ساتھ بشری ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے، یعنی ان ضروریات کو پورا کرنے میں محرمات، رذائل اور گندی چیزوں سے اجتناب کیا جاتا ہے. چنانچہ اسلام میں درج ذیل خصوصیات کے باعث حلال وحرام کے تصوّرات کا احاطہ کیا گیا ہے:

یاایھاالنّاس کلوا مما فی الارض حللا طیبا ز ولا تتبعوا خطوت الشّیطن ط انّه لکم عدومبینo (۲)

اے لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ. اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے.

اسلام میں حلال وحرام کا تصور تمام آسمانی مذاہب سے زیادہ واضح ہے حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جانا ایمان کے لئے خطرہ کا باعث ہے حلال رزق میں انسانی زینت کی عظمت پنہاں کی گئی ہے. قرآن مجید کی روشنی میں تجارت کا آغاز مبارک دن یعنی جمعہ سے ہوتا ہے. تجارت کے شعبہ کو سب سے زیادہ احترام دیا گیا اور اسمیں برکتیں عمومی کاموں سے کہیں زیادہ رکھی گئی ہیں، پھر اسلام نے دورِ جہالت میں کمانے کی مختلف شکلوں کو حرام قرار دیا، جیسا کہ غرر، شراب وجواء، سٹہ وقمار کا استعمال اور انکی آمدنی کو قطعاً حرام قرار دیا. ساتھ ہی تجارت کے اصولوں میں ناپ تول میں کمی کی حرمت کا شرعی پہلو، قسمیں کھانا، جھوٹ بولنا اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کو بالخصوص قانونی شکل دی گئی ہے. احادیث مبارکہ سے حلال وحرام کا بیّن فرق ثابت کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ کے معاشی اسوۂ حسنہ کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے. اس میں تقابلی طور پر اہلِ کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی نوعیت اور وہ جاندار جو بظاہر حلال ہیں اور اُن پر اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے تو وہ حرام کیسے ٹھہر جاتی ہیں، پر دلائل شامل ہیں. آخر میں حلال وحرام کے درمیان تفریق کو وضاحت سے سمجھانے کے لئے ایک ایسی حدیث کا بیان کیا گیا ہے جس میں ایک

---

(۱) عہد نامہ جدید؛ اعمال/۱۵: ۲۸-۲۹

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲: ۱۶۸

درمیانی راستہ کی شکل کو'شبہہ' کہتے ہیں، جو حلال وحرام کے درمیان رہ کر مشتبہ کہلاتا ہے. جسکا تعلق اندر کی چھپی ہوئی دنیا پرستی اور منافقت سے ہے. اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جو آیات اُتاری ہیں، ان آیات میں رُسُل یا انبیاءِ کرام تک کو شبہات سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السّلا اور خضر علیہ السّلام کا واقعہ جو سورۃ کہف میں نازل ہوا، بطورِ مثال کافی ہے.

تیسرا باب

سود آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

دنیا میں معاشی نظام کی تباہی کا سب سے بڑا سبب سود ہے، جسے مختلف عنوانات سے موسوم کر کے دیگر اہل کتاب کے مذہبی پیروکار اور لادینی قوتوں کے اہلکاروں نے اپنے لئے جائز قرار دینے کی بے شمار اقسام وشکلیں بناڈالی ہیں، چنانچہ معیشت کے حوالے سے یہ بات شدّت سے محسوس ہوئی کہ معاشی نظام کے اس ناسور کو دنیائے عالم کے سامنے ایسی صورت سے بے نقاب کیا جائے کہ جس میں سود کے حرام کئے جانے کا الزام محض مذہب اسلام اور قرآن وسنّت ہی پر نہ لگایا جاسکے، بلکہ دیگر آسمانی مذاہب کے مآخذِ شریعہ (جنکا تعارف پہلے باب میں کیا جاچکا ہے) سے ثابت کیا جائے کہ سود پر پابندی صرف اسلام ہی نے نہیں بلکہ پچھلی امتوں کی شریعتوں نے بھی لگائی تھی، جسے اُن مذاہب کے ماننے والوں نے یا تو اپنے مفاد کی خاطر چھپا رکھا تھا یا پھر لوگوں کو جان بوجھ کر اس بات سے بے خبر رکھا گیا تاکہ سود پر پابندی کا الزام محض اسلام ہی پر عائد رہے. لہذا اس ضمن میں اس باب میں دیگر آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں سود کے حرام کئے جانے کی مدلل تفصیل و بحث شامل کی گئی ہے. اور اس کے تقابل سے پیشتر لفظِ سود، جسے عربی میں 'رباءٗ، اردو و فارسی میں 'سود' اور انگریزی میں یوژری یعنی **Usury** اور عام فہم انگریزی زبان میں '**Interest**' کہتے ہیں، کی مدلل تعریف کے لئے متعدد لغات کا سہارا لیا گیا اور یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سود ہر حال میں سود ہی ہے جسے دنیا کی تمام آسمانی کتبِ مقدسہ باطل وحرام قرار دے چکی ہیں، لہذا لادینی طبقہ کی اقتصادیات میں لفظِ سود کی کسی بھی قسم کی تعریف سے اُسکی حُرمت کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے.

پہلی فصل

اس فصل میں سب سے پہلے یہود کی کتب و احکامِ شریعہ مثلاً تالمود و احکامِ عشرہ اور تورات وغیرہ سے سود کی اصل حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اہلِ یہود کے یہاں بھی سود حرام قرار دیا گیا تھا اور وہ آج بھی اُسی طرح انکی کتبِ مقدسہ میں موجود ہے. لیکن کن حربوں سے انہوں نے سود کھانے کی ترکیب نکالی اُسکی مثال اس جملہ سے لی جاسکتی ہے کہ: یہودی اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دے، بلکہ اُسکے لئے کسی غیر یہودی کا انتخاب کرلے، ان جیسی بیشتر امثال سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سود کا حرام ہونا بدرجہ اتم یہودیت میں موجود ہے.

دوسری جانب عیسائیت میں سود کی ممانعت کے لئے انجیل مقدسہ سے دلائل کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے، جسکے بعد

اصل وجہ یہ معلوم ہوسکی کہ۔کلیساء ہی عیسائیت میں سود کو عام کرنے کا ذمہ دار ہے، جسکولوگ امانت دار کہا کرتے تھے، اُسی کلیساء کی تاریخ پر عمیق نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کلیساء ہی کے علمبرداروں کی دولت جمع کرنے کی طمع ولالچ، نے فطرت کی جانب سے حرام کردہ سود کو مختلف بہانے بازیوں سے اپنے اور اپنے ماننے والوں کے لئے جائز قرار دے دیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ مابعد مسیح علیہ السلام، عیسائیوں نے سود کھانے کی باقائدہ قانونی شکلیں بھی مرتب کرلیں. اور یہود و نصاریٰ کے مابین سود کا لین دین شروع ہوکر غیر یہود تک پہنچنے لگا اور پھر اسکی کی ماہانہ وسالانہ شرح طے کی جانے لگی؛ وغیرہ کی جامع تفصیل اس فصل میں پیش کی گئی ہے.

دوسری فصل

اس فصل میں اسلام میں سود کی حُرمت کو قرآن وسنّت اور اجماعِ شریعہ سے ثابت کیا گیا ہے، اور اس بات کا کھل کر موازنہ کیا گیا ہے کہ کس طرح دنیا کی لادینی معیشت کے نظام نے عوام الناس کو مذہب سے نہ صرف دور کیا بلکہ مذہبی معیشت کے پہلوؤں کو دنیا میں عملی اعتبار سے ناکام ثابت کرنے کی ناپاک کوشش بھی کی، جسکے باعث آج مسلمان بھی یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ آیا غیر سودی لین دین کے تجارت میں کیسے نفع ممکن ہے؟ لہٰذا اس بات کو قرآنِ کریم وسنّتِ رسول ﷺ اور اجماعِ صحابہ کے احوال واقعی سے سود کی حُرمت پر آیاتِ مبارکہ کو مع سیاق وسبق کے سامنے لایا گیا ہے، تاکہ سود کی حُرمت کی مختلف حکمتوں کا پتا چل سکے، جیسا کہ سود پر پابندی کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ آیات حضور نبی اکرم ﷺ کی مکّی زندگی سے شروع ہوکر مدنی زندگی کے آخری ایام میں مکمّل ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کی باریکیوں کا جاننا بھی ایک بڑی حکمت کی بات ہے.

اس تحقیق سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ اہل کتاب اپنی کتبِ مقدسہ میں انتہائی سنگین تبدیلیوں کے باوجود رباء کے حرام ہونے کے تمام احکامات تبدیل نہیں کرسکے ہیں، اسلام کی جانب سے یہ پیغام انکی کوتاہیوں کی جانب متوجہ کرتی ہے، کہ اگر وہ مسلم لمّۃ کے ساتھ ملکر اپنے تیئں حُرمتِ سود کو تسلم کرلیں اور پھر مسلم لمّۃ کے ساتھ ملکر دنیا سے سود کے لین دین کے خاتمہ پر متفق ہوجائیں تو اسلام کے بتلائے ہوئے اصولِ تجارت، اور سودی نظاموں سے بچنے کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کا سدِّ باب ممکن ہے. اور سودی لین دین جیسی بیماری کے علاج کا واحد حل بھی یہی ہے، جس کو اپنا کر وہ تجارتی دنیا میں ایک انقلاب برپا کرسکتے ہیں، جسکے باعث نہ صرف بلاسودی تجارت اور بلاسودی بینکاری کو فروغ حاصل ہوگا بلکہ ایسی مجموعی کیفیت میں تمام مذاہب میں ہم آہنگی کا دور دورہ ہوجائے گا.

چوتھا باب

ملکیت کا تصوّر آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

یہود ونصاریٰ کے یہاں محض اچھائی، بُرائی کے تصوّرِ مجازی کے علاوہ مریضوں کی تیمارداری جسے مسیحائی بھی کہا جاتا ہے، کے

علاوہ ناممکن سا نظر آتا تھا کہ انسانیت کے اس منفعت بخش پہلو پر کوئی موضوعاتی مواد حاصل ہو سکے. لیکن اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اُس نے میری مدد فرمائی اور اس نازک مسئلہ پر اہم مواد جمع کروادیا. ملکیت کا تصوّر بذاتِ خود انسانیت کے لیے ایک ناگزیر موضوع ہے، جس پر لادین معیشت میں بھی لوگوں کے حقوق ملکیت کو جاگیردارانہ نظام Feudalism کے ذریعے پامال کیا گیا ہے؛ تو کیوں یہ تصوّرات بائبل سے تلاش نہ کئے جائیں. لہذا اس موضوع سے متعلق بہت اہم معلومات چوتھے باب میں شامل کی گئی ہیں.

پہلی فصل

اس فصل میں سب سے پہلے یہودیوں میں ملکیت کا تصوّر، عہد نامہ قدیم کی روشنی میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے، لہذا بنی اسرائیل والل یہود کی ملکیت و میراث کے احکامات کا جائزہ اس فصل میں شامل کیا گیا ہے. پھر عیسائیت میں ملکیت کے تصور میں انفرادی ملکیت پر بحث کی ہے.

دوسری فصل

اسلام میں ملکیت کی اصل بناء کیا ہے، یہ احساس انسان میں کب بیدار ہوتا ہے اور اسکی اہمیت واقسام کیا ہیں اور اپنی خصوصیات کے حوالے سے وہ معاشرے میں معیشت کے میدان میں کس حد تک منفعت بہم پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہیں. مثلاً کیا اسلام زمین کی پیداواری صلاحیتوں کو تسلیم کرتا ہے؟ اور کیا اسلام میں جاگیریں حکومتوں کے زیر اثر رکھ کر آباد کی جاسکتی ہیں اور انکے تصرّفات کے کیا مسائل ہیں، وغیرہ اسمیں شامل ہیں.

پانچواں باب

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

اس دنیا میں یہود و نصاریٰ نے اسلام سے پیشتر کئی مراحل میں زندگی گزاری. جن میں سے اگر ایک وقت کسی ملک پر حکومت و ریاست قائم کرنے کا تھا تو دوسرا غلامی کا. لہذا یہ بات ضروری تھی کہ 'حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں' تاریخی حوالوں سے پرکھے جائیں. لہذا پانچواں باب اسی موضوع پر مشتمل ہے، جسکی تفصیل میں جانے سے پیشتر حکومت یا مملکت کے لغوی و اصطلاحی معنی کو تلاش کر کے انکی تعریف بیان کی گئی ہے.

پہلی فصل

تورات کی روشنی میں اہل یہود کے یہاں مملکت کے قیام کے لئے ایک خُدا کا تصوّر اور اسکے حصول کے لئے جہاد کا تصوّر فرضِ عین بتلایا گیا ہے. اس کے لئے یہودی تاریخ کے چند ادوار کو اجاگر کرنا بھی ضروری تھا، مثلاً طبقاتی نظامِ حکومت کی بنیاد اہل یہود ہی کے یہاں پڑی، اور قدیم طرزِ حکومت میں زراعت سازی کی نعمت حاصل کر لینے کے باوجود اہل یہود کے یہاں خانہ بدوشی کے

حالات کا ملنا تاریخ کا ایک حیران کن پہلو ہے.اسکے لازمی نتیجہ کہ طور پر ہولوکاسٹ جیسے واقعات نے تو ملکیت کے تصور میں حقوقِ انسانی کی پامالی کی انتہاء درجہ پر ہے. اسکے بعد بائبل میں عہدنامہ جدید کی روشنی میں ملکیت کا تصور تلاش کرنے کے لئے عیسائیت کے تاریخی ارتقاء کا مختصر جائزہ لینا از حد ضروری تھا، لہٰذا حضرت مسیح علیہ السّلام کے بعد کی عیسائی حکومتوں اور قرونِ آخر کی مغربی عیسائی حکومتوں کے بانیان اور اُنکے ذرائع آمدن کے چند ضروری احوال جمع کر کے انکے ذرائع آمدن وخرچ پر بحث کی گئی ہے.

دوسری فصل

اس فصل میں اسلام میں تصورِ ریاست کا تعارف حاصل کرنے کے بعد خلافت ومملکت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ان پر شرعی قوانین کے اجراء کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے.مثلاً اسلام میں ذرائع آمدن حکومت کے سربراہ کی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ یہ قوانینِ فطرت کے طور پر نازل شدہ احکامات سے منسلک ہیں، جنہیں حکومتی سربراہ کی ذمہ داری میں سختی سے لاگو کرایا جانا چاہئے.مثلاً بیت المال کی ذمہ داری وذرائع آمدن کے حصول کے فوری بعد اُسکے اخراجات کا اہتمام کرنا اور غیر مسلموں سے جزیہ لینا وغیرہ شامل ہیں.

چھٹا باب

اسلام کی معاشی تعلیمات اور اُسکے اثرات

اسلام کی معاشی تعلیمات اور اُسکے اثرات کا جائزہ اس چھٹے باب میں شامل کیا گیا ہے. یہ بات حقیقت پرمبنی ہے کہ تاریخ کے ہزار سال مسلم حکومتوں میں معاشی استحکام برقرار رہا جسکے باعث وہ اتنا عرصہ چین وسکون اور عفت وعظمت کی زندگی گزار گئے. کیوں یہ حالات ایسے ہیں جن کا جواب اسلام کی پُراثر معاشی تعلیمات کے مطالعہ کے ذریعے ہی ممکن ہے.

پہلی فصل

لہٰذا پہلی فصل میں اسلامی معاشی تعلیمات کا خلاصہ بطور تعریف پیش کیا گیا ہے، اور یہ بات باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آیا معاشی تعلیماتِ اسلام کی اصل بنیاد کیا ہے؟ جس میں سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سود سے مال میں کمی کا ہونا اور صدقات وزکوۃ سے مال میں برکات کا آنا ایک فطری عمل ہے، جسکی بنیاد نیتوں کی اصلاح پر ہے.لہٰذا اس فصل میں زکوۃ و صدقات کے اصول وضوابط کا ذکر انتہائی سلیس انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ دیگر اہلِ کتاب کو سمجھنے میں آسانی کے ساتھ ساتھ اسلام کے اس روشن پہلو کو اپنانے کی خواہش پیدا ہو سکے.

دوسری فصل

اس فصل میں تقابلی مطالعہ و امتیازات کو یکجا کر کے اسلام اور دیگر اہل کتاب کے مابین بیّن فرق کو واضح کیا گیا ہے.تاکہ اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لینے والے انصاف کے ترازو میں اسلام کی معاشی تعلیمات کو پرکھ سکیں. دیگر یہ کہ اگر

یہودیت میں غرباء کے لئے کچھ زکوۃ وعشر اور جان کا فدیہ تورات میں موجود ہے، اور عیسائیت میں خیرات وصدقات کی منظوری خُدائے واحد کے اختیار میں ہونا بائبل میں موجود ہے تو پھر کیوں نہ ہم ان اہل کتاب کو اس جانب راغب کریں کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ ان نیک کاموں میں حصّہ لیکر دنیا کو معاشی امن کا گہوارہ بنانے میں اسلام کا ہاتھ بٹائیں.

لہٰذا اس فصل میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ مذہبِ اسلام ہی ہے جس کے دامن عافیت میں غرباء و مساکین کے لئے اغنیاء اور اہل ثروت کی دولت پر عائد کردہ، ایک اسلامی ٹیکس ہے. یہ ٹیکس اللہ تعالی نے عائد کیا ہے. دارصل اللہ تعالی ہی دولت کا حقیقی مالک ہے. بندے کو اسکا مجازا مالک بنایا گیا ہے اور اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے جو کچھ شرائط اس پر عائد کی گئی ہیں اور ان میں سے لازم وملزوم شرط زکوۃ کی ادائیگی کی ہے. زکوۃ کا ذکر انفاق فی سبیل اللہ کے حکم عام کے بعد کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ مذکورہ بالا تمام صرف مال اور انفاق فی سبیل اللہ سے علیحدہ ایک مستقل مدّ ہے. یہ لازم اور منصوص فریضہ بطور ٹیکس کے ہے. جب کے عام انفاق فی سبیل اللہ صرف ترغیبی عمل کے لیے ہے.

ساتواں باب

ملکیّت کا تصوّر آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

اس باب میں تقابلی مطالعہ واسلامی تعلیمات کے امتیازات سے متعلق اہم ترین معلومات کو اکھٹا کیا گیا ہے. جسکا مقصد تقابلِ ادیان کے حوالہ سے اہل کتاب کے سامنے اسلام کی عظمت وعرفان کی جانب نشاندہی کرنا ہے. تاکہ اسلام کے معاشی نظام کے زرّین اصولوں سے وہ بھی فائدہ حاصل کرسکیں، جس کے لئے اسلام کا فراخدلانہ روّیہ اُنکو یہ بات باور کرانے کے لئے کافی ہے کہ اسلام ایک امن پسند، انسانیت دوست اور دنیا کے تمام نظامِ معیشت پر حاوی ہے.

پہلی فصل

سب سے پہلے اس فصل میں تقابلی مطالعہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے. جس کی بناء پر معاشی نظام کے مذہب سے تعلق کی بنیادیں اور ان کا لادینیت پر مشتمل معاشی نظاموں سے تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے. چونکہ اسلام دنیا میں بگڑے ہوئے ماحول کے فطری علاج کا واحد ممنبع ہے، اس لئے اس تقابلی مطالعہ سے یہ نتیجہ از خود سامنے آتا ہے کہ صرف روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگانے سے کام نہیں چلتا، اور اگر ایسا ممکن ہوتا تو کمیونزم کی عمارت محض ۷۰ برس میں زمیں بوس نہ ہوچکی ہوتی، بلکہ یہ مزید پروان چڑھ جاتی، لیکن دنیا گواہ ہے کہ سرمایہ دارنہ نظامِ معیشت ہویا سوشلزم جیسا انسانی ہمدردی کا پیکج، آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا اب تک غربت وافلاس کے جنجال سے نہ نکل سکی. اس کے برعکس وہ کیا وجہ تھی کہ اسلام کے دورِ خلافت میں صدیوں تک کسی افراطِ زراور

انحطاط اخلاق جیسے مسائل کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا ایسی صورت میں معاشی و مذہبی نوعیت کا تقابلی مطالعہ معاشی ماہرین کی رہنمائی کے لئے ناگزیر ہے۔ لہٰذا اس فصل میں اہل کتاب بالخصوص اور ماہرینِ اقتصادیات کو بالعموم اسلام کے نظامِ معیشت پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اسلامی تعلیمات کے امتیازات کا اس فصل میں بھرپور انداز سے یکجا کرنے کا مقصد اسلامی تعلیمات کے اُن پہلوؤں کو سامنے لانا ہے، جس سے دیگر اہلِ کتاب تو کُجا مسلم امت کی اکثریت ناواقفیت کی بناء پر اپنی اسلامی تعلیمات سے فائدہ حاصل کرنے میں بے بہرا ہے۔ مثلاً اسلام کا معاشی نظام آمدنی پر کم اور خرچ پر زیادہ زور دیتا ہے، اسراف کی ممانعت اور صدقات کی زیادتی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سود کے خاتمہ اور تجارت کے فروغ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ سود کو محض ظلم گردانتا اور صدقات کو باعثِ خیر و برکت بتلاتا ہے۔ تجارت کے فروغ میں اسلامی تعلیمات کے اصول وضوابط کی حکمتِ عملی جان لینے سے دنیا بھر سے غربت و افلاس اور اخلاقی و نفسیاتی بیماریاں ناپید ہوسکتی ہیں اور اس میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات آفاقی ہیں ہر کس و ناکس اسے استعمال کرکے اپنی دنیا کو جنّت نذیر بنا سکتا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق کا یہ باب اور اسکی دوسری فصل دنیا بھر کے حکمرانوں، سیاستدانوں، ماہرین معاشیات اور مذہبی پیشواؤں کو اسلام کی معاشی تعلیمات کے فوائد کی طرف دعوتِ غور و فکر دیتا ہے۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے　　شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نبی پاک حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے پیارے دینِ اسلام کی زمانہ بھر میں سُرخروئی حاصل کرانے کا ذریعہ بنائے۔ ﴿آمین!﴾

محمد بلال

لیکچرار، اسلامک اسٹڈیز

ہیومینٹیز ڈیپارٹمنٹ، این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی

اینرولمنٹ نمبر: وای/۰۱۹/۲۰۰۴ء

۲۳ ذوالقعدۃ-۱۴۳۰ھ/۱۲ نومبر-۲۰۰۹ء

Abstract

'The Comparative Study of Islamic Economic Education with other Heavenly Religions'

Preamble

Islam is a universal religion and it is below it's dignity to provoke people against other religions or to condemn them. On the contrary Islam, through Holy Qur'an, forbids to critics the gods of other religions.

"And insult not those whom they(disbelievers) worshipbesides Allah, lest they insult Allah wrongfully without knowledge".(Verse-108:7)

So that the people who are already polytheists may not indulge in the same behaviour pattern. On the countrary Islam teaches to let those polytheists live in peace if they do not create any hinderance and commit any mischief against Muslims.

"Allah does not forbid you to deal justly and kindly with those who fought not against you on account of religion nor drove you out of your homes." (Verse-08:108)

According to this meaningful Verse (Ayah) it is permitted to find out the common points among Judaism, Christianity and Islam and putting them together before the present challenges of Globalization and use them in the inter-religious arguments. For this "Teachings of Economics in Islam" is the only topic which could be synchronised with economic teachings of other divine books. Therefore in this Thesis it is sincerely tried to open a new chapter of religious tolerance without the eruption of any religious antagonism. In this thesis the following points are discussed briefly:

CHAPTER - ONE

In this Chapter we have introduced the divine relgious and some other non-divine beliefs very briefly so that, later, if some difficulty about any religion occrs in the mind of the reader, it could be referred to this Chapter for immediate information. Moreover, in this Chapter, definitions of religions are given in the beginning for easy reference for the readers who are not aware of the comparison of relegions at all.

SECTION - I

In this section the importance of Economics is discussed in the light of Divine religions. As Divine religions are based upon revealation it has been

defined well in this Section. Revealation means those divine books which were revealed to different Prophets like Scriptures to *Hadhrat* Ibrahim (*Abraham*) *Allaihis Salam!* books to *Hadhrat* Dawood (David)*Allaihis Salam!* Zaboor, to *Hadhrat* Moosa *(Mosses) Allaihis Salam!* Taurat, to Hadhrat Esa *(Jesus) Allaihis Salam!* Injeel (the Gospel) and the last one to the last Prophet *Hadhrat* Muhammad *Sallal Lahu Allaih e Wassallam*! 'The Holy Qur'an'.

The divine religions before the adrent of Islam gave over-riding importance to divine Books except Qur'an. But these books do not contain the left out scriptures. From Zaboor to Taurat are called "OLD" and Injeel "NEW" Testaments. The Jews follow the Old Testament while the Christians adhere to the New one while the last mentioned is also referred by the Christians. The Jews' Old Testament is based upon Ten Commandments. Like this, Christians' injeel which is now called New Testament is the essence of Gospel with the behaviour of and letters of the Apostles.

SECTION - II

In this section the Islamic rules and teachings are introduced which are based upon the Holy Qur'an and Sayings (*Ahadith*) of the Holy Prophet Muhammad ***Sallal Lahu Allaih e Wassallam***! and Consensus (*Fiqah*). Everyone knows that the Holy Qur'an is the last Book from Almighty Allah who Himself proclaimed it to be the last for ever no matter what sort of changes appear in the Universe. These religious sources of divine books and practices have been thourougly acknowledged with this topic.

CHAPTER - TWO

In the second chapter the illegal and illegitimate earning is shown as strongly prohibited in all divine religions alongwith Islam. Economic teachings - be they based on secular or religious levels - must have the concept of legitimate or illegitimate which could keep the difference between right or wrong which is an indispensable human necessity. But secular economic system is devoid of this concept of legitimate or illegitimate, which could keep the difference between right or wrong which is an indispensable human necessity. But secular economic system is devoid of this concept. On the other hand after the deep study of divine religious we knew that not only the concept of *Halal* and *Haram* (bidden and forebidden) was very much there but the whole human society is based on it too.

SECTION - I

In this section, after research, it has been shown that *Halal* and *Haram* both are present in the teachings of Judaism and Christianity. For example the concept slaughtering an animal for which rules given by Almighty Allah are still in their divine books. Therefore, first of all, Lawful Earning and Unlawful Earning are discussed and proved as in Taurat, the divine book of Judaism, is found. In the Christianity, in the context of unlawful earning like covering the idols and profession like selling the body for money and others are included. In this religion self-earnings through labour are highlighted and praised.

SECTION - II

Halal and *Haram* are extensively elaborated with reference to Islamic injunctions like interest, celibacy, adultery and narcotics have clearly been termed Haram. In fulfilling the human needs the same injunctions are emphasised as the Holy Qur'an says:

> **"O mankind! Eat of that which is lawful and good on the earth,and follownot the footsteps of Shaitan. Verily, he is to you an open enemy." (Verse-168:2)**

The concept of *Halal* and *Haram* is best elaborated in Islam than any other divine religion. Elimination of the discrimation between *Halal* and *Haram* is too dangerous for the belief in Islam (*Eman - the faith*). Lawful earning contains the over riding supremacy in human society. According to the Holy Qur'an Friday is the most sacred day for starting of business. Thus profession of business is told to be the least and most profitable than other professions. Islam then established most of the professions as *Haram* like decaption, selling and making wine, gambling etc. Together dishonesty in measurement, swearing, telling lies and hoarding have specially been made illegal. Through *Hadith* clear establishing the difference between *Halal* and *Haram* have been made clear. It contains the conditions of making the slaughter of permited animals *Halal* and *Haram*.

In the end a *Hadith* is quoted for aboslute clarification and understanding *Halal* and *Haram* in which are in between condition which is called "doubt", which makes the decision of *Halal* and *Haram* doubtful. This condition is generated by the hidden intensions and hypocricy. Almighty Allah has revealed, in His Holy Book, to the Prophets and Messengers, has asked them to keep away from doubt. In this context the example of revealation upon *Hadhrat* Moosa and *Hadhrat* Khizr *(Allaihimus Salam)* in Surah Kahf (Chapter of Holy Qur'an) is enough.

CHAPTER - THREE

This Chapter contains an extensive study of Interest. The core reason of the failure of economic system is interest the world over. Interest has been given different names by the non-muslims to make it legal for their earning purposes. So, with the referenc of interest, it was badly felt that this economic cancer should be so exposed that the world should know that it is not only prohibited by Islam. Rahter all other divine books have condemned it but their followers skipped it either for their own nefarious purposes or to show the world that only Islam forbids it. That is why the whole Chapter is dedicated only to the extensive study of making to show the other divine religions and Islam the main and only prohibitors of the destructive nature of interest before embarking upon the subject. Interest in Arabic is called "*Riba*" - in urdu and persian "*Sood*" , in English *"Usury"* and in simple English "*Interest*" .

For this purpose of lot of dictionaries and related books were thoroughly consulted and then it was proved that this is the same interest, by whatever name it is called and defined, which has been condemned by all the divine books and religions of the universe. Therefore, the different laundring techniques and definitions or procedures can not change it's real meanings.

SECTION - I

The section deals with interest in Judaism by a thorough study of there divine books after which it is confirmed that interest is held prohibited (*Haram*)in there religion too. However they manipulated to make it popular for their benifits which can be ascertained by following the sentence: *"A Jew should not lend money to another Jew with interest. Rather be should select a non-believer in their religion"*. There are several other such examples which affirm this cursed practice as totally *Haram* in their religion.

Then the divine book of Christianity, 'Bible' is painstakingly searched for this purpose which also gives the same results. This research clearly shows that this religion is itself responsible for popularising the interest which was generally taken to be the trustee. A deep study of the Church shows that it's staunch followers and it's managers and vocalists opened channels for getting interest for their luxurious lives and amassing wealth. They popularised it through various hidden and false pretexts. They went upto the extent that just after the disappearance of the Chriest (Jesus) they

gave it (*Interest*) the legal protection by devising ways and means for it's proliferation. Free exchange of interest between the Jews and Christians, at last, crept in the economic systems of other than Jews and then it's monthly and annual rates started to be discussed and then fixed.

SECTION - II

Here interest and it's prohibition has been established through the Holy Qur'an, Sunnah and a concensus of Islamic Scholars. A thorough comparative study has been made as to how the secular system of economy become, a hurdle in keeping away the other peoples from religious economic thought. As a result even the Muslims of today have surprisingly started questions about the efficacy of Islamic economics and commercial growths and earning the profits etc.

Therefore, the Holy Qur'an, Sunnah and collective edicts of Islamic icons have been studied and referred here. Particularly the relevant Verses of the Holy Qur'an revealed upon the Holy Prophet Muhammad *Sallal Lahu Allaih e Wassallam*! from Makka to Madinah are quoted in this connection in detail.

However the present research makes clear and undeniable that the believers in divine books, except Muslims, could not deny that the interest is prohibited even after making several severe changes in their divine books because these books still reign supreme in their lives. Islam gives them a message of mending themselves and accept that interest is a menace and keep away from it. In doing so they will be able to squarely face the hurdles which come into their way of Islamic concept of taking and giving interest in economic transactions. This is the only remedy to make their economic system free of the termite of interest which will bring a revolution in their economy. It will also spread interest-free trade and banking systems, relegion's differences will disappear and the world will leave a sigh of relief, peace and brotherhood which is badly needed in this hazardous era of economic recession.

CHAPTER - FOUR

This chapter deals with the concept of Property or Possession in the light of divine books including Islam. Initially in Judaism and Chistianity only the concepts of *Good* and *Bad* and nursing the patience to come to light but nothing seemed available on this beneficial aspect of humanitarian value.

But Almighty Allah enabled me to get important information in this context. The concept of property or ownership is itself an indispensable topic which secular economists have thwarted and defaced through 'feudalism'. So these concepts have been studied and brought to light in this chapter.

SECTION - I

In this section the concept of property which has a historical value in the Old and New Testaments, have been discussed.

SECTION - II

This Chapter is given to the concept of 'Property' in Islam which contains the real basis of property such as when it's awareness wakes up in humans and it's importance and kinds. It is also dicussed here that to what extent these importance and values profit the human society pertaining to economic field. For example (*a*) Does Islam sanctions the fertilitarian capacities of land? (*b*) Does it sanction the fends to be populated under the control of related governments?

CHPATER - FIVE

The Jews and Christians lived for centuries in different circumstances. Some times they subjugated others while some other times they themselves were ruled by others. So it was necessary to take stock of their income and expenditure in the light of all the divine books and historical references. So in the fifth chapter all these matters are discussed after searching for the utmost possible meanings of the government or state and their definitions.

SECTION - I

In the light of Taurat, Judaism must have the concepts of One God and Jihad(strives) for the achievement of a state. For this purpose, it was essential to high light some periods of Jewish history. For instance Territorial system of government originated in Judaism and even after having the know how of agriculture very early, it baffles the reader to still find nomadic tribes. In the Holocaust and other like incidents have lavishly commented upon the concept of defacing the human rights in the context of Property. This made it necessary to take a brief stock of the concept of Property from the Bible in the light of New Testament. Therefore the later governments after Jesus Chriest and lastly the much later western

governments and their founders and their sources of income have been collected searched.

SECTION - II

Here, after studying the conecpt of state in Islam, finding and following the religious rules being the creators of Caliphatism (*Khilafat*) and State, the importance of following these rules has been sources of income are not fixed by the personal opinion of the Head of the State. Rather these are inextricabley connected to the laws of nature which should forcibly be applied by the Head under his personal vigilance which include the responsibility of *Bait Al Mal* (i.e.,the house for collection of alm's) like Zakah, Jezyah (Charities) etc., as well as their use without delay.

CHAPTER - SIX

Economic teachings of Islam and screening it's results have fully been discussed here. This is a reality that for about one thousand years Islamic states enjoyed economic stability due to which they led a peaceful and exemplary time. This can only be proved and understood by the deep study of Islamic economic principles.

SECTION - I

This section starts with the introduction of Islamic economic principles of Islam. Here it is tried to be proved that the kernel of the discussion is that interest reduces resources and Zakah and income through other religious rules are the sources which increase them. This is a natural reality which stands on the pillars of the transparancy of intention (*Niyat*). Consequently the concepts of Zakah and given alms and charity are so narrated as to be clearly understood and accepted by the Muslims and non-Muslims both.

SECTION - II

In this section the comprehensive comparison between Muslims and Non-Muslims (or other scripture holders) is made and the difference between the two is presented for the readers to judge impartially the rules and regulations given by Islam in this context. Besides why should we not exhort the followers of all divine books, which contain clear instructions for the help of all kinds, to follow them and allay economic injustice and malpractices of the economic icons of vested interests and make the economics of the world bereft fo unnecessory unrest together with Islam.

Consequently in this section it is emphasized that it is only Islam which has the applicable remedy for improving the lot of poorer and the mendicants through harmless help of men of wealth in the shape of a tax. This tax (Zakah etc) has been levied by the Almighty Allah, Who is the actual proprieter of wealth. People have been accorded with it as it's trustees. That's why He ordains the giving of Zakah for the haves to the haves not and makes it a law whcih means that what the pople have is not really only theirs but it is to be shared with those who legally require it. So Zakah is made compulsory as a tax apart from other monitary help willingly for which Almighty Allah will have Mercy upon the givers. In a nutshell Zakah has been made essential while other gestures like *Sadaqah, Fitr,* Charity, loans etc. are liked by Almighty Allah which please Him and He rewards them.

CHAPTER - SEVEN

This chapter includes the comparative study between Islam and other divine religions and the supremacy of Islamic injuctions in comparison with other religions, so that they could also benefit from them. This is enough for them to accept that Islam which is a peace, loving, and humanitarian religion, has the best economic system.

SECTION - I

This section starts with the introduction of the comparative analysis which is the core issue of the relationship of religion and it's necessity for the bases of economic system. As Islam is the only natural panacia for the global rusting social and moral environment, therefore, it comes to light that to raise the slogan for, 'only the provision of basic human needs is not enough'. Had it contained an iota of truth, the seventy years old building of communism had not been raised to ground. The world is still baffled that neither capitalistic nor socialistic systems of economies have produced relief and stability. On the contrary what was the reason that during the Islamic era of Khilafat history shows no signs of inflation and moral insolvency at all? So, it was thought indispensable to exhort economists to go through an economic and religions comparative study for their awareness and guidance. This section invites the followers of divine books and economic experts to study the Islamic system of economics.

SECTION - II

The aim of an exhaustive accumulation of Islamic principles is to throw light upon those aspects which, not to talk of non-muslims, even the Muslims themselves are unaware. For example the Islamic system of economy gives more importance to expenditure than to the income. It forbids extravagance and stresses upon charity. Removal of interest and extension of business and trade are stressed. Islam defines interest as only a torture and holds charity as harbinger of welfare and prosperity. Success, stability and increase can be achieved through following the Islamic rules and regulations in the economic fields. These Islamic values are universal and can be practised individually as well as collectively. Consequently this chapter and its' second section invite all the rulers, politicians, economic experts and seminarians to deeply study, apply and make their economies examplary.

In the end I pray to Almighty Allah to accept this humble study and make it a means for the magnificance of Islam which was brought in this World by His Holy Prophet Hadhrat Muhammad *Sallal Lahu Allaih e Wassallam*!

MUHAMMAD BILAL
Lecturer, NED University of Engg. & Technology,
Karachi.
Dated: 12th November, 2009

پہلا باب

معاشیات کی اہمیت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

پہلی فصل

معاشیات کی اہمیت آسمانی مذاہب کی روشنی میں

تعارف

چونکہ ہمیں معاشیات کی اہمیت کو آسمانی مذاہب کی روشنی میں پرکھنا ہے، اس لئے پیشتر اس کے کہ ہم معاشیات پر براہ راست تحقیق کو سامنے لائیں، یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مذہب کو اسکے حقیقی پیرائے میں مختصراً بیان کردیا جائے تا کہ معیشت کے پہلو کی گفتگو میں کسی بھی الجھن سے بچا جا سکے.

مذہب کی تعریف

دنیا میں پائے جانے والے جتنے مذاہب ہیں انکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ 'عالم انسانی کی ارتقائی تاریخ کے نمائندہ ہیں اور وہ تمدنی اور سیاسی تاریخ کے مختلف مدارج کو ظاہر کرتے ہیں'.(۱) ایک اور جگہ پر مذہب کی تعریف کچھ اسطرح کی گئی ہے کہ 'انسان انفرادی اور معاشرتی زندگی کے لئے جن اصولوں کا انتخاب کرتا ہے انہیں 'مذہب' کا نام دیا جاتا ہے'، خواہ وہ اصول انسانی وضع کردہ ہوں یا خالق کائنات کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہوں، یہ الگ بحث ہے کہ انمیں کامیاب ترین اصول کون سے ہیں؟ (۲)

انگریزی زبان میں مذہب کے لئے Religion کا لفظ ہے، جو لاطینی زبان سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم 'عقیدے اور پوجا پاٹ' کا ایک نظام ہے. مفکرین نے مختصر الفاظ میں مختلف تعریفات کی ہیں، سر! ای، بی، ٹیلر E.B. Taylor نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے "Religion means the belief in spiritual beings" یعنی مذہب روحانی مخلوقات پر ایمان لانے کا نام ہے.(۳) پروفائٹ ہیڈ لکھتے ہیں کہ: ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کا باطن پاک ہوجاتا ہے، یعنی مذہب ان صداقتوں کے مجموعہ کا نام ہے، جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور انسانی کردار Character میں انقلاب پیدا کردیتی ہے. بشرطیکہ انھیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت

---

(۱) المسدوسی، احمد عبداللہ،، مذاہب عالم،، مکی دارالکتب، ۲۳، میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور- مئی ۲۰۰۳ء/ص:۷

(۲) عبدالرشید، پروفیسر ڈاکٹر، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، طاہر سنز- کراچی، چوتھا ایڈیشن دسمبر ۱۹۹۵ء/ص:۱۲

(۳) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا جلد ۹۱، ایڈیشن ۳۱/ص:۳۰۱

کے ساتھ سمجھا جائے.(۱) یوں مذہب کو کسی بھی پیرائے میں دیکھا جائے تب بھی مذہب کی افادیت میں جس حد تک روحانی تسکین میسر آتی ہے، اُس سے کہیں زیادہ دنیاوی فوائد مثلا، کردار سازی اور انسانیت آمیزی شامل ہے. چنانچہ مذہب کو مختلف مثلا، الہامی وغیر الہامی، تبلیغی وغیر تبلیغی، جغرافیائی اور نسلی جیسے درجات میں منقسم کر کے اُسے انکے اثرات کے تحت سمجھنے کی بھی کوشش کی گئی ہے، لیکن ہمارا موضوع الہامی مذاہب سے وابستہ ہے چنانچہ ہم الہامی وغیر الہامی مذاہب میں بنیادی تفریق کی جانچ کر لیتے ہیں تا کہ ہمارے مطالعہ کا صحیح مصرف سامنے آسکے.

مذاہب عالم و اہل کتاب میں باہمی اختلاف اور انکا تعارف

تعارف مذاہب عالم Introduction to Worldly Religions

مذاہب کی تعداد کا تعین بڑا دشوار ہے، اس وقت دنیا میں اگر لاکھوں نہیں تو ہزاروں مذاہب کے پیرو موجود ہیں، انمیں سے کچھ مذاہب کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے اور بعض مذاہب صرف سو دو سو افراد کے قبیلوں تک محدود ہیں. لہذا صرف ایک یعنی ھندومت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں شامل ہیں.(۲) جبکہ ہمارا موضوع بحث صرف اہل کتاب یعنی یہویت، عیسائیت اور اسلام ہیں، جن پر مباحث اس لئے قائم کئے جاسکتے ہیں کہ ان تینوں کی تعلیمات کی بنیاد کتب ساوی پر مبنی ہیں جسمیں موجود معاشی مسائل سے متعلق یکسانیت کا پہلو دنیا کے لئے فقید المثال راہنمائی قائم کرسکتا ہے. مذاہب عالم کی کثرت اور انمیں عقائد و اعمال کے تنوع کی وجہ سے مذہب کی کوئی جامع و مانع تعریف کرنا مشکل ہے. اسکی مختصر اور سادہ ترین تعریف ای. بی. ٹیلر نے کی ہے: 'مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے' اس تعریف کی رو سے ہم دنیا کے بے شمار مذاہب کا جوہر سمجھ سکتے ہیں، لیکن کئی مذاہب ایسے بھی ہیں مثلا ابتدا، بدھ مت اور کنفیوشی مت وغیرہ، جسمیں ایمان و عقائد کی چنداں اہمیت نہیں اور جنکو ہم زیادہ سے زیادہ ایک با اخلاق زندگی گذارنے کا ضابطہ کہہ سکتے ہیں. غالبا اسی کے پیش نظر میتھیو آرنلڈ نے مذہب کو جذبات سے متاثر اخلاق یا جذباتی اخلاق کہا ہے. اور پروفیسر وائٹ ھیڈ لکھتے ہیں 'مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کی اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے. مذہب ان صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جسمیں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسانی کردار

---

(۱) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص: ۴۰-۷ مزید دیکھیں، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق، مصنف ڈاکٹر سید حسین صاحب قادری، شور ایم اے، عثمانیہ، س ن/ص ۱۸۱،

(۲) احمد، خورشید، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، ناشر فضلی سنز لیمٹڈ، اردو بازار، کراچی اشاعت ہشتم ۱۹۶۸ء/ص: ۲۵

میں انقلاب پیدا کردیں بشرطیکہ انہیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔(۱)

مذاہب عالم کی اقسام Kinds of Religion

تقابل ادیان کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسوقت دنیا میں جتنے مذاہب موجود ہیں، بنیادی طور پر انکی دو قسمیں ہیں:

نمبر ۱ الہامی مذاہب، جنکی تعلیمات براہ راست خالق کائنات کی طرف سے ودیعت کی گئی ہو.

نمبر ۲ غیر الہامی مذاہب، جنکی تعلیمات اور اصول انسانوں کے اپنے وضع کردہ ہوں.(۲)

مندرجہ بالا بحث سے مراد یہاں مذاہب کا تقابلی یا ارتقائی جائزہ پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ان حالات سے مماثلت پیدا کرنا ہے جسمیں آنحضرت ﷺ نے مکی زندگی کے دشوار ترین سفر کا آغاز فرمایا اور یہ وہی مشرکین مکہ تھے جنہوں نے اپنے جدامجد سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے دین حنیف کو خیرباد کہہ دیا تھا اور بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو گئے تھے. اور دوسری جانب مدینہ ہجرت کے وقت بھی آپ ﷺ کا واسطہ براہ راست یہودیوں کے ان قبائل سے پڑا جسمیں کچھ تو عہد قدیم سے یہودی تھے اور کچھ بعد میں عیسائیت چھوڑ کر یہودی بن گئے تھے. لہذا ہمارا موضوع بحث آپ ﷺ کا ان لوگوں سے برتاؤ اور اسکے مرتبہ نتائج سے بھی ہے.

الہامی مذاہب Revealed Religions

وہ مذاہب جنکی تعلیمات براہ راست خالق کائنات کی طرف سے متعین کردہ ہوں، وہ مذاہب جنکی تعلیمات کی بنیاد 'وحی' Revelation پر ہے، الہامی مذاہب کی تعریف میں آتے ہیں، (۳) جسمیں ان مذاہب کی تعلیمات بلکہ انکا نظریہ حیات اس خالق کائنات کا تفویض کردہ ہوتا ہے. انمیں موجودہ مذاہب: **یہودیت** ، **عیسائیت** اور **اسلام** ہیں.

الہامی مذاہب Revealed Religions اور کتب سماوی کا باہمی تعلق

الہامی مذاہب کی بنیاد وحی پر ہے اسلئے مذہب سے متعلق بحث کرنے سے قبل وحی کو سمجھنا ضروری ہے. 'وحی' کے لغوی معنی وہ شئے جو کسی دوسرے کے خیال میں ڈالا جائے- 'الوحی الاشارة الكتابة والرساله والكلام الخفی و كل ما القية الى غيره'(۴) یعنی وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا، اور جو کچھ تم کسی دوسری کے خیال میں ڈالو.

---

(۱) احمد، خورشید، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، ناشر فضلی سنز لمیٹڈ، اردو بازار، کراچی اشاعت ہشتم ۱۹۶۸ء/ص:۲۵

(۲) عبدالرشید، پروفیسر ڈاکٹر، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، طاہر سنز، کراچی، چوتھا ایڈیشن، دسمبر ۱۹۹۵ء/ص:۳۲

(۳) عبدالرشید، پروفیسر ڈاکٹر، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ- طاہر سنز- کراچی. دسمبر ۱۹۹۵ء/ص:۳۳

(۴) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص:۳۲

وحی کی اصطلاحی تعریف

وحی کے اصطلاحی معنی یہ ہیں 'الکلمۃ الالھیۃ تلقی الی انبیائہ واولیائہ وھو وحی '(۱) یعنی وحی وہ کلمۃ الٰہیۃ ہے جو اس کے انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے. چنانچہ قرآنِ کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کی انسان کے ساتھ ہم کلامی کی تین صورتیں ہیں. قرآن کریم میں آیت اسطرح آتی ہے:

"وما کان لبشر ان یُکلّمہ اللہُ الاّ وحیا اومن ور آی حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشآءُ ط " (۲)

'اور کسی و بشر کے لیے میسر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر اسطرح کہ 'وحی' کے ذریعے یا پردہ کے پیچھے یا رسول بھیجے اور اپنے حکم سے اسکے ذریعے جو جی چاہے وحی کرے'.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں:

۱- وحیا ۲- من وارآی ۳- یُرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاءُ.

۱-وحیا اس صورت میں وحی سے مراد مسلمہ طور پر 'القا فی الرّوع 'لیا گیا ہے. کیونکہ وحی کے معنی اشارہ سریعہ کے ہیں. اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرعت کے ساتھ ایک خیال بغیر کسی غور وفکر کے اچانک دل میں ڈال دیا جاتا ہے. وہ ایک نیا علم ہوتا ہے جو دل میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ آتا ہے اور اسرار الٰہیہ سے پردہ اٹھا دیتا ہے. تمام پوشیدہ حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں. جسطرح تاریک کمرہ میں رشن چراغ آجائے اور کمرہ کی تمام تاریکی کافور ہوجاتی ہے اور ہر ایک نشیب وفراز سامنے نظر آنے لگتا ہے اس حالت کو وحی خفی یعنی الہام یا Inspiration کہتے ہیں. یہ وحی کی ادنیٰ صورت ہے. اس میں نبی اور غیر نبی دونوں شامل ہوتے ہیں.(۳)

۲-من وارآی وحی کی دوسری صورت یہ ہے کہ جس سے مراد 'پردہ یا پردہ کے پیچھے سے' behind the veil لیا گیا ہے. اس صورت میں علم حواس باطنی sub-consious کے ذریعے خارج سے آتا ہے. واضح طور پر محسوس کرتا ہے، مگر متکلم اور نظارہ دیکھانے والے کو نہیں دیکھتا. اس صورت میں بھی نبی اور غیر نبی دونوں شامل ہیں. جیسے خواب Dream یا الہام Inspiration.

۳- یُرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاءُ اور یہ وحی کی وہ آخری صورت ہے جو رُسل یعنی پیغام رساں Messenger کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے، یعنی جبرائیل امین 'ملائیکہ کے سردار' اس کا نزول بھی حواس باطنی sub-consious پر ہوتا ہے. اور اس کے

---

(۱) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص:۵۲

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الشوریٰ/۴۲:۵۱

(۳) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، /ص:۳۳

لئے حواس سامعہ hearing sense اور حواس باصرہ viewing sense مخصوص ہیں. یہ وہ وحی ہے جو صرف انبیاء علیہ السلام پر ہی نازل ہوتی ہے، غیر نبی اس کا متحمل نہیں ہوسکتا. لہذا اس حالت کو 'وحی متلو' یعنی'' تلاوت کیا گیا'' Revealation کہتے ہیں.(۱)

غیر الہامی مذاہب Un-revealed Religions

غیر الہامی مذاہب وہ مذاہب ہیں جنکی تعلیمات اور اصول انسانوں کے اپنے وضع کردہ ہوں.(۲) تشنہ لب رہ جانے سے بچنے کی خاطر ہم غیر الہامی مذاہب پر ایک اچٹتی نظر ڈالتے ہیں، انمیں بنیادی طور پر تین طبقات مشہور ہیں:

۱) منگول

ان مذاہب میں کنفیوشی مت، تاؤمت، شنتومت شامل ہیں، یہ سب کے سب آریائی مذاہب ہی کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ اشکال ہیں اور باہم ایک دوسرے کا تتمہ وضمیمہ ہیں کیونکہ انمیں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کا مجموعہ عقائد موجودہ دور کے معاشرہ کی ہمہ جہتی اور مکمل ضروریات کا کفیل ہو سکے. دراصل یہ سارے منگول مذاہب ایک خاندان مشترکہ ہے، جس کا ابوالعائلہ یا منتظم خاندان کنفیوشی مت اور جس کا مرشد یا روحانی گرو تاؤمت ہے.(۳)

۲) دیگر مذاہب

بعض لوگ بدھ مت مذہب کو بھی آریائی سمجھتے ہیں، لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ 'ساکھیامنی'' ''گوتم بدھ'' جو بانی مذہب تھا، جس علاقہ کے رہنے والے تھا وہ تاریخی طور پر کبھی آریہ ورت کا حصہ نہیں رہا اور نہ اس علاقے کے لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ منگولی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ نیپال اور اسکا زیریں علاقہ سرحدی ہے. اس لئے آریائی نسل اور تہذیب کے اثرات بھی اس سنگم میں پائے جاتے ہیں.(۴)

---

(۱) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص:۳۳

(۲) عبدالرشید. پروفیسر ڈاکٹر، ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ، طاہر سنز، کراچی، چوتھا ایڈیشن. دسمبر ۱۹۹۵ء/ص:۳۲

(۳) المسدوسی، احمد عبداللہ، مذاہب عالم، مکی دارالکتب، ۲۳، میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور- مئی ۲۰۰۴ء/ص:۳۲-۴۲

(۴) ایضاً/ص:۳۲-۴۲

۳)   آریائی مذاہب

ان مذاہب میں ہندومت، جین مت، زردتشتی اور سکھ داخل ہیں. آریہ کون تھے؟ آریا، لفظ آری سے مشتق ہے، جسکے معنی ہیں اجنبی نووارد، غیر ملکی بیگانہ وغیرہ، مقامی لوگ انھیں نووارد سمجھتے تھے.(۱) گویا آریا مختلف قبائل کا نام ہے جو مسلسل مختلف زمانوں میں برصغیر میں داخل ہوتے رہے. آریوں کے وطن کے بارے میں بھی سخت اختلاف ہے، نئی تحقیق کے مطابق آریائی قبائل کا اصل وطن خوارزم تھا. یہ لوگ خوارزم سے نکل کر براستہ ایران برصغیر میں داخل ہوئے. خوارزم وسط ایشیا کا وہ علاقہ ہے جسے اب ازبکستان کہا جاتا ہے. اس ریاست کا صدر مقام   تاشقند ہے. انکی آمد کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م میں کوہ ہندوکش کے دروں سے ہوتے ہوئے برصغیر میں داخل ہوئے.(۲)

الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں فرق

ہم دیکھ چکے ہیں کہ **الہامی مذاہب** سے مراد وہ ادیان ہیں جو'خدا' God کے بھیجے ہوئے رسولوں اور انکے لائے ہوئے پیغامات اور کتابوں 'صحف آسمانی' Heavenly Scriptures پر یقین رکھتے ہیں، اور اپنی تعلیمات اور عقائد کو الہامی ہدایات کے تابع سمجھتے ہیں جیسا کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام. جبکہ **غیر الہامی مذاہب** وہ ہیں جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو **اللہ وحدہ لاشریک لہ**، کی معین کردہ ہدایات کے تابع نہیں سمجھتے. چنانچہ غیر الہامی مذاہب میں الہامی مذاہب کے علاوہ تمام مذاہب شامل ہیں.

الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی امتیازی خصوصیات

1- الہامی مذاہب اصلا ایک خدا   ''ایک اللہ'' کے تصور پر مبنی ہیں، لیکن غیر الہامی اسکے پابند نہیں ہیں.

2- الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں، غیر الہامی نہیں.

3- الہامی مذاہب کا اصل منبع وسرچشمہ کتب سماوی ہیں، جبکہ غیر الہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں.

4- الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں لیکن انمیں یہودیت میں تبلیغ نہیں کی جاتی اور غیر الہامی اپنی اصلی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں.

---

(۱) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص:۱۰۶

(۲) ایضا/ص:۱۰۷

5- الہامی مذاہب کی تعلیمات معین اور واضح ہیں، لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات غیر معین اور لچکدار ہیں.

6- الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی اور اپنی اصل کی بناء پر دینی اور دنیوی زندگی پر کم وبیش حاوی ہیں لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات جزوی ہیں یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق مثلاً تاؤمت یا دنیوی زندگی سے متعلق مثلاً کنفیوشی مت ہیں.(۱)

مذاہبِ اہل کتاب کا تعارف Introduction to Heavenly Religions

قرآن مجید کو جسطرح ہم کلام الٰہی مانتے ہیں اسی طرح '**توریت، زبور اور انجیل**' دیگر انبیاء کے صحیفوں کو **منزّل من اللہ** یقین Revealed from God کرتے ہیں. انہی کو '**صحف سماوی**' Heavenly Scriptures یا 'آسمانی کتب' Heavenly Books کہتے ہیں، اور یہ صحف سماوی بجز کلام اللہ یعنی '**قرآن کریم**' کے اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہ رہ سکے بلکہ انمیں حد درجہ تحریف ہو چکی ہے لہذا اپنے اپنے وقت پر انکے منـزّل من السّمآء ہونے پر ہمارا پورا یقین ہے. لہذا یہ بات جاننی ضروری ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل پر جسقدر کتب نازل ہوئیں انکو علمائے مسیحی نے 'بائبل' Bible بمعنی کتاب مقدّس Holy Book کا لقب دے کر دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے.(۲)

کتابِ مقدّس Holy Bible

اوّل 'عہد عتیق' Old Testament یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل جس قدر کتابیں بنی اسرائیل کے انبیاء پر نازل ہوئیں. دوم 'عہدِ جدید' New Testament یعنی اناجیل اربعہ جن کے ساتھ حوارین Apostiles کے اعمال خطوط اور مکاشفات بھی شامل ہیں.(۳) مروّجہ عہد عتیق میں ۳۹ کتابیں شامل ہیں لیکن علمائے یہود نے ان کو ۲۴ کتابوں میں شمار کر کے تین سلسلوں میں منسلک کیا ہے.(۴) سلسلہ اوّل: توراۃ، جسکو قانون یا شریعت Law بھی کہتے ہیں، سلسلہ دوم نلبیم یا صحائف انبیاء Prophets اور سلسلہ سوم کتبیم یا صحائف مقدّسہ Hagiographs یا محض Writings کہلاتا ہے.(۵) پہلی صدی عیسوی کے آخر تک عیسائی چونکہ حضرت مسیح کے دوبارہ آسمان سے جلد تشریف لانے کے منتظر تھے، اس لئے

---

(۱) السعدوی، احمد عبداللہ، مذاہب عالم، مکی دارالکتب، ۲۳، میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور-مئی ۲۰۰۲ء/ص: ۳۲-۳۳

(۲) علی، سیّد نواب، پروفیسر، تاریخ صحف سماوی، مکتبہ افکار، رابسن روڈ، کراچی پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۳ء/ص ۱۸

(۳) ایضاً/ص: ۱۸

(۴) ایضاً/ص: ۱۹

(۵) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر.. مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ-یہودیت-تاج کتب خانہ، پشاور-جولائی ۱۹۸۹ء/ص: ۱۶

انمیں تصنیف و تالیف کا مطلق رواج نہ تھا، البتہ حضرت مسیح اور حواریوں کے اقوال و افعال بطور حدیث روایت کئے جاتے تھے۔ دوسری صدی میں جبکہ یہود اور جنٹائلز کے دو متضاد عناصر کی کشمکش شروع ہوئی اور فرقہ بندیاں عمل میں آنے لگیں تو ہر فرقہ نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرلیں۔(۱) درجہ بالا کل بائبل تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے، لیکن یہود صرف عہد قدیم ***Old Testament*** کو مانتے ہیں اور عہد جدید ***New Testament*** کو نہیں مانتے، کیونکہ یہ صحائف انجیل و دیگر صحائف پر مشتمل ہیں، جو عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہیں۔(۲)

تعارف مذہبِ یہودیت Introduction to Judaism

یہودیت Judaism

مذہبِ یہودیت کے پیروکار یہودی **Jews** کہلاتے ہیں، انکے اس مذہب کی تاریخ کچھ یوں بنتی ہے کہ ۱۸۷۰ ق م میں بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تھے۔(۳) جہاں پر یہ بنی اسرائیل **Children of Israel** کہلائے گئے، اسرائیل یا بنی اسرائیل کا لفظ حضرت یعقوبؑ کی نسبت سے بولا جاتا ہے، جنکا کا لقب **'اسرائیل' یعنی 'اللہ کا بندہ'** تھا۔(۴) بنی اسرائیل یعنی 'اسرائیل کے بچے' **Children of Israel** اسی وجہ سے کہلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب و یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد غلامی کے شکنجہ میں جکڑے گئے، جس کا دور تقریباً چارسو سالہ غلامی کے بعد حضرت موسیٰؑ کا ظہور ہوا۔(۵) یہ لوگ بنی اسرائیل سے یہودی کیسے بنے، اسکی مختصر تاویل یہ ہے کہ:-

یہودی Jews

لفظ 'یہودی' حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا **Yahoodah** کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، جنکے نام سے یہودیوں کی ایک سلطنت بھی گزری ہے۔ یہود کے اکثر قبائل اسیریا کے حملوں میں مٹ گئے اور بنی یہودا اور بن یمین (بن یامین) کی نسل باقی رہ گئی جس پر بنی یہودا کے غلبے کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں نے اپنے

---

(۱) علی، سید نواب، پروفیسر، تاریخ صحف سماوی، مکتبہ افکار، رابسن روڈ، کراچی پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۳ء/ص ۱۱۴
(۲) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر۔۔مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ۔ یہودیت۔ تاج کتب خانہ، پشاور۔ جولائی ۱۹۸۹ء۔ ص:۱۶
(۳) ایضاً/ص:۱۱
(۴) ایضاً/ص:۹
(۵) ایضاً/ص:۱۱

اپنے خیالات و رجحانات کے مطابق صدہا سال میں جو مذہبی ڈھانچا تیار کیا، تحریف وتبدیل اور سینکڑوں انقلابات سے گزرنے والا یہ مذہب آج (عصر حاضر میں) دنیا میں 'یہودیت' Judaism کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور اسے حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاءِ بنی اسرائیل کی جانب منسوب کیا جاتا ہے.(۱)

یہودیوں کی مذہبی کتاب

جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات پر ملاحظہ کر چکے ہیں کہ کل بائبل 'Whole Bible' تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے لیکن یہود صرف عہدِ قدیم کو مانتے ہیں اور عہدِ جدید کو نہیں مانتے، کیونکہ یہ صحائفِ انجیل و دیگر صحائف پر مشتمل ہیں، جو عیسائیوں کے نزدیک مقدّس ہیں.(۲) عہد قدیم یا عہد عتیق Old Testament کے بارے میں ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اسمیں تورات، جو قانونِ شریعت ہے کے علاوہ صحائف انبیاء اور صحائفِ مقدسہ شامل ہیں.

توراۃ Torah مأخذ مذہب یہودیت ہے

تورات نہ تو کُل بائبل The whole Bible Book ہی ہے اور نہ ہی کل عہدِ قدیم، کیونکہ جیسا اوپر کی تقسیم سے واضح ہوگیا ہے کہ تورات کے علاوہ اور بھی صحائف ہیں جو یہودیوں کی کتابِ مقدّس کے لازمی اجزاء ہیں لیکن ان تمام صحائف میں تورات کو خاص اہمیّت اور تقدّس حاصل ہے. تورات کو روایۃ حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے. اسمیں بنی نوع بشر کی آفرینش سے لے کر بنی اسرائیل کی تاریخ تک اور بعد ازاں موسیٰ کی وفات تک بحث کی گئی ہے. اس تاریخی خاکے میں بنی اسرائیل کے لئے جو معاشی، معاشرتی اور مذہبی قوانین وضع کئے گئے تھے. وہ سب درج ہیں. اصل تورات پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے جنہیں صحائف موسیٰ کہتے ہیں یا صحائف خمسہ کہلاتے ہیں. جسمیں: [۱] تکوین Genesis [۲] خروج Exodus [۳] لاویین Leviticus [۴] اعداد Numbers [۵] تثنیہ Deotronomy شامل ہیں:-(۳)

[۱] تکوین Genesis:- اس میں زمانہ قبل موسیٰ سے مجملا بحث کی گئی ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ آلِ یعقوبؑ کی اہمیت نمایاں کی جائے اور مذہب میں جو رتبہ اخلاق کو حاصل ہے اُسکی وضاحت کی جائے.

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر. مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ- یہودیت- تاج کتب خانہ محلّہ جنگی قصہ خوانی، پشاور- جولائی ۱۹۸۹ء- ص: ۱۱

(۲) ایضا/ص: ۱۶-۱۷

(۳) ایضا

[۲] خروج Exodus:- یہ صحیفہ ولاتِ موسیٰ سے شروع ہوتا ہے اور اسمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح آپؑ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر طورِ سینین تک لے جاتے ہیں، جہاں پر اُن سے مقدس میثاق لیا جاتا ہے اور اُن کے قوانین وضع ہوتے ہیں.

[۳] لاویین Leviticus:- اسمیں بنی اسرائیل کے لئے وہ احکام ہیں جن کا تعلق خاص طور پر عبادات سے ہے.

[۴] اعداد Numbers:- اسمیں خروج کے بعد کا تاریخی تبصرہ ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحرا سے نکل کر اُردن اور ماورائے اُردن کا علاقہ فتح کیا نیز جستہ جستہ احکام وقوانین مندرج ہیں.

[۵] تثنیہ Deotronomy:- اسمیں تاریخی پسِ منظر پر دوبارہ نظر ڈالی گئی ہے اور ایک مجموعۂ قوانین پیش کیا گیا ہے، یہ صحیفہ، موسیٰ کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے.(۱) لیکن بنیادی طور پر یہ دو حصّوں میں منقسم ہے:-

۱) **صحائف انبیاء** : یہ آٹھ صحیفے ، دو اقسام پر منقسم ہیں:

(الف) **انبیائے اوائل** : یوشع، قضاۃ، سموئیل اور ملوکی ،

(ب) **انبیاء اواخر**: میں اشعیاہ، ارمیا، حزقیال اور انبیائے اصاغر (۲۱ صحیفوں کا مجموعہ - ایک صحیفہ ہے).(۲)

۲) **صحائف مقدسہ**: تیسری قسم صحف مقدسہ کی ہے، یہ کل ۱۱ صحیفے ہیں جو تین اقسام پر مشتمل ہیں:

(الف) **صحفِ اشعار**: مزامیر، امثال اور ایوب-

(ب) **مجلات خمسہ**: نشید الانشاد، راعوت، مراثی، کتاب جامعہ سلیمان، استیر -

(ج) **بقیہ صحائف**: دانیال، عزرا، نحمیا، ان تینوں کو ملا کر ایک صحیفہ شمار ہوتا ہے اور ایام Chronicles یہ کل ۴۲ صحیفے ہوئے.(۳)

یہودیت کی بنیادی تعلیمات

بنی اسرائیل کو انکی خانہ بدوش زندگی کی ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً احکامِ الٰہی ملتے رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مفصل شریعت ملی اور دین کے چیدہ چیدہ احکام انہیں تورات کی تختیوں پر لکھ کر دیئے گئے جن کا ذکر بائبل اور قرآن مجید دونوں میں ملتا ہے اور یہ بنی اسرائیل کے ہاں 'احکام عشرۃ' Ten Commandments کے نام سے مشہور ہیں.

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر.. مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ - یہودیت - تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور - جولائی ۱۹۸۹ء/ص: ۱۶-۱۷

(۲) ایضاً/ص-۱۸

(۳) ایضاً

یہ احکام کتاب خروج کے باب ۲۰ آیات ۱ تا ۱۷ میں اور سفر استثناء کے باب ۵ (آیات ۶ تا ۲۱) میں مذکور ہیں: (۱)

TEN COMMENDMENTS احکام عشرۃ

۱- میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا.

۲- تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کو صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین سے نیچے پانی میں ہے تو اُن کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ اُن کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں انکی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادوں کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں.

۳- تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا، کیونکہ جو اسکا نام بے فائدہ لیتا ہے، خداوند اسے بیگناہ نہ ٹھہرائے گا.

۴- یاد کر کے تو سبت یا ساتواں دن یعنی **Saturday** کا دن پاک ماننا، چھ دن تک تو محنت کر کے اپنا سارا کام کاج کرنا لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے اسمیں نہ تو کوئی کام کرے، نہ تیرا بیٹا، نہ تیری بیٹی، نہ تیرا غلام، نہ تیری لونڈی، نہ تیرا چوپایہ، نہ کوئی مسافر، جو تیرے یہاں پھاٹکوں کے اندر ہو کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ انمیں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدّس ٹھہرایا.

۵- تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزّت کرنا تا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو.

۶- تو خون نہ کرنا.

۷- تو زنا نہ کرنا.

۸- تو چوری نہ کرنا.

۹- تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا.

۱۰- تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اسکے غلام اور اسکی لونڈی اور اسکے بیل اور اس گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا.(۲)

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر..مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ-یہودیت-تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور-جولائی ۱۹۸۹ء/ص-۹۰

(۲) ایضاً/ص:۹۱-۹۲

یہودیت کے اجزائے ایمان اور انکا نظامِ عمل

ڈاکٹر ایمیل ہرش نے جیوش انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ 'بارہا کوششیں کی گئی ہیں کہ یہودیت کے اجزائے ایمان کو منظم کیا جائے اور انکے لئے کوئی اصلاحی زبان وضع کرلی جائے اور دینِ یہود کی تعلیمات کو مرتب و مدوّن کیا جائے مگر ان تمام کوششوں میں ایک ضروری عنصر کا فقدان رہتا ہے، اقتدار اعلیٰ اور تنقیدی قوت رکھنے والی مذہبی جماعت کی عدم موجودگی۔ چنانچہ چوتھی صدی عیسوی سے عملاً کوئی بھی فرد یا جماعت ایسی نہیں رہی جو یہودیوں پر اثر و نفوذ رکھتی ہو۔ یا وہ مذہبی رسموں اور تہواروں کے انعقاد کی مجاز ہو'۔(1)

عبرانی کتب مقدسہ دراصل ...یعنی توراۃ ہے، جو اس اعتبار سے انہیں فرمودات سے مرتبہ ہے، جنکی بناء پر ایک عمدہ و بہترین تجارتی بیڑے کے بنیاد رکھی جاسکتی ہو۔ یہ مقالہ چند بنیادی اصولوں کی وضاحت کرے گا جو عبرانی کتب مقدسہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ یہ مقدس کتب اسوقت عطاء کی گئی تھیں جبکہ افراد کا تعلق زرعی بستیوں سے تھا، جبکہ اسکے بہت سے پہلوؤں کو اگلے دور کی صنعتی بستیوں تک بڑھایا جاسکتا ہے۔ لہذا یہ ضروری نہیں کہ اس مقالہ کا متن یہودی قوانین "ھلکہ" کی تجارتی سرگرمیوں کے عین مطابق ڈھالا جاسکتا ہو۔ جبکہ اس مقالہ کا نقطہ نگاہ، قوانین کی روحانیت سے ہے، جو آج کے دور کے اخلاقی تربیتوں کے اہتمام کی خاطر کتاب مقدسہ اور خود طالمود کا حصہ بن کر ابھری ہوں۔

The Talmud is a record of rabbinic discussions pertaining to Jewish law, ethics, customs and history. The Talmud has two components: the Mishnah, which is the first written compendium of Judaism's Oral Law; and the Gemara, a discussion of the Mishnah and related Tannaitic writings that often ventures onto other subjects and expounds broadly on the Tanakh. The terms Talmud and Gemara are often used interchangeably. The Gemara is the basis for all codes of rabbinic law and is much quoted in other rabbinic literature. The whole Talmud is traditionally also referred to as Shas (a Hebrew abbreviation of shishah sedarim, the "six orders" of the Mishnah) (2)

---

(1) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ۔ یہودیت۔ تاج کتب خانہ، پشاور۔ جولائی ۱۹۸۹ء:/ص:۶۵

(2) Journal of Market and Morality – Bible Foundation of Business Ethics / Wikipedia Foundation, Inc.

تالمود TALMUD

تالمود جو کہ یہودیت کے قولی قوانین کا ایک مجموعہ ہے، عبرانی کتاب مقدسہ میں موجود اور اسی سے ماخذ، 'مشنہ' اور 'جیمرہ' پر مشتمل ہیں. مشنہ دراصل ایک پرانی قولی رواج ہے، جو 1800 سال پیشتر پہلی مرتبہ تحریری شکل میں چھاپی گئی تھی. جبکہ جیمرہ، مشنہ پر کی جانے والی تفصیلی بحث جسے عام فہم الفاظ میں تفسیر کہا جاتا ہے، اور تقریباً 1500 برس پیشتر مکمل کی گئی تھیں. طالمود بنیادی طور پر ہلاکت ہی سے متعلق ہے، جو یہودیت کا قانون ہے، لیکن یہ یہودی لوگوں کے کچھ ایمانیات، فلسفہ، رسم ورواج سے متعلق ایمانی سطح پر پرکھی جاتی ہیں.(۱)

ربیوں نے ہر پیشے اور انکی ہر صنف اور ہر شعبے کا جائزہ لیا اور 'مشنا' کے قوانین کو ان پر پھیلانے میں عجیب وغریب توضیحات کا اضافہ کیا. اُن نئی توضیحات کو 'جیمرہ' کا نام دیا گیا اور اُن دونوں کے مرکب کو 'طالمود' کے لفظ سے ملقب کیا. طالمود، یہود کے علمی، ادبی اور دینی ذخیرے کا نام ہے اسکے بھی دو نسخے مشہور ہیں، وہ مشنا جس پر فلسطینی علماء اور حاخامون نے شروح اور اضافے کئے اُسے 'طالمود یروشلم' اور جس مشنا پر بابل کے حاخاموں نے اضافے لکھے اُسے 'طالمود بابل' کہا جاتا ہے. عام طور یہی متداول ہے اور طالمود کے لفظ سے یہی بابل کا نسخہ مراد لیا جاتا ہے.(۲)

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر..مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ-یہودیت-تاج کتب خانہ، پشاور-جولائی ۱۹۸۹ء:/ص:۶۵

(۲) ایضاً/۳۹

یہودیت میں معاشیات کی اہمیت

یہودی اپنی تاریخ کے ہر دور میں ایک دولتمند اور سرمایہ دار قوم رہی ہے، جس نے عام طور پر ساہوکار ، سودی لین دین اور دولت آفرینی کے دوسرے ذرائع سے بڑی فراخدلی سے کام لیا ہے. اور عام طور پر وہ اپنی ہنرمندی صناعی اور کاروباری صلاحیت میں ممتاز رہی ہے.(۱) فیلو، ایک یہودی فلسفی ہے جسکا زمانہ ۲۰ ق م سے ۵۰ عیسوی تک ہے، نے اِس فرقے کا ذکر احترام سے کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لوگ سونا چاندی جمع نہیں کرتے تھے، تجارت، شراب، صنعت اور جہازرانی سے اس لئے دور رہتے تھے کہ ان سے حرص وطمع پیدا ہوتا ہے. غلامی ممنوع تھی. مشترکہ ملکیت کے قائل تھے.(۲) لیکن تاریخ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جب کسی قوم پر غلامی کی حالت میں صدیاں گزر جاتی ہیں تو اسکی زبوں حالی اور پستی کی حدود یہیں ختم نہیں ہوجاتیں کہ وہ مفلس و بدحال ہوں اور کاہل و پریشان حال رہ جائیں، بلکہ انکے قوائے عملی کی خرابی سے زیادہ انکے قوائے دماغی بیکار، مضمحل اور ناکارہ ہوجاتے ہیں.(۳) تاریخی کتابوں، قرآنِ حکیم اور بائبل میں شامل واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی قیادت میں کنعان سے انکے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر آئے تھے تو یہ لوگ گلہ بانی کے پیشے سے منسلک تھے اور قبائلی طرز زندگی اختیار کئے ہوئے تھے. اور اُسی نسبت سے انکا کلچر اور روایات مختلف تھیں، جبکہ مصری زرعی انقلاب کے دور سے گزر چکے تھے اور زراعت کے پیشہ سے منسلک تھے.(۴) چنانچہ حضرت یعقوب اور یوسف علیہم السلام کی وفات کے بعد اسرائیلی، مصریوں کے ماتحت ظلم و جبر کا شکار ہو کر رہ گئے.

> 'مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی خدمت کھیتی باڑی کروائی. انکی زندگی تلخ تھی اور انکی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے مشقت کی تھیں'.(۵)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ الی اللہ کا زمانہ آیا تو فرعون نے بنی اسرائیل اور گمراہ مصریوں سے کہا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کا رب سچا ہے تو آسمان سے سونا چاند اور کنگن کیوں نہیں برساتا. لہذا مصری اور اسرائیل، فرعون کے اس جاہ وحشمت کے

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر..مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ-یہودیت-تاج کتب خانہ، پشاور-جولائی ۱۹۸۹ء/ص-۱۰۸

(۲) عظیم، سید-تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت-دارالشعور، اے جی آفس، لاہور مئی ۲۰۰۶ء/ص-۲۹

(۳) ایضاً/ص:۲۵

(۴) ایضاً/ص:۲۲

(۵) عہدنامہ قدیم؛ خروج/۱:۱۳-۱۴

آگے مرعوب ہو گئے. یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ سونا، چاندی اُس دور میں یعنی بارھویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ مبادلے کی کرنسی کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور مصریوں کی ہندوستان اور اٹلی سے تجارت کے شواہد بھی ملے ہیں. اُس دور میں زر و جواہر اور سیم و زر کی فراوانی کے متعلق قارون کا واقع بھی مقدس کتب میں ملتا ہے. جسکی خزانے کی کنجیاں مزدوروں کی ایک جماعت اٹھاتی تھی، وہ ہر شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر ہر نگاہ اسپر رشک کرتی تھی. لہذا بنی اسرائیل خواہش کرتے تھے کہ ''اے کاش یہ دولت وثروت اور عظمت وشوکت ہم کو بھی نصیب ہوتی'(۱)

درجہ بالا شواہد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موسوی شریعت سے منسلکہ معاشی خیالات ہمیں کہیں علیحدہ سے لکھے ہوئے نہیں ملتے بلکہ انکے معاشی افکار اور تجارتی رویے ہمیں قرآنِ حکیم اور بائبل میں بیان کیے گئے واقعات میں ملتے ہیں. اسی سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ مصریوں اور بنی اسرائیل کی پیداواری قوتوں کا ارتقاء کس سطح پر کھڑا تھا، انکے ہاں لین دین، تجارت اور پیداواری تعلقات کی نوعیت کیا تھی. اور انہی پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے ارتقاء کے موافق ہمیں تجارت اور ملکیت کے تصوارات کی بابت مختلف طبقوں کے درمیان تضاد اور تفاوت کا اندازہ ہوتا ہے. (۲) لیکن اس سے یہ ایک بات بھی معلوم ہوتی ہے، تجارتی بنیادوں کی اصل ہمیشہ شریعت کی جانب سے راہنمائی ہیں میں ممکن ہوسکتی ہے، جو کسی قوم کو حرص وطمع اور دیگر عناصر بد سود قمار سٹہ وغیرہ جیسی لعنتوں سے محفوظ کرتے ہوئے وہی ایک اللہ کی حقیقی عبادت پر کھڑا کیئے رکھتی ہے.

ے وگر نہ ہر سو زمانہ میں اندھیرا ہو
اگر شریعت کا زمانہ پہ نہ سویرا ہو !

---

(۱) عظیم، سید-تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت-دارالشعور، اے جی آفس، لاہور-مئی ۲۰۰۶ء/ص:۲۵-۲۶

(۲) ایضاً/ص:۲۲

Introduction to Christianity تعارف مذہبِ عیسائیت

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف اسطرح کی گئی ہے:

'وہ مذہب جو اپنی اصلیت کا ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اُسے خدا کا منتخب مسیح مانتا ہے'۔(۱)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ، ای، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے۔
انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالے 'عیسائیت' میں وہ لکھتا ہے:

'عیسائیت کی تعریف اسطرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے'۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاروے نے اسکے ایک ایک جزو کی توضیح کی ہے۔

'اخلاقی مذہب' سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے جسمیں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دینوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اسکا تمام تر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو۔

'تاریخی مذہب' کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر وعمل ایک تاریخ ساز شخصیت ہے، یعنی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) انہی کے قول وعمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔

'کائناتی' ہونے کا اُس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ ونسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اُسکی دعوت عالمگیر ہے۔

'موحد' اِس مذہب کو موحد Monotheist وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اِس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: **'اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث - یا زیادہ صحیح الفاظ میں توحید فی التثلیث - کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدت کے طور پر ایک سمجھتی ہے'۔(۲)**

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ''کفارے'' پر ایمان رکھتا ہے،

---

(۱) عثمانی، محمد تقی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟ دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص:۹ بحوالہ برٹانیکا مقالہ: عیسائیت ج:۵/ص:۶۹۳ اور
Encyclopedia of Religion & Ethics - Article 'Christianity' - P/581, Vol-III

(۲) عثمانی، محمد تقی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟ دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص:۹-۱۱

اس جزو کی تشریح کرتے ہوئے گاروے مزید لکھتا ہے کہ: 'خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے۔ اسکے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہوگیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اُسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے'۔(۱)

مأخذ مذہب عیسائیت

'عہد جدید New Testament' یعنی اناجیل Gosple' اربعہ جن کے ساتھ حوارین Apostiles کے اعمال خطوط اور مکاشفات بھی شامل ہیں۔(۲) عیسائیوں کی اکثریت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اناجیل براہ راست اُن لوگوں نے لکھی تھیں جو حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات کے عینی شاہد تھے اور اس لئے وہ انکی زندگی اور تعلیمات کے اہم واقعات سے متعلق ناقابل تردید شہادت پر مشتمل ہیں۔(۳) جبکہ اُن تحریروں میں جو عیسائیت کے ابتدائی ادوار سے ہم تک پہنچی ہیں اناجیل کا سینٹ پال Saint Paul کی کتابوں کے کافی عرصہ بعد تک کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دوسری صدی عیسائیت کے ابتدائی ادوار سے ہم تک پہنچی ہیں اناجیل کا سینٹ پال Saint Paul کی کتابوں کے کافی عرصہ بعد تک کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط تک اور زیادہ صحت کے ساتھ کہا جائے تو ۱۴۰ء کے بعد تک عیسائی تحریروں کے مجموعوں کے متعلق بیانات منظر عام پر آنے شروع نہیں ہوئے اسکے باوجود دوسری صدی عیسوں کے شروع میں بہت سے عیسائی مصنفین صاف طور پر اس امر کا اظہار کرتے ہیں ک انہیں پال کے بہت سے خطوط کا علم تھا۔ یہ بیانات بائبل کے عالمی ترجمہ عہد نامۂ جدید (۱۹۷۲ء) کے ابتدائیہ میں پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ تحریریں جنکا حوالہ دیا جارہا ہے، ایک اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے جسمیں سو سے زیادہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ماہرین خصوصی باہم مجتمع ہوئے تھے۔(۴)

موجودہ عہد نامہ جدید چار انجیلوں پر مشتمل ہے۔ انجیل متی Mathew، انجیل مرقس Mark، انجیل لوقا Luka اور یوحنا John، انکے علاوہ کچھ رسالے اور کچھ خطوط اس مجموعہ میں شامل ہیں جنکی مجموعی تعداد ۲۲ ہے۔(۵) عیسائی عقائد میں جنکی بنیاد موجودہ بائبل پر ہے، تثلیث کا عقیدہ سب سے اہم ہے، اسکے علاوہ عیسائیت اپنی موجودہ شکل میں پولیوں یا پال کی

---

(۱) عثمانی، محمد تقی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟ دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص:۹-۱۱

(۲) علی، سید نواب، پروفیسر، تاریخ صحف سماوی، مکتبہ افکار، رابسن روڈ، کراچی پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۳ء/ص:۱۸-۱۹

(۳) ثناء الحق صدیقی، مترجم، موریس بوکائیے مصنف، بائبل، قرآن اور سائنس، ناشر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، اشرف منزل ڈی ۲۳۴/۷ گارڈن ایسٹ کراچی، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۷۱

(۴) ایضاً/ص:۷۶

(۵) ندوی، محسن عثمانی مولانا ڈاکٹر، مطالعہ مذاہب، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی ۱۹۹۹ء/ص:۱۳۷

تشکیل کردہ ہے۔اسی نے عیسائی مذہب کی نئی تعبیر وتشریح کی۔ایسی تعبیر وتشریح جو یونانی اور رومی مذہب سے میل کھاتی ہے۔ عیسائیت کو عالمگیر بنانے کے لئے پال نے حضرت عیسی (علیہ السلام) کی تعلیمات کو مسخ کر کے انمیں بت پرستی کی آمیزش کردی۔ معاشرہ اسکے زمانے میں چونکہ بت پرست تھا اسلئے خالص توحید کو قابل قبول نہ دیکھ کر اُس نے شرک کی آمیزش کردی تاکہ مسیحیت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل سکے۔(۱)

مذہب عیسائیت کی فرقہ بندیاں

عیسائی مذاہب کے عقائد اور تعلیمات پر تفصیلی طور پر غور کرنا اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم عیسائی مذہب کے تین بڑے فرقوں یعنی [1] مشرقی تقلید پسندی Eastern Arthodoxy [2] رومن کیتھولک Romen Catholic اور [3] پروٹسٹنٹ Protestant شامل ہیں۔(۲)

[1] مشرقی تقلید پسندی Eastern Arthodoxy

مشرقی کلیساء کے سرکاری اور غیر سرکاری دستاویزات میں مختلف نام بیان کئے جاتے ہیں، چنانچہ کوئی اسکو The Arthodox Catholic of Apostolic Church of the East. کہتا ہے اور کوئی The Eastern Church. کہتا ہے، کوئی صرف Orthodox Church. کہتا ہے لیکن حالیہ زمانے میں مشرق کے ماہرین دینیات Orthodoxy or Orthodox Church. کہتے ہیں۔آرتھوڈکس سے انکے نزدیک مراد صحیح اعتقاد سے زیادہ صحیح عبادت، صحیح اقرار گناہ اور اس قیادت کا غیر متنازعہ تسلسل ہے، نیز مذہبی رسومات کا اشتراک ہے جو قدیم کلیسا کی پیداوار ہے اور جو اب تک جاری ہے۔مشرق کا لفظ کلیسا کے کسی مقامی یا جغرافیائی حد کو ظاہر نہیں کرتا، یہ صرف دوسرے روم (یعنی قسطنطنیہ) کی شاندار یاد کو ظاہر کرتا ہے جو مشرقی عیسائیوں کے ذہن میں سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کا جانشین تھا۔اور جو تقلید پسندی اور قدامت پرستی کی روایات کا گہوارہ تھا۔(۳) مشرقی تقلید پسندی میں عقائد وعبادات کے اعتبار سے درج ذیل صورتحال سامنے آتی ہے:

---

(۱) ندوی، محسن عثمانی مولانا ڈاکٹر، مطالعہ مذاہب، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی ۱۹۹۹ء/ص:۱۳۹

(۲) المسدوسی، احمد عبداللہ،، مذاہب عالم،، مکی دارالکتب، ۲۳، میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور۔مئی ۲۰۰۲ء/ص:۱۵۲

(۳) ایضا

عقائد:

(الف) مشرقی کلیساء کی ذہنی، عبادتی اور عملی زندگی کا اصل یہ ہے کہ مسیح کا بشکل انسان دوبارہ پیدا ہونا ہے.

(ب) مشرقی کلیساء یسوع مسیح کی انسانی اور الٰہی نوعیت کا اقرار کرتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ کی خدا بصیرت انسان کی حیثیت سے مکمل وجودی اتحاد کی حیثیت سے تعبیر کرتا ہے.

(ج) خدا بصورتِ انسان کا وجود، دوبارہ زندگی اور اسکا پُر اسرار اور روایاتی وجود ہی دراصل عشائے ربّانی کی عام عبادت کے اصلی معنی ہیں.

عبادت: مشرقی کلیساء میں سرکاری طور پر مقبول سات عبادات ہیں:

[1]بپتسمہ [2] عید منانا [3] توبہ (دوسرا بپتسمہ) [4] مقدس عشائے ربانی [5] مقدس احکامات

[6] ازدواج [7] مریضوں کی خبر گیری. (۱)

[2] رومن کیتھولک Romen Catholic

رومن کیتھولک کلیساء کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے اپنا منشاء بائبل میں ظاہر کر دیا ہے، لیکن اسکے اظہار اور ابلاغ کا اختیار صرف اُسی کلیساء کو ہے اور کلیسائی احکام بے خطا اور حقیقت مطلق کے علمبردار ہیں بلکہ خدا کے خاص احکام ہیں. اسکے علاوہ یہ کہ مخصوص پادری خدا اور انسان کے متوسل ہیں اور انہیں اعتراف گناہ اور عفو گناہ کا اختیار ہے اور بشپ کی نافرمانی مسیح کی نافرمانی کے برابر ہے. پوپ بحیثیت کلیسائی سردار کے معصوم عن الخطاء ہے. وہ مختلف عقیدے اور وضع رائج کرنے کا مجاز ہے اور کسی کو اسکے اعمال اور اقوال پر رائے زنی کی مجال نہیں. اور یہ کہ خدا اپنی قدرت کاملہ کو اولیاء کے معجزات کے ذریعے ظاہر کرتا ہے. مقدسہ مریم کو خدا کی ماں ٹھرا کر اسکی پرستش کرتے ہیں اور اسکے مجسمے بنا کر اس سے دعائیں کرتے ہیں. کلیسائی رسمیں، تہوار اور دن مقرر ہیں، انکا ایمان ہے کہ یسوع مسیح مقدس عشائے ربانی میں بذاتِ خود حاضر ہوتا ہے. اور روٹی شیرہ انگور حقیقتاً مسیح کے بدن اور خون میں بدل جاتے ہیں. (۲)

---

(۱) السدوسی، احمد عبداللہ، مذاہب عالم، مکی دارالکتب، ۲۳، میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور- مئی ۲۰۰۲ء/ص: ۱۵۸-۱۵۹

(۲) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص: ۴۹۱

[3] پروٹسٹنٹ Protestant

پروٹسٹنٹ یعنی رومی کلیساء کی منکر جماعت ہے. اس جماعت کے رومن کیتھولک جماعت سے اختلافات ہولناک اور طویل مذہبی جنگوں پر منتج ہوئے. جن کے باعث یورپ ٹکرے ٹکرے ہوکر رہ گیا. اگر چہ دونوں جماعتیں تثلیث، الوہیت مسیح، موروثی گناہ اور کفارہ کے عقیدوں پر متفق ہیں، پھر بھی انمیں بنیادی اصولی اختلافات ہیں: پروٹسٹنٹ صرف بائبل ہی کو احکام الہی کی آئینہ دار مانتے ہیں، پوپ اور پادریوں کے الہی مرتبہ کے قائل نہیں ہیں، صرف مسیح کے معجزوں کو مانتے اور اولیاء کے معجزات کا مضحکہ اڑاتے ہیں. انکی رسمیں بجز برطانیہ کی کلیسائے اعظم کے سادہ ہیں اور یہ صرف بپتسمہ کے معتقد ہیں. انکا خیال ہے کہ روٹی شیرہ انگور مسیح میں تبدیل نہیں ہوتے. پروٹسٹنٹ مریم اور مختلف ولیوں کے بتوں کو مذموم گردانتے اور توریت کے پہلے حکم کے تحت اسکو بت پرستی میں شمار کرتے ہیں. تقدیر اور نجات بالایمان کے معتقد ہیں.(۱)

کلیساء کی کونسلیں اور اجتماعات

اس تحقیق کا سلسلہ عقیدہ تثلیث سے وابستہ ہے، اسلئے کہ یہ عقیدہ (تثلیث یعنی تین خداؤں کا تصور عبادت)، حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا جزو نہیں تھا. بلکہ انجیلیت کی تعلیمات میں بھی نہ تھا. یہ مسیحیت کی کونسلوں کی پیداوار تھا جو اُسی مقصد کے لئے منعقد کی جاتی تھیں. اسلئے تثلیث کے زمانہ کے تعین کے لئے ان کونسلوں کا مختصر مطالعہ ضروری ہے. کونسل کے مفہوم سے یہاں یہ مراد ہے کہ حضرت مسیح کے ۲۲ سال بعد انکے تلامذہ یروشلم میں جمع ہوئے اور انھوں نے عہد کیا کہ ختنہ کی رسم ختم کردی جائے، توریت اور اسکی شریعت کو نہ تسلیم کی جائے، اس سلسلہ میں سفر اعمال اصحاح ۱۵ میں مذکور ہے کہ انھوں نے مسیحیوں کے لئے عقائد اعمال سے متعلق چیزوں کی تحقیق کے لئے کونسلوں اور جلسوں کے انعقاد کی رسم ڈالی. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کونسل کا مفہوم عقائد و اعمال سے متعلق مسیحی علماء کا مشاورتی اجتماع یا دوسرے لفظوں میں مجلس تشریعی ہے. مؤرخین کہتے ہیں کہ کونسلوں سے متعلق اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے ۱۸۶۹ء تک منعقد ہونے والی کونسلوں کی تعداد ۲۰ کے قریب ہے. نوفل بن نعمۃ اللہ بن جرجس نے اپنی کتاب (سوسنۃ سلیمان) میں بعض کونسلوں کی نوعیت اور اُن کی قراردادوں سے اختلاف کرتے ہوئے یہی تعداد بتائی ہے. ان اہم کونسلوں کی تعداد چار ہے جنکا تثلیث سے تعلق تھا:

---

(۱) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص: ۴۹۱

۱-اجتماع نیقیہ (اوّل) منعقدہ ۳۲۵ء، ۲-اجتماع قسطنطنیہ (اوّل) منعقدہ ۳۸۱ء، ۳-اجتماع افسس منعقدہ ۴۳۱ء اور ۴-اجتماع خلقیدونیہ منعقدہ ۴۵۱ء (۱) ان کونسلوں کے اجتماعات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- یہ مسیحی اجتماعات خواہ عالمی نوعیت کے ہوں یا مقامی اور محدود پیمانے کے وہ بہر حال اختلاف عقیدہ کے سائے میں منعقد ہوئے، اور جنگی کبھی کوئی واضح تفسیر نہیں ہوسکی.

۲- ان کونسلوں نے نہ عقیدے کا کوئی اختلاف دو کیا نہ مسیح کی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا بلکہ اُس نے اور اختلافات کو بڑھادیا، اور مخالفین کے خلاف سختی برت کر اختلاف کے خلیج کو اور گہرا بنادیا.

۳- یہ مناقشات اور قرار دادین انجیل کو سامنے رکھ کر نہیں ہوتی تھیں اور نہ ہی انمیں رسائل رُسل سے ہی مدد لی جاتی تھی، بلکہ خود رسائل کو بھی درجہء استناد نیقیہ کی کونسل (۳۲۵ء) کے بعد ہی ایک کونسل کے ذریعہ حاصل ہوا.

۴- اس جنگ و جدال میں کہیں عقیدے اور مسیحیت کے صحیح نقوش نہیں دکھائی دے سکے، اور نہ مسیحی فرقے مسیحیت کو دریافت کر سکے یہاں تک کہ ۶۱۰ء میں اسلامی دعوت منصہ شہود پر جلوہ گر ہوگئی.

چنانچہ اسکے بعد بھی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، تجاویز سامنے آتی رہیں، لیکن انمیں حقیقی مسیحیت پر مبنی بحث کا رنگ کہیں نہیں ملتا بلکہ اسکے برخلاف مسیحیت ایک قومیت کا رنگ اختیار کرگئی.(۲)

---

(۱) چلپی، متولی یوسف مترجم: مولوی شمس تبریز خان، مسیحیت علمی و تاریخی حقائق کی روشنی میں، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، س ن/ص: ۱۱۳-۱۱۵

(۲) ایضا/ص: ۱۳۰

عیسائیت میں معاشیات کی اہمیت

عیسائیت میں درجہ بالا حالات کے پیش نظر آج کے دور کے مصنفین بھی معترض ہیں کہ:

Zealous Christians and skeptical or antagonistic critics agree that modern society is by no means Christain; they differ as to attitude, of deploring or rejoicing. Its spokesmen commonly teach that a general and thoroughgoing acceptane of Christianity would solve all our social problems. On the other hand, extreme critics hold that Christianity is reconcilable with a high level of civiliztion only becuase it is not taken seriously, because in practice its content is always defined in terms of the current ethical "commonsense". It is also pointed out that the early Christians themselves expected the immediate Second Coming of Christ, and the establsihment of the Kingdom of God on earth, which would end all mundane problems, and hence they were not dealing with problesm of dstant times. (1)

''قدامت پسند اور نقاد اس بات سے متفق ہیں کہ ماڈرن دنیا میں مذہب عیسائیت کو کھنگالا نہیں جا سکتا کیونکہ اسکا وجود موجودہ دور کی جدیدیت سے ناآشنہ نظر آتا ہے اور اب یہ کہنے میں کوئی آر نہیں کہ ہمیں اپنے سماجی مسائل کا حل تلاش کر لینا چاہیے۔ اسی طرح ایک اور جگہ کہا جارہا ہے کہ: یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ابتدائی عیسائی محرکوں نے اس بات پر کلی اکتفاء کر رکھا تھا کہ مسیح بہت جلد زمین پر اپنی دوسری حیات میں آنے والے ہیں اور یہ کہ وہ زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کردیں گے، جس سے اُنکے خیال میں تمام مسائل ختم ہوجائنگے، لہٰذا انہوں نے ابتک کسی سماجی مسئلے کے حل کی جانب توجہ ہی نہ دی''۔

جیسا کہ ہم نے تعارف مذہب عیسائیت میں ملاحظہ کیا ہے کہ نصرانیت کی بنیاد (یوحنا، متی، مرقس، لوقا کے حواریوں) کی چار انجیلیوں جنہیں اناجیل اربعہ بھی کہا جاتا ہے، انکا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسوی عقیدہ میں یہ بات نمایاں ملتی ہے کہ وہ بار بار لوگوں کو رہبانیت (جوگی پن)Monasticism کی تعلیم دیتا ہے اور ارباب ثروت و دولت کے لئے خدا کی بادشاہت میں کوئی حصہ تسلیم نہیں کرتا۔ (۲)

(1) Knight, Frank H. 'Freedom and Reform' (Essay in Economics & Social Philosophy) Publisher: Karpehr & Prothers - NY- London-1947/ P-163

(۲) سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰- انارکلی، لاہور طبع دوم ۱۹۸۴ء/ص:۳۸۵

عیسائیت میں معاشیات کا تعلق خدا کی ذات سے جوڑنے کی اہمیت کا نظریہ

درجہ بالا پیراگرف سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ معاشیات کے چند اصول جیسا کہ ہونے چاہیں تھے عیسائیت میں نہیں ملتے البتہ یہ ہے کہ چند ایک پروفیسر، یا تعلیم یافتہ طبقہ یا عیسائی علماء نے بائبل کے حوالاجات کو بنیاد بنا کر معاشی نظام کو ضروریاتِ زندگی مثلا پیسہ (یعنی دولت وسرمایہ)، کمائی، خرچ وغیرہ جسے الفاظ میں پرو کر مختلف مباحث تحریر کئے ہیں جنہیں ہم اپنے مطالعہ میں شامل کرتے ہیں:

پہلی اہم بات: پیسہ کے متعلق خدا کی تدبیر پانے کی اہم رائے موجود ہے

خدا کی تدابیر میں بشمول پیسہ اور لوگوں کا تعلق خدا سے مضبوط کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے مختلف پروفیسر ڈیرک پرنس جو بائبل کے استاد ہیں اپنی تصنیف 'خدا کی تدابیر، تمہارے پیسہ کے بارے میں' 'God's Plan for your money' میں لکھتے ہیں کہ:

"You may be surprised to learn that God has a plan for you money. You may have the idea that money is too sordid for spiritual people. Like some of us, you may have grown up with a relgious background which referred to money as "filthy lucre". However, this is not a biblical view of money. In contemporary culture, money plays a large role in each of our lives. If God doest not have plan for our money, then a major part of living is not under His Control. In turn, this will inevitably affect other areas of our lives. the truth is that many Christians, whose lives are not really under God's control, try to solve their problems by becoming more "spiritual". However, many times the answer is to be more pratical. If you are not handling your finances in line with God's plan, then your whole life is out of joint. No matter how spiritual you may be in other areas, you will nevery know the real blessing and overruling of God in your life until you bring your money into line with the will of God as revealed in His Word. (1)

---

(1) Derek Prince - God's Plan for your Money - Publisher:Whitaker House-USA - 1993/Page-7

You see, the Bible clearly reveals that God does have a plan forourmoney.

As a teacher of God's Word, it is my responsibility to share with you God's plan for your money just as I would share His plan for any other area of your life. In Acts Paul says this: "You know that I have not hesitated to preach anything that would be helpful to you but have taught you publicly and from house to house. For I have not hesitated to proclaim to you the whole will of God"..{Acts 20:20,27} In other words, Paul is saying that he has declared to them the whole will of God, the whole will of God includes His will for our money. It is part of the total counsel or plan of God. I want to point out something else that is very important about your money. Do not underestimate your money, belittle it, or think it is unspiritual or unimportant. What does your money really represent? I suggest that it represents four very important aspects of you: your time, your strength, your talents, and quite possibly, your inheritance

Your inheritance may be money or other valuable things, like houses or lands, which were passed on to you from people who loved and cared for you when their lives came to an end. Perhaps you wen to college and had a fairly elaborate education. All those years of education are represented by your money because if you did not have the education you could not make the money that you do. Or you might have special talents or abilities that are not in the academic field, that are more practical in nature. Those talents and abilities are represented in your money. Certainly, too, your money represnts your time. If you work eight hours a day, five days a week, that is forty hours of your lie invested in the money you earn. When you invest your money, your are investing a major part of yourself for good or bad. I hope you can begin to see how important it is that you invest yourself through your money in that which is good and in accordance with God's will and plan. (1)

---

(1) Derek Prince - God's Plan for your Money - Publisher:Whitaker House-USA - 1993/Page-7-8

ترجمہ۔

’’آپکو یہ بات جان کر حیرت ہوگی کہ خدانے آپکے لئے پیسہ کا منصوبہ تیار کر رکھا ہے، تمہیں اندازہ ہوگا کہ دولت روحانیت کی دشمن ہے، جیسا کہ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنکی پرورش مذہبی اطوار پر ہوئی ہے جو دولت کو محض غلیظ منفعت کا ذریعہ ہے۔ حالانکہ یہ دولت سے متعلق بائبل کا نقطہ نظر نہیں ہے، البتہ آج کی دنیا میں دولت کا ہماری زندگیوں میں بہت اہم کردار ہے، اگر خدا دولت سے متعلق منصوبہ نہ دیتا تو اسکے معنی یہ تھے کہ خدا کا ہماری زندگیوں کے ایک بہت اہم اور بڑے حصّہ پر کوقبضہ قدرت نہیں ہے۔ جولازم ہے کہ زندگی کے بقیہ حصّوں پر اس بات کا اثر پڑتا۔ سچ تو یہ ہے کہ جن میسحوں کا خدا سے تعلق کم تر ہے وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے اپنے آپکو روحانی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ انہیں زندگی کی تلخیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ اپنے اقتصادی معاملات خدا کے منصوبوں کے مطابق نہیں گزار رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ آپکی پوری زندگی بے جوڑ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ بقیہ معاملات میں آپ خواہ کتنے ہیں کیوں نہ روحانی ہوں جبتک کہ آپ اپنے ان اقتصادی معمملات کو خدا کے بھیجے ہوئے اصولوں پر مرتب نہیں کر لیتے۔ اُس وقت تک آپ خدا کی رحمتوں کا کبھی بھی اندازہ نہیں کر سکتے۔ آپ ملاحظہ کریں کہ بائبل میں خدا کی جانب سے دولت سے متعلق کیا منصوبہ بندی موجود ہے۔ کلام خدا کا استاد ہونے کی حیثیت سے میری زمہّ داری ہے کہ میں خدا کی اُن منصوبہ بندیوں کو اُسی طرح آپ کے سامنے لاؤں جیسا کہ میں دوسرے معاملات کے لئے لاتا ہوں۔ پال کہتا ہے کہ:

’اور جو جو باتیں تمہارے فائدہ کی تھیں اُن کے بیان کرنے اور علانیہ اور گھر گھر سِکھانے سے کبھی نہ جھجکا‘ - کیونکہ میں خدا کی ساری مرضی تُم سے پورے طور پر بیان کرتے سے نہ جھجکا۔‘‘(۱)

دوسرے الفاظ میں پال کہتا ہے کہ اُس نے خدا کی مرضی پوری طرح واضح کر دی ہے، اور اُس نے خدا کے کلام میں سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی ہر طرح کی تعلیم دے دی ہے۔ چنانچہ خدا کی کُل مرضی میں ہی ہمارے پیسہ کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ جو اسکے تمام منصوبہ بندیوں کا ایک اہم حصّہ ہے۔

---

(۱) ترجمہ؛ بحولہ سابقہ پیراگراف؛ بحوالہ عہد نامہ قدیم؛ اعمال/ ۲۰:۲۰، ۲۷

ترجمہ-

''مجھے کچھ اور اہم بات بھی کرنی ہے. اپنی رقوم کو اپنے خرچوں سے تجاوز نہ کرنے دو، اسمیں قناعت کرو، کیونکہ یہ بے مقصد اور روحانیت سے دور کرنے والی شئے ہے. تمہاری اس رقم سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ میں بتاتا ہوں کہ یہ چار قسم کے معاملات پیش کرتی ہے، ایک یہ کہ تمہار وقت صرف کراتی ہے، دوسرا یہ کہ تمہاری محنت لگتی ہے، تیسرا یہ کہ تمہارے ہنر کا استعمال ہوتا ہے، اور چوتھا یہ کہ ممکن ہے یہ تمہاری نہ رہے بلکہ تمارے وارثوں کے حوالے کر دینی پڑے. (یہ اس احساس کی ایک جھلک ہے کہ موت تو کسی وقت بھی آ سکتی ہے). اسی طرح تمہیں وراثت میں ملنے والی رقم تمہاری دولت یا کوئی بھی قیمتی شئے ہو سکتی ہے، جیسا کہ کوئی گھر یا زمین وغیرہ جو تمہیں اُن لوگوں سے ملی ہو جو تم سے شدید محبت کرنے والے تھے، یا یہ کہ انہوں نے مرگِ موت میں تمہارا خیال کیا ہوگا. اور یہ کہ کالج میں تم نے علم کی تلاش میں جو وقت گزارا ہے وہ تمہارہ قیمتی ترین دولت ہے. کیونکہ اگر تم اپنا علم حاصل نہیں کر سکتے تھے تو تم آج جو تم دولت کمار ہے ہو نہ کما سکتے تھے. (یعنی عزت کے ساتھ). اسی طرح جتنی بھی ہنر مندیاں تمہارے اندر چھپی ہیں، وہ عملی زندگی میں نمایاں طور پر کام آنے والی ہیں، وہ بھی تمہارا سرمایہ ہے. یقیناً تمہارا وقت جو تم آٹھ گھنٹے خرچ کرتے ہو بڑا قیمتی ہے، جو ہفتہ کے پانچ دنوں میں ملا کر کُل چالیس گھنٹہ بنتا ہے، جسمیں تمہاری زندگی کا قیمتی حصہ خرچ ہو رہا ہے. لہذا جب تم اپنی دولت کو کہیں لگا رہے ہو خواہ وہ اچھی جگہ ہو یا بری تو یاد رکھو دراصل تم اپنا قیمتی سرمایہ کھپا رہے ہو. مجھے امید ہے کہ تم اب یہ جان سکے ہو گے کہ سرمایہ کھپانے میں یقیناً اُن اچھے کاموں کی طرف اشارہ ہے جو خدا کی مرضی میں شامل ہیں.'' (۱)

دوسری اہم بات: پیسہ کے ذریعے دنیاوی تعلقات کو نباہنے کی اہم رائے

ہاورڈ ڈیٹن کی کتاب 'آپ اور آپ کا پیسہ' میں لکھتے ہیں:

'کئی سال پہلے میں اور میرے ایک دوست نے اپنے بڑھتے ہوئے کاروبار اور اپنے خاندانوں کے روز مرّہ کے اخراجات کے لئے کلام (کتبِ مقدّسہ) کو پیش نظر نہ رکھتے ہوئے چند فیصلے کئے تھے. لیکن پھر ہم نے سب سے اچھے خاوند اور بزنس مین (تاجر) بن جانے کے لئے یہ تہیہ کیا کہ پاک کلام کو بھی دیکھیں کہ وہ پیسے کے بارے میں کیا کہتا ہے- ہم دونوں نے مل کر پوری بائبل پڑھی، ہمیں پیسے کے بارے میں دو ہزار تین سو پچاس (۲۳۵۰) آیات ملیں جنہیں ہم نے عنوانات کے تحت لکھ لیا. پھر ہم نے انہیں سیمناروں اور اپنے چرچ میں پیش کیا. لوگوں کا ردِّعمل بڑا حوصلہ افزا تھا. انہوں نے بہت سارے سوالات کئے اور پریشانیوں کے کئی ایک مقامات کی نشاندہی کی. اس قسم کی

(۱) ترجمہ؛ بحوالہ سابقہ پیراگراف؛

گروپ اسٹڈی کے ذریعے ایلن اور جین جیسے ہزاروں لوگوں کی مدد کی گئی. ہم نے دیکھا کہ اکثر مسیحی اپنی زندگیوں پر خدا کے مالی اصولوں کا اطلاق نہیں کرتے. لیکن ان اصولوں کا اطلاق درج ذیل تین وجوہات کی بنا پر بڑا ہی ضروری ہے:

۱- ہمارا پیسے خرچ کرنے کا انداز، ہماری خداوند کے ساتھ رفاقت پر اثر انداز ہوتا ہے.(۱)

ہم لوقا میں پڑھتے ہیں کہ 'جب تم ناراست دولت میں دیانت دار نہ ٹھہرے تو حقیقی دولت کون تمہارے سپرد کرے گا؟' (۲)

۲- **ہماری املاک خداوند کا مقابلہ کرتی ہیں:** ہماری املاک ہماری زندگیوں پر حاکمیت کے لئے خداوند کا مقابلہ کرتی ہیں. خداوند ہمیں کہتا ہے کہ ہم اِن دو میں سے کسی ایک کو چُن لیں.

'کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے' (۳)

۳- **ہماری زندگی کا زیادہ حصہ پیسے کے استعمال کے گرد گھومتا ہے:** یہ فیصلہ کرنے میں کہ پیسہ کیسے خرچ کریں، کیسے بچائیں، کاروبار میں کیسے لگائیں، قرض کیسے اتاریں یا کس خدمت میں ہدیہ دیں کتنا وقت خرچ کرتے ہیں؟ خدا نے پیسے کو اِستعمال کرنے کے لئے ہمیں بائبل میں ہدایات دی ہیں کہ ہم مدد کے لئے کس سے رجوع کریں. اسکے دو طریقے ہیں ایک بائبل اور دوسرا وہ حل جو لوگوں نے ایجاد کر رکھا ہے. جس طریقے سے اکثر لوگ پیسے کو خرچ کرتے ہیں وہ خدا کے مالی اصولوں کے قطعی خلاف ہے. (۴)

'خداوند فرماتا ہے کہ میرا خیال تمہارا خیال نہیں اور نہ تمہاری راہیں میری راہیں ہیں' (۵)

---

(۱) ڈیٹن، ہاورڈ ترجمہ: وکلف اے، سنگھ. 'آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر- ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء/ص:۹

(۲) عہدنامہ جدید؛ لوقا/۱۶:۱۱

(۳) عہدنامہ جدید؛ متی/۶:۲۴

(۴) ڈیٹن، ہاورڈ ترجمہ: وکلف اے، سنگھ. 'آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر- ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء/ص:۱۱

(۵) عہدنامہ قدیم؛ یسعیاہ/۵۵:۸

بائبل میں قناعت پسندی کا ذکر سات مرتبہ آیا ہے اور اِن میں سے چھ کا تعلق پیسے سے ہے. پولس فلپیوں میں لکھتا ہے:

'میں نے یہ سیکھا ہے کہ جس حالت میں ہوں اُسی پر راضی رہوں. میں پست ہونا بھی جانتا ہوں اور بڑھنا بھی جانتا ہوں. ہر ایک بات اور سب حالتوں میں میں نے سیر ہونا، بھوکا رہنا اور بڑھنا سیکھا ہے. جو مجھے طاقت بخشتا ہے، اُس میں میں سب کچھ کرسکتا ہوں' (۱)

مصنف لکھتا ہے کہ ان آیات پر احتیاط سے غور کریں. ہم قناعت پسندی کی عادت کے ساتھ پیدا نہیں ہوتے بلکہ اِسے سیکھنا پڑھتا ہے. چنانچہ اِن اصولوں کو معلوم کر لینے اور پھر اُن پر عمل کرنے سے آپ مسیح کے زیادہ قریب ہوجائیں گے. اپنے آپ کو اُسے بطور خداوند پورے طور پر دے دیں گے. قناعت پسند ہونا سیکھ لیں گے اور اپنا مالی گھر درست کرلیں گے.(۲)

تیسری اہم بات: قناعت پسندی کا درس

مصنف موصوف کلامِ مقدّس کے بارے میں لکھتا ہے کہ 'یہ پہلا پیمانہ ہے جس پر میں اپنے مالی فیصلوں کو پرکھتا ہوں' (۳) داؤدؔ کی زندگی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اُسے بادشاہ بننے کے لئے ضروری چیزیں ایک ہی بار نہیں دے دی تھیں. وہ داؤود کو ضرورت کے مطابق عین وقت پر ملیں. بعض اوقات خدا نے میری خدمت میں بھی کچھ چیزیں روک لیں. جب ایسا ہوتا تو میں بڑا شش و پنج میں پڑ جاتا. لیکن بعد میں مجھے علم ہوا کہ اگر وہ مجھے جلد مل جاتیں تو میں انھی دانش مندی سے استعمال نہ کرتا.(۴)

معاشرہ کہتا ہے: خدا مالی معاملات میں کوئی کردار ادا نہیں کرتا، میری خوشحالی کی بنیاد میری اس قابلیت پر ہے کہ میں اپنے مطلوبہ معیارِ زندگی کو حاصل کرسکتا ہوں کہ نہیں. پاک کلام کہتا ہے: جب آپ پیسے کے استعمال کے بارے میں کلام کے اصولوں کی پیروی کرنا سیکھ لیتے اور اُن پر عمل کرتے ہیں تو آپ مسیح کے زیادہ قریب آجاتے ہیں اور ہر حالت میں راضی رہنا سیکھ لیتے ہیں.(۵)

---

(۱) عہدنامہ جدید: پولس فلپیوں/۴: ۱۱-۱۳

(۲) ڈیٹن، ہاورڈ ترجمہ: وکلف اے، سنگھ. 'آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر- ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء/ص: ۱۲-۱۳

(۳) ایضاً/ص: ۶۳

(۴) ایضاً/ص: ۲۵

(۵) ڈیٹن، ہاورڈ. 'آپ اور آپ کا پیسہ' محولہ سابقہ/ص: ۱۵

چوتھی اہم بات: تجارت میں دیانتداری، اور خوش اخلاقی کا درس

وہ لوگ جو دیانتداری، خوش اخلاقی کے ذریعے اپنی تجارت کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں ج عبرانی کتاب مقدس انکی اس ابتدائی کاوش کیلئے، نصیحت آموز فرمودات سے لبریز ہے. کچھ باتیں جو اس اشاعت میں شامل ہیں، وہ یہ ہیں: ماحولیاتی نقطہ نظر، غرباء کی بلاامتیاز دستگیری، ملازمین سے مساویانہ رویّہ، انکی اجرت، اور کرایہ کا وقت پر ادا کرنا، انکے مفادات کے بارے میں سہولیات فراہم کرنا، جسمیں خصوصا دیانتداری کا اہتمام، قیمتوں میں استحکام، اوزان و پیمانہ جات کے معیاری درستگی کی ضمانت، لین دین کے معاملہ میں ایمانداری کا پاس، وغیرہ جیسے اخلاقیات وضع کیے جائیں، جو تما شکوک وشبھات سے بالاتر ہوں، جسکے باعث تاجر کے دن کا بیشتر حصہ ایمانداری پر گزرے. مصنف نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتا ہے، کہ کتب مقدسہ واضح کرتی ہے، کہ انفرادی یا (اجتماعی طور پر کوئی) ادارہ جو ان اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہوگا، وہ یقیناً فطری کامیابی حاصل کر سکے گا.

'بہت سے ادارے اس حقیقت پسندی کو اختیار کئے ہوئے ہیں کہ اخلاقیات کی بناء پر تجارتی عوامل کے دوررس نتائج حاصل ہوتے ہیں. کوئی ادارہ مارکیٹ میں اپنی ساکھ بنانے کیلئے اپنے گاہک کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کو ترجیح دیتا ہے. جسمیں سوسائٹی کی ضروریات، اس ادارے کے ملازمین کی ضروریات، شراکت دار سے لیکر سپلائرز تک سے تعلق رکھنا پڑتا ہے. چنانچہ اس قسم کے ہر فرد کا لب لباب ان اخلاقی اقدار کا باہمی تعلق استوار رکھنا ہے. (۱)

اب اہلِ کتاب یہودیت وعیسائیت کے لئے یہ مقامِ فکر ہے کہ باوجود تمام اعلیٰ درجہ کے احکامات برائے حلال زرائع اقتصادیات کے بائبل میں موجود ہیں تب بھی اس مذہب کے پیروکاروں نے اپنے ہی دین کی اہمیت کو نہ جانا تب یوں ہوا کہ اشتمالیت اور سرمایہ دارانہ نظام نے انسانیت کی وہ بیخ کنی کرنا شروع کردی حتی کہ عیسائیت و یہودیت سمیت اسلام کی اقدار بھی بحثیت مذہب کے کمزور پڑگئیں، اور اب ان تمام مذاہب کے ماننے والے اقتصادی نقطہ نظر سے تقریبا لادین یا لامذہب ہوچکے ہیں، جنکے آگے پیسہ اُنکا سب سے بڑا خُدا نظر آتا ہے. اور وہ رہبانیت، وہ ترکِ دنیا، وہ عیسی وموسی علیہم السلام کا غریب الوطن ہونے کو اپنانا سب کا سب غیر معنی کر کے رکھ دیا.

---

(1) Journal of Market and Morality -Bible Foundation of Business Ethics www.biblefoundation.com/2006

دوسری فصل

معاشیات کی اہمیت اسلام کی روشنی میں

تعارف مذہب اسلام

مذہب اسلام کسی تعارف کا محتاج نہیں یہ اپنی تعریف خود ہے، لفظ اسلام 'سلم' سے مشتق ہے جسکے معنی 'امن و سلامتی' کے ہیں. یہ وہ مذہب ہے، جسکے ماننے والوں کو مسلمان کہا جاتا ہے، حتی کہ اس مذہب کو لوگوں تک پہنچانے والے پیغمبر و رُسل سب ہی اپنے آپکو مسلمان کہتے تھے. اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اللہ تعالی نے اس مذہب اسلام کی پہچان یہ بتلائی کہ 'ان الدین عند الله الاسلام' (۱) یعنی اللہ کے نزدیک اگر کوئی دین ہے تو صرف اسلام ہے. یہاں پر اسلام نے مذہب کے لئے 'دین' کی اصطلاح متعارف کرائی ہے اور یہ مخصوص اصطلاح ہی اسلام اور مسلم امّۃ کی مذہبی علامت ہے. امام راغب اصفہانی دین کے لفظی معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: 'الطاعة و الجزاء و استعير للشّريعة و الدين كالملّة يقال اعتبار ابالطّاعة و الا نقياد للشّريعة' (۲) دین کے معنی اطاعت اور جزاء کے ہیں. اسکا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے. دین اور ملت مترادف ہیں. شریعت پر اسکا اطلاق اُن معنوں میں ہوتا ہے کہ شریعت کی اطاعت اور اسکے سامنے اپنی گردن جھکا دینا اور خم کرنا لازم ہے. اسکے علاوہ 'دین' کے معنی ذلیل ہونا، فرمانبرداری کرنا بھی ہیں، قوم 'دین': فرماں بردار لوگ؛ حدیث میں ہے. الكيس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت- یعنی 'عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرتے'- دین اسلام سے مراد زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جس میں آدمی اپنے آپ کو خدا کے آگے جھکائے ہوئے ہو، وہ خدا کا ایسا تابعدار بن جائے کہ اس کے جذبات و احساسات تک خدا کے آگے بچھ جائیں. (۳) چنانچہ اللہ کے حکم اور اس کے رسولوں کی لائی ہوئی شریعتوں کو تسلیم کر لینے، ان کے سامنے جھک جانے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کا نام دین ہے. (۴)

---

(۱) قرآن کریم؛ سورۃ آل عمران/۳:۱۹

(۲) راغب الاصفہانی/ مفردات القرآن، بیروت، دار صادر- الدین/ مزید دیکھیں- مقالہ: ثانی، حافظ محمد ڈاکٹر، مقالات سیرت، شعبہ تحقیق و مراجع، وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد- ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء/ ص- ۲۵

(۳) خان، وحید الدین مولانا، دین کیا ہے، مکتبہ الرسالہ، جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ٦ س ن/ ص: ۲

(۴) الجصاص الحنفی، ابوبکر احمد بن علی الرازی علامہ مترجم عبد القیوم احکام القرآن شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد پنجم/ ص: ۲۲۸

یہ ایک تاریخی ، ابدی اور نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا داعی ، تحمل و برداشت ، عفو و درگزر ، رواداری اور احترام انسانیت کا سب سے عظیم علمبردار دین ہے. اسکی نگاہ میں بنی نوع انسان کا ہر فرد بلاتفریق مذہب وملت احترام کا مستحق ہے. وہ رنگ ونسل ، بدامنی اور دہشت گردی ، عدم برداشت اور انتہا پسندی کے ہر غیر اسلامی اور غیر انسانی جذبے سے یکسر پاک ہے. مختصر یہ کہ اسلام ''سلامتی'' اور ایمان ''امن'' سے عبارت ہے. اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی اور احترام انسانیت کا درس دیا ہے. اس نے پرامن بقائے باہم کے لئے بلاتفریق مذہب وملت **'لکم دینکم ولی دین'** (۱) کا نظریہ عطا کر کے غیر جانبداری ، اعتدال پسندی اور امن وسلامتی کا فلسفہ عطا کیا ہے. (۲)

لفظ ''دین'' ایک جامع مفہوم کا حامل ہے

دین کا لفظ کلام عرب میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے. لیکن اسکے سارے استعمالات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے، یعنی

(الف) غلبہ وتسلط ، کسی ذی اقتدار کی طرف سے؛

(ب) اطاعت اور بندگی ، صاحب اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے؛

(ج) قاعدہ وضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے ، اور

(د) محاسبہ اور فیصلہ اور جزا اور سزا قرآن کی زبان میں لفظ دین ایک پورے نظام زندگی کی نمائندگی کرتا ہے، جسکے اجزائے ترکیبی یہ چار ہیں:

۱- اللہ تعالی کی حاکمیت اور اسکا اقتدار اعلی؛

۲- اس حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم واطاعت؛

۳- وہ مکمل نظام فکر وعمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے؛

۴- جزاء وسزا جو اقتدار اعلی کی طرف سے اس نظام کی وفاداری اور اطاعت یا سرکشی وبغاوت کے صلہ میں دی جائے.

---

(۱) قرآن کریم؛ سورۃ الکفرون/۱۰۹:۶

(۲) ثانی، ڈاکٹر حافظ محمد، مقالاتِ سیرت، شعبہ تحقیق ومراجع، وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد- ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۴ء /ص:۲۵-۲۶

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ''دین'' ایک ایسا نظام زندگی ہے جس میں انسان کسی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر کے اسکی اطاعت وفرما برداری قبول کرے۔ اسکے حدود وضوابط اور قوانین کے تحت زندگی بسر کرے، اسکی فرمابرداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اسکی نافرمانی پر ذلت وخواری اور سزا سے ڈرے۔ حاکمیت کا یہ مقام خدائے واحد کو حاصل ہے۔ اور اسلام وہ دین ہے جو اس حاکیت کی اساس پر قائم ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے صحیح طریقۂ زندگی قرار دیا ہے: **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** ط(۱) یعنی: آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے 'اسلام' بحیثیت دین پسند کیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه** ج اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا اُس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا'۔(۲)

چنانچہ '**اسلام**' وہ **دین** ہے جو خدا کی حاکیت کی بنیاد پر ایک پورا ضابطۂ زندگی پیش کرتا ہے۔ اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اُسے قبول کرے اور اسکی پیروی کرے کیوں کہ خدا کے قانون کے آگے جھکنے اور اسکی اطاعت کرنے کا نام ''**اسلام**'' ہے۔ اور اس میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ خدا کی بندگی اور اطاعت کے نتیجے میں زندگی کا جو نقشہ ابھرے کا وہ امن، سلامتی اور آشتی کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا، اس میں قلب کو اطمینان حاصل ہوگا اور انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حقیقی امن اور سکون قائم ہوگا۔ نیز اس زندگی کے بعد بھی انسان کو اُس ابدی زندگی میں سلامتی اور آشتی میسر آئے گی۔(۳) یہ عقیدہ ایک مکمّل نظامِ زندگی ہے۔ اور یہ امّت 'امّتِ مسلمہ' اس عقیدہ کی وارث اور امین ہے۔ وہ زمین پر خلافتِ الٰہیہ کی منصبدار ہے اور یہی اسکا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ امّت لوگوں پر گواہ ہوگی اور اسکے فرائض میں یہ داخل ہے کہ کُل عالم بشریت کی قیادت کرے۔(۴) یہی ایک وجہ ہے جس کے باعث اقتصادی عوامل کو زیر بحث لانا ناگزیر ہوا۔ جس میں دیگر ادیان کے مقابلے میں اسلام کا سب سے زیادہ تناسب بحیثیت تقابل ادیان اہل کتاب ہی سے بنتا ہے۔

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ المائدہ/۵:۳

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ آلِ عمران/۳:۸۵

(۳) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات- شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ- کراچی یونیورسٹی- کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء/ص: ع-ف

(۴) شہید، سیّد قطب، فی ظلال القرآن، ترجمہ، شیرازی، سیّد معروف شاہ، منشورات اسلامی، رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، پارہ دوم، س ن/ص: ۲۶۰

عقیدہ اسلام

اسلام کا عقیدہ ''توحید'' **Monotheism** کہلاتا ہے جس پر اسکی بنیادیں قائم ہیں، جسکے لغوی معنی 'ایک بنانا' یا 'یکتائی کا اثبات' ہیں. اس لیئے متکلمین کی اصطلاح میں اللہ کی 'وحدانیۃ یا توحُد' پر اسکا اطلاق کیا جاتا ہے.(۱) لہذا توحید باری تعالی یعنی ایک اللہ کو ماننا، ایک ایسا نقطہ ہے جس پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے. توحید انسانی تہذیب کو نہ صرف منظم کرتی ہے بلکہ ایک رُخ اور سمت بھی عطا کرتی ہے . یہ نہ ہوتو انسانیت منتشر ہوجاتی ہے. اگر یہ کہا جائے کہ توحید ہی انسانی تہذیب کی حقیقی بنیاد ہے تو غلط نہ ہوگا. لیکن اس سے مراد ایک قوم یا کسی ایک ملک کی تہذیب نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تہذیب ہے کہ '**خدا صرف ایک ھے**'. دنیائے انسانیت میں بے پناہ اختلافات، لامتناہی تفرقہ بازی اور متنوع گروہ بندیاں ہیں لیکن سب کا خالق ایک ہی ہے .(۲) چنانچہ اسلام کا گہرا مطالعہ کرنے کے لئے ہمیں اسلام کے تعلیمی اعتبار سے دو بڑے جزو نظر آتے ہیں، ایک 'اعتقادی' اور دوسرا 'عملی'.

اعتقادی : اعتقادی حصہ کو اصولِ ایمان یا اجزائے ایمان کہا جاتا ہے. اجزائے ایمان چھ ہیں:

یکم - ایک اللہ پر ایمان لانا، دوم - فرشتوں پر ایمان،

سوم - کتب سماوی پر ایمان، چہارم - انبیاء علیہم السلام پر ایمان،

پنجم - بعث بعد الموت پر ایمان اور ششم - یہ کہ تقدیر الٰہی پر ایمان لانا ہے.

عملی : عملی حصہ سے مراد وہ تعلیم ہے جسکے مطابق ایک مسلمان زندگی بسر کرے. عملی حصہ بھی دو حصوں میں منقسم ہے:

ایک نظام عبادت الٰہیہ یعنی 'عبادات'

دوسرا نظام عبودیت یعنی 'حقوق العباد' . (۳)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور- جلد ۶- طبع اوّل- ۱۹۶۲ء/ص:۶۸۲

(۲) خان، محمد یحیی، ذکر محمد ﷺ آسمانی صحیفوں میں- ناشر: نگارشات پبلشرز، مزنگ روڈ، لاہور- ۲۰۰۵ء/ص:۴۹

(۳) چیمہ، چودھری غلام رسول پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء/ص:۶۸۷

مأ خذِ اسلام

بنیادی طور پر مأ خذِ اسلام دو ہیں ایک قرآن- دوسرا سنّتِ رسول ﷺ اور ان کے علاوہ اسلامی احکامات کی مزید تشریح کے لئے اجماع اور قیاس نامی شعبہ جات بھی قائم کئے گئے ہیں، لیکن ان سب کے فوائد سے صرف مسلم امت کو ہی آگاہ کیا جانا کافی ہے، **جبکہ تقابل ادیان میں اوّلین دو ماٰخذھی سے بحث کیجاتی اور سمجھائی جاتی ھے۔**

مأ خذ اوّل - قرآنِ کریم

قرآنِ کریم اسلامی مأ خذ میں اصل الاصول ہے۔یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے جسمیں الٰہیہ حکمت عملی اور دستورِ عمل یعنی Constitution سے بحث ہے(۱) جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے جیسا کہ علاّمہ شاطبیؒ کہتے ہیں:-

"القرآنِ علی اختصاره جامع ولا یکون جامعا الا ولمجموع فیه امور کلیات لان الشریعه تمت بتمام نزول – لقوله تعالی الیوم اکملت لکم دینکم –الایته وانت تعلم ان الصلوة و الزکوة والجهاد و اشباه ذلک لم یبین جمیع احکامها فی القران انما بینتها السنة وکذلک العادیات من الانکحة والعقود ولقصاص ولحدود و غیرها –"(۲)

'قرآن کریم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ اسمیں کلیات بیان ہوئے ہوں۔ کیونکہ شریعت اسکے نزول کے بعد کامل ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا' کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا-' یہ معلوم ہے کہ نماز زکوۃ جہاد اور اسکے مشابہ کے سارے احکام قرآن میں نہیں بیان کیے گئے، انکو سنّت نے بیان کیا ہے اسی طرح نکاح کے معاملات، قصاص ،حدود اور دوسرے معاملات کے تفصیلی احکام قرآن نے نہیں بیان کئے، وہ احادیث میں ہیں'

قرآنِ حکیم سلسلہ ہدایت کا آخری ایڈیشن ہے اس بناء پر اسکی تعلیمات وتفہیمات کا ہر دور اور ہر زمانے میں یکسانیت کے ساتھ پایا جانا لازمی تھا۔ یہ بات اسی صورت میں ہوسکتی تھی کہ ہر شعبۂ زندگی کے حدود واربعہ بتا کر اسکے خطوط کھینچ دیئے جاتے،

---

(۱) امینی، محمد تقی مولانا، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی-ستمبر ۱۹۹۱ء/ص:۶۰

(۲) ایضا بحوالہ: الموافقات المسالة الخامسة ج ۳ ص ۳۶۷

سرحد پر سنگ نشاں کھڑے کردیئے جاتے اور انمیں رنگ بھرنے کا کام حال وزمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں پر چھوڑ دیا جاتا اور ہر دور میں بتائی ہوئی حکمت عملی کے مطابق متعینہ حدود وخطوط پر عمارت کی تعمیر ہوتی رہتی، اس طرح دائرہ کے نقطہ کی قرآنی اصول وکلیات اور اوامر ونواہی اپنی جگہ ثابت وقائم رہتے اور اسکی تعبیر، نیز عملی شکلیں ارتقاء پذیر معاشرے کے ساتھ بدلتی رہتیں اور اگر بالفرض ابتداء ہی میں ساری جزئیات بیان کردی جاتیں اور عملی شکل کے سارے خاکے تیار کردیئے جاتے تو ایک تو اُسکی دستوری پوزیشن باقی نہ رہتی دوسری بڑی بات یہ ہوتی کہ اسکی دوامی اور عالمگیر حیثیت ختم ہوکر ساری تعلیم مخصوص زمانہ تک محدود ہوجاتی اور پھر اسمیں جمود وتعطل پیدا ہوکر ارتقاء پذیر معاشرے کو سمونے اور اقتضاء ومصالح کو جذب کرنے کا ساری صلاحیتیں ختم ہوجاتیں.(۱)

چنانچہ قرآن کریم کی اسلامی شریعت میں وہی حیثیت ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے. یہ قرآن خود نبی ﷺ، اور آپ ﷺ کے بعد سارے مسلمانوں کے لئے، پیشوا ہے. اس قرآن کی وہی خصوصیت وصفت ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے. یعنی یہ کہ اسمیں مخصوص احکام کا بیان مجملا ہے. جزئیات وتفاصیل سے اسمیں بہت کم بحث کی گئی ہے. اسکا اصل کام یہ ہے کہ بنیادی چیزوں کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کرے. وہ زندگی کے ایک ایک پہلو کے مطابق تفصیلی ضابطے اور قوانین نہیں بتاتا بلکہ وہ ہر شعبہ زندگی کے حدود اربعہ بتادیتا ہے.(۲)

''ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم''— بے شک یہ قرآن اس (راہ) کی ہدایت کرتا ہے جو بہت ہی سیدھی ہے.(۳)

اس آیت سے یہ مراد ہے کہ قرآن کریم بظاہر کوئی عبادات کے اصول بتانے ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ سب سے پہلے رسول کریم ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی-

''اقراء باسم ربک الذی خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝ اقراء وربّک الاکرم ۝ الّذی علّم بالقلم۝'' یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا- جس نے انسان کو خون کے جمے ہوئے لوتھرے سے پیدا کیا- آپ پڑھتے رہیے آپکا رب بڑے کرم والا ہے- جس نے قلم کے ذریعے سے (علم) سکھایا.(۴) اس سورۃ میں کتابت کی طرف ترغیب اور اشارہ ہے.

اس سورۃ کے بعد سورۃ قلم کا نزول ہوا یہ بھی کتابت کی طرف اشارہ ہے:

---

(۱) امینی، محمد تقی مولانا، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی- ستمبر ۱۹۹۱ء/ص:۶۱

(۲) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات- شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ- کراچی یونیورسٹی- کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۳۲۶-۳۲۷

(۳) قرآن کریم؛ سورۃ بنی اسرائیل/ ۹:۱۷

(۴) قرآن کریم؛ سورۃ العلق/ ۹۶:۱-۴

'ن وَالقلم وما يسطرون o '(۱) یعنی ن- جسکے معنی اللہ ہی کے علم میں ہیں- قسم ہے قلم کی، اور اسکی جو کچھ وہ (فرشتے) لکھتے ہیں. یہ بھی کتابت کی طرف اشارہ ہے. اور پھر مسلمانوں کو خاص ہدایت کی گئی کے 'یاایھاالذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی فاکتبوہ o '(۲) اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے معیاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو. چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ قرآنِ کریم میں لین دین کے معاملے میں لکھنے پڑھنے کا کتنا عمل دخل ہے.(۳)

مأخذ دوم: سنّت وحدیثِ رسول ﷺ

سنّت کے لغوی معنی طریقے اور راستے کے ہیں. خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ 'جس نے کوئی اچھی سنت قائم کی اُسے خود اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور قیامت تک اُس سنت کی پیروی کرنے والے کے عمل کا بھی' لیکن عرفِ عام میں اس لفظ 'سنت' سے مراد صرف نبی اکرم حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ کا وہ ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے. جس پر آپ ﷺ نے بار بار عمل کیا، جسکی خود محافظت فرمائی اور خود بھی پابند رہے. اور پھر محدثین کی اصطلاح میں آکر اِس لفظ 'سنت' کے مفہوم کا دائرہ پھیل گیا، اور اُس سے مراد ہوا کہ رسول ﷺ کا قول، تقریر (وہ کام جو آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے اُسے منع نہ فرمایا ہو- تقریر کہلاتا ہے) اور آپ ﷺ کی صفات وسیرت (طریقہ زندگی) کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے اس اصطلاح کی رو سے 'سنّت' لفظِ حدیث کا مترادف ہے. قرآن کے بعد سنّت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے، اور قرآن کے بعد اِسکا درجہ آتا ہے- کیونکہ سنّت اپنی اصل حیثیت سے قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیح وتفسیر ہے. لیکن قرآن سے مرتبہ میں مؤخر ہونے کے باوجود ایک جہت سے سنّت بجائے خود ایک مستقبل مصدرِ قانون ہے. کیونکہ اِس میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے، ایک اس لحاظ سے مستقل قانون سازی کا منبع ہونے کے باوجود سنّت قرآن کے تابع ٹھہرتی ہے. کیونکہ وہ قرآن کا بیان وتفسیر ہونے کے علاوہ ان مقامات پر بھی قرآن کے مبادی اور اسکے قواعد عامہ سے متجاوز نہیں ہوتی جہاں قرآن خاموش ہے.(۴)

حدیث: حدیث کے لغوی معنی "نیا یا گفتگو" کے ہیں اسکی جمع 'احادیث' ہے. اسکے اصطلاحی معنی ہیں 'وہ قول وفعل یا تقریر وحال جس کی حضور ﷺ کی طرف نسبت ہو نیز صحابہ کے قول وفعل وتقریر اور تابعی کے قول وفعل کو بھی حدیث کہتے ہیں.(۵)

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ القلم/ ۶۸:۱
(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ: البقرۃ/ ۲۸۲:۲
(۳) صارم، عبدالصمد قاضی، تاریخ القرآن، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ روڈ، کراچی، س ن/ص:۱۵
(۴) خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۳۲۷-۳۲۸
(۵) تالیف: الاسعدی، محمد عبیداللہ مولانا، علوم الحدیث- مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد، کراچی، س ن/ص:۱۸

حجیتِ حدیث وسنت :

حدیث اور سنت دونوں مترادف ہیں، جیسا کہ محدثین کی اصطلاح ہے کہ سنت کو رسول ﷺ کے طریق عمل کے لئے خاص سمجھا جائے اور حدیث کو قول رسول ﷺ کے لیے. بہر حال حدیث وسنت کی حیثیت دین اسلام میں سند اور حجت ہونے کی ہے.(۱)

اسلام میں معاشیات کی اہمیت

اسلام نوع انسانی کے لئے عالم گیر، دائمی، حتمی اور کامیابی کا ضامن لائحہ عمل مہیا کرتا ہے. اپنی وسعت ہمہ گیری اور اکملیت کے باوصف ہونے کے باعث اسلام نے حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں کیلئے جو جامع و مانع پروگرام مرحمت کیا ہے اسمیں معاشی زندگی کے مسائل اور انکے حل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے. معاشی جدو جہد اور کسب معاش کے لیے اسلام کے فراہم کردہ اصولوں میں محنت، اسکی ضرورت وعظمت، سرمایہ اسکا حصول وصرف، زمین اسکی ملکیت، پیداواری صلاحیت اور اس پر محنت کے اصول، مارکٹنگ اور معاشی لین دین میں صداقت وامانت دیانتداری وراست بازی، حق گوئی وسچائی کی اہمیت اور دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری، بلیک مارکٹنگ اور ملاوٹ کی مذمّت، رشوت اور سود کی حرمت اور مخربِ اخلاق ذرائع آمدنی کی حرمت شامل ہے. جبکہ معاشرتی زندگی کے حوالہ سے ہمدردی، غم گساری، ایثار وقربانی اور انفاق فی سبیل اللہ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے. مختصراً یہ کہ کسب معاش کے یہ سنہری اصول جس نقطہ کے گرد گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ ہے، عدالت وامانت اور حق گوئی وراست بازی.(۲)

آج کا انسان اپنے معاشی تحفظ کی تلاش میں سرگرداں ہے، اسلام ایک سواء السبیل کی حیثیت رکھتا ہے. جس کی پیروی انسان کو تمام لغزشوں سے بچا کر سیدھی منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے. اسلام نے انسان کے فقر وفاقہ اور معاشی زبوں حالی کے حل کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ نہایت متوازن اور معتدل ہے. وہ معاشرہ اور فرد دونوں کی ضروریات واحتیاجات کو ملحوظ رکھتا ہے. وہ نہ تو معاشرہ کو اتنے قاہرانہ اختیارات دیتا ہے کہ فرد کی ذات مسخ ہو کر رہ جائے اسکی ذہنی وجسمانی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جائیں. اسکی آزادیِ عمل سلب ہو جائے اور اسکی محنت اور سعی وجہد کے ثمرات سے وہ محروم کر دیا ئے اور نہ فرد ہی کو اتنی آزادی دیتا ہے جس سے دوسرے افراد کی آزادی مجروح ہوتی ہو. ایک طرف وہ ہر فرد کو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور اُنکے ثمرات سے بھرپور متمتع ہونے کی ترغیب دلاتا ہے. اسکے ثمراتِ محنت وکاوش کو تقدس بخشتا ہے اور کسی کو ان میں دست

---

(۱) خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۳۳۸

(۲) سلیم، محمد، حافظ، ڈاکٹر، کسب معاش کا اسلامی نظریہ/ بعنوان منہاج سہ ماہی مدیر مسئول، حافظ غلام حسین، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری واپریل ۱۹۹۲ء جلد-۱۰/ شمارہ ۱-۲/ص:۱۷۸

درازی کی اجازت نہیں دیتا.دوسری طرف وہ فرد کو کسی کی حق تلفی اور کسی سے دجل وفریب کا مرتکب ہونگی اجازت نہی دیتا. ایک طرف وہ انسان کے قلب و ذہین کی تطہیر کرتا ہے اور اسکے اندر اخوت ومحبت، ایثار و ہمدردی اور تعاون کے جذبات پیدا کرتا ہے اور لوگوں سے احسان (حسنِ سلوک) کی ترغیب دلاتا ہے اور دوسری طرف بے کس، معذور اور ناتواں لوگوں کی عملی دستگیری کے لئے اہلِ ثروت لوگوں کی دولت میں انکا حق متعین کرتا ہے.اسی طرح جہاں ارتکازِ زر کے استیصال کے لئے ایک طرف سود کو حرام قرار دیتا ہے تو دوسری طرف وراثت اور زکواۃ کے ذریعہ دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام بھی کرتا ہے.اسلام اگر اہل سرمایہ کو اپنے ملازموں اور مزدوروں کی فلاح و بہبود کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف مزدوروں اور ملازموں کو بھی اپنی ذمہ داریا امانت و دیانت سے سرانجام دینے اور اپنے مالک سے خیر خواہی کے جذبات رکھنے کا پابند کرتا ہے. چنانچہ اسلام کا نظامِ معیشت اخوت و محبت اور صحت کا پیغام ہے جو باہمی منافرت اور طبقاتی کشمکش کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتا اور جو انسانیت کو حقیقی امن وسکون سے ہمکنار کرتا ہے.(۱)

اسلام میں زندگی کا اصل حصول معاشیات نہیں بلکہ آخرت ہے

اس دور کے دوسرے معاشی نظاموں کی طرح اسلام میں معیشت انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے، جتنی بھی سیکولر معیشتیں ہیں، انمیں معیشت کو انسان کی زندگی کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ قرار دی گیا ہے.اور اس بنیاد پر تمام نظام کی تعمیر کی گئی ہے لیکن اسلام میں معیشت اہمیت ضرور رکھتی ہے، لیکن وہ انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے.اسلام کی نظر میں بنیادی مسئلہ درحقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا جس کے اندر انسان آیا ہے . یہ اسکی آخری منزل اور آخری مطمح نظر نہیں ہے . بلکہ یہ آخری منزل تک پہنچانے کے لئے ایک مرحلہ ہے اور ایک عبوری دور ہے اس عبوری دور کو بھی یقیناً اچھی حالت میں گزارنا چاہیے لیکن یہ سمجھنا کہ میری ساری کوششوں، ساری توانائیوں اور ساری جدوجہد کا محور یہ دنیاوی زندگی کی معیشت ہوجائے، یہ بات اسلام کے بنیادی مزاج سے میل کھانے والی نہیں.کیونکہ اسلامی معیشت کے حوالے سے یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ اسلام درحقیقت ان ٹھیٹھ معنوں میں بذاتِ خود ایک ''معاشی نظام'' نہیں ہے، جن معنوں میں آج کل ''معاشی نظام'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جو اس کے معنی سمجھے جاتے ہیں، بلکہ اسلام ایک نظام زندگی ہے جسکا ایک اہم شعبہ معیشت اور اقتصاد بھی ہے.لیکن پورے اسلام کو ایک معاشی نظام کی حیثیت میں متعارف کرنا یا اسلام کو ایک معاشی نظام سمجھنا درست نہیں جیسے کیپٹل ازم Capatilism اور سوشلزم Socialism وغیرہ، لہذا جب ہم اسلامی معیشت کا نام لیتے ہیں، یا اسلامی معیشت کے تصورات اور اسکی بنیادوں کی بات

---

(۱) ترجمہ: صدیقی، عبدالحمید، مولف: القرضاوی یوسف: اسلام اور معاشی تحفظ، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، فروری ۱۹۷۵ء/۶-۷

کرتے ہیں، تو ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ قرآنِ کریم میں اور سنتِ رسول ﷺ میں معیشت کے اسی طرح نظریات ہونگے، جیسا کہ آدم سمتھ، مارشل اور دوسرے ماہرینِ معاشیات کی کتابوں میں موجود ہیں. لہذا یہ بات یاد رکھنی پڑے گی کہ کوئی شخص اگر معاشی نظریات، اسکی اصطلاحات اور ان تصورات کو جو رائج ہیں، قرآن وسنت میں تلاش کرے گا تو اسطرح کے تصورات انمیں نہیں ملیں گے، البتہ اسلام کے شاندر وہ بنیادی تصورات انسان کو ملیں گے، جن پر بنیاد رکھتے ہوئے ایک مضبوط معیشت کی تعمیر کی جاسکتی ہے. اس لئے ضروری ہے کہ اصطلاح ''اسلام کا معاشی نظام'' کے بجائے ''**اسلام کی معاشی تعلیمات**'' کے الفاظ استعمال کیئے جانے بہتر اصطلاح ثابت ہوگی.(۱)

اسلام میں دیگر مذاہب کی نسبت سب سے زیادہ معاشی تعلیمات موجود ہیں

ان سب کے باوجود اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں ہے، بلکہ زندگی کی تمام ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے انسانوں کی فلاح کا عمل اسکی نیتوں کی دُرستگی اور احکام کی پابندیوں میں رکھ دیا. بخاری شریف کی پہلی حدیث 'انما الاعمال بالنیات '(۲) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے سے پوری انسانیت کا رخ ایک اللہ کے حکم کو اسکے رسول ﷺ کے طریقوں پر ڈھال دیا. چنانچہ اسلام ہی نے معیشت کی راہ کو درستگی کی راہ پر ڈالنے کے سب سے زیادہ احکامات نازل فرمائے ہیں.

مذہب اسلام میں معاشی اصولوں کی اساس کا تعین

مذہب اسلام نے دنیاوی زندگی میں معاشی اقدار کے اصولوں کی بنیاد سب سے پہلے **توحید** پر اور پھر **عباداتِ الٰہیہ** پر رکھی ہے. **توحید** تو یہ ہے کہ:

'ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق ط '(۳)

یعنی: 'جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو.

---

(۱) قاسمی، نسیم احمد مفتی، اسلامی کاروبار، ادارۃ القرآن، اردو بازار، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء/ص:۱۷-۱۸

(۲) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد اوّل، کتاب الوحی حدیث-۱

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ عنکبوت/۲۹:۱۷

تفسیرِ ماجدی میں درج ہے کہ اس آیت میں جن معبودوں کی ذکر کیا جارہا ہے، وہ نہ تو ہوائیں چلانے پر قادر ہیں، نہ برساتی بخارات اٹھانے پر، نہ فضاء میں بادل پھیلانے پر، نہ پانی کی بوندیں آسمان سے اتارنے پر، نہ زمین کو آفتاب سے تپانے پر، نہ زمین میں قوتِ نمو پیدا کرنے پر قادر ہیں، حتیٰ کہ زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت وحرفت عرض معاش کی کسی ایک صفت کے بھی اسباب مؤثر انکے بس میں زرہ بھر بھی نہیں. یہ وہی (اللہ) ہر قسم کے نفع کا مالک ہے، تمہارے ہر نفع کا منبع بھی وہی ہے. اور فابتغوا عند اللہ الرزق ؕ میں اللہ تعالی سے تمہارا تعلق محض، بحثیت الہ المعاد کے نہیں، بلکہ الہ المعاش بھی وہی تمہارا رب ہے. سارے معاشی واسطے اور وسیلے اسی سے نکلے ہیں اور اُسی پر جا کر ختم ہوتے ہیں. جسطرح ہر نفع کا مالک وہی ہے، ہر ضرر کا بھی مالک وہی ہے، حساب کتاب اُسی کو دینا ہوگا آخری واسطہ اور سابقہ اُسی (ایک اکیلے اللہ) سے ٹھہرے گا.(۱) گویا روزی کی تلاش میں سرگرداں انسان کے اندر حرص طمع و لالچ کی بیخ کنی کردی گئی ہے اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **'قال رسول اللہ ﷺ طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة'**(۲) 'حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالی کے فریضہ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے'.

عبادت الٰہیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کے کاروبار وتجارت کے دن کو عبادت کے روز عید یعنی یوم الجمعہ کی نماز کے بعد ابتداء کرنے اور اللہ کے فضل کی تلاش میں زمیں پر پھیل جانے کو رکھا ہے. قرآنِ کریم میں باقائدہ ایک سورۃ اور اسکی آیات اس یوم الجمعہ اور تجارتی اغراض کے لئے موجود ہیں. اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: 'فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ؕ '(۳) یعنی: 'پس جب تم نماز پوری کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالی کے فضل و رزق کو تلاش کرو'. تفسیر ماجدی میں اس پہلو پر بھی بڑی مدلل گفتگو موجود کہ: جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اب اجازت ہے کہ اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ اور اپنے جمعہ کے دن کو مسیحیوں کے اتوار اور یہود کے ہفتہ کی طرح دنیوں کاروبار سے تعطل کا دن فرض نہ کرلو. اور ہاں دنیوی کاروبار میں اشتغال خدا فراموشی کے مرادف نہیں، کیونکہ احکام الٰہی کے استحضار کاروبار میں بھی پوری طرح رہے. (وہ یہ کہ) دیانت، امانت تقوع، تجارت اور ہر قسم کے دنیوں مشغلہ مسلمان کے لئے لازمی ہیں.(۴)

---

(۱) دریآبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر القرآن، تاج کمپنی، کراچی/ص:۸۰۲

(۲) ایضا بحوالہ حدیث: کنزالعمال جلد۲

(۳) قرآن کریم؛ سورۃ الجمعہ/۱۰:۶۲

(۴) دریآبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر القرآن، تاج کمپنی، کراچی/ص:۱۱۰۸

اور اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے اس بات میں چار چاند لگا دیئے اور امۃ مسلمہ کو ہدایت فرمائی کہ:

'قال رسول اللہ ﷺ اذا اصلیتم الفجر فلاتنوموا عن طلب ارزاقکم'۔(۱)

'رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم فجر کی نماز پڑھ لوتو اپنے رزق کی جدّ وجہد کے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو'

اس سے ثابت ہوا کہ روز مرّہ کی زندگی میں انسان کی صبح جب اللہ کے حکم ادا کرنے یعنی فجر کی نماز ادا کرنے سے ہوتی ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اُس وقت میں لوگوں کو ترغیب فرمائی ہے کہ اب وہ نہ تو فارغ بیٹھیں اور نہ ہی فروعات میں لگیں بلکہ اللہ کے رزق تلاش کرنے میں نکل کھڑے ہوں. اور چونکہ نماز کے ادا کرنے پر قرآن میں پہلے ہی گارنٹی آچکی ہے کہ: 'ان الصلوۃ تنھا عن الفحشاء والمنکر'۔(۲) 'بے شک نماز اے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے'۔تو یہ کیونکر ممکن ہو کہ ایک آدمی جس پاکیزہ عمل (یعنی تجارت) کی ابتداء اپنی نماز سے کر رہا ہو تو وہ اسمیں جھوٹ و ملاوٹ اور مصنوعی قلتوں جسے بد افعال سے نہ بچ سکے گا.

اسلام میں نظریۂ معیشت جنت ہی میں سکھلا دیا گیا تھا :

حضرت آدم وحوّا علیہم السلام کے جنت میں ٹہرے رہنے کا جو واقع قرآن کریم میں ملتا ہے وہی کم وبیش دیگر آسمانی کتب میں بھی ہے، یہ اور بات ہے کہ اسلام کی حقّانیت کی طرح اِن واقعات میں جو جمود وٹہراؤ، فراست وحکمت صرف قرآن میں ملتی ہے کہیں اور نہیں ملتی. لہذا جب اللہ تعالی نے حضرت آدم وحوّا کو جنت میں ٹہرنے پر پہلی ہدایت فرمائی تو اسمیں آدم وحوّا کے لئے نہ صرف نصیحت وفصیحت تھی بلکہ وہ ابتدائے زمانے کا مکمّل معاشی ڈھانچہ تھا، جس میں کل انسانیت کی دنیاوی واخروی فلاح پنہاں تھی، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا کہ:

'فقلنا یآدم اِنّ ھذا عدوّ لّک ولزوجک فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی o
ان لک ان لا تجوع فیھا ولا تعری o وانک لا تظمؤ فیھا ولا تضحیo'(۱)

'تو ہم نے فرمایا اے آدم، بے شک یہ (شیطن) تیرا اور تیری اہلیہ کا دشمن ہے. ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنّت سے نکال دے، پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ، بے شک تمہارے لئے جنّت میں یہ ہے کہ نہ تم بھوکے رہوگے، نہ ننگے، اور یہ کہ تمہیں اس میں پیاس لگے گی نہ دھوپ'

---

(۱) دریآبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر القرآن، تاج کمپنی، کراچی بحوالہ الحدیث: کنزالعمال جلد۲

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ العنکبوت/ ۲۹:۴۵

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ طٰہٰ/۲۰: ۱۱۷-۱۱۹

سورۃ طٰہٰ کی ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السّلام کو جنت میں یہ اطمینان دلایا تھا کہ آپ جنّت میں 'بھوک' Hunger، پیاس Thirst سے محفوظ اور بے فکر ہونگے ، 'لباس' Clothing/Covering، 'رہن سہن' Shelter کے بارے میں ہر سہولت آپ کو میسّر ہوگی.اس طرح ان تمام ضرورتوں کی محرومی سے آپ مامون و محفوظ ہونگے.البتہ یہ انکو بتادیا گیا تھا کہ اگر شیطان نے تم دونوں کو جنّت سے نکلوادی تو مشقت اور مصیبت میں گرفتار ہوجاؤ گے.یعنی ضروریات زندگی سے محرومی کے خوف کوڈرانے کا ذریعہ بنایا گیا ہے.معلوم ہوا کہ انسان کوضروریات زندگی کی محرومیوں سے نجات کی ضمانت دے کر اطاعت خدا اور اتباع رسول ﷺ کا خوگر بنایا جاسکتا ہے.نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروریات زندگی سے محرومی انسان کو بغاوت پر مجبور کرسکتی ہے.آدم علیہ السلام کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت تھی،تبھی تو اللہ تعالی نے ان الفاظ کے ساتھ آدم علیہ السلام کو یہ اطمینان دلایا. آدم علیہ السلام اللہ تعالی کے پہلے خلیفہ فی الارض تھے اور جنّت میں مقیم تھے،اگر ایک عظیم انسان کے لئے اس اطمینان کی ضرورت تھی کہ تم ضروریات کی فکر سے آزاد ہوگے تو ایک عام انسان کو اس اطمینان کی بدرجہا زیادہ ضرورت ہے.اگر جنّت میں یہ اطمینان دلانے کی ضرورت تھی تو مصائب و مشکلات سے بھری ہوئی اس دنیا میں تو ہر انسان کو یہ اطمینان دلانا اور بھی ضروری اور فطری ہے.جب اللہ تعالی براہ راست اپنے بندے کو یہ اطمینان دلاتا ہے تو اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالی کا تجویز کردہ قرآنی نظام انسان کی فطرت کے تقاضوں کا کامل ترین جواب ہے.اسی طرح دیگر امور عالم اور انسانی مسائل کے معاملہ سب سے پہلے یہ ضمانت دینے کی صلاحیت رکھتا ہے،کہ اس آسمانی نظام کا عملی نمونہ یوں ہوگا کہ:

تا نہ باشد در جہاں محتاج کس

نکتہ ، شرع مبیں این است و بس

یعنی اس نظام میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا یوں محتاج نہیں ہوگا کہ اسکا استحصال کیا جاسکے، نیز کو انسان حدود ریاست میں بھوکا، ننگا، پیاسا اور بے گھر نہیں ہوگا.(۱) لیکن آدم علیہ السلام کے اس دنیا میں تشریف آوری کے بعد یہ مصائب و مشکلات کا حل کیسے ممکن ہوسکتا ہے جبتک کہ انکی تفصیلات کا انسان کو علم نہ ہو کہ آیا یہ ضروریاتِ زندگی آخر کار انسان کوکسطرح دستیاب ہوسکتی ہیں.چنانچہ اس کے لئے معاشی تعلیمات کا اتارا جانا ایک ناگزیر عملِ فطرت ٹھہرا.یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس دنیا میں سب سے پہلے جس پیشے کی بنیاد ڈالی وہ کھیتی باڑی یا کاشتکاری ہی تھی.جیسے عرفِ عام 'زراعت' Cultivation کہا جاتا ہے.جو آج بھی عصر حاضر کے معاشی نظاموں میں بابِ اوّل کا درجہ رکھتی ہے،کیونکہ موجودہ معاشی نظاموں میں 'زراعت'،

---

(۱) گل،مختار مولانا - اسلامی نظام میں معاشیات کا مقام-مکتبہ تحریک اسلام،پاکستان،راولپنڈی-س ن/۱۳-۱۵

'تجارت' اور 'صنعت وحرفت' ہی کل سرمایہ ہیں. لیکن اُنمیں تمام اشیاء پر روپے کی دوڑ نے اسکے جائز ذرائع کو بھی سود وحرام خوری کے بدنظریات کے تحت مسخ کر کے رکھ دیا ہے. چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے زراعت وکاشتکاری کی ہی ذریعہ معاش بنایا جسکی بنیادی وجہ اسکا سب سے پہلے آسان اور قابل عمل ہوکر حصولِ رزق کا طریقہ بنا تھا. حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''وکان آدم حرّاثا'' (۱) 'کاشتکاری وہ پہلا ذریعہ معاش ہے، جسے حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا'. اسکی دوسری بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا کنبہ محدود تھا، تجارت وصنعت وحرفت کا کوئی موقع بھی اسوقت موجود نہ تھا. اس لحاظ سے ذرائع معاش میں اولیت زراعت کے شعبہ کو حاصل ہوئی. اسلئے اسکے بعض سہل الوصول اور کثیر المنافع پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے، فقہائے اُمّت نے زراعت کو تجارت پر فوقیت دی ہے.

"ولهذا قدّم بعض مشائخنا الزراعه على التّجارةِ لانّها اعمُّ نفعا، واكثر صدقة وفى الحديثِ ردٌّ ، على من يكسره من المتعيفة الغرس والبناء". (۲)

'اُنہیں روایا کے پیش نظر ہمارے بعض مشائخ زراعت کو تجارت کے مقابلہ میں افضل قرار دیتے ہیں اسلئے کہ اسکا نفع عام اور اسکے اندر خیر کثیر ہے'.

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد اور عملِ مبارک سے ان رکیک خیال لوگوں کی تردید ہوتی ہے، جو کاشتکاری اور فنِ تعمیر کو بُرا سمجھتے ہیں.

'قال الماوردى،، اصولُ المكاسب الزراعة والتجارة و ولاضاعه ، ملهب الشافعى ،، ان التجارة اطيب والاشبه عندى ان الزراعه اطيبُ لانّها اقربُ الى التوكل و حديث البخارى صريح فى ترجعِ الزراعةِ والصّنعة لكونهما عمل يده لكنِ الزراعة افضلها لحموم النفعِ بها للآدمى و غيره و عمومِ الحاجة اليها'. (۳)

'کسب معاش کے لئے تین اہم ذرائع ہیں: زراعت وکاشتکاری - تجارت اور صنعت وحرفت - امام شافعیؒ کے نزدیک بہتر ذریعہ معاش تجارت ہے. ہمارے نزدیک زراعت بہتر ہے کیوں کہ اسکا انحصار توکل پر ہے. اور امام بخاریؒ کی ایک روایت زراعت وصنعت کی ترجیح کے بارے میں نہایت واضح ہے کیونکہ اُنمیں ہاتھ کی محنت کا بہت زیادہ دخل ہے. لیکن عمومی ضرورت ومنفعت کے لحاظ سے زراعت کو پھر بھی فوقیت حاصل ہے'.

---

(۱) فتح الباری کتاب البیوع - مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: اسحاق، حکیم محمد،، اسلام کا معاشی معیارِ اخلاق (حصہ دوم)، ناشر، حکیم محمد اسحاق، حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، پاکستان، سن ۱۹۸۰ء/ص:۱-۲

(۲) ایضاً/ص:۱-۲ بحوالہ مبسوط ج ۲۳ ص/۱۴

(۳) ایضاً/ص:۱-۲ بحوالہ عینی ج ۱۱

درجہ بالا بحث کے سامنے آنے سے یہ بات تو طے ہوگئی کہ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں میں اسکا خیال رکھنے والا روزِ اوّل سے مذہبِ اسلام ہے نہ کہ کوئی انسانی خیالات کا پکایا ہوا فرسودہ نظامِ معیشت جو ہردور کی مشکلات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ایک نفسیاتی مریض کی طرح پہلوتہی کرتے ہوئے اپنا رخ کبھی تو اشتراکیت Socialism، کبھی اشتمالیت Communism اور کبھی سرمایہ دارانہ نظام Capitalism کی جانب موڑلیتا ہے. جبکہ اسلام کا دیا ہوا نظامِ معیشت تو روزِ اوّل سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے تک یکساں کیفت میں چلا آرہا ہے، جسکی کتنی ہی مثالیں ان انبیاء ورُسل کی ہیں جو اپنے پیشوں کے اعتبار سے مختلف صنعت وحرفت کے ماہر ہونے کے باوجود انسان کی پیدائش کے مقصدِ اعلیٰ کو ساتھ لیکر چلا کرتے تھے، جسمیں انسان کی پیدائش کا مقصد صرف اور صرف اپنے خالقِ حقیقی کی عبادت ہے اور جنابِ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ہردور میں آنے والی مشکلات کا حل قرآن وسنّت سے عطا کرکے اپنی محبتِ کاملہ کا اظہار فرمادیا ہے. چنانچہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانوں کی جماعت اس وقت تک مسائل کا حل تلاش کرتی ہی رہے گی جبتک یہ خودسری کے جذبے کے تحت دنیاوی مسائل کو عقلِ ناتمام کے ذریعے تلاش کرتی رہے گی. اور وہ اقوام خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم لیکن اگر انہوں نے آنے والے وقت کی پکار کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن وسنّت کے عطا کردہ نظامِ معیشت کو اپنالیا تو وہ اس دنیا میں لازماً چین وسکون کی زندگی اپنا سکیں گے.

معاشیات کے لغوی معنی کا اسلام کی نظر میں مفہوم یکساں ہے

ہم جسے ''معیشت'' کہتے ہیں اُسے انگریزی زبان میں Economics اور عربی زبان میں ''اقتصاد'' کہا جاتا ہے. ڈکشنری میں لفظ اکنامکس Economics کے لغوی معنی یہ ہیں کہ 'انسان اپنی ضرورت کو کفایت کے ساتھ پورا کرلے'،

"a frugal and judicious use or expenditure of money or resources" 'carefulness' 'frugality'. (1)

چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ 'کفایت' کا تصوّر موجود ہے، اور عربی میں جو اسکا ترجمہ ''اقتصاد'' کیا جاتا ہے، اسمیں بھی کفایت کا پہلو موجود ہے. (۲) لہٰذا یہ لفظِ کفایت ہمیں بتارہا ہے کہ انسان معاش کی تلاش کے لئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ اسکی پیدائش کا مقصد تو اعلیٰ ترین ربّ کائنات کی عبادت ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:-

---

(۱) The Cassell concise Dictionary - 1997

(۲) قاسمی، نسیم احمد مفتی، اسلامی کاروبار، ادارۃ القرآن، اردوبازار، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء/ص: ۲۰

'وماخلقت' الجنّ والانس الاّ لیعبدون '(۱)

اور نہیں پیدا کیا جنات اور انسانوں کی جماعتوں کو مگر یہ کہ وہ ہماری (یعنی رب کی) عبادت کریں.

چنانچہ انسان اس اصول کے تحت اگر دنیا میں انتہائی درجہ کی کفایت شعاری اپنائے گا، تو دنیا سے معاشی و معاشرتی بدخواہیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی. لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ گوا کنامکس کی بنیاد ڈالنے والوں کے نزدیک کفایت کا پہلو انکی نیک خواہی کا پتہ دیتا ہے، تا کہ لوگ معاشی اعتبار سے اعتدال پسند زندگی گزاریں، لیکن انکی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسمیں ربوبیت کا پہلو نہ ہونے کے باعث احتسابی عمل Accountability کے عنصر کا فقدان ہے، جسکے باعث یہ نظام انسانی کنٹرول سے باہر ہے، اور اسمیں دولت کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے کسی بھی ناجائز ذریعے کو روکنا ممکن نہیں. لہذا یہ بات آئندہ چل کر موضوعات کی مکمل بحث کا نتیجہ ظاہر کرتے ہوئے بتلائے گی کہ مذہب کی مداخلت معیشت کے نظام میں کتنی اہم اور ضروری ہے. جسکے باعث معیشت کے خصوصی اہل کاروں کی جانب سے نہ صرف ظلم و استحصال کی فضاء ختم ہو سکے گی، بلکہ مذہب کی روح امن و آشتی کا ماحول قائم ہو سکے گا.

مذہب اسلام میں اسبابِ معیشت کا تعیّن

عصرِ حاضر کے معاشی نظاموں کی طرح اسلام میں بھی دو درجہ معیشت کے اسباب میں ملتے ہیں: ایک فرد کی آمدنی و خرچ سے متعلق، دوسرا اجتماعی اسبابِ معیشت سے متعلق ہیں، گویا Micro & Macro Economics دونوں پہلوؤں سے اسباب معیشت کو تقسیم کیا گیا ہے. معیشت اور اسبابِ معیشت کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی سے وابستہ ہے اور چونکہ جماعت 'جسم' کی حیثیت رکھتی ہے اور فرد اس جسم کے ایک عضو کی. اسلئے اجتماعی اور انفرادی شعبہ ہائے حیات کے مابین لازم وملزوم کا رشتہ قائم ہے اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑنا ناگزیر ہے. لہذا ہم معیشت کے اسباب میں انہی دو پہلوؤں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آگے بڑھیں گے.

انفرادی اسبابِ معیشت : انفرادی اسبابِ معیشت میں تین بنیادی پہلو سامنے آتے ہیں. ایک یہ کہ انسان کن ذرائع سے کمائے اور کہاں خرچ کرے. اس لحاظ سے آمدن وخرچ کے ذرائع کا مشترک ہونا ناگزیر ہے، کہ حلال آمدن حرام پر خرچ نہیں کی جاسکتی اور اسی طرح حرام مال حلال جگہ پر خرچ نہیں کیا جاسکتا. لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ذرائع کا آمدن وخرچ سے کتنا گہرا تعلق ہے. ۱- آمدن، ۲- خرچ اور ۳- ذرائع اسکو ہم درج ذیل خاکہ کے ذریعے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں:

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ الذاریات/ ۵۶:۵۱
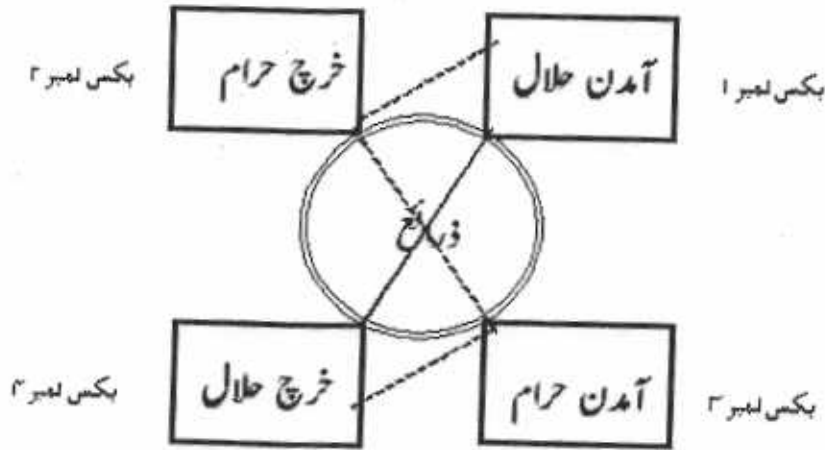
اس خاکہ میں گہری متواتر لائن ہمیں بتلارہی ہے کہ اگر آمدنی کا ذریعہ قطعا حلال ہے تو اسکا خرچ بھی صرف حلال ہی ہونا چاہیئے ، نہ کہ یہ خرچ فسق و فجور اور اسراف و دیگر غیر شرعی کاموں پر ہو. اور اگر معاذ اللہ آمدن ہی حرام ہو تو وہ بھی قطعا شرعی اور حلال ذرائع پر خرچ نہیں کی جاسکتی اسکے لئے لائن میں قطع ڈالدیا گیا ہے، جسکا پہلے بکس نمبر ا سے نمبر ۲ کی جانب عمل ہر صورت میں مشکوک ومکروہ وحرام عمل قرار دیا جائے گا. جبکہ اسی صورت قطع شدہ لائن بکس نمبر ۳ سے ۴ کی جانب رخ اسی طرح مشکوک ومکروہ وحرام عمل قرار دیا جائے گا. چنانچہ اس خاکہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ **انفرادی اسباب معیشت میں اس بات کا تعین ناگزیر ہے کہ وہ کون سی آمدنی ہے جسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟** اور اس آمدنی میں سے خرچ کیا کرنا چاہیئے؟ اور کس چیز پر خرچ کرنا چاہیئے. چنانچہ اسلام میں ان تینوں فطری سوالات کو چار حصّوں میں تقسیم کردیا ہے. پہلے حصّہ میں انسان کو جدو جہد کی ترغیب اور کسب معاش خود اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمانا چاہیئے کیونکہ جمود اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کی زندگی کو موت کے مرادف کہا گیا ہے. اور اس کو حیات کہنا بے معنی ہے اور نہ اس طریق زندگی کو 'توکل' کی زندگی کہا جاسکتا ہے اور باقی تین حصّوں میں ان ہی سوالات کو حل کیا گیا ہے جو معیشت کے مسئلہ میں فطری طور پر سامنے آتے ہیں.(۱)

---

(۱) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، 'اسلام کا اقتصادی نظام' ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۳ء/ص:۶۱

اجتماعی اسبابِ معیشت

اجتماعی حیات کی قدر و قیمت تو ایک امرِ مسلّم ہے مگر اسلام اسکی اہمیت کا راز یہ بتاتا ہے کہ صالح نظامِ اجتماعی اسلئے ضروری ہے کہ وہ افرادِ اُمّتِ مسلمہ کی زندگی کی تکمیل اجتماعی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ 'اجتماعی نظامِ معاشی' اور 'نظامِ حکومت' کے درمیان چولی دامن کا ساتعلق ہے۔ کیونکہ کسی بھی اقتصادی نظام کے صالح اور فاسد ہونے کا حال اسی سے وابستہ سوسائٹی کے نظام اور نظامِ حکومت سے بخوبی آشکارا ہوسکتا ہے۔ پس اسلام نے جس اجتماعی نظام کی بنیاد ڈالی ہے وہ ایسے اصولوں پر مبنی ہے جسمیں حکومت، سیاست اور معیشت کو ایک طرف خدا پرستی اور مذہب کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہو اور دوسری جانب معاشیات میں اُس روح کو داخل کیا۔ جس سے عام خوشحالی، عام اخوت و ہمدردی اور مساوات و مواساۃِ باہمی کارفرما ہجائے۔ چنانچہ وہ تمام معاشی طریقے ناجائز و مردود ہیں جن کی بدولت مذموم سرمایہ داری نشونما پاتی ہے۔ یعنی ایسے طریقے جو دولت کو مخصوص طبقوں میں سمیٹ کر جمع کر دیتے اور عام مخلوقِ خدا کے افلاس اور فقر و فاقہ کا موجب بنتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انہیں 'اکتناز' Accumulation و 'احتکار' Hoarding کہا جاتا ہے جو حقِ معیشت کی مساوات میں رخنہ انداز ہوسکتے تھے۔

چنانچہ حقِ معیشت کی عام مساوات کو اپنے نظامِ معاشی میں ریڑھ کی ہڈی تسلیم کیا ہے اور ایک صالح معاشی نظام کو بروئے کار لانے میں جماعتی نظام اور نظامِ حکومت (خلافت) کو ایسے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے جو متذکرہ صدر اصولوں کی بنیاد دین استوار کرتا اور عالمِ انسانی کو باہم معاشی دست برد اور رقابت کے فتنہ سے بچاتا اور عالمگیر اخوو ہمدردی کو قائم کرتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو خلافتِ راشدہ کے دور میں کارفرما رہا اور تاریخ ماضی شاہد ہے کہ تجرباتی زندگی میں اس دور کا اسلامی معاشی نظام کائنات کے جدید و قدیم نظامہائے معاشی کے مقابلہ میں عام مرفہ الحالی اور عام اخوت و ہمدردی کے لئے زیادہ کامیاب ثابت ہوا، اور اگر روم و ایران کے اختلاط نے خود مسلم حکمرانوں کو شاہنشاہیت و قیصریت اور کسروانیت کی حرص و آز میں مبتلا نہ کر دیا ہوتا اور اسطرح صحیح اسلام کا نظامِ حکومت (خلافت) کو خود اپنے ہاتھوں تباہ و برباد نہ کیا ہوتا تو یقیناً دنیا کی تاریخ کا رُخ آج دوسرا ہوتا اور عادیین کو یہ الزام لگانے کا حوصلہ نہ ہوتا کہ اگر اسلام کا معاشی نظام ممکن العمل ہوتا تو اسکا دورِ حیات اس قدر قلیل نہ ہوتا۔(۱)

---

(۱) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، 'اسلام کا اقتصادی نظام' ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۳ء/ص:۷۸-۸۲

مذہب سلام میں تجارت کا مفہوم

تجارت ہر دور میں معاشی اعمال میں سب سے بڑا وسیلہ ٴمعاش رہا ہے، تمدن و حضارت کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے. فقہائے امت لکھتے ہیں،

'فالبیعُ والشّراء من اکبر الوسائلِ المباعثه علا العمل فی هذه الحیوة الدنیاواجل اسباب الحضارة والحموانِ' (۱)

'دنیوی زندگی کی ترقی وخوش حالی کے لئے اُبھارنے والے اسباب میں خرید وفروخت کا کاروبار بہترین وسیلہ ہے اور تمدنی و معاشرتی زندگی کے لئے بھی اُسکی بڑی اہمیت ہے'.

جبکہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالی نے تعریف اتاری ہے کہ مسلمان اپنی معاشی زندگی میں بھی حدوداللہ کا پابند اور ان اخلاقی ضابطوں کا احترام کرنے والا ہوتا ہے جو اللہ اور اُسکے رسول ﷺ نے عائد کیے ہیں. اس لئے مسلمانوں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے(۲):

'رجال لا تلهیهم تجارة والا بیع عن ذکر الله ط' (۳)

'وہ لوگ جنہیں خرید وفروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی'۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بازاروں میں چلتے ہیں اور کیوں نہ چلتے پھرتے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں چلنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کار نبوت میں تجارتی معاملات کی اصلاح کرنا بھی ہے اور اپنے عمل سے اُمت کو اس کی تبلیغ کرنا بھی ہے کہ تجارتی کاروبار کیونکر درست طریقہ پر چلایا جائے تا کہ وہ حلال کمائی اور باہمی تعاون کا ذریعہ بن جائے۔ نادانوں نے ان کے بازاروں میں چلنے پر اعتراض بھی کیا۔

وَقَالُوْا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْاَسْوَاقِ. (۴)

اور انہوں نے کہا بھلا یہ کیسا رسول ہے؟ یہ تو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں (تجارتی مراکز) میں آتا جاتا ہے۔

---

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع/ص:۲۰۲

(۲) احمد، پروفیسر خورشید، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف، کراچی یونیورسٹی، کراچی جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۴۲۷

(۳) قرآن کریم؛ سورۃ النور/۲۴:۳۷

(۴) قرآن کریم؛ سورۃ الفرقان/ ۲۵:۷

اللہ کریم نے اس لغو اعتراض (جو غالباً عیسائیت کی بگڑی ہوئی تعلیم رہبانیت سے متاثر ہو کر کیا گیا تھا) کا جواب دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے بیہودہ اعتراض سے دل برداشتہ نہ ہوں آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تجارتی معاملات کی اصلاح کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّاۤ اِنَّھُمۡ لَیَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ یَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ. (۱)

ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور تجارتی مراکز میں چلا پھرا کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مقاصد نبوت میں تجارتی معاملات کی اصلاح کرنا بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التاجر الصدوق الا مین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء. (۲)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں (علیہم السلام)، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث مبارکہ میں سچے اور ایمان دار تاجر کو قیامت کے دن عزت و اکرام کی نوید سنائی گئی ہے، یعنی تجارت صرف دنیوی رفاہیت کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ اس میں لگنے والا مخلص تاجر جو تجارت کو اُمت مسلمہ کی خیر خواہی کا ذریعہ بناتا ہے وہ روز قیامت بھی سرخرو ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں ایسے تاجر کے لیے جو تجارت جیسا بابرکت پیشہ اختیار کرے اور دوسرے شہروں میں تجارت کا مبادلہ کرے تو اُس تاجر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من جالب یجلب طعا ما من بلد الیٰ بلد فیبیعہ بسعر یومه الا کانت منزلته عند الله منزلة الشهداء. (۳)

جو تاجر مشقت اُٹھا کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک اناج لے جاتا ہے اور اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرتا ہے اُس کا درجہ اللہ کریم کے نزدیک شہید کا سا ہے۔

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ الفرقان/ ۲۵:۲۰

(۲) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع ترمذی ابواب البیوع

(۳) کنز العمال، ج۲، فصل الکسب

خلاصہ بحث

بقائے حیات کا جذبہ فطرتاً ہر ذی روح کے اندر موجود ہے. ابنِ آدم دنیا میں قدم رکھتے ہی فطرت کے اشاروں پر اپنے بقائے وجود کے لئے ماں کے سینے پر منہ مارنے لگتا ہے. جو بچّہ کی بحیثیت انسان ابتدائی معاشی طلب و جہد ہے. اسکے بعد عاقل و بالغ ہونے کے مدارج طے کرتے ہوئے اسکے فکر معاش اور طلب معاش کے ذرائع بھی ترقی کرتے چلے جاتے ہیں. اور بقائے حیات کے لئے ہر انسان اپنی اپنی عقل و استعداد اور ذرائع و وسائل کے مطابق فرہمی رزق، کی سعی و تلاش اپنے نقطۂ عروج پر پہنچانے لگتا ہے. اسلام اس سعی و عمل کو اخلاقی قوانین اور جائز وحلال کی شرائط کا پابند بناتا ہے. تا کہ طلبِ معاش کی جد و جہد میں دوسروں کے حقوق مجروح و متاثر نہ ہوسکیں. چند معروف ذرائع معاش درج ذیل ہیں، جن کی معرفت انسان اپنی بنیادی ضروریات حاصل کرتا ہے. زراعت، تجارت، صنعت وحرفت اور ہر دور کی ترقی یافتہ اختراعات وایجادات جو اسلام کے اصول معاش کیخلاف نہ ہوں، ملازمت، محنت کشی اور مزدوری وغیرہ.(۱) رہ گئی مذہبی رجحانات کی بات تو عرض ہے کہ ماسوائے اسلام، ہم کو اب بھی کسی مذہب کی باریکیوں اور پیچیدگیوں کا پورا پورا علم نہی ہے، اسلئے اب بھی اور آئیندہ بھی ہمارے مذہبی پردے پر اس دھوکے کا نمونہ کہ انسان اپنی زندگی علم کے ذریعہ بسر کرسکتا ہے. نہایت ہی ناقابل اطمینان معلوم ہوتا ہے. جب تک انسان ہمہ داں اور عالم کُل نہ ہوجائے (جو کہ ناممکن ہی ہے) اُس وقت تک اُسکو مذہب ہی کی امانت میں رہنا چاہئے.(۲) اور جہاں تک سمجھ کا تعلق ہے انسان کو ہمیشہ اپنی زندگی اپنے عقیدے ہی میں گذارنی پڑے گی.(۳) جب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس برسرِ پیکار کائنات میں بے بس نہیں ہیں بلکہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم کو کچھ نہ کچھ کرنے پر قابو ضرور حاصل ہے، اور جب ہم یہ بات مان لیتے ہیں کہ مذہب ہماری ہمّت افزائی کرتا ہے کہ ہم اپنی قسمت پر کسی قدر قابو پاسکیں تو ہماری نفسیاتی بے چینی کسی قدر کم ہوجاتی ہے. اسی طرح ہماری فصلوں، آمدنی اور امتحان میں کامیابی حاصل کرنے میں مذہب ہمارے ساتھ ہے تو ہمارے مذہبی جذبات نہایت پختہ ہوجاتے ہیں. اور ہماری نفسیاتی بے چینی جاتی رہتی ہے اور ہماری قوّت

---

(۱) اسحاق، محمد، حکیم، اسلام کا معاشی معیار اخلاق، حصّہ دوم، ناشر، حکیم محمد اسحاق، ریلوے روڈ، حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، پنجاب، (پاکستان)، ۱۹۸۰ء/ص:۱

(۲) جعفری، سیّد سعید احمد، نفسیات المذاہب، ناشر، سیّد مختار علی جعفری، اے، ایم ۲۹۸-صدر، کراچی. مارچ، ۱۹۷۵ء/ص:۳۰

(۳) ایضاً/ص:۳۰

اور خوشی میں اضافہ ہوجاتا ہے.(۱)

لہذا مسلمانوں کی یہ زمہ داری بنتی ہے کہ وہ تمام دنیا میں جہاں کہیں ایمانیات کی بات لیکر جائیں اسمیں معاشرت اور معیشت کے پہلوؤں کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کیوں کہ تجارتی قافلوں کے ذریعے مسلمانوں کی تبلیغِ دین ایک بہترین ذریعہ پھیلاؤ ہے. اور اپنے عمل سے عمومی طور پر ہر مذہب کے ماننے والوں کو اور خصوصی طور پر یہود و نصاری کو یہ بات باور کرائیں کے تجارت ہو، یا معاشرت، سیاست ہو یا قیادت کوئی عمل مذہب کی روحانی قوّت کے بغیر سہارے نہیں چل سکتا جسکی واضح مثال اشترا کیت Socialism کی عمارت کا یکسر گر جانا ہے. اور خواہ کچھ بھی ہو یہود و نصاری کے یہاں تو قوانین فطرت کھلے الفاظ میں موجود ہیں، بلکہ جہاں کہیں اُنہیں کوئی پہلو دستیاب نہیں اسلام کے اصولوں کو اپنا کر معاشرے میں پُر امن معاشی معاشرے کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے. اور یہ بات قطعی طور پر قابل ذکر ہے کہ انسان کو اپنی زندگی عقیدہ پرستی 'جو کسی بھی مذہب کی بنیاد ہوتی ہے' میں گذارنی چاہئے، زندگی بسر کرنے کے مقصد کا خواہ وہ کام کرنے کا ہی تصوّر ہو کئے بغیر انسان اپنی زندگی بسر نہیں کرسکتا، ممکن ہے کہ انسان طبعیات یا بینک کاری میں اس قدر مصروف ہو کہ اُسکو یہ دھیان ہی نہ رہ سکے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں رہ رہا ہے جو کہ اشیاء اور قدروں کی مانی ہوئی دنیا ہے. اور اگر انسان اشیاء کی اُس مقررہ منصوبہ بندی کو جو اُسکی حفاظت کی ضامن ہے کھو بیٹھے گا تو انسان ختم ہوجائے گا اور دنیا یوں ہی چلتی رہے گی، لیکن ہر حال میں اُس انسان کو اللہ تعالی کے یہاں اپنی بازپُرسی کے لئے حاضر ہونا ہے- لہذا یہ سب کچھ مذہب کا ایک جزولاینفک ہے اور سب انسانوں کے واسطے ہے کوئی مانے خواہ نہ مانے.(۲) لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ معاشرتی عدل اور تقسیم دولت کے لئے قانون بنانے اور اپنی نشأۃ ثانیۃ کے لئے اشترا کیت کو عنوان اوّلین قرار دینے میں زمین آسمان کا فرق ہے. اسلام کی اجتماعی تحریک ایمان باللہ کے عقیدے اور افراد کی مساوات سے شروع ہوتی ہے، جس کی غایت معاشرتی عدل کا قیام ہے. یہ ہے اسلام کی اپنی اشترا کیت، جس کی غایت محض مال اور اُسکی تقسیم نہیں بلکہ یہ دراصل اس روحانی تحریک کی ایک شاخ ہے، جسکا مقصد ایک خاص نظام کے اندر خدا کے بندوں کے مابین عدل و انصاف کا قیام اور حُسنِ سلوک کے ذریعہ رضاء الٰہی کی تحصیل ہے.(۳)

لازم یہ ہے کہ سوال کو سمجھو سوال قبر ؎ سامان میں فقیر رہو، دل غنی رہے (رشک)

✿✿✿

(۱) جعفری، سیّد سعید احمد، نفسیاتُ المذاہب، ناشر، سیّد مختار علی جعفری، اے، ایم ۲۹۸-صدر، کراچی. مارچ، ۱۹۷۵ء/ص:۸۱

(۲) ایضاً/ص:۱۳۱

(۳) نقوش رسول نمبر شمارہ -۱۳۰، جلد ۴، جنوری ۱۹۸۳ء/ص:۵۲۴

دوسرا باب

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

دوسرا باب

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

دوسرا باب

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

لفظ ''کسبِ حرام'' کی تعریف و تعارف :

لفظ''کسبِ حرام'' عربی و اردو زبان میں یکساں بولا جانے والا دو لفظی مرکب ہے، جو لفظ''کسب'' اور لفظِ ''حرام'' سے بنا ہے، جسکے لغوی معنی ''ناجائز آمدن'' یا ''غیر شرعی حصول'' کے ہیں.(۱) ہمیں یہ لفظ اسلامی نقطۂ نظر سے تو آخری آسمانی کتاب یعنی ''قرآنِ کریم'' و احادیث رسول ﷺ میں بآسانی دستیاب ہے، لیکن دیگر آسمانی صحائف و کتب سماوی میں اسکی تلاش مرکب صورت میں نہیں مل سکی ہے. لہٰذا اسکے جزوی الفاظ کے معنی کو تلاش کرنے کے بعد مکمل مفہوم واضح ہو سکا ہے.

لفظ''کسب'' کے لغوی معنی 'حاصل کرنا'، 'پیشہ' اور 'ہنر' کے ہیں.(۲)

جبکہ انگریزی زبان میں لفظ کسب کے معنی مختلف یعنی Profession, Earning Skill,Gain کے ہیں(۳).

اور اسی سے مرکب لفظ''**کسبِ معاش**'' ہے جسے انگریزی میں Earning of livelihood (۴) کہا گیا ہے.

اسی طرح لفظ''حرام'' کے لغوی معنی 'ناجائز'، 'خلافِ شرع' اور 'ناپاک' کے ہیں.(۵) اور اس لفظِ 'حرام' کے انگریزی میں مختلف معنی یعنی Unlawfull, Polluted, filthy, unclean and impure (۶) اسکے علاوہ forbidden, prohibited, or unlawful and sacred, or inviolable اور اسی طرح Signifies thing forbidden by God بھی کہا گیا.(۷)

درجہ بالا وضاحت کے بعد انگریزی زبان میں مرکب لفظ''کسبِ حرام'' کے مختلف معنی میں سے ہم ایک عام فہم معنی یعنی : 'Unlawfull Earning' کو لے لیتے ہیں. لہٰذا اب ہر جگہ جہاں لفظِ''کسبِ حرام'' آئے گا، اُسکے معنی 'Unlawfull Earning' کے ہونگے.

---

(۱) فیروز اللغات، فیروز سنز، کراچی، س ن

(۲) ایضاً

(۳) Urdu English Dictionary-Feroze Sons-Lahore

(۴) ایضاً

(۵) فیروز اللغات، فیروز سنز، کراچی، س ن

(۶) Urdu English Dictionary-Feroze Sons-Lahore

(۷) Lane, Edward William, Arabic English Lexicon Dictionary, Book-1,Part-2, Edinburgh,1865/P-555

پہلی فصل

کسبِ حرام کی ممانعت آسمانی مذاہب کی روشنی میں

لفظ ''کسبِ حرام'' کی کتبِ سماوی میں خصوصی تلاش:

مضامین کتابِ مقدس بائبل Bible کی وہ انڈکس ہے جسمیں بائبل کے تمام مضامین کا اشاریہ موجود ہے، اس لحاظ سے کسی موضوع کو پورے بائبل میں تلاش کرنے کے بجائے اس اشاریہ سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوجاتے ہیں.(۱) لہذا پوری بائبل میں لفظ 'کسبِ حرام' کا ذکر و تصور موجود ہی نہی ہے. البتہ ان الفاظ کے ضمنی یا مرادف الفاظ، مثلاً: 'پیشہ'، 'ہنر'، کاریگری یا 'آمدن' جیسے الفاظ زیرِ مطالعہ آسکے ہیں.

یہودیت میں لفظ 'کسبِ حرام' Unlawful Earning کی ممانعت سے کیا مُراد ہے؟

تورات میں آیا ہے کہ ''اے میرے بیٹو! باپ کی تربیت پر کان لگاؤ- اور فہم حاصل کرنے کے لئے توجہ کرو- کیونکہ میں تم کو تلقین کرتا ہوں- تم میری تعلیم کو ترک نہ کرنا.(۲)

مرے فرمان بجالا اور زندہ رہ- حکمت حاصل کر، فہم حاصل کر- بھولنا مت اور میرے منہ کی باتوں سے برگشتہ نہ ہونا. حکمت کو ترک نہ کرنا-- وہ تیری حفاظت کریگی.(۳)

شریروں کے راستہ میں نہ جانا- اور بُرے آدمیوں کی راہ پہ نہ چلنا- اُس سے بچنا- اُسکے پاس سے نہ گذرنا- اس سے مُڑ کر آگے بڑھ جانا. کیونکہ وہ جب تک بُرائی نہ کرلیں سوتے نہیں- اور جب تک کسی کو گرا نہ دیں، انکی نیند جاتی رہتی ہے. کیونکہ وہ شرارت کی روٹی کھاتے اور ظلم کی مے پیتے ہیں- لیکن صادقوں کی راہ نُورِ سحر کی مانند ہے. جسکی روشنی دوپہر تک بڑھتی جاتی ہے. شریروں کی راہ تاریکی کی مانند ہے.(۴)

لفظِ ''پیشہ'' سے متعلق تورات کی آیات:

''پس جب فرعون تمکو بلا کر پوچھے کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ تو تم یہ کہنا کہ تیرے خادم ہم بھی اور ہمارے باپ دادا بھی لڑکپن سے لیکر آج تک چوپائے پالتے آئے ہیں- تب تم جشن کے علاقہ میں رہ سکو گے. اسلئے کہ مصریوں کو چوپاؤں سے نفرت ہے.(۵)

اور یوسف نے اپنے باپ اور بھائیوں کو بسادیا اور فرعون کے حکم کے مطابق رعمسیس کے علاقہ کو جو مُلکِ مصر کا نہایت زرخیز خطہ ہے اُنکی جاگیر ٹھہرایا- اور یوسف اپنے باپ اور اپنے بھائیوں اور اپنے باپ کے گھر کے سب آدمیوں کی پرورش ایک ایک کے خاندان کی ضرورت کے مطابق اناج سے کرنے لگا.(۶)

---

(۱) مؤلفین- فیلڈمس ایم آر گرین/ ویسٹرن، ڈاکٹر آر ایچ/ مضامین کتابِ مقدس- مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶، فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۳ء

(۲) عہد نامہ قدیم: امثال/ ۴: ۱-۲

(۳) عہد نامہ قدیم: امثال/ ۴: ۵-۶

(۴) عہد نامہ قدیم: امثال/ ۴: ۱۴-۱۹

(۵) عہد نامہ قدیم: پیدائش/ ۴۶: ۳۳-۳۴

(۶) عہد نامہ قدیم: پیدائش/ ۴۷: ۱۲

تب یوسف نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں نے آج کے دن تمکو اور تمہاری زمین کو فرعون کے نام پر خرید لیا ہے۔ سو تم اپنے لئے یہاں سے بیج لو اور کھیت بوڈالو۔''(۱)

درجہ بالا تورات کی آیات کھلی اور واضح طور پر اس بات کا اظہار کر رہی ہیں، کہ جو لوگ تورات کے مذہب پر قائم ہیں انہیں اپنی آسمانی کتاب پر عمل پیرا ہونے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنی چاہئے، کیونکہ انہیں اسی طرح سمجھایا جا رہا ہے، کہ ''**جو شریر کی روٹی کھاتا ہے**''، سے مراد وہ حرام **مال** کا کھانا ہے جسمیں جھوٹ، چور بازاری، رشوت اور دھوکہ دہی جیسے ہزارہا عناصر شامل ہیں. جسکے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے الفاظ میں اس مذہب کے پیروکاروں کے لئے اسمیں ''ممانعت'' کا اظہار موجود ہے. اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ مذکور ہے اس سے یہ مراد ہے کہ قحط سالی کے زمانے میں ان لوگوں کی نہ صرف مدد کی گئی، بلکہ زمین میں کھیتی باڑی کر کے اناج اُگانا اور زمین کو زندہ کرنا انتہائی لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے. جبکہ آج کے سرمایہ دارنہ یا اشتراکیت پر مبنی معاشی نظاموں میں صنعت وحرف اور زراعت سے کہیں زیادہ اہمیت دولت سے دولت کی پیداوار کا زور دیا جانے لگا ہے، جو خود اسرائیلی روایات کے مطابق 'کسب حرام' کے درجے میں آتا ہے. اسی طرح 'سود' 'Interest' کی لعنت کو جسطرح بائبل میں اجازت کا جواز بنا کر پیش کیا جاتا ہے اُسمیں سود کو اصلی اسرائیلی سے لینے پر پابندی عائد کی جاتی ہے کہ 'سود' 'Interest' محتاج اسرائیلی سے نہ لیا جائے. بلکہ صرف اسرائیلی (یہودی) سے نہیں لینا چاہئے، باقی افرادِ انسانی سے سود لینا درست ہے.(۲)

'اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اُس سے قرضخواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اُس سے سود لینا'.(۳)

' تو اپنے بھائی کو سُود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سُود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔ تو پردیسی کو سُود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سُود پر قرض نہ دینا تا کہ خداوند تیرا خُدا اُس ملک پر جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جنکو تو ہاتھ لگائے، تجھ کو برکت دے.''(۴)

گویا درج بالا آیت سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں سود کو رواج تو دیا جائے لیکن اصلی یہودی (اسرائیلی) سے سود وصول نہ کیا جائے. جو یقیناً یہودیت کی خود غرضی کی علامت ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہودیت کا سود سے بچنا محض خوفِ خدا نہیں ہے بلکہ اپنے ظالم وجابرانہ مقاصد کی تکمیل میں برکت کے حصول کا باعث سمجھنا ہے. جسے کسی صورت میں بھی **کسبِ حرام کی ممانعت** سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا. اس آیت کے آخری حصّہ کی مثال تاریخ میں رقم ہے جب اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں یہود نے لندن کو اپنی سیاسی ریشہ دوانیوں کا مرکز بنالیا. یہاں اُنکی ایک مجلسِ بہبود یہود' قائم ہوئی کہ جسکی کارگزاریوں کی دوصد سالہ تاریخ اس قدر اہم اور بامقصد ہے کہ ۱۹۶۰ء میں ساری دنیا کے یہود نے جشن منایا. برطانیہ میں ایک دوسری شاندار کامیابی یہ تھی کہ اُن کو رائیل سوسائٹی کا ممبر بننے کی اجازت مل گئی جسکے بعد وہ اپنی سائنسی، طبّی اور علمی میدان صلاحیتوں کا برملا مظاہرہ کر کے اپنا لوہا منوانے لگے.(۵)

---

(۱) عہد نامہ قدیم؛ پیدائش/ ۴۷: ۲۳

(۲) سیوھاروی، محمد حفظ الرحمٰن، 'اسلام کا اقتصادی نظام' ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور ۱۹۸۳ء/ص: ۳۸۷

(۳) عہد نامہ قدیم؛ خروج/ ۲۲: ۲۵

(۴) عہد نامہ قدیم؛ استثنا/ ۲۳: ۱۹-۲۰

(۵) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص: ۱۸۶

یہودیوں نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے علوم کے جذبہ سے زبردست فائدہ اٹھایا اور ہر جگہ جمہوریت اور نیشنلزم کا زبردست پروپیگنڈا کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ انہوں نہ ہمیشہ بادشاہوں اور چرچ کے ہاتھی اپنی سازشی زندگی کی سزا پائی تھی، اسلئے انہوں نے بادشاہت کے خاتمے میں اپنی نجات سمجھی۔ یورپ کا وسطی دور وحدتِ کلی کا دور تھا، نیشنلزم کا کوئی تصوّر موجود نہ تھا۔ یورپ میں علاقوں اور ملکوں کی تقسیم کا دارومدار بادشاہوں کی قوت اور فیصلوں پر ہوتا تھا مگر اٹھارویں اور انیسویں صدیوں میں یہویوں نے قومیت کا اس زور وشور سے پرپیگنڈا کیا کہ ہر جگہ قومیت کا شعور جاگ اٹھا۔ جرمن، ہنگرینی، یونانی، فانسیسی اور بلغاری کے ناموں سے تحریکیں اٹھنے لگیں اور ہر جگہ بادشاہت کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔(۱)

یورپ کی مظلومانہ زندگی نے یہود میں نفرت اور اذیّت پسندی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ بے وطنی اور بے بسی نے تعصب کو اُن کا وطن بنادیا اور اُسی کو یہ لوگ اپنا ایمان جاننے لگے۔(۲) اب انکے نزدیک اپنے مذہب کی سربلندی کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ متبادل مذاہب اسلام اور عیسائیت کی مذہبی بنیادوں کو کھوکھلا، آزاد خیال اور بے مقصد بنائیں۔ حیوانی اور شہوانی جزیات کو برانگیختہ کرکے مذہب کو باطل کرنا، ایک ایسا زینہ ہے جو تمدّن وتہذیب کا لبادہ بھی اوڑھ سکتا ہے اور جسے دولت سمیٹنے کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اِن علوم، آزاد خیالی کے تصوّرات، مذہبی رسومات اور روایات سے بیزاری اور نمود ونمائش کی خواہشات کو ہوا دینے کے وسیلے سے یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا، اور جب مذہبی تعصب کی جگہ خود پسندی اور ظاہر داری نے لے لی تو تجارت کی دوکان بھی خوب چمکی اور مذہب بھی خاموشی سے دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہوگیا۔

اب سرمایہ یہود کے ہاتھوں میں تھا، انہوں نے اُسکا منافع بخش استعمال کیا اور یورپ اور امریکہ کی معیشت اور معاشرت اپنے تصرّف میں لانے میں کامیاب ہوگئے۔ صلیبی جنگوں کے دوران قتلِ عام نے یہود کو یہ درس دیا کہ اگر یورپ میں رہنا ہے تو کسب معاش کے لئے ایسے وسائل بروئے کار لائیں، جنمیں لوٹ مار کا اندیشہ نہ ہو اور زیادہ سفر کی صعوبت بھی نہ ہو۔ وہ حکمران طبقوں کی نگاہوں میں مفید بھی ثابت ہوں اور اپنی دولت چھپا کر دوسری جگہوں پر منتقل کرنے کے قابل بھی رہیں۔ چنانچہ انہوں نے قومی طور پر ''سود'' کے لین دین کو اختیار کیا۔ اس سلسلے میں بائبل کی تحریروں نے انکی مشکل آسان کردی۔ رومن کیتھولک کا عقیدۂ 'انخلاء' کے اس حکم پر مبنی تھا: ''اگر تم کسی شخص یا اشخاص کو قرض دو جو تم سے غریب ہے تو تم اس سے سود وصول نہیں کرسکتے، نہ تم اس سے سودی بیوپار کرسکتے ہو''۔ اسکا مطلب یہ لیا گیا کہ کوئی عیسائی سودی کاروبار نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو اُسے کافر قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ خاص طور پر اُس وقت بڑا معنی خیز نکلا، جب بین الاقوامی تجارت عام ہوئی اور اُسکے لئے بڑی بڑی رقوم کی ضرورت پڑی۔ اسکا ایک ہی حل تھا کہ سودی کاروبار یہود کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ یہود حضرت موسیٰؑ کے حکم کے 'تابع' تھے۔ کتاب 'احبار' میں اُن سے یہ جملہ منسوب تھا: ''تم اپنے بھائی کو سود بٹے پر اُدھار نہیں دو گے، پیسے کا سود، کاروباری سود، کسی قسم کا سود کوئی یہودی کسی یہودی سے وصول نہیں کرسکتا، ہاں اجنبیوں کو سود پر اُدھار دیا جاسکتا ہے۔''(۳)

اس تقسیم کار نے عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان ایک مفاہمت پیدا کردی کہ دنیا کے ساتھ تجارت اور سیاسی ریشہ دوانیاں تو عیسائی کریں گے لیکن روپیہ یہود کے ہاتھوں میں رہے گا۔ جو سود در سود Compound Interest کا چکر چلا کر اپنا بھلا بھی کریں گے اور عیسائیوں کی معیشت پر اپنا احسان بھی جتائیں گے۔ اس فیصلے نے عیسائی دنیا میں یہود کو ایک واضح حیثیت بخش دی اور وہ نئے اُبھرتے ہوئے یورپ کی تجارتی

---

(۱) ایضاً/ص:۱۸۶-۱۸۷

(۲) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۸۸

(۳) عہد نامہ قدیم : احبار/ ۲۳:۱۹-۲۰

شاہراؤں کے ہر اہم موڑ پر اپنی دوکان سجا کر بیٹھ گئے۔(۱)☆

یہاں اُن حوالاجات کے چند بنیادی پیراگرف اور انکے تراجم دیے جا رہے ہیں:

It was in the north of Europe that the animosity against the Jews was greatest. The Christian population continually threatened the Jewish quarters, which public opinion pointed to as haunts and sinks of iniquity. The Jews were believed to be much more amenable to the doctrines of the Talmud than to the laws of Moses. However secret they may have kept their learning, a portion of its tenets transpired, which was supposed to inculcate the right to pillage and murder Christians; and it is to the vague knowledge of these odious prescriptions of the Talmud that we must attribute the readiness with which the most atrocious accusations against the Jews were always welcomed.(2)

ترجمہ: یہودی موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت اور طالمود کے باعث اپنے آپ کو خدا ترس قوم سمجھتے تھے، لہذا انکے اس رویے کی وجہ سے شمالی یورپ کے نصرانیوں میں یہود کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی تھی، اور نصرانیوں نے یہودی آبادیوں کو مستقلا خوف وحراس میں جکڑ رکھا تھا۔ جبکہ یہودیوں نے نہ صرف اپنی طالمک تعلیمات کو اندرون خانہ جاری رکھا، بلکہ اپنے اُن اصول وضوابط کو اپنی قوم میں جاری وساری رکھا جسمیں وہ <u>نصرانیوں کی لوٹ مار اور اُنکا قتل اپنا حق سمجھتے تھے</u>۔ اور یہ اُنکی وہ مشکوک تعلیمات تھیں جو طالمود میں نصرانیوں کے خلاف نفرت انگیزی سے پُر تھیں۔

The Jews of Cologne burnt alive.--From a Woodcut in the "Liber Chronicarum Mundi:" large folio, Nuremberg, 1493.--
In fact, it was then most religiously believed that, by despising and holding the Jewish nation under the yoke, banished as it was from Judæa for the murder of Jesus Christ, the will of the Almighty was being carried out, so much so that the greater number of kings and princes looked upon themselves as absolute masters over the Jews who lived under their protection. All feudal lords spoke with scorn of their Jews; they allowed them to establish themselves on their lands, but on the condition that as they became the subjects and property of their lord, the latter should draw his best income from them.(3)

ترجمہ: دراصل نصرانیوں کے یہاں یہ بات مذہبا مانی جاتی تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا (نعوذ باللہ) قتل جوڈیا کے اُن یہودیوں نے کیا لہذا اُنکے گلوں میں پھندا ڈالکر نہایت حقارت سے ملک بدر کر دیا گیا لہذا اُنکے بادشاہوں اور شہزادوں نے اسے خدا کی مرضی سمجھتے ہوئے، انہیں پناہ دی۔ لہذا تمام عسکری جاگیرداروں نے یہودیوں کے ساتھ انتہائی ہتک آمیز رویہ اختیار کیا۔ انہوں نے گو کہ انکو زمینوں کی ملکیت ضرور عطاء کی لیکن کہ وہ تاحیات اُن کے غلام بنکر اُن زمینوں پر کام کریں گے اور اُسکی آمدن کے کُلی مالک وہ خود ہونگے۔

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی <u>۱۹۸۹ء</u>/ص:۱۸۸-۱۹۰

☆ درج بالا انگریز اقتباس ہماری بحث سے متعلق ایک مستند تاریخی حوالہ ہے جسمیں کم وبیش وہی باتیں درج ہیں لیکن یہ حوالہ انٹرنیٹ پر موجود ہے:

http://www.gutenberg.net/etext06

The Queen of Sheba before Solomon -- -By Paul Lacroix (Bibliophile Jacob),

Curator of the Imperial Library of the Arsenal, Paris.Illustrated withNineteen Chromolithographic Prints by F. Kellerhovenand upwards of Four Hundred Engravings on Wood.

EBooks posted prior to November 2003, with eBook numbers BELOW #10000,are filed in directories based on their release date. Date of search: April, 2004

(۲) ایضا

(۳) ایضا

عجیب بات یہ ہے کہ اناجیل میں سود کے علاوہ جو اخلاقی احکام سختی سے صادر کیے گئے تھے. اُن پر عیسائی عوام کبھی کاربند نہ ہوئے. قتل، چوری، ظلم اور زنا کے خلاف شاذ ہی مذہبی فیصلوں کا احترام کیا گیا ہو. محبت، حلم، شرافت اور نیکوکاری کی ترویج، والدین کا ادب اور بچّوں کی تربیت اور رکھ رکھاؤ کی باتیں بھی بڑے بڑے چرچ اور کیتھیڈرلز کے زبانی جمع خرچ سے آگے نہ بڑھیں. لیکن سود لینے کی مناہی پر اِس شدّت سے عمل درآمد ہوا کہ کوئی عیسائی اُسکی خلاف ورزی کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا. یورپ کی تاریخ اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اس حقیقت کو بے نقاب نہیں کرسکی کہ اس کلیے کے پیچھے یہود کا ہاتھ واضح طور پر موجود ہے. اور اسطرح سونے، بنکوں اور تجارتی کمپنیوں کو پوری طرح اپنے ہاتھوں میں لے کر یہود کیلئے انسانیت کی قسمت سے کھیلنا بہت آسان ہوگیا. اپنی دولت کی قوت سے انہوں نے صحافت اور ذرائع ابلاغ پر چھا جانے پر خاص توجہ کی اور اس طرح پیسے اور پروپیگنڈے کے ذور سے حکومتوں کو تہہ و بالا کرنا، جنگیں برپا کرنا، اعلیٰ سیاسی و حکومتی فیصلے اپنی مرضی سے کروانا، یہود کے لئے نہایت سہل ہوگی. اور اُنکے حوصلے اس حد تک بڑھ گئے کہ وہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے.(۱)

درجہ بالا پیراگرف کی تفصیلات نے ہمیں بتایا ہے کہ یہود نے سود کو کاروباری نقطہ نظر سے صرف اپنے بھائی یہود سے سود کی وصولی کرنے کو کسبِ حرام کی ممانعت کے درجے میں رکھ لیا لیکن بقیہ پوری دنیا کو اس لعنت میں ملوّث کر کے دنیا میں تجارت کے ہر شعبہ کو سود سے جکڑ کر رکھ دیا لہٰذا اس صورت میں اور کونسی ایسی بات ہوسکتی ہے جسکے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ یہود کہ یہاں کسبِ حرام کی ممانعت پر کسی غیر شرعی حکم کے برخلاف کوئی اور کاروبار ممکن نہ ہو. البتہ ہم جہاں پر یہود کی کوئی بات بلحاظ معاشرت بہتر ہے، ضرور بیان کرنا چاہیں گے. وہ یہ ہے کہ محنت و مزدوری کو احسن طریق پر انجام دینے کا عندیہ بہت سلیقہ سے سکھلایا جاتا ہے.

''توریت کے مطالعہ کے وقت مکمل دھیان لگاؤ اور غور سے پڑھو اور ہمیشہ یاد رکھو کہ تم غیر مومن اور غیر قوم کو کیسے اور کیا جواب دو گے. یہ بھی یاد رکھو کہ تم کسی کی کھیتی میں محنت و مزدوری کر رہے ہو اور تمہارا اجر و انعام دینے والا ہے اور یہ تمہارا فرض اور بنیادی ذمّہ داری ہے کہ تم اپنی محنت و مزدوری احسن طریقہ سے ادا کرو. ضروری نہیں کہ کام مکمل ہو لیکن تم اُسے ادھورا بھی چھوڑنے کے حق دار نہیں.''(۲)

درجہ بالا حوالہ سے معلوم ہوا کہ محنت نہ کرنے کو یہود بھی انتہائی نہ پسند کرتے ہیں. اور شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو اسکی سعی پر بلاتفریق مذہب پورا پورا بدلہ دینے کا وعدہ کیا ہے، گو اُس قوم کو آخرت میں کچھ حصّہ نہ ملے گا. اور یہ محنت ہی آج کے یہود کی کامیابی و کامرانی کی دلیل ہے. جبکہ قرآنِ کریم میں واضح دلیل آئی ہے کہ :

من كان يريد حرث الآخرة نزد له في حرثه ، ومن كان يريد حرث الدّنيا نوته منها ، وما له في الآخرة من نصيب ٥(۳)

ترجمہ: ''جسکا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اُسے اُس کی کھیتی میں ترقی دیے دیں گے، اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اُسے اُس میں سے بھی کچھ دے دیں گے، لیکن ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں.''

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۸۸-۱۹۰

(۲) عاصی، عیمانوئیل فادر-توریت اور تربیت-مکتبہ عناویم پاکستان، جی ٹی روڈ سادھوکے-ضلع گوجرانوالہ-اکتوبر ۲۰۰۱ء/ص:۲۳

(۳) القرآن/سورۃ الشوریٰ/۴۲:۲۰

عیسائیت میں لفظ 'کسبِ حرام' کی ممانعت سے کیا مُراد ہے؟

عیسائیت میں کسبِ حرام کے حوالہ سے ہماری وہی رائے ہے جو قومِ یہود کے اور انکی کتبِ مقدس کے بارے میں اوپر گزر چکی ہے. لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ عیسائیت میں عقیدہ تثلیث کے باوجود بائبل یعنی اناجیل اربعہ میں زیادہ طور پر ایک خدا کی واحدانیت اور حرام مال کے کھانے سے ممانعت بھی کئی جگہ ملتی ہے. جسکی سب سے بڑی دلیل عہد نامہ جدید، انجیل کے باب 'اعمال' کی یہ آیات ہیں:

حرام مال کھانے کی ممانعت میں بتوں کی مکروہات بھی شامل ہیں:

"پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں ہم اُنکو تکلیف نہ دیں - مگر انکو لکھ بھیجیں کہ بُتوں کی مکروہات اور حرامکاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے پرہیز کریں - کیونکہ قدیم زمانہ سے ہر شہر میں موسیٰ کی توریت کی منادی کرنے والے ہوتے چلے آئے ہیں اور وہ ہر سبت کو عبادت خانوں میں سنائی جاتی ہے." (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ بتوں کا بنانا، اسکا بیچنا اور اُس سے متعلقہ تمام کاروبار عیسائیت میں ممنوع ہیں. دیگر یہ کہ اسلام کی طرح یہود و نصاریٰ دونوں ہی بغیر ذبح کے جانوروں اور ان کے گوشت کو بالکل اسلامی شریعہ کے عین مطابق حرام قرار دیا گیا ہے. جبکہ اگلی آیت میں بتوں پر چڑھاوے چڑھانے والی حرکات کی بھی ممانعت کی گئی ہے:

"اور ہم نے مناسب جانا کہ اِن ضروری باتوں کے سوا تُم پر اور بوجھ نہ ڈالیں - کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو - اگر تُم اِن چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے - والسّلام." (۲)

حرام کاری کی ممانعت جس سے ظاہر ہوا کہ اس کا پیشہ بھی ممنوع ہے:

اور حرامکاری سے متعلق آگے آیت میں آیا ہے کہ:

"جو باتیں تُم نے لکھی تھیں اُنکی بابت یہ ہے - مرد کے لئے اچھا ہے کہ عورت کو نہ چھوئے. لیکن حرامکاری کے اندیشہ سے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے. (۳)

پس میں بے بیاہوں اور بیواؤں کے حق میں یہ کہتا ہوں کہ اُنکے لئے ایسا ہی رہنا اچھا ہے جیسا کہ میں ہوں، لیکن اگر ضبط نہ کر سکیں تو بیاہ کر لیں کیونکہ بیاہ کرنا مست ہونے سے بہتر ہے." (۴)

چنانچہ رہبانیت کی خصوصی تعلیم کے باوجود مذہب عیسائیت میں نکاح کے وجود کو سرے سے ختم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ بڑی حد تک نکاح کو لازم یعنی نفس پرستی کے لیئے راہ راست کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، جسکے لازم معنی یہ ہوئے کہ عیسائیت میں حرامکاری تو ممنوع ہی ٹھہری، لیکن اس سے حاصل شدہ آمدن بھی حرام Unlawful Earning کہلائیگی. جسکے لئے اگلی آیات میں فحاشی کے اڈوں پر وضاحت موجود ہے:

(۱) عہد نامہ جدید؛ اعمال/ ۱۵: ۱۹-۲۱
(۲) عہد نامہ جدید؛ اعمال/ ۱۵: ۲۸-۲۹
(۳) عہد نامہ جدید؛ کرنتھیوں/ ۷: ۱-۳
(۴) عہد نامہ جدید؛ کرنتھیوں/ ۷: ۸-۱۰

عیسائیت میں فواحشات سے حاصل شدہ آمدنی کی بھی ممانعت ہے:

یعنی فحاشی کے اڈوں سے حاصل شدہ رقم کیسے جائز ہوسکتی ہے، لہذا بے برکتی کا عنصر بالکل واضح ہے.

'چنانچہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ تم پاک ہو یعنی حرامکاری سے بچے رہو، اور ہر ایک تم میں سے پاکیزگی اور عزت کے ساتھ اپنے ظرف کو حاصل کرنا جانے. نہ شہوت کے جوش سے اُن قوموں کی مانند جو خُدا کو نہیں جانتیں. اور کوئی شخص اپنے بھائی کے ساتھ اس امر میں زیادتی اور دغا نہ کرے، کیونکہ خداوند ان سب کاموں کا بدلہ لینے والا ہے، چنانچہ ہم نے پہلے بھی تم کو متنبہ کر کے جتا دیا تھا. اس لئے کہ خُدا نے ہم کو ناپاکی کے لئے نہیں بلکہ پاکیزگی کے لئے بلایا. پس جو نہیں مانتا وہ آدمی کو نہیں بلکہ خُدا کو نہیں مانتا، جو تم کو اپنا پاک روح دیتا ہے.'(۱)

درجہ بالا آیت میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کوئی شخص نہ تو خود حرامکاری (زناکاری، یا جنس پرستی) کرے گا، بلکہ اس سے حاصل شدہ آمدنی کسی صورت بھی عزت و پاکیزگی کا ذریعہ نہیں بن سکتی، چنانچہ یہ سب کچھ ممنوع ہو گیا. اور شہوت پرستی کو ایک علیحدہ قوم قرار دیا گیا ہے، جسکے لئے ناپاکی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ ہی نہیں بلکہ یہ بات واضح کردی گئی ہے، خدا کبھی بھی ناپاکی اور شہوت پرستی کو قبول نہیں کرے گا، کیونکہ خدا پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے. جو شریعتِ اسلامی میں طہارت کے موضوعات کے بالکل عین مطابق ہے. لہذا اس سے ثابت ہوا کہ حرامکاری کی آمدنی پاکیزہ اور عزت والی نہیں ہے، اسلئے زور دیا گیا ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ دھوکہ دہی اور زنا وغیرہ جیسے افعال میں ایک دوسرے کو دغا دیا جانا اور خصوصاً انسانی جسم کے ساتھ زیادتی کا پہلو قابل ذکر چیزیں ہیں اسلئے اسکا بھی ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، جسکے لازم معنی یہ ہیں کہ دھوکہ دہی، زیادتی اور شہوت پرستی کے تمام ذرائع آمدن مذہب عیسائیت میں حرام اور ممنوع ہیں.

عیسائیت میں اپنے ہاتھ کی کمائی اور محنت میں عظمت کا پہلو نمایاں کیا گیا ہے:

اور جسطرح ہم نے تم کو حکم دیا چپ چاپ رہنے اور اپنا کاروبار کرنے اور اپنے ہاتھوں سے محنت کرنے کی ہمت کرو تا کہ باہر والوں کیساتھ شائستگی سے برتاؤ کرو اور کسی چیز کے محتاج نہ ہو. (۲)

'اور جب یہ ہو چکا تو پولُس نے جی میں ٹھانا کہ مکِدُنیہ اور اخیہ سے ہو کر یروشلیم کو جاؤں گا اور کہا کہ وہاں جانے کے بعد مجھے رومہ بھی دیکھنا ہے ضرور ہے. پس اپنے خدمتگذاروں میں سے دو شخص یعنی تِیمتھِیُس اور اراستُس کو مکدُنیہ میں بھیج کر آپ کچھ عرصہ آسیہ میں رہا.- اس وقت اس طریق کی بابت بڑا فساد اُٹھا، کیونکہ دیمیتریُس نام ایک سنار تھا جو ارتمس کے روپہلے مندر بنوا کر اُس پیشہ والوں کو بہت کام دلوا دیتا تھا. اُس نے اُنکو اور انکے متعلق اور پیشہ والوں کو جمع کر کے کہا اے لوگو! تم جانتے ہو کہ ہماری آسودگی اِسی کام کی بدولت ہے.- اور تم دیکھتے اور سنتے ہو کہ صرف اِفسُس ہی میں نہیں بلکہ تقریباً تمام آسیہ میں <u>اِس پولُس نے بہت سے لوگوں کو یہ کہہ کر قائل اور گمراہ کر دیا ہے کہ جو ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں وہ خدا نہیں ہیں</u>.- پس صرف یہی خطرہ نہیں کہ ہمارا پیشہ بے قدر ہو جائیگا بلکہ بڑی دیوی ارتمس کا مندر بھی ناچیز ہو جائیگا اور جسے تمام آسیہ اور ساری دنیا پوجتی ہے خود اُسکی بھی عظمت جاتی رہیگی.'(۳)

ان آیات کے سیاق و سباق دینے کا مقصد یہی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پولُس نامی پیرو نے فقط عیسایئت میں بڑی حد تک واحدانیت لانے کی کوشش کی ہے لہذا اس آیت میں بھی یہی اظہار کیا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے <u>بُت جب خدا نہیں ہوسکتے تو پھر انکی تجارت</u>

---

(۱) عہدنامہ جدید: تھسلنیکیوں/۴:۳-۸

(۲) عہدنامہ جدید: تھسلنیکیوں/۴:۱۱-۱۲

(۳) عہدنامہ جدید: اعمال/۱۹:۲۱-۲۸

بھی کیسے جائز ہو سکتی ہے۔اور اسکے علاوہ اس آیت میں سُنار کا پیشہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جس سے مراد یقیناً یہ ہے کہ سونے کا کاروبار اُس زمانے میں بھی جاری وساری تھا۔اسی کی ایک مثال اور ہے وہ یہ کہ :

''اور اُس (پولُس) نے میلیتُس سے اِفِسُس میں کہلا بھیجا اور کلیسیا کے بزرگوں کو بلایا۔ جب وہ اُسکے پاس آئے تو اُن سے کہا......''(۱)

''اب میں تمہیں خدا اور اُسکے فضل کے کلام کے سپرد کرتا ہوں جو تمہاری ترقی کر سکتا ہے۔ میں نے کسی کی چاندی یا سونے یا کپڑے کا لالچ نہیں کیا۔ تم آپ جانتے ہو کہ انہی ہاتھوں نے میری اور میرے ساتھیوں کی حاجتیں رفع کیں۔ میں نے تمکو سب باتیں کر کے دکھا دیں کہ اس طرح محنت کر کے کمزوروں کو سنبھالنا اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس نے خُود کہا دینا لینے سے مبارک ہے۔''(۲)

''تمہارا فخر کرنا خوب نہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ تھوڑا سا خمیر سارے گُندھے ہوئے آٹے کو خمیر کر دیتا ہے''۔ (۳)

''حرامکاری سے بھاگو، جتنے گناہ آدمی کرتا ہے، وہ بدن سے باہر ہیں، مگر حرامکار اپنے بدن کا بھی گنہگار ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن رُوح القدس کا مقدس ہے جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خُدا کی طرف سے ملا ہے؟ اور تم اپنے نہیں۔ کیونکہ قیمت سے خریدے گئے۔ پس اپنے بدن سے خُدا کا جلال ظاہر کرو۔''(۴)

بت پرستی، حرامکاری اور انفرادی مفادات مسیح قوم کی ترقی میں حائل ہیں :

جن لوگوں کی زبان پر مسیح کا لفظ تھا اور جنھوں نے بت پرستی یا مشرقی مذاہب کی نسبت ایک اعلیٰ مذہب کی بنیاد رکھی تھی اُنہوں نے بھی اس متبرک خیال کو جو اُس ترقی کے لفظ میں داخل تھا ایک دھندلی صورت میں دیکھا اور اسکو ضبط نہیں کر سکے۔اُنہوں نے انسان کے ایک ہونے اور قانون کے ایک ہونے کا خیال سمجھ لیا۔ اُنہوں نے انسان کی کمالیت کا خیال سمجھ لیا، لیکن اس بات کے سمجھنے میں قاصر رہے کہ خدا نے انسان کو ایسی طاقت عطا کی ہے کہ وہ خود اپنی کوششوں سے اس کمال کو حاصل کر سکتا ہے اور نہ جس طریقہ سے یہ کمال حاصل کرنا ہے اسکو ہی اُنہوں نے کچھ سمجھا۔ اُنہوں نے اپنی توجہ کو اس بات پر محدود رکھا کہ افراد کے تصوّر سے زندگی کا قاعدہ مستنبط کریں۔نوع انسان کا وجود بحیثیت مجموعی اُنکی نظروں سے غائب رہا۔(۵)

درجہ بالا پیراگراف سے معلوم ہوا کہ بت پرستی اور یونان کے دیوی دیوتاؤں کی طرح پوجا پاٹ کا مذہب دراصل عیسائیت کے نقطۂ نظر سے بھی ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کے مترادف ہے اور اسی طرح کہا گیا ہے کہ اگر انفرادی زندگی کو تو بنالیں لیکن اجتماعی فکر چھوڑ دیں جیسے مذہب اسلام میں خودغرضی کا مرض کہتے ہیں تو یقیناً یہی سوچ آگے چلکر اشتراکیت واشتمالیت کی بنیاد بنی ہے۔جسکے باعث معیشت کے شعبے میں سرمایہ دارانہ نظام نے جنم لیا اور انفرادی زندگی کو اجتماعی زندگی سے کشمکش میں الجھا کر رکھ دیا۔

---

(۱) عہد نامہ جدید؛ اعمال/۲۰:۱۷

(۲) عہد نامہ جدید؛ اعمال/۲۰:۳۲-۳۵

(۳) عہد نامہ جدید؛ کرنتھیوں/۵:۶

(۴) عہد نامہ جدید؛ کرنتھیوں/۶:۱۸-۲۰

(۵) رام، منشی ہمنوتنڈ، فرائضِ انسان، مطبع خادم تعلیم پنجاب لاہور میں باہتمام منشی عبدالعزیز۔ ۱۹۰۰ء/ص:۹۴ (یہ جوزف میزینی اٹلی کے مشہور محب الوطن ریفارمر کی مکمل کتاب ''ڈیوٹیز آف مین'' کا اردو ترجمہ ہے)

یہود کے ہاں بھی نصاریٰ کی بت پرستی کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے :

یہ بات ہم پورے وثوق ودلائل کے ساتھ پیش کرر ہے ہیں کہ بُت پرستی یا اسکی تجارت کو دنیاوی اعتبار سے صرف کمائی کی خاطر اپنانے سے نصاریٰ کے اپنے مذہب پر کوئی فرق نہیں پڑتا چہ جائے کے وہ خود اُسے عبادت کا حصّہ سمجھتے ہوئے اسلام کے نقطہ ''اہل کتاب'' سے اپنے مذہب کو شرک میں مبتلا کر کے مکمل میدان سے باہر کر بیٹھے ہیں. اسکا ثبوت یہ ہے کہ طالمود کی چہرہ کشائی The Talmud Unmasked کے مؤلف Rev. I. B. Pranaitis ریو آئی بی رینٹس نے نصاریٰ پر جہاں اور بہت سی ایسی تنقیدات کی ہیں جنہیں اگر بیان کر دیا جائے تو قرآن کریم کی وہ آیت بغیر کسی دلیل کے خود بخود ثابت ہو جائے گی کہ :

وقالتِ الیهود لیستِ النصاری علی شئی وقالتِ النصاری لیستِ الیهود علی شئی ۝ (۱)

ترجمہ : یہود کہتے ہیں کہ نصرانی جھوٹے ہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہود، جبکہ اللہ کے آگے یہ دونوں جھوٹے ہیں.

ہم یہاں وہ بات پیش کرر ہے ہیں جو مؤلف بی رینٹس نے اپنے مقالہ میں لکھی ہے. جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بُت پرستی سمیت اسکا کاروبار بھی حرام ہے :

1- LEST a Jew the occasion of sin to the idolatrous Christians according to the precept in Levit, XIX,14: Do not put a stumbling-block before the blind-- he must avoid all contact with them on the days when they worship their gods. In Abhodah Zarah-(2a) it says:

"For three days before their idolatrous festivals it is not permitted to buy or sell them anything. It is also forbidden to give or take any help from them, to change any money with them, to pay them back any debts or allow them to pay back debts".

In the Abhodah Zarah, 78 c (the Perusch of Maimonides, fot.-(8) it says :

"All the festivals of the followers of Jesus are forbidden, and we must conduct ourselves towards them as we would towards idolaters. The first day of the week is their principal feast, and it is therefore forbidden to do any business whatsoever with those who believe in Jesus on their Sabbath. We must observe the same rules on their Sabbath as we do on the feastdays of idolaters, as the Talmud teaches". (2)

ترجمہ : ''۱- لیوٹ XIX-14 کے گیتوں کے مطابق یہودی کو چاہئے مشرک نصرانی سے دور رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اُسکے گناہ میں شامل ہو جائے. سہوا ٹھوکر کھا کے اپنے آپ کو نابیناؤں کی فہرست میں شامل نہ کرو. جس دن وہ اپنے خداؤں کی عبادت کریں اُس دن اُن کی ملاقات سے خصوصی بچا جائے. (ابھودھا زارہ میں ہے کہ) - (۲-اے) اُنکی بُت پرستی سے تین دن پہلے، اس بات کی قطعی اجازت نہیں ہے کہ اُنسے کسی قسم کا لین دین کیا جائے. اوراس بات پر بھی قدغن ہے کہ اُنکی نہ تو ایسے دنوں میں کوئی مدد کی جائے اور نہ مدد لی جائے، اور قرضوں کی ادائیگی بھی نہ

---

(۱) قرآن کریم: البقرۃ/۲/:۱۱۳

(2) Pranaitis, Rev. I. B.- The Talmud Unmasked - the Secret Rabbinical Teachings concerning Christians; -Publisher; IMPRIMATUR- St. Petersburg; KOZLOWSKY; Archbishop metropolitan or Mochileff- April 13, 1892.(Translation of the author's Latin Text)-P/63

کی جائے غرض ہر قسم کی رقوم کا تبادلہ بالکل بند ہے۔(۸۷سی)۔ مسیح کے ہر قسم کی دینی تقریبات کے شامل سے قطعی ملاقات حرام ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ ہم نے بھی گویا اُنکی طرح بُت پرستی شروع کردی ہو۔ہفتہ کا پہلا دن (اتوار۔ جو عربی میں یوم الاحد کہلاتا ہے) اُنکا اُصولی ضیافتی دن ہے، لہٰذا اُس دن اُنسے کسی قسم کا کاروباری لین دین قطعی حرام ہے خواہ ان میں سے چندلوگ سبت کے دن پر یقین کیوں نہ رکھتے ہوں. چنانچہ طالمود کے مطابق ہمیں اپنے سبت کے دن کی پاسداری کرنی چاہیئے۔"

مؤلف آگے لکھتے ہیں:

2- XX X XXXX XXXX XXXX XXXXX

3- **IT IS FORBIDDEN TO SELL TO CHRISTIANS ANYTHING CONNECTED WITH THEIR IDOLATROUS WORSHIP:** The Abhodah Zorah (14b, Toseph) says:

"It is always forbidden to sell incense to an idolatrous priest, for it is evident that when he asks for it he wants it for no other purpose but to offer it before his idol. Anyone, therefore, who would sell it to him sings against the precept which forbids us to place a stumbling-blocks before the blind.(1)

ترجمہ: "۲-XXXXX XXXXX XXXXXX XXXXXX

۳- بُت پرستی سے متعلقہ کسی بھی شئے کا نصارنیوں کو بیچنا حرام ہے۔

ابھودھازھوراہ (۱۴-بی توسف) کہتا ہے۔یہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے کہ کسی بھی بُت پرست جوگی کو عطر بیچا جائے۔کیونکہ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ وہ کسی اور مقصد سے خوشبو طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ اُسے اپنے بُتوں پر لگانی ہوتی ہے.لہٰذا کوئی بھی اُسے یہ بیچے گا تو وہ اُن احکامات کی خلاف ورزی کرے کے اپنے آپکو سہوا اُن نابیناؤوں میں شمار کرلے۔

1) X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

2) **A JEW NOT ALLOWED TO MENTION THE THINGS WHICH CHRISTIANS USE FOR THEIR IDOLATROUS WORSHIP:** In Hilkhoth Akum (V,12) it says:

"It is also forbidden to make mention of the Akum ; for it is written (Exodus XXIII, 13).... and make no mention of other gods".

3) **THEIR IDOLS MUST BE SPOKE OF WITH CONTEMPT:** In lore Dea (146,15) it says:

"Their idols must be destroyed, or called by contemptuous names". (2)

ترجمہ: "۱- XXX XXX XXX XXX XXX

۲- ایک یہودی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ نصرانی کو کسی قسم کی بُت پرستی سے متعلق کوئی شئے باور کرائے۔ ھلخوتھ اکوم (وی-۱۲) کہتی ہے: 'اکوم کے بارے میں بھی بتلانا جائز نہیں ہے.کیونکہ یہ ایگزھوڈس میں لکھاہوا ہے،اور کسی اور خدا کی طرف بھی اشارۃ بھی نہ کرنا.

۳- اُنکے بُتوں کو چاہیئے کہ وہ جواب دیں. یا تو اُن بتوں کو گرادیا جائے یا پھر اُن سے بولنے کا کہا جائے۔

(1) Pranaitis, Rev. I. B.- The Talmud Unmasked - the Secret Rabbinical Teachings concerning Christians; -Publisher; IMPRIMATUR- St. Petersburg; KOZLOWSKY; Archbishop metropolitan or Mochileff- April 13, 1892.(Translation of the author's Latin Text)-P/63

(2) Ibid-P/69

چنانچہ عیسائیت کی ایک شاخ نے اشتراکیت کو جنم دیا:

'اے محنت پیشہ اشخاص! یہ محض کوئی شخصی رائے نہیں ہے جو میرے اپنے ذہن سے پیدا ہوئی ہے اور امورواقعہ سے اُس کی تائید نہیں ہوتی. یہ تاریخ ہے او ہمارے اپنے زمانہ کی تاریخ، ایسی تاریخ جس کے صفحات خون سے ہاں قوم کے خون سے رنگین ہیں۔ اُن اشخاص سے دریافت کرو، جنھوں نے ۱۸۳۰ء کے انقلابات کی صورت محض تبدیل اشخاص میں بدل دی.اور اپنے آپ کو طاقت اور مرتبہ پر پہنچانے کے لئے فرانسیسی بھائیوں کی لاشوں سے سیڑھی کا کام لیا.ان کے تمام مسائل اور تعلیم ۱۸۳۰ء کے قبل حقوق کے پُرانے اصول پر مبنی تھے .نہ کہ فرائض انسان کے یقین پر. آج تم اُنہیں بے وفا اور مردود کے نام سے پکارتے ہو،مگر واقعہ میں وہ اپنے اصول کے سچے تھے.اُنہوں نے نیک نیتی کے ساتھ چارلس دھم کی گورنمنٹ سے لڑائی کی.کیونکہ جس گروہ سے یہ لوگ تھے، گورنمنٹ مذکور اُسکی علانیہ دشمن تھی، اور اُس نے اُن کے حقوق کو توڑا یا اُن کو دبانا چاہا تھا، اُنکی لڑائی اس مسرّت کے واسطے تھی جو اُن کے خیال کے موافق انہیں اس قدر حاصل نہ تھی.جس کے وہ مستحق تھے،ان میں سے بعضے اپنے خیالات کی آزادی کے سبب ستائے گئے، دوسروں نے جو زبردست دل ودماغ کے آدمی تھے اپنے آپ کو تمام عہدوں اور سرکاری ملازمتوں سے محروم پایا. اور اپنے سے کم قناعت کے آدمیوں کو اُن پر فائز ہوتے دیکھا، اور اُسپر قوم کی غلط کاریوں نے اُن کو اور بھی غصہ دلایا، پس انہوں نے دلیرانہ طور پر لیکن نیک نیتی کے ساتھ اُن حقوق پر لکھا جو تمام نوع انسان کے فطری حقوق ہیں.لیکن جب اُن کے اپنے پولیٹیکل اور دماغی حقوق حاصل ہوگئے، جب اُن کے لئے عہدوں پر پہنچنے کا راستہ کھل گیا، جب انہوں نے لوگوں کو اُن لاکھوں کو جو اُن سے نیچے تھے جو تعلیم اور خواہشات دونوں میں اُن سے کم درجہ رکھتے تھے، نیز جو ایک دوسری تعلیم کی مسرّت کے خواہاں تھے بالکل بھلا دیا، اس معاملہ کی نسبت تکلیف کرنی چھوڑ دی اور محض اپنی ہی نسبت خیال کرنے لگے تم ایسے لوگوں کو بے وفا نہیں کہہ سکتے، البتہ اُنکے مسائل کو جھوٹا اور فریب دہ کہو تو بجا ہے.(۱)

جبکہ عیسائیت تو سرے ہی سے اربابِ دولت کے برخلاف تعلیم دیتا ہے :

اور یوں بھی دیکھا جائے تو عیسوی عقیدہ میں یہ بات نمایاں طور پر ملتی ہے کہ وہ بار بار لوگوں کو رہبانیت (جوگی پن یا Monasticism) کی تعلیم دیتا ہے اور اربابِ ثروت ودولت کے لئے خدا کی بادشاہت میں کوئی حصّہ تسلیم نہیں کرتا.(۲)

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو اید سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبّت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا. تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے، اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کا فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے کیا پئیں گے؟ اور نہ ہی اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے.نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے.کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کی کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں، وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں.(۳)

(۱) رام، منشی نھقوتند، فرائضِ انسان، مطبع خادم تعلیم پنجاب لاہور میں باہتمام منشی عبدالعزیز. ۱۹۰۰ء/ص:۱۰۔مزید دیکھیں جوزف میزینی اٹلی کے مشہور محب الوطن ریفارمر کی مکمل کتاب "ڈیوٹیز آف مین" کا اردو ترجمہ .

(۲) سیوھاروی، محمد حفظ الرحمٰن، 'اسلام کا اقتصادی نظام' ادارۂ اسلامیات، انارکلی، لاہور ۱۹۸۴ء/ص:۳۸۵

(۳) عہد نامہ جدید: متی/۶:۲۴-۲۹-۸

دوسری فصل

کسبِ حرام کی ممانعت مذہب اسلام کی روشنی میں

تعارف

اسلام جامع مذہب ہے، شریعتِ اسلامی کا ایک نمایاں وصف جامعیت ہے۔ یہ ایک طرف بندے کا تعلق اپنے خالق سے مضبوط کرتی ہے اور اسکی ذاتی اصلاح کرتی ہے تو دوسرے طرف ایک فرد کا دوسرے فرد اور معاشرے سے تعلق کو منظم شکل دیتی ہے اگر شریعت اسلامی کا موازنہ کسی بھی انسانی نظام سے کیا جائے تو اُسے عقائد، نظام، عبادات اور اخلاق میں جامعیت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ اسلامی شریعت میں دین و دنیا یا دین وسیاست کی تفریق کا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ بیک وقت یہ دونوں پر مشتمل ہے، اور ان دونوں کو شریعت میں اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ دونوں سے ایک کل تشکیل پایا ہے جسکے حصّے نہیں کئے جاسکتے، شریعت ایک شیشہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہے، جس کا ہر حصّہ دوسرے کے لئے تقویت کا باعث ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ دین کے کسی ایک شعبہ کو اختیار کرلیا جائے اور باقی شعبوں کو چھوڑ دیا جائے، پوری شریعت پر بیک وقت عمل کرنا ضروری ہے۔(۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

افتو منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل دلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا و یوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون اولٰئک الدین اشترو الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ فلا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینصرونo (۲)

'یہ کیا (بات ہے) تم کتاب الٰہی کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں انکی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو تم کام کرتے ہو خدا اس سے غافل نہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی سو نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انکو اور طرح کی مدد ملے گی۔

شریعت اسلامیہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام، شادی کو جائز مجرد زندگی کو ناپسندیدہ اور زنا کو حرام، پاکیزہ کھانے پینے کی اشیاء کو حلال اور نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دے کر حقیقت پسندی اور مثالیت کو جمع کر دیا ہے، اسی طرح دینی اور اخلاقی اقدار کے تحفظ کے ساتھ ساتھ بشری ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے، یعنی ان ضروریات کو پورا کرنے میں محرمات، رذائل اور گندی چیزوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔(۳) چنانچہ یہ بات طے ہے کہ نہ مسلمان اپنی مرضی سے کسی حرام شئے کو اپنے لئے حلال کر سکتا ہے اور نہ ہی حلال شئے کو حرام کیونکہ اسکا قانون اللہ ربّ العزت نے اپنے کلامِ مجید میں اتار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ اپنے لئے اپنی من پسند آیاتِ قرآنی کو اپنے لئے دلیلِ ضامن ٹھہرا سکتا ہے، جو شریعتِ اسلامی میں کسبِ حرام کی ممانعت کا سب سے پہلا اصول ٹھہرا کسب و معیشت اور رزق و معاش کے سلسلے میں اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی سے قلب و روح سب سے پہلے متاثر ہوتے ہیں، پھر اسکے بعد انسان کی مادّی ترقی و خوشحالی کی جنت میں بے اطمینانی و اضطراب کے سانپ داخل ہو جاتے ہیں۔ جن کی زہر سوزیوں سے معاشرے کا ہر طبقہ تڑپنے لگتا ہے۔ پورا معاشرہ، بدامنی دھوکہ وفریب اور ظلم واستحصال کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ اخلاقی

---

(۱) ثانی، پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدّین 'خدمتِ خلق و رفاہ عامّہ کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں' ناشر، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثانی، اورنگی ٹاؤن، کراچی، مارچ ۲۰۰۶ء/ص:۱۸

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۸۵-۸۶

(۳) ثانی، پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدّین 'خدمتِ خلق و رفاہ عامّہ کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں' مارچ ۲۰۰۶ء/ص:۲۱

پستی، بے مُروّتی، خودغرضی اور عیاشی کے بے قید جذبات اسی فضا میں اُبھر کر معاشرے میں معاشی فساد کا طوفان اٹھاتے ہیں. انہیں مفاسد کے سدِ باب کے لئے اسلام نے ایسے تمام ذرائع معاش کو ممنوع اور حرام قرار دیدیا ہے. جن سے اخلاق وضمیر پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے. اور اسکے ساتھ ہی دوسروں کے حقوق میں ناانصافی اور زیادتی کا ارتکاب بھی ہوتا ہے. (۱)

اسلام میں حلال وحرام کا تصور تمام آسمانی مذاہب سے زیادہ واضح ہے :

سب سے پہلے دیکھا جائے تو اللہ تعالی خود انسان سے فرمارہے ہیں کے جتنی حلال اشیاء ہیں ہم ہی نے دی ہیں، اور جنکو تم نے محنت کر کے حاصل کیا، لیکن اس فلسفہ میں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہر قسم کی محنت سے رزق کا حصول حلال ہی ہوتا ہے چاہے وہ طریقہ محنت اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو. اسکے لئے قرآنِ کریم کی آیات اور احادیث نبوی ہی وہ سہارا ہیں جو ہمیں واضح تفریق بیان کر کے راستہ دکھلاتی ہیں.

یایھا الذین امنوا کلوا من طیبت مارزقنکم واشکرو للہ اِن کنتم ایاہ تعبدون ج (۲)

ترجمہ: اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں اُن کو کھاؤ، اور اگر اللہ ہی بندے ہو تو (اُن نعمتوں کا) شکر بجالاؤ.

وکلوا مما رزقکم اللہ حللا طیبا ص واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون ٥ (۳)

اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اُسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو.

درجہ بالا دونوں آیات میں اللہ تعالی کے نزدیک بندگی یعنی اللہ کی غلامی اور مؤمن یعنی اللہ پر ایمان کے ساتھ کڑی شرط محض حلال وطیب کھانا ہے. لیکن اللہ تعالی نے اس مسئلے کو یکطرفہ ہی نہیں چھوڑا بلکہ اسکی جامع تعریف کے لئے درج ذیل آیت سے بات کو واضح فرمادیا کہ:

یایھاالنّاس کلوا مما فی الارض حللا طیبا ز ولا تتبعوا خطوت الشّیطن ط انہ لکم علومبین٥ (۴)

اے لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ. اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے.

یعنی حلال وطیب یا پاکیزہ اشیاء کے علاوہ جتنی اشیاء ہیں اُنکے کھانے کا واضح مطلب شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے، جس میں کوئی شک نہیں کہ شیطن تو صرف انسانیت کی بربادی ہی چاہتا ہے. اور جہاں انسانیت کا لفظ سامنے آیا ہے تو یہ بات اس آیت کی کسی بھی حکمت سے کم نہیں کہ اللہ تعالی نے جہاں پچھلی آیات میں صرف وحلال اشیاء کو بحثیت نعمت شکرانے کا ذکر کیا وہ صرف مؤمن ہی کو کیا کیوں کہ کفرانِ نعمت یا شکرانِ نعمت دونوں کا ادب تو صرف مؤمن ہی جانتا ہے، لیکن جہاں صرف بھلائی اور بُرائی کا تصوّر کے جاننے سے زیادہ فہم ایک عام آدمی کے بس سے باہر ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم تو یہاں پر اللہ تعالی نے شکرانہ ادا کروانے سے زیادہ اس بات کو اہمیت دی ہے کہ ایک عام آدمی بھی شیطن کے مکروفریب کا حصہ نہ بن پائے اور اُسے اس کی خبر مکمل طور پر دے کر حجت تمام کردی جائے. لہذا اللہ تعالی جو خالق ومالک ہے اُس ربّ کائنات سے زیادہ اور کون ہوسکتا ہے جو انسانی نفسیات کو جانے.

---

(۱) اسحاق، محمد حکیم، اسلام کا معاشی معیارِ اخلاق، ریلوے روڈ حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، پاکستان ۱۹۸۰ء /ص:۲۳

(۲) قرآنِ کریم: سورۃ البقرۃ/۲:۱۷۲

(۳) قرآنِ کریم: سورۃ المائدہ/ ۵:۸۸

(۴) قرآنِ کریم: سورۃ البقرۃ/۲:۱۶۸

احادیث مبارکہ سے حلال وحرام کا بیّن فرق :

جنابِ محمد الرّسول اللہ ﷺ چونکہ سارے عالم کے لئے روشن چراغ اور ہدایت کا منبع بنا کر بھیجے گئے، آپ ﷺ کے طفیل ہی انسانیت کو واضح دلیل نہ صرف قولی بلکہ عملی نمونہ کے ساتھ میسر آ سکے. لہذا آپ ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ حلال وحرام کا واضح فرق بتاتے ہوئے تمام انسانیت کو شک وشبہ سے بھی خالی کر دیتی ہے. چنانچہ فرمایا کہ :

عن ابی عبد اللہ النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما قال: قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: اِنّ الحلال بیّن واِن الحرام بیّن ، وبینھما امور مشتبھات لا یعلمھن کثیر من الناس، فمن اتقی الشبھاتِ فقد استبرا لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشّبھات وقع فی الحرام. کالرّاعی یرعی حول الحمی یوشِک ان یرتع فیہ الا وان لکل ملک حمی . الا وان حمی اللہ محارمہ الا وان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسد ت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب - (۱)

ترجمہ: نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حلال بھی واضح ہیں اور حرام بھی واضح ہیں اور ان دونوں کے درمیان بعض اشیاء مشتبہ اور مشکوک ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے، اس لئے جس شخص نے اپنے آپ کو مشتبہات سے بچایا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچایا اور جو آدمی مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا؛ جیسے ایک چرواہا جو سرکاری چراگاہ کے ارد گرد دیا قریب اپنے جانور چرائے تو عین ممکن ہے کہ اس کے جانور سرکاری چراہ گاہ میں داخل ہوں. یاد رکھو کہ انسانی جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست رہتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے، اور اگر وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے، یاد رکھو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا (انسانی قلب) یعنی 'دل' ہے.

اب ہمارے سامنے اس سے زیادہ اور کونسی واضح بات آنی چاہئے کہ چراگاہ سے مراد اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء ہیں اور اُن میں اگر کسی شخص کو شبہ ہے تو اُسے چاہئے کہ بجائے اُن شبہات کی دلیلیں تلاش کرتا پھرے، بالکل ہی ترک کر دے تو اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کر پائے گا، وگرنہ جس طرح دیگر مذاہب میں یہ بات ہمارے سامنے آ چکی ہے کہ کوئی واضح دلیل ہونے کے بجائے اُنکے تمام معاملات نہ صرف مذہبی اعتبار سے بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی کوئی واضح زندگی کا لائحہ عمل نہیں دے پاتے جسکے نتیجہ میں نہ صرف معاشیات بلکہ اس نام پر نہ جانے کتنے بڑے بڑے مسئلہ کا حل پیش کرنے والے سامنے آ گئے لیکن اُن کے مسائل جوں کہ توں ہی نظر آتے ہیں.

حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جانا ایمان کے لئے خطرہ کا باعث ہے :

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اور مقام پر زمانۂ آخیر کے لئے ٹھوس علامت کے طور پر فرمایا ہے کہ :

'یاتی علی النّاس زمان لا یُبالی المرءُ ما اخذ منہ من الحلال والحرام' (۲)

ترجمہ: 'رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آ رہا ہے، جس میں انسان اس بات کی مطلق پرواہ نہ کریگا کہ اُسکی حاصل کرکمائی حلال ذرائع کا نتیجہ ہے یا حرام ذرائع معاش کا حاصل'- دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی خاطر انسانی اذہان سے یہ احساس بھی مٹ جاتا ہے کہ اُس اُسکے ذرائع معاش جائز اور قانونی ہیں یا ناپاک اور غیر قانونی چنانچہ یہودیوں کی سوچ کی طرح بغیر محنت کے جو رقم زیادہ آسانی سے ہاتھ لگ سکے تو ایسا راستہ کوئی مسلمان خواہ کسی بھی نیت سے اختیار کرے گا قطعاً حرام ہی ٹھہرایا جائے گا جبکہ اسلام میں ایسی سوچ پر بھی پابندی ہے.

---

(۱) امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، مشکوۃ المصابیح، مشکوۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی، مولانا عابد الرحمن، دار الاشاعت، کراچی، س ن/ ج-۲: ص:۱۲ حدیث نمبر ۲۶۴۲/ و راہ البخاری وسلم، متفق علیہ

(۲) راہ البخاری ، ۱:۲۲، کتاب ۲، باب ۲۹

حلال رزق میں انسانی زینت کی عظمت پنہاں کی گئی ہے:

اور یوں بھی دیکھا جائے تو یہ بات ماسوائے اسلام کے کسی بھی مذہب نے نہیں کہی کہ جو انسان مذہباً اپنے رُخ کو سیدھا کرلے گا تو اُس کی عظمت صرف مذہباً ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی عظیم تر ہو جائے گی، لہذا اُسے اپنی دنیاوی زینت کے بناؤ سنوار کے لئے مذہب کے علاوہ کسی اور معاشرے کی تہذیب وتمدن کو اپنانا نہیں پڑے گا، اور یوں با قائدہ طور پر اُسے دنیا کی زیب وزینت اپنانے کی اجازت دی گئی ہے. جیسا کہ اللہ تعالی نے اس بات کو بالکل واضح کردیا:

قل من حرّم زینة الله الّتی اخرج لعباده والطّیبٰتِ من الرّزق ؕ قل هی للّذین امنوا فی الحیوه الدّنیاخالصة یوم القیمة ؕ كذالک نفصل الایٰتِ لقوم یعلمونo قل انماحرّم ربّی الفواحش ما ظهرمنهاوما بطن والاثم والبغی بغیر الحقّ وان تُشركوا بالله مالم ینزّل به سلطانا وان تقولوا علی الله مالاتعلمونo (۱)

ترجمہ: ' آپ فرمادیجئے (اے نبی ﷺ) کہ اللہ کے پیدا کئے ہووے اسباب زینت کو جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو، کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز اہل ایمان کے لئے خالص ہوں گی، دنیوی زندگی میں مومنوں کے لئے بھی ہیں. ہم اسطرح تمام آیات کو سمجھداروں کیلئے صاف صاف بیان کرتے ہیں. آپ (اے نبی ﷺ) فرمادیجئے کہ میرے رب نے حرام کیا ہے، بے حیائی کے ان تمام کاموں کو جو اعلانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ جسکی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو جسکو تم جانتے نہیں ہو'

مشرکین مکہ نے طواف کعبہ کے وقت جس طرح لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دیا تھا، اسی طرح حلال چیزوں کو بھی بطور تقرب الٰہی اپنے اوپر حرام کیا تھا. نیز بہت سی حلال چیزیں اپنے بتوں کے نام وقف کردینے کی بنیاد پر اپنے اوپر حرام کی تھیں اللہ تعالی فرماتا ہے لوگوں کی زینت وآرائش کے لئے (مثلاً لباس وغیرہ) اور کھانے پینے کے لئے عمدہ اور لذیذ چیزیں، جو میں نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں انہیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ کہ لوگوں کے حرام کرنے سے اللہ کی حلال کردہ زینت وآرائش اور کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں وہ حلال ہی رہتی ہیں. یہ حلال اور پاک وصاف ستھری چیزیں درحقیقت اللہ تعالی نے اہلِ ایمان ہی کے لئے بنائی ہیں گو کفار بھی اُن سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، جو اللہ کی صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہے بلکہ بعض دفعہ تو دنیوی نعمتوں اور آسائشوں کے حصول میں وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں البتہ قیامت کے دن یہ نعمتیں اور آسائشیں صرف اہل ایمان کیلئے ہونگی جو اللہ کی صفتِ رحیمیّت کا تقاضا ہے. علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائف کے اڈوں پر جاکر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد پرائی عورتوں سے خفیہ دوستی ہے، بعض کے ہاں اوّل الذکر سے مراد محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ہے جو ممنوع ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ عام ہے اور اسمیں ہر قسم کی ظاہری بے حیائی شامل ہے جیسے فلمیں، ڈرامے، ٹوی، وی سی آر، ڈش، کیبل، فحش اخبارات ورسائل، فحش سائن بورڈز، رقص وسرور اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور پرائے مردوں کے ساتھ انکا بے باکانہ میل میلاپ، مہندی اور شادی بیاہ کی رسموں میں بے حیائی کے سرعام مظاہرے وغیرہ ، یہ سب فواحش ظاہرہ میں شامل ہیں. (۲)

---

(۱) القرآن: سورۃ الاعراف ۷: ۳۲-۳۳

(۲) سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، '' قرآن وحدیث کا موضوعاتی مطالعہ'' زیر اہتمام این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی، جولائی ۲۰۰۵ء/ص:۳۴

چنانچہ درجہ بالا آیاتِ قرآنی میں لفظِ "اثم" سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام گناہ ہے جو انسان کے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اُس پر مطلع ہونے کو اپنے لئے بُرا سمجھے۔ لیکن درجہ بالا تمثیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان انتہائی پست مقاصد کے حصول کی خاطر کانٹوں میں الجھ جاتا ہے۔

(۱) چونکہ لوگوں کی زینت و حسن آرئیاں دراصل انسانی آزمائش کا بڑا سبب ہے، لیکن اسلام میں منع بھی نہیں ہے، بلکہ انکی پابندیوں سے مراد صرف زمین پر اور زمین کے رہنے والوں پر کئے جانے والے غرور و تکبر سے بچانا مقصود ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یاایھاالنّاس انّ وعداللہ حق ط فلا تغرنکم الحیاۃ الدّنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور ط (۲)

ترجمہ: لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے، دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے، اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں دھوکے میں ڈال دے۔

اور اس غرور کے پیدا ہونے کا سبب چونکہ وہ مشہور مکالمہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان ہوا تھا اور جس میں شیطان نے اللہ تعالیٰ سے اپنی چالبازیوں اور ذرائع اغواء و تضلیل انسانی کا اس طرح اعلان کیا تھا کہ :

قال ربِّ بمآ اغویتنی لا زیّننّ لھم فی الارض ولاغوینّھم اجمعین (۳)

ترجمہ: اب میں زمین میں اُن لوگوں کے لئے (بُرائیوں اور گناہوں میں) دلفریبیاں پیدا کر کے اُن سب کو بہکا دوں گا۔

الا عبادک منھم المخلصین (۴)

ترجمہ: لیکن تیرے مخلص بندوں کے سواء

افمن زیّن لہ سوء عملہ فراہ حسنا (۵)

ترجمہ: کیا پس وہ شخص جس کے لئے اسکے بُرے اعمال مزیّن کر دیے گئے ہیں پس وہ اُنہیں اچھا سمجھتا ہے۔

شیطان ایسے لوگوں کو ہمیشہ فریب کارانہ اطمینان دلاتا ہے کہ نماز روزہ اور عبادات وغیرہ تو اپنی جگہ ہیں لیکن تجارتی لین دین، دنیا کمانے اور پیٹ پالنے کے طور طریقے اپنی جگہ ہیں۔ ذرائع معاش کیسے ہی غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہوں، لیکن اسمیں سے یتیموں، درس گاہوں یا سماجی ورفاہی کاموں میں کبھی کبھار چندہ دینے کے بعد پھر بقیہ مال طیّب اور بے خطر ہو جاتا ہے اور اللہ کے ہاں بھی محاسبے کا کوئی کھٹکا نہیں رہتا۔ یہ گمراہ کن نظریہ مذہب کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ چنانچہ بعض میں مذہبی امور کا دخل قابل برداشت ہوتا ہے اور بعض حصّوں میں اسلام کی دخل اندازی برداشت نہیں کی جاتی۔ مغربی تہذیب نے اس قسم کے دوغلے ذہن بنانے میں مکمل سازش اور منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا ہے۔(۶) دورِ حاضر کے مسلمانوں نے یہود و ہنود کی تہذیب اپنا کر کھڑے ہو کر چلتے پھرتے کھانے پینے کو اپنا شعار بنایا ہے، اسلام نے تو مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی حلال امر بھی اُن کا قومی شعار بن جائے تو پھر اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہیے اسلئے کہ اس میں اُنکی تہذیب کی پیروی آتی ہے۔ حدیث شریف ہے من تشبہ بقوم فھو منھم ؛ کہ جس نے جس کی مشابہت اختیار کی تو وہ اُن میں سے ہے۔(۷)

---

(۱) محمد اسحاق، حکیم، اسلام کا معاشی معیارِ اخلاق، ناشر، حکیم محمد اسحاق ریلوے روڈ، حولیاں ضلع ایبٹ آباد، ۱۹۸۰ء/ص:۲۳
(۲) القرآن/ سورۃ فاطر ۳۵:۵
(۳) القرآن/ سورۃ الحجر ۱۵:۳۹
(۴) القرآن/ سورۃ الحجر ۱۵:۴۰
(۵) القرآن/ سورۃ فاطر ۳۵:۸
(۶) محمد اسحاق، حکیم، اسلام کا معاشی معیارِ اخلاق، ناشر، حکیم محمد اسحاق ریلوے روڈ، حولیاں ضلع ایبٹ آباد، ۱۹۸۰ء/ص:۲۳
(۷) مختار اللہ حقانی، مفتی، اسلام کا نظام اکل وشرب اور شریعت کا فلسفہ حلال وحرام، ناشر، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، س ن/ص:۲۰۷

اسلام کا جامع تصور برائے مجالس ذکرِ حلال وحرام :

اگر ہم اسلام کے جامع تصور حیات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کے دو ہی پہلو ہیں ایک روحانی جس کی تکمیل کی جگہ مسجد ہے اور دوسرا مادی جس کی تکمیل بازار یا منڈی میں ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی زندگی میں مسجد کے بعد دوسرا درجہ بازار کا ہے۔ مسجد میں تعلق مع اللہ کی تربیت ہوتی ہے اور بازار میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ معاملات کی تربیت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض احادیث مبارکہ میں مسجد کو اللہ کریم کی محبوب جگہ اور بازار کو بُری جگہ قرار دیا ہے۔ اس کی روح غالباً یہ ہے کہ بازار میں کاروبار کرنے والا اگر اپنے معاملات اللہ کریم کی رضا کے مطابق لانا چاہتا ہے تو اس کو مسجد سے اپنا تعلق پختہ کرنا چاہیے تا کہ وہاں سے تجارت و معاملات سیکھ کر بازار میں انہیں استعمال کرے۔ تابعی عطاء بن رباح پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوں انہوں نے دونوں مقامات (مسجد اور بازار) کا تعلق یوں جوڑا ہے۔

مجالس الذکر هی مجالس الحلال و الحرام، کیف تشتری وتبیع وتصلی وتصوم وتنکح و تطلق و تحج و اشباہ هذه.(۱)

ترجمہ : دراصل مجالس ذکر تو وہی ہوتی ہیں جہاں معاملات میں حلال وحرام کا تذکرہ کیا جائے: کہ تو کیسے خرید وفروخت کرے؟ تو نماز کیسے ادا کرے؟ تو روزہ کیونکر رکھے؟ تو نکاح کس طرح کرے اور طلاق کیسے دے؟ تو حج کیسے ادا کرے اور اس طرح کے دیگر مسائل کا علم تجھے کیونکر ہو؟

اور اللہ تعالیٰ نے تو اس حلال وحرام کے درمیان ایسی تمیز سکھائی ہے جو انسانوں میں سے کسی کے لئے بھی ممکن نہ تھا کہ ایسا قانون مرتب کر سکتے کہ لوگوں میں حلال اشیاء سے محبت اور حرام سے نفرت کا پہلو از خود فطرتِ انسانی بن سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں بڑی برکت و مصالحت رکھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (۲)

ترجمہ: اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔

ایک مقام پر عام بیوع (جو تجارت کے سبب سے وجود میں آتی ہیں) کی اباحت اور نتیجۃً ترغیب ان الفاظ میں دی۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وحرّم الرّباء. (۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو تو حلال کر دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام میں حلال ذرائع سے تجارت بذاتِ خود ایک بڑی عبادت ہے اور مزید یہ کہ تجارت دیگر اعمال و عبادات سے مسلمان کو غافل نہیں ہونے دیتی۔ کیونکہ نفع اور نقصان دونوں کا پہلو مسلمان اللہ کے بھروسے پر چھوڑے رکھتا ہے، اور اپنی محنت کو ہی حجتِ عمل سمجھتا ہے اور اسی طرح تمام عبادات کو ساتھ لیکر چلتا ہے، جسکی گواہی خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (۴)

ترجمہ: (اللہ کریم کے) بندے تو ایسے بھی ہیں جن کو تجارت اور لین دین (کی مشغولیات) اللہ کریم کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے۔

---

(۱) بحوالہ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی، عدد ۴۷، شوال ۱۴۰۵ھ رجون ۱۹۸۵ء/ص-۴۶

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ النساء ۴:۴/۲۹

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرہ ۲/۲:۲۷۵

(۴) قرآنِ کریم؛ سورۃ النور ۲۴/۲۴:۳۷

قرآن مجید کی روشنی میں تجارت کا آغاز مبارک دن سے :

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ مجید میں مسلمانوں کی تجارت کے آغاز کے لئے ہفتہ کے سب سے مبارک دن یوم العید "جمعہ" FRIDAY کا تعیّن کیا جسکے ذریعہ نہ صرف تجارت کی اہمیت بتائی گئی ہے بلکہ اسکی ترغیب میں عبادت کے اصول وضوابط کو اوّلیت قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آیت میں آیا ہے:-

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (۱)

ترجمہ: پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (بذریعہ تجارت) تلاش اور حاصل کرو۔

اس آیت کریمہ میں "فضل" سے مراد طلبِ رزقِ حلال اور پاکیزہ مال ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول ترغیب تجارت قرار دیا ہے۔(۲) جبکہ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مالِ تجارت اور اُسکی محنت کو صرف "حلال" کئے رکھنے پر زیادہ زور دیا اور درجہ ذیل آیت سے واضح کر دیا کہ تجارت میں مال کو باطل کر لینے سے نہ صرف تجارت "حرام" ہو جاتی ہے بلکہ تجارت میں "سود" جیسی بُری لعنت کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل قطعی بھی ہے کہ "سود" صرف قرض کے لین دین پر ہی منضبط نہیں بلکہ مالِ تجارت کو باطل راہ سے حاصل کرنا بھی "سود" ہی کہلاتا ہے. چنانچہ فرمایا گیا کہ:-

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (۳)

ترجمہ: اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کریم نے تجارت کو آپس میں تبادلہ کے ذریعے ایک دوسرے کا مال حلال طریقہ سے استعمال کرنے کی اجازت کہا ہے۔ گویا تجارت نام ہی حلال طریقہ سے کمانے اور کھانے کا ہے۔ قرآن مجید نے ایک مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بازاروں میں چلتے ہیں اور چلتے کیوں نہ؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں چلنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کارِ نبوت میں تجارتی معاملات کی اصلاح کرنا اور اپنے عمل سے اُمت کو اس کی تبلیغ کرنا بھی ہے کہ تجارتی کاروبار کیونکر درست طریقہ پر چلایا جائے تاکہ وہ حلال کمائی اور باہمی تعاون کا ذریعہ بن جائے۔ نادانوں نے ان کے بازاروں میں چلنے پر اعتراض بھی کیا۔(۴)

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ. (۵)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا بھلا یہ کیسا رسول ہے؟ یہ تو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں (تجارتی مراکز) میں آتا جاتا ہے۔

اللہ کریم نے اس لغو اعتراض (جو غالباً عیسائیت کی بگڑی ہوئی تعلیم رہبانیت سے متاثر ہو کر کیا گیا تھا) کا جواب دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے بیہودہ اعتراض سے دل برداشتہ نہ ہوں آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تجارتی معاملات کی اصلاح کیلئے

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الجمعہ/ ۶۲:۱۵

(۲) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور- س ن/ ص:۱۷

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ النساء/۴:۲۹

(۴) غفاری، نور محمد، اسلام کا قانونِ تجارت/ ص:۱۸

(۵) قرآنِ کریم؛ سورۃ الفرقان/ ۲۵:۷

تشریف لے جایا کرتے تھے۔(۱) چنانچہ اللہ پاک نے قرآن کریم میں درج ذیل آیت بھی نازل فرما کر پچھلے انبیاء ورُسل کے حالات کو بیان فرما کر آپ ﷺ کو تسلی بھی دے دی اور تجارت کے پاکیزہ ہونے کے عمل کو بھی جتلا دیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ. (۲)

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور تجارتی مراکز میں چلا پھرا کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مقاصد نبوت میں تجارتی معاملات کی اصلاح کرنا بھی تھا۔(۳) اور کسب حلال کے سلسلہ میں انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بھی محنت کی ہے اور تمام انبیاء علیہ السّلام نے اپنی کمائی میں سے کھاتے تھے (جیسے):

۱- حضرت آدم علیہ السّلام زمینداری کرتے تھے. آپ نے گیہوں بوئے اور اُس کو سینچا اور کاٹا اور گہا، پیسا اور گوندھا اور پکایا اور کھایا.

۲- حضرت نوح علیہ السّلام بڑھئی کا پیشہ کیا کرتے تھے.

۳- حضرت ابراھیم علیہ السّلام بزازی، کپڑے کا کام کیا کرتے تھے.

۴- حضرت داوٗد علیہ السّلام ذرہ سازی کا کام کیا کرتے تھے.

۵- بادشاہ ہوتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السّلام خُرما کی زنبیل، تھیلیاں بنایا کرتے تھے.

۶- اور نبی الانبیاء وسیّد المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُجرت پر بکریاں چرائی ہیں.(۴)

یہی ایک بنیادی فرق ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصد صرف زندگی میں تجارتی امور کا سکھلانا یا عمل کر کے دکھلانا نہیں ہوتا تھا، درجہ بالا پیشہ جات کی فہرست انتہائی مختصر ہے لیکن بتلانا یہ مقصود ہے کہ ان پیشہ جات کی تفصیلات وتعامل وقتی حالات کے تابع ہوتے ہیں، اس لئے ان میں مختلف انبیاء کے یہاں فرق پایا جاتا ہے(۵) جو کسی بھی صورت دین میں اختلاف کا باعث نہیں بن سکتے. البتہ درج ذیل آیت نے اس مسئلے کو حل فرماتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اصلِ دین میں مدار دین اور امورتوسع کیا ہیں:

یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا انی بما تعملون علیم ○ (۶)

اے پیغمبرو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو. میں جانتا ہو جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت کے مطابق وہ واحد دین جو تمام پیغمبروں کے درمیان متفق علیہ ہے، یہ تھا- خوراک میں حلال وحرام کا لحاظ رکھنا، نیک عمل کرنا، اللہ کو علیم وخبیر جانتے ہوئے زندگی گزارنا، اللہ کو اپنا رب اور آقا بنانا اور صرف اللہ سے ڈرنا شامل ہے.(۷) یہی وجہ ہے کہ اسلام کے حکیمانہ نظام معیشت نے حج ایسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے سفر کے دوران بھی تجارتی اعمال کو جاری رکھنے کی اجازت دی ہے۔اس کی حکمت غالباً یہی ہے کہ سفرحج جہاں مسلمان بندہ کے گناہوں کا میل کچیل دھو کر اس کے روحانی ارتقاء کا سبب بنتا ہے، وہاں یہ سفر معاشی طور پر وسیلہ ظفر بھی بنے تا کہ

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور- س ن/ص:۱۸
(۲) قرآن کریم؛ سورۃ الفرقان ۲۵:۲۰
(۳) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق، /ص:۱۸
(۴) چاٹگامی، محمد عبد السّلام مفتی مولانا، اسلامی معیشت کے بنیادی اصول، ناشر، اسلامی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۹۳ء/ص:۹۱
(۵) خان، وحید الدین مولانا، دین کیا ہے، مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ، دہلی، س ن/ص:۲۶
(۶) قرآن کریم؛ سورۃ المؤمنون/۲۳:۵۱
(۷) خان، وحید الدین مولانا، دین کیا ہے، /ص:۲۶

مسلمان بندہ کی روحانی اور مادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے (واللہ اعلم) قرآن مجید میں ارشاد ہے: (۱)

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۝ (۲)

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم (دورانِ سفر حج) اپنے پروردگار کا فضل بذریعہ تجارت تلاش کرو۔

قرآن مجید ــــــ جو علم وخبیر کی کتاب ہے ــــــ نے روز اول ہی سے حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ ایسے ان اشخاص کے گمان کی تردید کر دی جو خیال کرتے ہیں کہ شاید تجارت اور حج (یا اسی طرح کی دیگر عبادات) ایک ساتھ نہیں چل سکتیں، لہٰذا ارشاد ہے: (۳)

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ. (۴)

ترجمہ: (اللہ کریم کے) بندے تو ایسے بھی ہیں جن کو تجارت اور لین دین (کی مشغولیات) اللہ کریم کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے۔

تجارت ہی وہ بابرکت اور باعزت پیشہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ نے اپنی بعثت مبارکہ سے قبل ۱۲ سال اس پیشہ کو عزت بخشے رکھی۔ قبل از نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور نیک نامی کی اصل وجہ بھی وہ معاملات کی صفائی اور سچائی تھی جو ان کے ساتھ تجارتی معاملات کرنے والوں نے دیکھی اور محسوس کی تھی۔ یہی وہ تجارتی دیانت تھی جو مکہ کی متمول ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کو اُن صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں لانے کا محرک بنی جبکہ آپ بُصریٰ کی منڈی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت بیچ کر زیادہ منافع کما کر لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔ (۵)

علیکم بالتجارة، فان فیها تسعة اعشار الرزاق. (۶) 'تجارت کیا کرو۔ اس میں رزق کا 9/10 حصہ ہے'۔

تجارت کے اصول وضوابط کے مفصل بیان سے پیشتر ضروری ہے کہ اسلام کے مقصدِ حیات کو مختصراً بیان کیا جائے اور وہ یہ کہ اسلام نے لوگوں کو تعیشات سے بچانے کے لئے جو تدابیر اختیار کی ہیں وہ اخلاقی بھی ہیں اور قانونی بھی۔ وہ ایک طرف انسانوں میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کے ذریعہ ایسی اخلاقی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُن میں مفاد پرستی، نفع اندوزی، خود غرضی اور ہوا وہوس کے بجائے اخوت وہمدردی اور قناعت پسندی کے جذبات پیدا ہوں۔ دوسری طرف ملک کے اندر ایک معتدل نظام حکومت قائم کرکے دولت کی غلط تقسیم کو مٹاتا ہے۔ اور قانوناً ایسے تمام ذرائع معاش بند کر دیتا ہے جس سے انسانی اخلاق اور معاشرت پر بُرا اثر پڑتا ہو۔ مثلاً: ذخیرہ اندوزی Hoarding، سٹہ بازی Speculation اور مضر صحت لہو ولعب، دولت کا بے جا صرف Extravegent وغیرہ۔ (۷)

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور- س ن/ص: ۱۷

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲: ۱۹۸

(۳) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، /ص: ۱۸

(۴) قرآن کریم؛ سورۃ النور/۲۴: ۳۷

(۵) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، /ص: ۱۸

(۶) علی المتقی: کنز العمال، ج ۲، ص ۱۹۲ اور دیکھیں ایضاً/ص: ۱۸

(۷) ندوی، مجیب اللہ مولانا، اسلامی قانونِ محنت واُجرت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جون ۱۹۸۹ء/ص: ۱۹۰

اصولِ تجارت کے احکام اَوامِر و نواہی :

قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح اصولِ تجارت کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) بائع Seller و مشتری Buyer کا باہم اعتماد و تعاون، ایک فریق کا زیادہ سے زیادہ نفع اور دوسرے کا زیادہ سے زیادہ نقصان نہ ہو؛ مثلاً: سود، جوا، سٹہ اور بیمہ وغیرہ میں یہی شرط مفقود ہوتی ہے، جسکے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لاضرر ولاضرار فی الاسلام - اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچانا ہے.

(۲) دوسری شرط باہم فریقین کی حقیقی اور بلا جبر و اکراہ رضامندی ہونی چاہئے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبر اور زبردستی کے سودا کرنے سے منع فرمایا ہے.

(۳) تیسری شرط، اہل معاملہ- معاملہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، عاقل بالغ اور آزاد ہوں. مجبور نہ ہوں. کاروباری معاملات کو سمجھتے ہوں.

(۴) چوتھی شرط، دھوکہ، فریب، ظلم اور معصیت کا اس کاروبار میں دخل نہ ہو؛ لا تظلِمون و لا تُظلمون o نہ تم دوسروں کا نقصان کرو، نہ تمہارا نقصان کیا جائے گا. یعنی دوسروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر منہ مانگے دام وصول کرنا تجارت کو فاسد کر دیتا ہے.(۱)

مذکورہ صحیح اصولوں کی ہر خلاف ورزی فاسد اصول تجارت ہے. جس کی بناء پر ایسا کاروبار اور سارا منافع اسلام کی نگاہ میں رزق حرام قرار پاتا ہے. جس کے مضرات سے قرآن وسنت نے آگاہ کر دیا ہے. حرام خوری کو جب رواج عام حاصل ہو جائے تو ایک دوسرے کی لوٹ کھسوٹ سے جہاں معاشرے کی انسانی صلاحیتیں ضائع ہونگی وہاں افراد اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کا قتل عام بھی شروع کر دیتے ہیں. اس طرح معاشرہ رزقِ حرام کی دوڑ میں اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیتا ہے. اسی لئے اصلاحی نظام اس قسم کے تمام معاشی مفسدات پر پابندیاں لگا کر انسانیت کو حقیقی امن وامان کی راہ پر ڈالنے کے لئے معقول اور منصفانہ اصول تجارت پیش کرتا ہے.(۲)

اسلام نے دورِ جہالت کی درجہ ذیل کمانے کی چند شکلوں کو حرام قرار دیا:

قبل از اسلام تجارتی کاروبار کی چند شکلوں کو عربوں نے رواج دے رکھا تھا- ان میں بعض مشہور شکلوں کا یہاں تعارف کرایا جا رہا ہے- یہ یاد رہے کہ اسلام نے ان تمام تجارتی شکلوں کو ممنوع قرار دیا- جس کا ذکر آئیندہ آئے گا-

۱- بیع منابذہ: جب بائع (فروخت کرنے والا) مشتری (خریدار) کی طرف کپڑا پھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی-

۲- بیع ملامسہ: جب مشتری مبیع (فروخت اور خرید کی جانے والی شئے) کو چھو لیتا تو بیع لازم ہو جاتی حتٰی کہ وہ نہ تو مبیع کو کھول سکے اور نہ الٹ کر دیکھ سکے- اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے تجارتی مال پر ہاتھ لگایا جاتا اور یہ بات طے کر لی جاتی کہ جس مال پر ہاتھ پڑے وہ اتنی ہی قیمت کا ہوا-

۳- بیع حبل الحبلۃ: مشتری اونٹنی اس وعدہ پر لیتا کہ جب وہ جنے پھر اس کا جو بچہ ہو جنے تب اس کی قیمت ادا کرونگا-(۳)

---

(۱) محمد اسحاق، حکیم، اسلام کا معاشی معیار اخلاق، حصہ دوم، ناشر حکیم محمد اسحاق، ریلوے روڈ حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، ۱۹۸۰ء/ص:۱۰

(۲) ایضاً/ص:۱۰

(۳) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور-س ن/ص:۱۷

۴-بیع صفقہ: ایام جاہلیت میں عربوں کے تجارتی لوازمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب مشتری کوئی چیز خریدتا وہ بائع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر یہ ثابت کرتا کہ اب بیع مکمل ہوگئی۔اس وجہ سے اس بیع کو بیع صفقہ کہا جاتا تھا۔بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ بائع چاہے نہ چاہے مشتری چالاکی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیع کر لیتا جو بائع کو مجبوراً قبول کرنا پڑتی تھی۔صفقہ تالی پیٹنے کو کہتے ہیں۔

۵-بیع محاقلہ: اناج کی بالیاں پکنے سے پہلے تاجر کھیتوں کی پیداوار خرید کر قبضہ کر لیتے تا کہ بعد میں اناج اپنی من مانی قیمت پر بیچ سکیں۔

۶-بیع مزابنہ: پکی اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کیا جاتا تھا۔جس میں نقصان اور جھگڑا دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔

۷-بیع مصراۃ: دودھیلے جانوروں کو فروخت سے قبل ان کے تھن دو۲تین۳دن باندھ دیتے تا کہ وہ بیچتے وقت زیادہ دودھ دیں اور یوں خریدار کو دھوکہ دیا جاسکے کہ جانور زیادہ دودھیلہ ہے،لہٰذا اس کی قیمت زیادہ ادا کی جائے۔

۸-بیع عریان: ''سائی''اور بیعانہ والے معاملہ کو کہتے ہیں۔اس قسم کی بیع میں معاملہ یوں طے ہوتا ہے کہ مشتری بائع کو کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ دے دیتا ہے اور شرط یہ ٹھہرتی ہے کہ اگر مشتری وہ مبیع مقررہ وقت کے اندر اندر نہ خرید کر سکے تو بائع (فروخت کرنے والا) بیعانہ کی رقم بطور حرجانہ ضبط کر لے گا اور اگر بائع مبیع (فروخت کی جانے والی شئے) نہ فروخت کرنا چاہے تو بیعانہ کے برابر اور رقم بطور حرجانہ دے۔جاہلیت کا یہ طریقہ تجارت آج کل بھی مروج ہے۔

۹-بیع بخش: ایسی بیع جس میں زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے چالاک بائع (جو عموماً سرمایہ دار ہوتا ہے) یہ حیلہ اختیار کر کے کہ وہ چند اشخاص اس قبیح حرکت کے لیے تیار کرے کہ جب مبیع کی بولی ہو رہی ہو یا قیمت طے پا رہی ہو تو وہ صرف قیمت چڑھانے کے لیے اپنی طرف سے مبیع کے زیادہ دام بتاتے جائیں یا مبیع کی اتنی زیادہ جھوٹی تعریف کریں کہ مشتری زیادہ سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔

۹-بیع مضطر: ایسے حاجت مند شخص کی بیع جو اپنی سخت حاجت میں اپنا مال اونے پونے داموں فروخت کرے یا اپنی مجبوری کی وجہ سے انتہائی مہنگے داموں چیز خریدے۔

۱۰-بیع الکالی بالکالی: اس کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں۔ایسی بیع جس میں دونوں طرف سے اُدھار ہو اس کی کئی صورتیں ہوتی تھیں موجودہ دور کی سٹہ بازی بھی اسی کی ایک قسم ہے۔نہ مال موجود نہ قیمت کا وجود۔

۱۱-بیع غرر: اس کو بیع کو کہتے ہیں جس میں عوضین (یعنی مبیع یا قیمت۔ثمن) میں سے ایک کی مقدار یا مدت یا قیمت متعین اور معلوم نہ ہو مثلاً ہوا میں اُڑتے پرندوں کی بیع،دریا میں مچھلی کی بیع،جانور کے پیٹ میں بچہ کی بیع وغیرہ مذکورہ بالا اشکال تجارت میں سے تین (۵-۶-۷) مدینہ منورہ سے خاص تھیں۔(۱)

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان اشکال مبادلہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب

---

(۱) غفاری،نور محمد ڈاکٹر مولانا،اسلام کا قانون تجارت،مرکز تحقیق،دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور-س ن/ص:۱۷

طلب اور رسد کے فطرتی قوانین سے بخوبی آگاہ تھے۔ احتکار اور اکتناز کے ذریعے مال کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کرنا اور قیمتوں کو بڑھا چڑھا کر وصول کرنا ان کا بھی عام فن تھا۔ وہ تخمین اور سٹہ بازی Speculation میں بھی ماہر تھے وہ شہر کے باہر سے آنے والے کاروانوں سے سامانِ تجارت اور غلہ خرید کر بازار میں قلت کی حالت پیدا کرتے یا اُسے اپنی دوکانوں میں اکٹھا کر کے من مانے داموں فروخت کرتے۔ کسانوں کو (بالخصوص طائف میں) سود پر قرض دیتے اور ان کی تمام فصل پر قبضہ کر لیتے گویا تاجر "اپنا نفع زیادہ سے زیادہ ہو" کے استحصالی طریقہ کے استعمال میں اس دور کے سرمایہ داروں سے ملتے جُلتے تھے دراصل سرمایہ دار کی استحصالی ذہنیت ہر دور میں ایک جیسی رہی ہے۔(۱)

اسلامی دنیا میں حلال وحرام کا جو تصوّر عمومی طور پر رائج ہے، اُس میں قرضی سود تو بلا تردد مشہور و معروف ہے، جو اسلام میں ہر صورتحال سے قطعی حرام قرار دیا جا چکا ہے. اب اس کی مختلف اشکال کا ذکر کرنا لامحالہ عوام الناس کی اصلاح کے لئے ایک ناگزیر پہلو ہے، لیکن اس موضوع پر ایک مکمل فصل موجودہ فصل کے بعد انشاء اللہ سامنے آئیگی. فی الواقع ایک اہم ترین موضوع جسکا اصطلاحی اعتبار سے غیر معروف لیکن عملی اعتبار سے اسکا اظہار ہمارے دنیاوی کاروبار کا جزو لاینفک بن چکا ہے، جبکہ اسکی بہت سی اشکال کو اسلام میں قطعی حرام قرار دیا جا چکا ہے، اور بہت سی ایسی ہیں جو اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اگر قطعی حرام نہ بھی ہوں تو مشکوک ضرور ہو جاتی ہیں. اور انُ تمام عوامل کے لئے حدیث پاک میں واضح الفاظ سے تعریف کی گئی ہے کہ جواُن شبہات پر رغبت کرے گا وہ دراصل حرام پر گر جائے گا. اُس حدیث کے الفاظ جو اس فصل کے شروع میں پیش کی جاچکی ہے، مختصراً یہاں دوبارہ لکھی جارہی ہے: 'اِنّ الحلال بیّن واِن الحرام بیّن، وبینهما امور مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهاتِ فقد استبرا لدینه وعرضه ومن وقع فی الشّبهات وقع فی الحرام'. (۲)

ترجمہ: نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حلال بھی واضح ہیں اور حرام بھی واضح ہیں اور ان دونوں کے درمیان بعض اشیاء مشتبہ اور مشکوک ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے، اس لئے جس شخص نے اپنے آپ کو مشتبہات سے بچایا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچایا اور جو آدمی مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا؛

ان شبہات پیدا کرنے والے عوامل کو فقہائے اسلام نے قرآن و حدیث کے سہارے سے جو اصطلاح تلاش کی ہے اُسکو "غرر" Uncertainty کہتے ہیں. (۳) الحمدللہ عام طور پر مسلمانوں کے ذہنوں میں سود کی حقیقت بھی موجود ہوتی ہے اور اس سے بچنے کا جذبہ بھی، لیکن غرر سے عمومی طور پر ناواقفیت پائی جاتی ہے اور معاملات کے اندر بھی اس سے بچنے کا اہتمام نہیں ہوتا، مثلاً کوئی چیز خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اُسے آگے بیچنا (بیع قبل القبض) شرعاً ناجائز ہے، لیکن ہماری مارکیٹیں اس طرح کے معاملات سے بھری ہوئی ہیں. اسی طرح اور بھی ایسے سینکڑوں معاملات ہمارے بازاروں میں رائج ہیں. جن کے اندر غرر کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے. (۴) لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کے فائدے کی خاطر اس پہلو کو سود سے علیحدہ بیان کیا جائے تا کہ جو لوگ اپنی تجارتی زندگی میں صرف سود ہی کو حرام سمجھتے ہیں، وہ اس دھوکہ سے باہر آسکیں کہ دیگر معاملات بھی ہماری محنتوں اور کمائیوں کو ناپاک اور حرام قرار دیکر ہمیں عذابِ الٰہی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا.

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور۔ س ن/ص: ۱۷

(۲) مشکوٰۃ شریف۔ حدیث نمبر ۲۶۴۲، جلد ۲/ص: ۱۱ و رواہ البخاری ومسلم، متفق علیہ

(۳) صمدانی، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ادارۃ المعارف، کراچی، جنوری ۲۰۰۷ء/ص: ۲۴

(۴) ایضاً/ص: ۱۹

گذشتہ صفحہ پر دیئے گئے حواشی نمبر۳ کے محقق نے غرر کی تعاریفات کو جاننے کے لئے بہت عمدگی سے امثال پیش کی ہیں، جسمیں سے چند اہم اور واضح تعریفات کو ہم یہاں لے رہے ہیں، جو ہماری تحقیق میں عام فہم اور ضرورت کے عین مطابق ہے:

''قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ غرر ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کا ظاہر پسندیدہ ہو جبکہ اس کا باطن مکروہ اور ناپسندیدہ ہو. اس معنی کا حاصل بھی یہ ہے کہ غرر دوسرے کو دھوکہ دینے کا نام ہے، کیونکہ جو چیز ظاہراً خوبصورت ہوگی تو خریدار اُسے خوشی سے خرید لے گا لیکن حقیقت میں اندرونی نقص اور عیب پر مشتمل ہوگی جس سے اُسے دھوکہ ہوگا. چنانچہ علامہ ابن اثیر نے اسکی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں:- **الغرر و ماله ظاهر توثره وباطن تكرهه فظاهره يغر المشتري وباطنه مجهول** . ترجمہ: غرر یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر تو متاثر کرے اور اسکا باطن ناپسندیدہ ہو پس اس کے ظاہر سے خریدار کو دھوکا ہو، کیونکہ اسکا باطن اُسے معلوم نہیں.''(۱)

یہ وہ تعریف ہے جسکی صریح امثال آج کے معاشرے میں ہو یا نزول قرآن کے زمانہ میں تھی لیکن بہت اہم اور خصوصی ہے کہ اور وہ یہ کہ 'غرر' تجارت کے معاملات لین و دین میں کسی نہ کسی صورت رائج تھا، یہی وجہ ہے کہ محقق نے قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کو بھی غرر کی تعریف میں تصریحاً بیان کیا ہے جس کے بعد غرر کی تعریف میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی ہے: **یا یها الانسان ما غرّک بربک الکریم** (۲)

ترجمہ: اے انسان! تجھے اپنے کریم ربّ کے معاملے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا.

اسکے علاوہ غرر ''خطرہ'' کے معنی میں بھی آتا ہے، خطر کا مطلب ہے کسی انسان کا اپنے آپکو یا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنا، المنجد میں ہے:- **الغرر التعريض للهلاک** (۳) ترجمہ: اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کا نام غرر ہے- خلاصہ یہ کہ لفظ ''غرر'' لغوی اعتبار سے ان تمام معانی کو شامل ہے جو اُوپر بیان ہوئے. درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ غرر لغوی اعتبار سے تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:-

۱- دھوکہ ۲- غلط اُمید دلانا ۳- خطر

لہذا صاحب تحقیق نے مندرجہ اصطلاحات کے انگریزی کے مختلف معنی بتاتے ہوئے جو سب سے قریب ترین مطالب ہیں انمیں سے ایک ایک معنی کو ہم یہاں لے رہے ہیں: دھوکہ کے لئے انگریزی میں عام فہم لفظ بمعنی **Fraud/Deceive**؛ غلط امید دلانے کے معنی میں **Lure** اور خطر کے معنی میں **Uncertainty**؛ (۴) اور محقق کے مطابق آخری اصطلاح **Uncertainty** کو غرر کے انگریزی معنی میں رائج کیا گیا ہے.(۵)

---

(۱) صمدانی، اعجاز احمد ڈاکٹر مولانا، مالی معاملا پر غرر کے اثرات، ادارۃ المعارف، کراچی، جنوری، ۲۰۰۷ء/ص:۲۲ مزید دیکھیں: جامع الاصول في احاديث الرسول ، ابن الثير (مجد الدين ابو السعادات المبارك بن محمد ابن الثير الجزري ٥٥٤-٦٠٦ه) مكتبة دار البيان الطبعة الأولى ١٣٨٩ ه- ١٩٦٩ م (٥٢٧/١).

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الانفطار/ ۸۲:۶

(۳) ایضاً/ص:۲۳ مزید دیکھیں: المنجد في اللغة ، معلوف (لوئس معلوف) ایران، انتشارات اسماعيليان، الطبعة الحادية والعشرون ١٩٧٣م /ص:٥٤٦

(۴) صمدانی، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد، مالی معاملا پر غرر کے اثرات/ص:۲۳

(۵) ایضاً/ص:۲۴

شریعتِ اسلامیہ نے غرر کی تمام اقسام کو "حرام" قرار دیا :

غرر کی تعریف جاننے کے بعد اُسکی بڑی بڑی اقسام میں 'شراب وجواء، سٹہ وقمار'، 'ناپ تول میں کمی'، 'ذخیرہ اندوزی' اور 'قسمیں کھانا' جیسے اہم ترین موضوعات شامل ہیں جن کی اسلامی شریعہ میں کھل کر وضاحت کی گئی ہے کہ وہ انسانی معاشروں میں نہ صرف اقتصادی کمزوری لانے کی وجہ بنتے ہیں بلکہ سوءِ اخلاق کا بھی بہت بڑا سبب ہیں، لہٰذا اسلام نے ان اہم پہلوجات پر مفصل بحث کر کے معاشرے میں انکی بیخ کنی کر کے اسلامی معاشیات ومعاشرت کو ان بلیات سے پاک وصاف کر دیا ہے.

شراب وجواء، سٹہ وقمار کی شریعہ اسلامیہ میں حُرمت:

ابتداء اسلام میں عام رسوم جاہلیت کی طرح شراب خوری بھی عام تھی، جب رسول کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار یعنی جُوا کھیلنے کا رواج تھا، عام لوگ تو اِن چیزوں کے صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر اُن پر فریفتہ تھے، اُن کے اندر جو بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں اُن کی طرف نظر نہیں تھی؛ لیکن عادۃ اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ عقل والے بھی ہوتے ہیں، جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں، کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو وہ اس خواہش کے پاس نہیں جاتے، اس معاملہ میں آپؐ کا مقام تو بہت ہی بُلند تھا، کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپؐ کی طبیعت اس سے پہلے ہی نفرت کرتی تھی، صحابہؓ کرام میں بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا. مدینہ طیبہ پہونچنے کے بعد چند حضرات صحابہ کو اُن کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا، حضرت فاروق اعظمؓ اور معاذ بن جبلؓ اور چند انصاری صحابہؓ اسی احساس کی بناء پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں، اُنکے بارے میں آپؐ کا کیا ارشاد ہے، اس سوال کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی، یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اُٹھایا گیا. (۱) چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ سے لوگوں نے سوالات کرنے شروع کئے کہ شراب اور قمار کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت قرآن کریم میں آیات نازل فرمائیں، تو اللہ تعالیٰ نے شراب اور قمار کی حُرمت پر یک دم پابندنہیں لگائی بلکہ اُسکے تمام پہلوؤں کو نفسیاتی طور پر لفظِ اچھائی و بُرائی سے بیان کر کے عوام النّاس کے دلوں میں موجود کجی کو دور کیا ہے.

یسئلونک عن الخمر والمیسر ط قُل فیھمآ اثم کبیر و منافع للنّاس واثمھمآ اکبر من نفعھما ط (۲)

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور قمار کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپؐ کہہ دیجئے کہ اُن میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں؛ اور اُنکا گناہ اُن کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے.

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں، لیکن ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو انکے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بنجائیں، مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل وہوش زائل ہو جاتا ہے جو تمام کمالات اور شرفِ انسانی کا اصل واصول ہے، کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو بُرے کاموں سے روکتی ہے، جب وہ نہ رہی تو ہر بُرے کام کے لئے راستہ ہموار ہو گیا. (۳)

---

(۱) محمد شفیع، مفتی مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص: ۵۲۱

(۲) القرآن/سورۃ البقرۃ ۲: ۲۱۹

(۳) تفسیر: معارف القرآن/ص: ۵۲۲

قرآن کی مذکورہ آیت میں الخمر و المیسر کا مفہوم اپنے عام و وسیع معنی میں ہیں:

الخمر Wine : خمر کے تحت ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے۔(۱) اسم لکل مسکر خامر العقل (۲) الخمر ما اسکر من عصیر کل شئی (۳) الخمر ما خامر العقل (۴)

AlKhmr ; is 'any intoxicating thing, that clouds or obscures(covers) the intellect', and 'has a common application to intoxicating compressed of juice of anything.' So the term 'wine' here is a synonmym for all intoxicating drinks.(5)

Alcohol's most useful sphere of action is as a solvent in industrial concerns. It has also some uses as an external application. (6)

المیسر Gambling : المیسر بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے اور جُوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔(۷) کل شئی فیہ قمار فھو من المیسر (۸) المیسر و ھو القمار (۹) وفی حکم المیسر انواع القمار والنرد و الشطرنج و غیرھا (۱۰)

Maiser ; originally 'the game, or play, with unfeathered and headless arrows' is, in its wider acceptance, as here, any game of hazard; or play of stakes, or wagers, so that even the game of children with walnuts is included under this name by Mujahi.' It may shortly be defined as wagering money or other valuable things upon the outcome of an event, or making money on some chance. The diffusion, both in the past and present, of the practice of gambling may be gauged from a perusal of the following: 'Games of chancve are as old and as wide-spread as humanity ...(11).

---

(۱) دریا آبادی، عبدالماجد، ترجمہ و تفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی (اردو) /ص:۸۶
(۲) ایضا/مزید دیکھیں: تاج
(۳) ایضا/مزید دیکھیں: تاج
(۴) وفی حدیث البخاری/عن ابن عمرؓ
(۵) دریا آبادی، عبدالماجد، تفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی (انگریز)/ص:34-B
(۶) ایضا
(۷) دریا آبادی، عبدالماجد، ترجمہ و تفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی (اردو) /ص:۸۶
(۸) ایضا/مزید دیکھیں: تاج
(۹) ایضا/مزید دیکھیں: ابن کثیر
(۱۰) ایضا/مزید دیکھیں: مدراک
(۱۱) دریا آبادی، عبدالماجد، تفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی (انگریز)/ص:34-B

شراب اور جوئے سے متعلق 'فیھمآ اثم کبیر' سے حُرمت کا جواز :

تفسیر ماجدی میں تفصیلاً ذکر ملتا ہے کہ شراب اور جُواء جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیل عزّت وشرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزؤ تھے۔اور لوازمِ شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے. اور اکیلے عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رُومی تہذی تو خیر خو ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک، جو شرف رسالت کے تعلق سے مشرّف تھیں، اُنکی روک تھام نہ کرسکی تھیں شریعتِ اسلامی ہی دُنیا کا وہ قانون ہے جس نے آ کرا ُن کی قطعی حُرمت کا اعلان کیا.مذکورہ بالا آیت سلسلۂ حُرمت کی سب سے پہلی آیت ہے، قطعی حُکم بعد کو نازل ہوُا.(۱)- جیسا کہ مشاہدہ ہے: اثم کالفظ ہر ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو.اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) اثم کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے. الاثم کله محرم (صاص) چہ جائیکہ جب اس پر تاکید بھی کبیر کے ساتھ موجود ہو! اثم کبیر ہی سے فقہاء نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی 'حرام' ہے.اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اثم بہت خوب لایا، معاشرہ میں آجتک جتنے فتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہو چکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں.گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرامکاری کی طرف یہ لائے، بلوے، دنگے یہ کرادے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کردے، قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے طہارت سے، پاکیزہ منشی سے یہ روک دے، اور اسراف تو اسکے لئے کوئی بات ہی نہیں.اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟(۲)

درجہ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سب سے پہلی آیت جو شراب وقمار کے متعلق نازل کی گئی اور اسکا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال خود گناہ ہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ اُنکے استعمال سے اکثر اوقات دوسری باتیں گناہ کی پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے اور وہی مانع تھی ارتکاب معاصی سے اور قمار سے مال کی حرص بڑھتی ہے اور حرص سے چوری وغیرہ کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور منافع انمیں تحصیل لذت وتحصیل مال ہیں پس اس آیت سے اُن دونوں کی حرمت فی نفسہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ محض بعض عوارض غیر لازمہ سے اُن دونوں کے ترک کا مشورہ دینا مطلوب تھا کہ جتنا نقصان ہو جاتا ہے اتنا نفع نہیں ہوتا.کیونکہ نفع تو مالی اور غیر باقی اور اور لازمی ہے اور ضرر مآلی اور ممتد اور مرعدی ہے یہی وجہ تھی کہ اس آیت کو سنکر بعض صحابہ نے تو فوراً دونوں کو ترک کر دیا کہ گو حرام نہیں کہا مگر شر ور ومفاسد کا ذریعہ ہونا تو ثابت ہوا اور بعض نے کہا کہ جب حرام نہیں ہے تو اُن مفاسد کا ہم کچھ انتظام کر کے تحصیل منافع کے لئے استعمال کیا کرینگے اگر یہ عنوان مفید حرمت کا ہوتا تو اہل لسان بکثرت اتنی بڑی غلطی میں نہ پڑتے پھر اس آیت کے بعد بعض نے شراب پیکر نماز پڑھی اور غلط پڑھی تو نماز کے اوقات میں پینا بالکل ممنوع ہو گیا.(۳) یایھا الذین امنوا لا تقربوا الصّلواة وانتم سُکاری ط (۴)

ترجمہ : اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ.

اس آیت میں خاص اوقاتِ نماز کے اندر شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا.باقی اوقات میں اجازت رہی، بعض حضراتِ صحابہ نے

---

(۱) دریا آبادی، عبدالماجد، ترجمہ وتفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی (اردو) /ص:۸۶-۸۷

(۲) ایضاً/ص:۸۷

(۳) تھانوی، اشرف علی مولانا، حکیم الامت، مکمل بیان القرآن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س ن/ص:۱۲۳

(۴) قرآن کریم؛ سورۃ النساء/۴:۴۳

پہلی آیت نازل ہونے کے وقت شراب کو مطلقا ترک کردیا کہ جو چیز انسان کو نماز سے روکے اُس میں کوئی خیر نہیں ہوسکتی، جب نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوگئی تو ایسی چیز کے پاس نہ جانا چاہئے جو انسان کو نماز سے محروم کردے، مگر چونکہ علاوہ اوقاتِ نماز کے شراب کی حُرمت صاف طور پر اب بھی نازل نہیں ہوئی تھی، اسلئے کچھ حضرات اب بھی اوقاتِ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک اور واقعہ پیش آیا، عتبان بن مالکؓ نے چند صحابہؓ کرام کی دعوت کی، جن میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، کھانے کے بعد حسب دستور شراب کا دور چلا، نشہ کی حالت میں عرب کی عام عادت کے مطابق شعروشاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا، سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک قصیدہ پڑھا، جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح وثناء تھی، اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آ گیا، اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دے ماری، جس سے اُن کو شدید زخم آ گیا، حضرت سعدؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس انصاری جوان کی شکایت کی، اس وقت آنحضرت ﷺ نے دُعا فرمائی: 'اللھم ابن لنا فی الخمر بیانا شافیا ' یعنی یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرمادے، اس پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورۃ مائدہ کی مفصل نازل ہوگئی، جس میں شراب کو مطلق حرام قرار دیدیا گیا، آیت یہ ہے: (۱)

یایها الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوه لعلکم تفلحون ؏ انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوة و البغضآء فی الخمر والمیسر ویصدّکم عن ذکر الله وعن الصّلوة فهل انتم منتهون ۝ (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں، شیطان کے کاموں میں سے، سو اس سے بچے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے ذریعہ تمھارے آپس میں بغض اور عداوت پیدا کردے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا اب بھی باز آؤ گے۔

شراب کے فورا بعد قمار، جُوا یا سٹہ بازی کی ممانعت کا معاشرتی پہلو:

شریعت عادلہ نے کاروبار تجارت میں جُوا اور سٹہ بازی کی بھی ممانعت کی ہے۔ جُوا یا سٹہ سے مراد صرف وہی جُوا ہی نہیں جو نقد کے ذریعے کھیلا جاتا ہے بلکہ تجارتی کاروبار میں بھی جُوا اور سٹہ (Gambling & Speculation) مختلف تجارتی شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ جن کے نام گو اور ہیں مگر دراصل وہ تجارتی جوئے ہی ہیں۔ عہد جہالت میں تجارتی جُوا کی چند شکلیں بیع ملامسۃ، بیع منابذہ، بیع مصارہ (کنکری پھینک کر بیع کرنا) وغیرہ تھیں جنھیں اسلام کے عادلانہ نظام تجارت نے حرام قرار دیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی تجارتی جُوا کی یہ تمام صورتیں موجود ہیں، جنھیں نہایت جدید ترین سائنٹیفک بنیادوں پر منظم کردیا ہے۔ مثلاً موجود نظام تجارت میں لاٹری، ریس، سٹہ بازی وغیرہ مہذب تجارتی جوئے کی شکلیں ہیں اسلام کے حکیمانہ قانون تجارت کی رُو سے تجارتی جوا نہ صرف تجارتی اور معاشی اور طبقاتی استحصال کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ معاشرتی امن کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے اور مواساۃ رواداری، ہمدردی اور مروت ان تمام صورتوں کو بند کردیتا ہے جن سے ایک معتدل معاشرہ کی سیرابی ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے جُوا کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے۔ (۳) جیسا کہ درجہ بالا آیت کے پہلے حصہ میں شیطانی عوامل سے

---

(۱) محمد شفیع، مفتی مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی اکتوبر ۱۹۷۶ء/ص:۵۲۳

(۲) القرآن/سورۃ المائدہ ۵:۹۰-۹۱

(۳) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور-س ن/ص:۷۲-۷۳

بچنے کی تلقین کی گئی ہے: 'بلاشبہ شراب، جؤا، بت اور پانسے یہ سب سرتا سر نجاست ہیں اور کار شیطان ہیں ان سے بچو'۔ اور پھر اگلے حصّہ میں اُن کے نجاست اور شیطان ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا گیا ہے: 'بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جؤا کی راہ سے تمہارے درمیان بغض وعناد قائم کردے'۔ چنانچہ تجارتی سٹہ کے محرم راز جانتے ہیں کہ یہ تجارتی نظام کو کس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے جس کی تہہ میں صرف اور صرف ایک جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ بلا محنت دھوکہ دے کر اور مکر فریب سے دھن جوڑا جائے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس استحصالی حربہ کی طرف اپنے شعر میں یوں اشارہ کیا ہے۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جؤا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات (۱)

ناپ تول میں کمی کی حرمت کا شرعی پہلو:

تجارت کے بابرکت اور باوقار پیشہ کو ناپاک اور بے وقار بنانے کی ایک مکروہ سازش اور انسانیت سوز چال ناپ تول میں کمی ہے۔ اس مکروہ حیلہ کے ذریعے تاجر کم مال دے کر زیادہ کے دام وصول کرنا چاہتا ہے اور اپنے بھائیوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر ان کے خون پسینے سے کمائے ہوئے دام بٹور لیتا ہے۔ اسلام کے قانونِ تجارت نے اس قبیح حرکت کو بہت بڑا جرم بتایا ہے اور اس پر دنیا و آخرت کی خرابی و رسوائی کی وعید سنائی ہے۔ قرآن مجید نے اس حرکت پر تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا۔(۲)

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ (۳)

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی؛ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں. اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں.   نبی کریم ﷺ نے تجار کو ناپ تول میں کمی کے عذاب اور انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

قال رسول اللّٰہ ﷺ لا صحاب الکیل و المیزان: انکم قدولیتم امرین ھلکت فیھما الامم السابقة قبلکم۔ (۴)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ناپ تول والوں کو فرمایا- بلاشبہ تمہیں ایسے دو کاموں کی نگرانی سونپی گئی ہے جن میں کوتاہی کی وجہ سے کئی قومیں تم سے پہلے ہلاک ہوگئیں وہ دو کام ہیں ناپ تول۔ اسلام کا قانون تجارت ناپ تول میں عدل اور قسط سے آگے بڑھ کر یہاں احسان کا درس دیتا ہے نبی کریم ﷺ ایک دن بازار سے گذر رہے تھے، ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو پیشہ ور تولا وا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: زِنْ وَ اَرْجِحْ ۔ (۵) ترجمہ : تول اور جھکتا تول۔

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور- س ن/ص:۷۴
(۲) ایضاً/ص:۷۴
(۳) قرآن کریم؛ سورۃ التطفیف/۸۳:۱
(۴) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ المصابیح، مشکوۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی، مولانا عابد الرحمٰن، دارالاشاعت، کراچی، س ن/ج-۲ کتاب البیوع، باب السلم والرہن، فصل ثانی، حدیث:۷/۳۷۶۴
(۵) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ المصابیح، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۲۴ بحوالہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی مزید دیکھیں: غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، /ص:۷۴-۷۶

دراصل آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد وقتی تعلیم نہیں تھا بلکہ قیامت تک آنے والے تمام تجارت پیشہ افراد کے لیے ایک وصیت ہے۔ وحی کے ذریعے غیب کی باتیں بتانے والے نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ آئندہ چل کر ڈنڈی مارنے والے اور ترازو کے جھکاؤ کا دھوکہ دے کر کم تول دینے والے، گاہک کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اسے زیادہ ملنے کی خوش فہمی میں مبتلا کرنے والے ماہر تولاوے اور وزن کرنے والے بھی آئیں گے جنہیں اپنے اس مکروہ فن پر ناز بھی ہوگا، ان کے لیے اس وصیت میں درس فلاح ہے کہ تولو اور جھکتا تولو۔ ناپ تول پورا پورا دینے کے خوشگوار معاشرتی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور اس طرح انسانی قلوب ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں کہ بسا اوقات انسان معاشرتی تعلقات کی بہتر استواری کیلئے اپنی خواہشات تک کی قربانی دینے اور مشکلات برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اس کی طرف اشارہ قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں کیا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں جو ابھی تک آپ سے ناآشنا تھے۔ سے حضرت بنیامین علیہ السلام (جو یوسف علیہ السلام کے سگے اور دوسرے بھائیوں کے سوتیلے بھائی تھے) کو مصر لانے کو کہا اور انہیں اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت لینے میں جو دشواری ہوگی اسے دور کرنے اور انہیں آمادہ کرانے کو کہا تو انہیں یہی احسان جتلایا کہ دیکھو میں تمہیں پورا پورا تول دیتا ہوں۔ اگر میرا یہ احسان سمجھتے ہو تو آئندہ اپنے بھائی بنیامین کو بھی لانا۔ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کریں۔ (۱)

'قال ائتونی باخ لکم من ابیکم الا ترون انی اوف الکیل و انا خیر المنزلین.' (۲)

ترجمہ: (یوسف علیہ السلام نے) فرمایا میرے پاس اپنے باپ کی طرف سے بھائی کو بھی لے کر آنا۔ تم دیکھتے نہیں میں پورا پورا پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی اچھی طرح کرتا ہوں۔

قسمیں کھانا:

اسلام کے قانونِ تجارت میں منافع زیادہ کرنے کی خاطر اور سامان کو جلد بیچنے کے لیے قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ایسی قسمیں اگر چہ بظاہر سامان تجارت کے جلد اور زیادہ نکاس کا ذریعہ تو بنتی ہیں مگر اس سے تجارت کی برکات حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: الحلف منفقة للسلعة، ممحقة اللبركة۔ (۳) ترجمہ: قسم کھانا سودا کی جلد بکری کا موجب بنتا ہے، مگر تجارتی برکت کو مٹاتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر قسمیں کھانے سے باز رکھنے کے لیے فرمایا۔ ایا کم و کثرة الحلف فی البیع فانه ینفق ثم یمحق۔ (۴) ترجمہ: خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو وہ سودا کے نکاس اور رواج کا ذریعہ بنتی ہیں پھر برکت کو مٹا دیتی ہیں۔ گویا اسلام میں حرام کی ممانعت صرف لفظی نہیں بلکہ ایک جامع تصورِ حیات جس نے زندگی کے ذرہ برابر ان پہلوؤں کو جو انسانیت کے لئے کسی بھی ممکنہ نقصان کا باعث ہو سکتے ہوں، واضح اور روشن دلیل بنا کر پیش کر دیا جسکے لئے مغرب کی تعلیمات میں ہر پہلو کو علیحدہ نظام کے تحت مطالعہ کیا جاتا ہے، مثلاً نفسیات، سیاسیات اور معاشرت سب علیحدہ علیحدہ جزویات ہیں، جبکہ اسلام کے ہر پہلو میں تمام معاملات کو یکساں طور پر دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور۔ س ن/ص: ۷۶-۷۷

(۲) القرآن/ سورۃ یوسف ۵۹:۱۲

(۳) متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح

(۴) رواہ مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر ۳

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت :

اسلام کے عادلانہ قانون تجارت نے احتکار (ذخیرہ اندوزی) کو اس کی تمام انواع واقسام کے ساتھ ممنوع قرار دیا ہے اور اسلامی ریاست کو اجازت دی ہے کہ وہ اس ملعون عمل کو روکنے کے لیے دخل اندازی کرے۔ شریعت اسلامیہ کی رو سے ذخیرہ اندوزی (احتکار) یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ یا دیگر اجناس کی بڑی مقدار اس لیے اکٹھا کر لے یا خرید کر ذخیرہ کر لے کہ بازار گراں ہو جائے اور صارفین میں اس چیز یا جنس کی مانگ کا مرکز صرف وہی بن جائے اور وہ مجبور ہو کر اس ذخیرہ اندوز (محتکر) سے اس کی شرائط اور مقررہ نرخوں کے مطابق خریدیں۔ البتہ اگر بازار میں اس ذخیرہ کی جانے والی شئے یا جنس کی کوئی کمی نہ ہو اور نہ ہی کسی شخص کے کسی شئے کو ذخیرہ کرنے کا قیمتوں پر کوئی اثر پڑتا ہو تو فقہائے اسلام نے اس ذخیرہ کرنے کو ذخیرہ اندوزی نہیں کہا۔ اسلام کے قانون تجارت میں ایسا تاجر ملعون اور خطا کار ہے جو ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر بازار میں اپنا مال لا کر من مانے دام وصول کرے۔ ایسا تاجر دراصل ڈاکو اور قاتل کی طرح ہے جو اپنی قبا رکھنے کے لیے اپنے بھائیوں کا خون نچوڑنا چاہتا ہے۔(۱)

نبی کریم ﷺ نے ایسے انسان دشمن تاجر کے نفسیاتی عمل اور اس کے انجام کی اطلاع اس طرح دی ہے۔ 'من احتکر حکرہ یرید ان یغلی بھا علی المسلمین فھو خاطی۔' (۲) ترجمہ: جس تاجر نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس شئے کی قیمت چڑھائے وہ خطا کار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز طریقہ تجارت سے نفع کمانے والے تاجر اور ذخیرہ اندوز میں فرق کرتے ہوئے فرمایا۔ 'الجالب مرزوق والمحتکر ملعون' ۔(۳) ترجمہ: 'سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے'۔ آپ ﷺ نے ایک حدیث شریف میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے اور اس کے برے انجام سے بھی ڈرایا ہے فرماتے ہیں۔ 'من احتکر طعاما اربعین یوما فقد برئ اللہ منہ۔' (۴) ترجمہ: جس نے اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی چالیس روز تک لیے رکھی۔ اللہ کریم اس کی ذمہ داری سے بری ہوں گے۔ 'من احتکر علی المسلمین طعامھم، ضربہ اللہ بالجزام والافلاس۔' (۵) ترجمہ: جس نے مسلمانوں کے خلاف اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کی، اسے اللہ کریم کوڑھ اور مفلسی میں مبتلا کریں گے۔

اس ضمن میں ابن قدامہؒ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوکاندار کو ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتناعی ارشاد بھی سنایا مگر وہ باز نہ آیا اور کوڑھی بن گیا۔(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ایک ذخیرہ اندوز کا غلہ (سزا کے طور پر) جلا دیا۔(۷)

---

(۱) تفصیل کے لیئے دیکھیے مرغینانیؒ کی ''الھدایہ''، کتاب البیوع
(۲) مشکوٰۃ المصابیح، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۴
(۳) طیبی شرح مشکوٰۃ، کتاب البیوع، ابن ماجہ، الدارمی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح باب الاحتکار، حدیث نمبر ۲
(۴) مشکوٰۃ المصابیح، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۵
(۵) مشکوٰۃ المصابیح، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۴
(۶) ابن قدامہ: المغنی، باب احتکار
(۷) شوکانی: نیل الاوطار: ج ۲، ص ۱۸۱

فقہاءِ اسلام کی ایک جماعت نے ایسے تجار کا سامان حکومتِ اسلامیہ کو بازار کے نرخوں پر فروخت کرنے کی اجازت دی ہے۔(۱) اور انہوں نے اپنے فتویٰ کی بنیاد نبی کریم ﷺ کے بیان فرمودہ اس قانونی کلیہ پر رکھی ہے۔ 'لا ضرر ولا ضرار'۔(۲) ترجمہ: نہ نقصان برداشت کرو نہ نقصان کا موجب بنو۔ اس بارے میں فقہاء احناف کا فتویٰ ہدایہ میں یوں درج ہے۔ 'جب (محتکر کا) یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ محتکر حکم دے گا کہ وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی غذائی ضروریات (جن کا اندازہ فراخی سے کیا جائے گا) سے جو کچھ فاضل بچے اس کو فروخت کردے۔ اور قاضی اس کا احتکار کرنے سے منع کردے گا۔ اگر اسی تاجر کو دوبارہ اسی جرم میں قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے قید کردے گا اور مناسب حال سزا دے گا تاکہ عامۃ الناس کی ضرر رسانی ختم ہو'۔(۳) اسلام کے قانون تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس دور میں احتکار کی دو مروّجہ صورتوں 'تلقی الرکبان' اور 'بیع حاضر للباد' کو ممنوع قرار دیا۔ 'نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن تلقی الرکبان'۔(۴) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں سے جا ملنے سے منع فرمایا۔

فقہاءِ اسلام نے "تلقی الرکبان" کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جب کبھی شہر میں غلہ یا دیگر اشیاءِ خوردنی کی قلت ہو اور قحط کے آثار نمایاں ہوں اور شہر کے شاطر تجار شہر سے نکل کر شہر کی طرف آنے والے تجارتی قوافل کو راستہ ہی میں روک کر ان کا تجارتی سامان (خصوصاً اشیاء خوردنی) خرید کر اور چور بازار میں لا کر اپنی شرائط کے مطابق فروخت کریں اور من مانی قیمت وصول کریں۔ اسکی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شہر کے خود غرض تجار باہر سے آنے والے کسانوں اور سادہ لوح دیہاتیوں کو چیز کا اصل بھاؤ بتائے بغیر انہیں دھوکہ دے کر اُن کی اشیاء سستے داموں خرید لیں اور شہر میں لا کر مہنگے داموں فروخت کریں۔ البتہ اگر شہریوں کے اس طرح باہر ہی سے اجناس خرید لینے سے شہر میں نہ قلت ہو اور نہ اشیاء گرانی ہو تو پھر اس طرح شہر کے باہر ہی اشیاء کا خرید لینا 'تلقی الرکبان' کی نہی میں نہیں آتا۔ 'نھی رسول اللّٰہ ﷺ ان یبیع حاضر لباد'(۵) ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ شہر والا دیہات والوں کے لئے بیچنے کا کام کرے۔ فقہاءِ اسلام نے 'بیع حاضر لباد' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تاجر کا سامان تجارت شہر میں موجود ہے مگر وہ صرف اپنی نفع اندوزی اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی قبیح خواہش کی تکمیل کے لئے شہریوں کی ضروریات جاننے کے باوجود اپنا سامان انکے ہاتھوں فروخت نہ کرے بلکہ دیہات میں جا کر سادہ لوح دیہاتیوں کو مہنگے داموں فروخت کرے۔ بیع حاضر لباد کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ شہری دیہاتیوں کے درمیان مانع بن کر خود دیہاتیوں کی جانب سے ذمہ دار بن کر گراں قیمت پر اشیاء خرید کراتا ہے۔ اگر شہری کا یہ عمل فریقین میں سے کسی کے لیے بھی نقصان کا باعث بنے تو یہ کاروبار ممنوع ہے۔ لیکن اگر وہ صرف دلال کا کام کرے اور اُسکی نیت اور عمل دونوں سے کسی فریق (دیہاتی یا شہری) کو نقصان نہ پہنچے تو یہ عمل (دلالی) درست ہے۔ موجودہ دور میں مہذب احتکار کی مندرجہ ذیل شکلیں رائج ہیں :

۱- شرکتِ قابضہ : ایسی شرکت میں پیداواری کاروبار کے اکثر حصص حصّہ دار ہی خریدتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی شئے یا خدمت کی پیداوار کا حد اور اسکی قیمت کا تعین اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور یوں خریداروں کا استحصال کرتے ہیں۔

---

(۱) مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ ۹۱۹-۹۶۴، امام شاطبیؒ الموافقات، مطبع رحمانیہ مصر، ج ۲، ص-۳۵- فتاویٰ ہندیہ ج ۳- قاہرہ ۱۳۳۳- ص ۲۲۷

(۲) احمد ابن حنبلؒ: مسند، ج ۱، ص ۳۱۲

(۳) الہدایہ: باب الکراہیۃ اور مزید دیکھیں تفصیلات غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، لاہور-س ن/ص: ۶۳-۶۷

(۴) بخاری، کتاب البیوع

(۵) ایضاً/ بخاری، کتاب البیوع

۲- اوماج : اس استحصالی طریقہ کے مطابق چند کمپنیاں مل کر ایک وحدت قائم کر لیتی ہیں اور یوں کسی شئے کی پیداوار اور اُسکی قیمت پر اجارہ داری ہیں قائم کر لیتی ہیں.

۳- وحدت قیمت : چند مل مالکان یا کارخانہ داران ملکر بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں اور اس قیمت کے ذریعے گاہکوں کو استحصال کرتے ہیں اور اپنے نفع کا زیادہ سے زیادہ حصول ممکن بنالیتے ہیں.(۱)

چونکہ ہم نے یہاں یہ دیکھا ہے کہ بازار میں قیمت کا تعیّن کرنے کے جو اصول اسلام نے دیئے ہیں وہ کس حد تک قابلِ عمل پچھلے زمانوں میں تھے اور آج کی نئی دنیا میں کس حد تک مماثلت رکھتے ہیں.

تاریخی اعتبار سے بازار اور عصرِ حاضر کی مارکیٹ میں کیا فرق ہے:

بازار وہ معاشی ادارہ ہے جو روایات اور اخلاقیات کے دائرے میں محصور و محفوظ رہتا ہے. ہمارے اسلامی بازار میں قدر متعیّن کرنے کی قوتوں میں برادریوں کا اہم ترین کردار ہوتا ہے. امریکہ کا ایک مشہور مؤرخ پولیانی بیان کرتا ہے کہ ''قدیم معیشتیں معاشرتوں کا حصہ ہوتی تھیں، تعین قدر اس بات پر منحصر تھا کہ معاشرہ خیر کا کیا تصوّر رکھتا ہے. معاشرہ خیر کا جو تصوّر رکھتا تھا اس کا اظہار اور ادراک مثلاً مغرب میں گلڈ کے نظام کے ذریعے ہوتا تھا ہر گلڈ کا ایک رہبر و نگران بزرگ ہوتا تھا''. ہمارے ہاں برادریوں کے اثر و نفوذ سے بازاروں کے ذریعے اس تصوّرِ خیر کا اقرار ہوتا تھا ہمارے ہاں تو بالخصوص بازاروں کو محدود کرنے والا حلال و حرام ایک پورا نظام موجود تھا. چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام سے پہلے جس بازار کو ہم گفتگو کرتے ہیں، مارکیٹ نے اس بازار کو مطلقاً تباہ کر دیا ہے. ان معنوں میں تباہ کر دیا ہے کہ حلال و حرام کی وہ قیود اور معاشرے کے تصوّرِ خیر و شر کی بنیاد صرف یہ رہ گئی کہ افراد جن کے تصوّرِ خیر ایک دوسرے سے مختلف ہیں ایسا معاہدہ کریں جو باہمی طور پر مفید ہو.(۲)

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ اخلاقی زندگی مغربی تہذیب میں لایعنی چیز ہے. لایعنی اُن معنوں میں کہ اس عمل پہ جس کی بنیاد پر لوگ ایک تصوّر خیر کو دوسرے تصوّرِ خیر کے مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں اسکی کوئی حیثیت نہیں، ہر تصوّرِ خیر یکساں ہے کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں اور ان تصوّرات خیر کی بنیاد پر زندگی کے پیمانے مرتب نہیں کیے جاتے. مغرب میں تعلقات کی بنیاد معاہدوں پر ہے کوئی تعلق بغیر کسی غرض کے قائم نہیں رہ سکتا. لوگ اپنے تصورات خیر پر مبنی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں معاہدے Contracts کرتے ہیں، مغربی معاشرے میں جس بنیاد پر تعلقات استوار ہوتے ہیں وہ Contract ہے. جس جگہ کنٹریکٹ قابل عمل ہوتا ہے وہ مارکیٹ ہے. مارکیٹ میں کیا ہوتا ہے کہ مارکیٹ میں چند افراد جو مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کے مختلف تصوّراتِ خیر ہیں، وہ مارکیٹ میں آ کر اس بنیاد پر معاہدے کرتے ہیں کہ اُن کے تصوّرِ خیر کو حاصل کرنے کے لئے ذرائع و وسائل ملیں یہ باہم مفید mutually beneficial معاہدے ہوتے ہیں. باہم مفید اس معاملے میں کہ معاہدے کرنے والے ایک دوسرے کے برابر ہیں. برابر اُن معنوں میں کہ اُن کے تصوّرات خیر کو، جو کچھ بھی تصوّراتِ خیر ہوں،

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور- س ن/ص: ۶۷-۶۹

(۲) انصاری، ڈاکٹر جاوید اکبر، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے؟ بحوالہ جریدہ/ جلد اول شمارہ ۲۹، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء/ص: ۴۲۸-۴۲۹

مساوی تصور کیا جاتا ہے. اب حقیقت یہ ہے کہ مارکیٹ اور مارکیٹ کا جو نظام ہے اس کے تحت معاہد گروہوں کو مساوی تصور کرنا ضروری ہے. یہ تصور زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جاتا ہے. سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں ہر چیز مارکیٹ بن جاتی ہے. اب کچھ فلسفی ہیں سیاسی فلسفی مثلاً میکنٹائر، رالس وغیرہ جو کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ معاشرت کو آپ کچھ حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، مارکیٹ سے علیحدہ عدل کے دائرے ہیں جہاں مارکیٹ کا عمل دخل نہیں ہے یا نہیں ہونا چاہئے. مارکیٹ کے معاملات کو ایک خاص حد تک محدود کرنا چاہئے اور اس ایک حد سے اسکو تجاوز نہیں کرنے دینا چاہیے. لیکن وہ کچھ بھی کہتے ہوں حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ سوسائٹی اور سول سوسائٹی ایک ہی چیز ہے. سرمادارانہ سوسائٹی مارکیٹ سوسائٹی کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں اور اس چیز کا سب سے پہلے جس کو ادراک ہوا وہ ہیگل ہے. جس نے اسکی تفصیل بیان کی تھی. اسی لیے ہیگل کے ہاں بالخصوص اگر آپ فلسفہ حق Philosophy of right والا مضمون دیکھیں، اسمیں بھی اور دوسری جگہ بھی مارکیٹ سوسائٹی اور سول سوسائٹی کو ایک ہی چیز کے دو نام کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے. (۱) سول سوسائٹی سے مارکیٹ سوسائٹی ہی مراد ہے اور مارکیٹ سوسائٹی سے کیا مراد ہے، مارکیٹ سوسائٹی سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں تعلقات کی بنیاد باہمی مفادات کے حصول کے لئے معاہدہ یا کنٹریکٹ پر ہوا اور لوگوں کی نفسی اور روحانی کیفیت، اُنکی اخلاقی کیفیت، اکا اخلاقی مرتبہ کچھ بھی ہو، وہ اس معاہدے کی بنیاد پر برابر تصور کیے جائیں ان کے درمیان تعلقات کی بنیا اس پر ہو کہ وہ ایک دوسرے سے ان تعلقات کو قائم کر کے جو کچھ بھی ان کا تصورِ خیر ہے اسکو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے ذرائع و وسائل حاصل کریں. لہذا ایک سرمادارانہ معاشرے میں افراد کی اقداری حیثیت ہے، روحانی حالت کو کوئی تصور نہیں پایا جاتا. سرامایہ دارانہ سوسائٹی اس فرق کو محسوس نہیں کر سکتی. سرمایہ دارانہ سوسائٹی اس روحانی اخلاقی تصور سے یکسر خالی اور عاری ہوتی ہے. اخلاق، روحانیت خیر کا اسکے پاس کوئی تصور نہیں ہوتا. وہ اس چیز کا اعلان کرتی ہے کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جو تصورِ خیر چاہے رکھے اور اسکا تعلق دوسرے سے محبت کی بنیاد پر نہیں ہوگا. بلکہ بنیادی طور پر اسکا تعلق دوسرے شخص سے محض اور محض غرض کی بنیاد پر ہوگا وہ جب دوسروں سے تعلق بنائے گا تو فطری روابط کی بنیاد پر وہ تعلقات قائم نہیں کرے گا جیسا کہ روایتی معاشرے میں عموماً ہوتا ہے بلکہ وہ تعلق قائم کرگا اس بنیاد پر کہ اس تعلق کے قیام کے نتیجے میں اسکو وہ وسائل، وہ مفادات، وہ ذرائع حاصل ہو سکتے ہیں یا نہیں جس کی بنیاد پر وہ اپنے تصورِ خیر کو حاصل کر سکتا ہے. (۲)

سود کا مکمل حرام ہونا تمام آسمانی کتب سے ثابت ہے:

سود وہ لعنت ہے، جس پر اللہ تعالی کی سخت ناراضگی اتری ہے. جسے اللہ اور اُسکے رسول سے براہ راست جنگ بتلایا گیا ہے. سود کے مطلقاً حرام ہونے پر کسی بھی مذہب میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے صرف ''**سود**'' کی تحقیق پر ایک علیحدہ باب ترتیب دیا گیا ہے، جس کے ذریعے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سود کا معاملہ قطعاً حرام میں داخل ہے اور اس پر اہل کتاب کے یہاں بھی احکامِ الٰہیہ صریح دلیل کے ساتھ موجود ہیں.

(۱) سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے؟ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری، بحوالہ جریدہ/ جلد اوّل شمارہ ۲۹، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۲ء/ص: ۴۲۷

(۲) ایضاً/ص: ۴۲۷

نبی اکرم ﷺ کے معاشی اسوۂ حسنہ کے روشن پہلو:

نبی اکرم ﷺ کے معاشی اسوۂ حسنہ کا اوّلین پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی محنت کر کے اللہ کریم کے خزانوں سے رزق کماتے، خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔(۱) نبی اکرم ﷺ کے معاشی اسوۂ حسنہ کا دوسرا نمایاں پہلو حلال و حرام کی تمیز ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ معاشیات میں یہ ورق بالکل ہی صاف ہے، یہاں حرام و حلال کی تمیز شاید کوئی اخلاقی قدر ہو تو ہو مگر معاشی اُصول نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ بحیثیت نبی حلال کے سوا تو کچھ کماتے یا استعمال کرتے ہی نہیں تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اس حلال و حرام کی تمیز اپنے گھر اور اہل بیت کو بھی تعلیم فرمائی اور عملاً کر کے دکھائی۔ آپ ﷺ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مال زکوۃ میں سے لینا حرام قرار دیا۔ اور یوں اپنے آپ کو ایک گونہ معاشی تنگی میں ڈالا۔ کیونکہ زکوۃ کے ذریعے مسلمانوں کا مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور آپ چاہتے تو آپ خود اور آپ کا خاندان اُسے استعمال کرتے اور وہ معاشی آسودگی کا ذریعہ بن جاتا لیکن آپ نے بذریعہ وحی اسکا استعمال اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حرام ٹھرا دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے افراد کو فرما دیا تھا کہ "صدقہ آل محمد ﷺ کے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ لوگوں کا میل ہے"۔(۲)

اس حُرمت کی مصلحتیں تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، مگر ایک حکمت جو واضح طور پر ذہن میں آتی ہے وہ آپ ﷺ نے آئندہ آنیوالے خلفاء، بادشاہان اور حکمرانوں کو زکوۃ (جو محتاجوں اور کمزوروں کا مال ہے) کھانے سے باز رکھنا تھا۔ اگر آپ نے زکوۃ وصدقات خود استعمال فرمایا ہوتا تو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک دلیل ہوتی۔ اور فقراء و مساکین کے مال کو اپنی خواہشات پر خرچ کر دیتے۔ (جیسا کہ آج ہو رہا ہے)۔(۳) آپ ﷺ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے اور اپنے معاشی معاملات میں حلال اور حرام کی کس قدر تمیز فرمایا کرتے تھے، حرام تو کُجا، آپ ﷺ تو مشتبہات سے بھی حرام کی طرح پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ یہ تھا آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ، کہ اگر آپ ﷺ نے چند اشیاء کو حرام قرار دیا تو اس کی عملی شکل بھی قائم کر کے دکھائی اور امت کو تعلیم فرمائی کہ حرام کے استعمال میں کسی قسم کی بھلائی اور فلاح نہیں اور حلال بظاہر کم بھی ہو تو بابرکت ضرور ہوگا۔(۴)

عصر حاضر کے اصلی بازار جو سرمایہ دارانہ معیشت میں فی الواقع قدر متعیّن کرتے ہیں وہ دو بازار ہیں، سود کا بازار اور سٹے کا بازار۔ اس لئے کے یہ دونوں وہ بازار ہیں جہاں منافع کا حصول ممکن بنایا جا رہا ہے۔ منافع کمایا کہیں بھی جا رہا ہو چاہے پیداوار Production میں کمایا جا رہا ہو یا تقسیم اشیا کے ضمن میں کمایا جا رہا ہو، منافع کا حصول صرف فنانشل مارکیٹ کے ذریعے ہی ممکن ہوگا۔ چنانچہ ہر شئے Commodity کی مارکیٹ اور ہر Factor مارکیٹ، یا کار کا بازار، پنکھے کا بازار، افراد کی محنت کا بازار وغیرہ وغیرہ یہ سب جو ہیں، اُنکی قدر سود اور سٹے کے بازار میں متعیّن ہو رہی ہے۔(۵)

---

(۱) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری، ۱۹۹۹ء/ص: ۳۴۰

(۲) ایضاً/ص: ۳۴۱ مزید دیکھیں مصارف زکوۃ: حدیث متفق علیہ

(۳) ایضاً/ص: ۳۴۱

(۴) ایضاً/ص: ۳۴۳

(۵) انصاری، ڈاکٹر جاوید اکبر، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے؟ بحوالہ جریدہ/جلد اول شمارہ ۲۹، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء/ص: ۴۳۸

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ داری نے کس چیز کو عام کیا ہے وہ سود اور سٹّہ ہے۔ یہی دو اقدار بازار میں قیمتوں کا تعین کرتی ہیں جو چیز عملاً عالمگیر ہوئی وہ سود اور سٹّہ ہے۔ جتنی بھی مارکیٹیں ہیں سب اس کے زیرِ نگین آ گئیں۔ جتنی بھی پیداواری Production مارکیٹ، تبادلے Exchange کی مارکیٹ، اشیاء Commodity کی مارکیٹ، Factor مارکیٹ میں متعین ہو رہی ہیں۔ جہاں سود اور سٹّہ کمایا جا رہا ہے وہیں منافع کا حصول ممکن Realize ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ سود اور سٹّہ کی بنیاد پر جو قدر متعین ہوتی ہے اسکے اندر سرمایہ داری کی بنیادی غیر عقلیت Irrationality نظام ہے جو ایسا نظام ہے جو عقل کے خلاف ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ فنانشل مارکیٹ ہمیشہ بحران کا شکار رہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشتوں میں اس بات کا ہمیشہ امکان رہتا ہے کہ فنانشل مارکیٹ میں ایک بحران Crisis رونما ہو جائے۔ کیوں؟ اس لیے کہ سرمایہ دارانہ معیشتوں میں منافع Profit کا جو حصول ممکن ہوتا ہے وہ تخمین وظن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ میں اس پہ داؤ لگاتا ہوں کہ یہ کمپنی اگلی دفعہ کتنا منافع Profit کمائے گی وہ اتنا منافع نہیں کماتی، میرا داؤ خالی گیا۔ اگر ادائیگیوں Obligations اور دعوؤں Claims کے درمیان توازن match مستقل قائم نہ رکھا جا سکے تو ہر وقت اس کا امکان ہے کہ دعوے، ادائیگیوں سے زیادہ ہو جائیں یا ادائیگیاں، دعوؤں سے زیادہ ہو جائیں اور سرمایہ داری کی عمارت آناً فاناً زمین پر آ گرے۔ اسی لیے سرمایہ دارانہ ریاست کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس بحران کا مقابلہ مرکزی بینک کرے۔ اگر آزادانہ مسابقت و مقابلہ مارکیٹ کا اصل جوہر ہے تو مرکزی بینک دنیا بھر میں بحران کے موقع پر کیوں مداخلت کرتا ہے۔ امریکی فیڈرل ریزرو بینک نے جیسے میکسیکو کے بحران میں اور جیسے مشرقی ایشیاء کے بحران میں جو کردار ادا کیا وہ آپ نے دیکھا چونکہ سرمایہ دارانہ تصورِ قدر ایک غیر عقلی Irrational تصور ہے لہذا عملاً جو تخمینے لگائے جاتے ہیں قدر کی حیثیت کے بارے میں وہ قابل حصول Realize نہیں ہوتے ہیں اور ہمیشہ اسکا امکان موجود ہوتا ہے کہ سرمایہ دارانہ بازاروں میں بحران موجود رہے۔ اس بحران میں سرمایہ دارانہ بازار کو بچانے کے لیے جو ایجنسی کام کرتی ہے وہ سینٹرل بینک ہے۔ سینٹرل بینک کے پاس بحران سے نبرد آزما ہونے کا جو آلہ ہے وہ مانیٹری پالیسی Monetry Policy ہے۔ اس آلہ کی ماہیت پر غور کرنے سے اس بات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو اُلٹا Over throw کیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ داریانہ نظام کبھی شروع ہوا ہے تو کبھی ختم بھی ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر وہ قوتیں کام کر رہی ہیں جو اسکو تباہ کر دیں گی۔ فنانشل Financial مارکیٹیں سرمایہ داری کی اس کمزوری کے اظہار کا ایک طریقہ ہیں۔(۱)

درجہ بالا صورتِ حال کے سامنے آنے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اسلام میں جو قیود لایعنی معاملات پر لگائی گئی ہیں، ان پر کسی دوسرے مذہب میں باوجود اسکے کہ پابندیاں وہاں بھی موجود ہیں لیکن براہ راست اسلام نے اپنے دین دار کو سیدھا رستہ دکھلایا ہے، جس پر نہ صرف ہادی برحق حضرت محمد ﷺ بلکہ تمام اصحاب رسولؐ اور تابعین وطبع تابعین سمیت اسلامی دنیا کی تجارت کا اسلام کے احکام پر مکمل عمل پیرا ہونے سے پوری اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اسکی گواہی ہم ایک مستشرق پروفیسر ایگرے فریسر کے لیکچر میں دیئے گئے ان الفاظ سے پیش کرتے ہیں:

(۱) انصاری، ڈاکٹر جاوید اکبر، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے؟ بحوالہ جریدہ/جلد اوّل شمارہ ۲۹، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، جون۲۰۰۴ء/ص: ۴۳۸-۴۳۹

Let us take three instances in which political conditions and social beliefs did not reflect econonomic conditions but on the contrary helped to create them. The first is the cruicial issue of saving. There have been rich merchant classes all through history -- none richer perhaps than the Arab traders under the Caliphate. But it was from Calvinism that the merchants learnt that it was meritorious on the one hand to work hard and build up a forturne and on the other not to spend it on luxuries and riotous living. Fortunes which were set to work to produce more fortunes through yet more work were one of the factors in building up the essential reserves of capital for industrial devlopment. In less Puritan societies, much of the wealth would have been spent -- on luxury or art or magnificence. In the West, the merchants were often the chief exponents of austerity. Not for nothing were the Quakers with their plain dress and plain speech among the fathers of modern banking.(1)

'آیئے ہم تین امثال لیتے ہیں، جسمیں سیاسی اور سماجی حالتوں کا اقتصادی حالات سے کوئی مماثلت نہیں ملتی، لیکن یہ اقتصادی حالت کی بہتری میں کچھ نہ کچھ مددگار ثابت ضرور ہوتے ہیں۔ پہلا 'بچت' جیسا کڑا مرحلہ ہے. اور تاریخ میں کچھ امراء تجار کی جماعتیں ملتی ہیں، لیکن ایسی کوئی امیر جماعت عرب کے علاوہ نہ ہوگی، جیسی کہ زمانہ خلافت میں پائی جاتی تھی. لیکن کیلو،ینزم سے شروع ہونے والی تعلیمات جو تجار نے حاصل کی تھیں جسمیں ایک یہ تھی کہ 'زیادہ محنت کرنے سے زیادہ اچھی قسمت بنائی جاسکتی ہے' اور دوسری یہ کہ 'اس کمائی کو زندگی کی عیش وعشرت اور غل غپاڑوں پر خرچ نہ کیا جائے'. خوش نصیبی خود وہ شئے ہے جسے محنت کر کے حاصل کیا جاسکتا تھا، لہذا زیادہ محنت وہ ذریعہ ہے جو کسی بھی کارخانہ دار کی رقوم کی انتہائی بہتر بچت کا ذریعہ بھی بنے. جیسا کہ پرٹن سوسائیٹوں کے نچلے طبقوں کی بیشتر دولت عیش وعشرت پر یا فنون پر یا شان وشوکت پر خرچ ہوئی. جبکہ مغرب کے تجار کی زندگی سادگی کا مظہر ہوا کرتی تھی. (سترہویں صدی عیسوی کے) اُن عطائیوں سے کچھ نہ بن پڑا جو جدید بنکاری کے پادریوں کے سامنے انتہائی سادہ لباس اور زبان استعمال کرتے رہے'.

گویا اب ہمارے پاس یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ اسلام کے اصول وضوابط سے لوگوں کو بازاری اشیاء ایماندارانہ اور بابرکت دستیاب ہوسکتی ہیں، جبکہ حلال وحرام کے تصورِ خیر کا معاملہ انسانی عقل کے توازن کی درستگی پر ہے نہ کہ انسان کا خودساختہ کوئی فارمولہ. اب ہم ملاحظہ کرتے ہیں ایک جدول جس سے بات کو ایک نظر میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے:

(1) Fraser, Aggrey, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton-London, 1959\ P-43-44
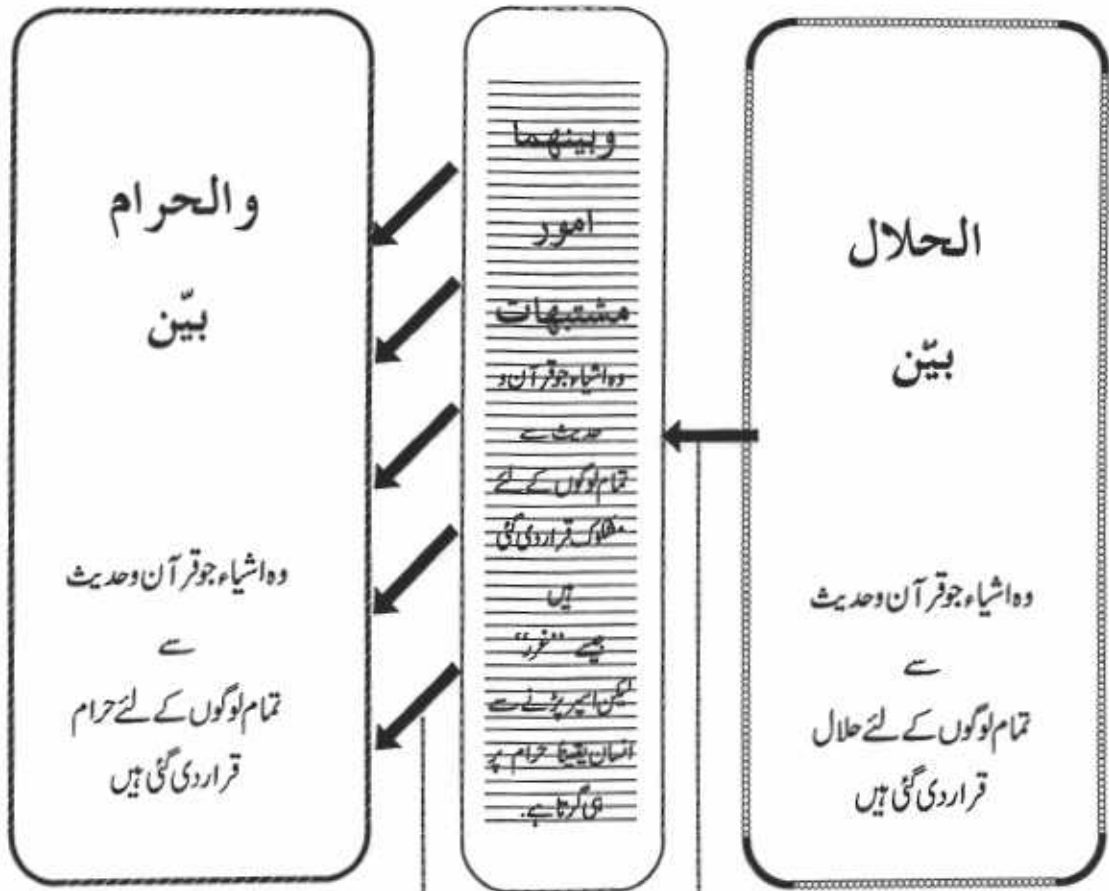
اسلام میں صرف شارع عظیم Virtue of Authority ،اللہ تعالیٰ اور اُسکے نبی ﷺ (جو لوگوں پر کھلی دلیل بنا کر بھیجے گئے ہیں)، کو اختیار حاصل ہے کہ وہ دنیا میں کسی شئے کی حرمت میں اُسے "حلال" یا "حرام" قرار دیں. لہذا جو اشیاء جس درجہ پر رکھی گئی ہیں انپر لاگو کیا جانے والا حکم قیامت تک کے لئے ہے. جنہیں دنیا کی کوئی طاقت حرام سے حلال اور حلال سے حرام میں نہیں بدل سکتی. اُن اشیاء میں مطعومات اور مشروبات بھی شامل ہیں. شارع نے جن اشیاء کو حلال یا حرام قرار دیا ہے وہ انسانیت کے لئے عافیت ہے، جبکہ شارع نے جن اشیاء پر خاموشی اختیار کی ہے وہ انسانیت پر احسان ہے. اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ مؤمن اطاعت و فرمانبرداری میں حلّت و حُرمت کی علّت میں نہیں پڑتا بلکہ دنیوی اور اُخروی زندگی میں فلاح و نجات کے لئے اللہ اور اُسکے رسول حضرت محمد ﷺ کا ہمیشہ مطیع و فرمانبردار رہتا ہے.

لیکن بوجہ عمل اتنا علم جاننا ضروری ہے جس سے حلال وحرام اشیاء کا پتہ چل سکے. لہذا اس ضمن میں سب سے اوّل درجہ کی بات تو یہ ہے کہ بعض اشیاء کے قطعی حرام ہونے سے بعض دیگر اشیا کے حلال ہونے کا پتہ بآسانی چل سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

ومالكم الا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه وقد فصّل لكم ما حرّم عليكم الا ما اضطررتم اليه (۱)

ترجمہ: اور تمہارے لئے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانوروں) میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے، جبکہ اللہ نے تمہیں تفصیل بتادی ان (جانوروں) کی جنہیں اُس نے تم پر حرام کیا ہے، سوائے اس کے کہ جس وقت تم اسکی جانب مضطر (مجبور) ہو جاؤ.

یہ تسمیہ حلال جانوروں پر ذبح کے وقت اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ خدا کا نام تو لیا جائے لیکن اسکے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کر لیا جائے (۲) اور حلال کئے گئے جانور کے کھانے کی ترغیب دینے کے بعد ایسی حالت کو مضطر کہا گیا ہے جسمیں انسان پر جان کنی کا وقت آجائے تو ایسی صورت کو علیحدہ بیان کر کے جتلایا گیا ہے کہ ''الا مضطررتم اليه'' یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ، اور کوئی حلال غذاء نہ مل رہی ہو تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے. (ایضا) لہذا اس لفظ مضطر میں ایسا شخص آئے گا جسکی جان خطرہ میں ہو، جو بھوک کی وجہ سے ایسا حالت کو پہنچ جائے کہ اگر کچھ نہ کھائے تو وہ مر جائے گا، یہ پھر اُسکے پاس مردار کے علاوہ کچھ نہ ملے، یا پھر اسکے پاس مرادار کے علاوہ دوسری چیز ہو مگر اُسے مرادار کھانے پر مجبور کر دیا جائے، جیسا کہ وہ لوگ جو ملحدین کی قید میں پھنس گئے ہوں.

وہ حلال جاندار جن پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حرام ہو جائینگی:

ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانّه لفِسق ٥ (۳)

اور اُس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو. بے شک یہ بے حکمی (یا نافرمانی کی) بات ہے.

چنانچہ اس آیت میں یہ بات تو پتہ چل گئی کہ کچھ حلال جاندار ایسے بھی ہیں جنپر اگر اللہ کے نام سے ذبیحہ نہ کیا جائے تو وہ حلال جاندار بھی حرام ہو جائے گا. جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ صفت کہ یہ کام نہایت فسق سے تعلق رکھتی ہے صرف اُس صورت کو ظاہر کرتی ہے جو نسیان یا بھولنے کے نتیجہ میں نہ ہو بلکہ جان بوجھ کر ہو. کیونکہ فسق بھول جانے والے کی صفت نہیں بن سکتی؛ جیسا کہ ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **ان الله تحاوز عن امتى الخطاء و النسيان وما استكرهوا عليه (۴)**

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول اور اکراہ کی حالتوں میں سرزد ہونے والے افعال کا گناہ معاف کر دیا ہے.

تفسیر الماجدی میں آیا ہے کہ مشرک وملحد تو بہر حال اللہ کا نام نہ لے گا، اسلئے اسکا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے، سوال صرف مسلمان کے ترکِ تسمیہ کی دو صورتیں ممکن ہیں یا عمداً و دانستہ ہو اور یا محض سہو ونسیان سے ہو- امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے دوسرے فقیہوں اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت وحُرمت صرف اس صورت کے لئے ہے جب ترک تسمیہ دانستہ وعمداً ہو. (۵) چنانچہ مفسّرین ابن کثیرؒ نے اس مذہب کی تائید میں

---

(۱) قرآن کریم؛ سورۃ الانعام/ ۱۱۹:۶
(۲) تفسیر ماجدی ص: ۳۰۹
(۳) قرآن کریم؛ سورۃ الانعام/ ۱۲۱:۶
(۴) تفسیر ماجدی ص: ۳۰۹
(۵) ص: ۳۰۹ تفسیر ماجدی

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور ابویوسفؒ جیسے ائمہ وفقہائے کے نام گنائے ہیں.(۱) اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

المسلم یکفیہ اسمہ فانّ نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ثم لیأ کل (۲)

مسلمان کے لئے اللہ تعالی کا نام ہی کافی ہے پس اگر وہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو پھر بسم اللہ پڑھے اور کھائے۔ لیکن اس میں لفظِ فسق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عادتاً ایسا کرنے والا شخص نافرمانی کے زمرے میں رہ کر شرک میں مبتلا ضرور ہو جائے گا لہذا بسم اللہ پڑھنا بھول جانے والے کو فاسق نہ کہا جائے گا. اسلام نے انسان کو بے لگام نہیں چھوڑا کہ وہ بکری کا گوشت بھی کھائے اور خنزیر Swine meat کا گوشت بھی، دودھ بھی پئے اور شراب Wine بھی۔ کرنسی نوٹوں کی طباعت ایک جیسی ہے مگر اس کمائے ہوئے نوٹوں میں بھی کچھ حرام ہیں اور کچھ حلال ہیں. حرام اسلئے کہ سود کی رقم ہوگی یا چوری کی ڈاکہ وغیرہ کی اور حلال کی ہوگی تو جائز ہوں گی بکریاں حلال ہیں ایک آدمی بکری ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہتا ہے تو بکری حلال ہے لیکن دوسرا آدمی ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا بلکہ لات ومنات یا کسی بزرگ کا نام لیتا ہے تو یہ حلال جانور بھی مااھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو جائے گا تو ایک بکری حلال ہوگئی دوسری حرام حالانکہ بظاہر دونوں بکریاں ایک جیسی ہیں ایک ہی گوشت ہے تو یہ راہنمائی شریعت ہی کرتی ہے کوئی فلسفی اور عقلمند آدمی ان دونوں بکریوں میں تمیز اور فرق نہیں کرسکتا، کسی بھی لیبارٹری میں ان دونوں بکریوں کے گوشت کا معائنہ کیا جائے تو دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہوگا اور لیبارٹری سے حلال وحرام کی رپورٹ نہیں ملیگی.(۳)

اہلِ کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال کرنا قرآن کریم کی فراخدلی ہے، مگر؟

یہود ونصاری کا ذبیحہ حلال ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے مسلمان کا ذبیحہ اُنکے لئے حلال کیا ہے:

الیوم احل لکم الطیبت و طعام الذین اوتوا الکتب حل لکم و طعامکم حل لھم ط

کُل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے.

درجہ بالا آیت میں قرآن کریم کی اس تصدیق سے کے فریقین اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، لیکن وہ کونسی اشیاء ہیں جنہیں کُھل کہہ کر حلال کیا گیا ہے، تو اس کو جاننے کے لئے اسی آیت سے پہلے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو کُھل کر متنبہ کردیا ہے کہ:

حرمت علیکم المیتۃ والدّم ولحم الخنزیر ومآ اھل لغیر اللہ بہ المخنقۃ والموقودۃ والمتردیۃ والنطیحۃ ومآ اکل السبع الا ماذکیتم ص وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ط ذلکم فسق الیوم یئس الذین کفروا من دنکم فلا تخشوھم واخشون ط الیوم اکملت لکم دینکم وانممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ط فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم لا فان اللہ غفور رحیم ٥ (۵)

(۱) ص:۳۰۹ تفسیر ماجدی
(۲) ایضا
(۳) سمیع الحق، مولانا شیخ الحدیث، اسلام کا نظام اکل وشرب اور شریعت کا فلسفہ حلال وحرام، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک نوشہرہ، پاکستان، س ن/ص:۹۶
(۴) قرآن کریم؛ سورۃ المائدہ/ ۵:۵
(۵) قرآن کریم؛ سورۃ المائدہ/ ۵:۳

ترجمۃ - تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو. اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو، لیکن تم اُسے ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو یہ بدترین گناہ ہیں - آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے، خبردار اتم اُن سے نہ ڈرنا مجھ (اللہ) سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دی اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا. پس جو شخص شدت کی بھوک میں گرفتار ہو جائے بشرطیکہ کسی گنا کی طرف اسکا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالی معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے.

اس بات کا پتہ کیسے چلے گا کہ وہ مسلمان کا ذبیحہ اہل یہود و نصاری کے یہاں قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ہم اُنکی کتب سے ثبوت لانے سے پہلے یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ اسلام کے فلسفہ ذبیحہ اور اہل کتاب کے فلسفہ ذبیحہ کی مماثلت کو سمجھ لیا جائے چنانچہ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ دیگر مذاہب نے بھی حلال و حرام کا فلسفہ پیش کیا تھا مگر وہ تعلیمات مسخ یا محرف ہو گئیں جو لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں تو وہ بھی کچھ نہ کچھ تمیز کر لیتے تھے کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ یہ آسمانی کتابوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہی تعلیمات تھیں.(۱) اب رہ گئی یہ بات کہ یہود و نصاری کن کن پیراؤں میں لفظِ ذبیحہ اور اُسکے حلال ہونے یا حرام ہونے کی بات کرتے ہیں. اسکے لئے ہم سب سے اوّل درجہ پر بائبل مقدس کے کچھ حوالا جات دیتے ہیں:

پھر خداوند نے ملکِ مصر میں موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ [1] یہ مہینہ تمہارے لئے مہینوں کا شروع اور سال کا پہلا مہینہ ہو. [2] پس اسرائیلیوں کی ساری جماعت سے یہ کہہ دو کہ اسی مہینے کے دسویں دن ہر شخص اپنے آبائی خاندان کے مطابق گھر پیچھے ایک برّہ لے. [3] اور اگر کسی کے گھرانے میں برّہ کو کھانے کے لئے آدمی کم ہوں تو وہ اور اُسکا ہمسایہ جو اُسکے گھر کے برابر رہتا ہو دونوں ملکر نفری کے شمار کے موافق ایک برّہ لے رکھیں. تم ہر ایک آدمی کے کھانے کی مقدار کے مطابق برّہ کا حساب لگانا. [4] تمہارا برّہ بے عیب اور یکسالہ نر ہو اور ایسا بچہ یا تو بھیڑوں میں سے چن کر لینا یا بکریوں میں سے. [5] اور تم اُسے مہینے کی چودھویں تک رکھ چھوڑنا اور اسرائیلیوں کے قبیلوں کی ساری جماعت شام کو اُسے ذبح کرے. [6] اور تھوڑا سا خون لیکر جن گھروں میں وہ اُسے کھائیں اُنکے دروازوں کے دونوں بازوؤں اور اُوپر کی چوکھٹ پر لگا دیں. [7] (۵)

بائبل کے درجہ بالا آیات سے اشارات یہ ملتے ہیں اوّل یہ کہ اُنکے یہاں بھی باقاعدہ جانور کے بے عیب ہونے اور زیادہ پسندیدہ بات یہ کہ وہ جانور نر ہو. دوم یہ کہ اُنکی بغیر اطلاع قربانی کو بھی ممنوع کیا گیا تھا گویا اجتماعی قربانی کا بھی تصوّر ملتا ہے. یہی وجہ ہے کہ ذبیحہ کا قانون لاگو کرنے سے پہلے انہیں خدا کی جانب سے عید الضحیٰ جیسی یادگار ابراھیمی یا تو احتراما یاد دلائی گئی تھی یا وہ اس قربانی کو سال کے مخصوص مہینوں میں کرنے کے رسمی اعتبار سے پابند تھے. اور سوم یہ کہ لفظِ برّہ Baptism سے مراد در اصل قربانی یا ذبیحہ کرنے کا براہ راست تصوّر خدائی احکامات کے نظام سے تھا جیسے بعد میں چل کر عیسائیت قبول کرنے کی کڑی شرط ہی بنا دیا گیا اور یوں گویا عیسائیت کے نام پر اپنی قربانی پیش کرنے کو برّہ دیا

(۱) سمیع الحق، مولانا شیخ الحدیث، اسلام کا نظام اکل و شرب اور شریعت کا فلسفہ حلال و حرام، جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک نوشہرہ، پاکستان، س ن/ص: ۹۷

(۲) عہد نامہ قدیم: خروج/ب ۱۲:۱-۷

بپتسمہ Baptism کہا گیا.

سوانہوں نے گاڑی کی لکڑیوں کو چیرا اور گایوں کو سوختنی قُربانی کے طور پر خُداوند کے حضور گذرانا۔

xx xxx xxx xxx xxx xxx xxx xxx xxx xxx xxx xxx xxx

اور بیت شمس کے لوگوں نے اُسی دن خُداوند کے لئے سوختنی قربانیاں چڑھائیں.(۱)

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مسیح نے قربانی دی اب اس آیت کو مسیح کی قربانی پر رکھ لیں۔ پتہ چلے گا کہ خُداوند کو نہ جانور کی نہ مسیح کی، قربانی سے خوشی نہیں ہوتی بلکہ یہ کہ اُس کا حکم مانا جائے اور فرمانبرداری کی جائے.(۲) اب یہاں بحث اس بات پر ہے کہ آیا آج کے وہ اہلِ کتاب یعنی ''یہود ونصاریٰ'' باوجود اس کے کہ وہ اپنی نازل شُدہ کتب 'تورۃ، زبور، انجیل وصحائف ابراھیم وموسیٰ' میں تحریفات (جیسا کہ قرآن نے کہا : یحرفون الکلم عن مواضعہ ط (۳) ترجمہ: انہوں نے تبدیل کردیاxxxx) کے بعد اہل کتاب میں شامل ہیں یا نہیں. ایسی صورت میں امام الجصاص نے احکام القرآن میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انکے کسی گورنر نے یہ مسئلہ لکھ بھیجا کہ 'انکے علاقے میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو باقاعدہ تورات پڑھتے اور یومِ سبت مناتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو یہودی نہیں کہتے، لہذا انکا حکم کیا ہوگا؟' آپؓ نے جواب میں لکھا کہ 'انکو اہل کتاب میں ہی تصور کیا جائے گا'. (۴)

لہذا باوجود اسکے کہ اہل کتاب نے اپنے لئے سیکڑوں بت تراش لئے، جیسا کہ قرآن کریم میں انکی یہ علامت بتلائی گئی ہے کہ :

وقالتِ الیھود عزیر ابن اللہ وقالتِ النصری المسیح ابن اللہ ۝ (۵)

ترجمہ: یہود کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور عیسائیوں نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں.

لیکن اسکے باوجود جب ایک اللہ کو ماننے کی بات آتی ہے تو قرآن پھر بھی انہیں ''اہل کتاب'' ہی گردانتا ہے. لہذا اب وہ کون لوگ ہیں جن پر باوجود اہلِ کتاب ہونے کے آج کے دور میں اہل کتاب کے ذبیحہ سے مسلمان کا پرہیز کرنا کہیں کہیں لازم آ جائیگا.

''کیا آج بھی اہل یہود ذبیحہ کرتے ہیں؟ نہیں میرے مطابق کوئی جیو کسی صورت میں بھی ذبیحہ کرنا گوارا نہیں کرتا..........

البتہ کچھ ربّی ایسا کرتے ہیں یا چاہتے ہیں..... انہوں نے ایسا کرنا کیوں ترک کیا؟ ۷۰ ویں عیسوی تک یہود قربانی کیا کرتے تھے، اور رومن ایمپائر کے ہاتھوں یروشلم میں تباہ کیا جانے والا مقبرہ جہاں یہ یہود قربانی کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ ۱۳۲ تا ۱۳۵ء تک کی جنگ کے بعد مکمل قربانی کا طریقہ بند کر دیا گیا......''.(۶)

---

(۱) بائبل/سموئیل-۱/ باب۶:۱۵
(۲) جمیل، سہیل، بائبل مقدس-ابتداء سے انتہاء تک، /ص:۱۴۰
(۳) قرآن کریم؛ سورۃ مائدہ /۵: ۱۳
(۴) الجصاص الحنفی، علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مترجم عبدالقیوم، مولانا، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد-س ن/ ج-۴، ص:۲۰۲
(۵) قرآن کریم؛ سورۃ التوبہ /۹: ۳۰
(۶) Ref: http://www.jewfaq.org/index.htm
Further : Tracey R Rich (1995-2007)

اللہ کا بلاواسطہ یا بالواسطہ انکار کرنے والے لوگ اہل کتاب سے خارج ہیں:

ایسے یہود ونصاری جو دہریہ صفتی Atheism اختیار کر چکے ہوں اور اُنکے اعمال میں واقعتاً اہل کتاب جیسی حلال غذائیں بھی متروک ہو چکی ہوں، لہذا اُن سے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اجتناب کریں۔ آج مغرب میں رہنے والی اکثریت ایسے یہود ونصاری کی ملے گی جو حقیقتاً اللہ تعالی کی ذات پر یقین نہیں رکھتے، اور مذہب کو با قائدہ ایک قیدِ مسلسل سمجھ کر اپنے آپ کو مذہب سے مکمل آزاد کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں انہیں قطعاً اہل کتاب کی فہرست سے خارج کر دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ یہودی جو Zonism کا نعرہ لگاتے ہیں، اور ایسے ہی وہ عیسائی جو اپنے لئے شراب کو نہ صرف حلال تصور کرتے ہیں بلکہ اُسے ایک مقدس 'آبِ حیات' کا جام تصور کر کے اُسکی نسبت سیدنا عیسی علیہ السلام پر لگاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابنِ جوزیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے کہ عرب کے کچھ عیسائی ایسے ہیں جنکا ذبیحہ حلال نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ کسی شئے پر یقین نہیں رکھتے لیکن شراب کو اپنے لئے جائز قرار دیتے ہیں۔

روی ابن الجوزی بسند عن علی رضی اللہ عنہ قال : لا تاکلوا من ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا من النصرانیۃ بشئی الا شربھم الخمر و رواہ الشافعی بسند صحیح عنہ (۱)

'عیسائیوں کے قبیلہ بنی تغلب کے ذبیحہ سے مت کھاؤ، کیونکہ یہ لوگ کسی شئے پر یقین نہیں رکھتے مگر اپنے لئے شراب کو جائز قرار دیتے ہیں'۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ شراب اور اسکے استعمال میں حرام کی اتنی آمیزش ہے کہ اُنکے ہاتھ سے گذرا ہوا ذبیحہ بھی مسلمان کے لئے باعثِ کراہیت بن جاتا ہے۔ کیونکہ تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص بلاضرورت شراب کو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ نیز سب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ خمر کے سوا باقی ماندہ حرام مشروبات کو حلال سمجھنے والا کفر کی علامت یعنی تکفیر کا مستحق نہیں ہوتا۔ اگر یہ دوسری مشروبات بھی خمر ہوتیں تو یقیناً انکو حلال سمجھنے والا کافر ہوتا اور اس شخص کی طرح خارجِ اسلام ہوتا جو انگور کے خام رس کو حلال سمجھتا ہو جس میں تیزی آ گئی ہو اور وہ جھاگ مار رہا ہو۔ (۲)

(۱) التفسیر المظھری/ ص ۳۴ ج ۳ مائدہ
(۲) الجصاص الحنفی، علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مترجم عبدالقیوم، مولانا، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ س ن/ ج-۴، ص: ۶۰۲

اب ہم درج ذیل تصویر سے ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جو اہل یہود کے یہاں آج کے دور میں اُنکی جانب سے ذبیحہ حلال نہ ہونے پر ایک قوی دلیل ثابت ہوگی.

Orthodox Rabbis Defend Practices Shown in Video—Call criticism of Slaughter methods an anti-Semitic canard After release of a shocking video showing Jewish ritual slaughter of cattle, the Jewish Telegraph Agency quotes officials with the Jewish Orthodox Union as defending the kosher cattle slaughtering process at one of the largest producers, a company called Agriprocessors.

For over 100 years there have been European organizations and individuals complaining about Jewish ritual animal slaughter that they say constitutes a horrendous and unnecessary cruelty to animals.In more recent history, in the wake of the mounting Jewish supremacy over the media, few have dared to speak out for fear of being labeled anti-Semitic. Recently PETA, People for the Ethical Treatment of Animals took some secret videos at the largest kosher processing plant in the United States. Although PETA becomes involved in many nonsensical issues, the idea of lessening cruelty to animals wherever possible is a worthy principle that most Europeans have embraced for centuries. The difficulty is that Jewish ritual practices have been exempted from certain laws against cruelty as an issue of "religious freedom." (1)

ڈاکٹر ڈیوڈ ڈیوک کہتے ہیں:

ترجمہ: اس فلم میں دکھائے جانے والے اعمال پر بنیاد پرست یہودی ربّی اپنی مدافعت میں زبردست تنقید کرتے ہیں کہ یہ ایک من گھڑت اور نا انصافی پر مبنی فلم خطہ یہودیوں کے خلاف ایک آگ بھڑکانے والی سازش کا مظہر ہے. صدیوں سے یورپی تنظیمیں اور انفرادی طور پر یہ بات شکایتاً موصول ہو رہی ہیں کہ یہودیوں کے مذہبی طریقہ ذبیحہ میں واضح طور پر یہ تبدیلی صدیوں سے آ چکی ہے کہ ان میں جانور سوزی اور جانوروں پر ظالمانہ سلوک رواں ہو چکا ہے. آج کے جدید دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ پر یہودیوں نے اپنا گہرا اثر و رسوخ کر لیا ہے جن میں سے کچھ لوگ تو درجہ بالا طریقوں میں اپنا کردار تحریریہ بیان کرتے ہیں. پیٹا - نے بھی امریکی ریاست میں پھیلنے والے مذبح خانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ گو کہ جانوروں پر کئے جانے والے ظلم کو کم سے کم کرنے کے باقاعدہ اصول مرتب ہیں لیکن یہ معمولات پورے یورپ میں صدیوں سے ناقابل گرفت ہیں. جس میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ یہودیوں کے چند بنیادی عقائد مذہبی آزادی کے طور پر اس قسم کی پابندیوں سے خالی نظر آتے ہیں.

---

(1) http://www.davidduke.com/general/index.php?p=89 (12/29/2004)

No nations have more stringent animal cruelty laws and enforce them more rigorously than European-American nations. The European-American founded SPCA, Society for the Prevention of Cruelty to Animals, has been the world's leading organization against animal cruelty.After the release of the video, some Jews have spoken out against the practices but they still are the rule in Kosher processing facilities all over the world. A number of Jews directly involved with the practices have defended them even though the recent video released by PETA shows a cruelty to animals beyond the bounds of a civilized nation. In the video released on the PETA website, it shows fully conscious cattle being turned upside down, and then having their throat slit and their trachea ripped out. The cattle, still very much alive, are then dumped on a blood covered floor while they thrash about in horrendous agony. Some of them even try to stand up, blood spewing from their almost severed heads. The video shows that the cattle suffer for a lengthy period rather than having a quicker, more humane death. (1)

ترجمہ: امریکی یورپین قوم سے زیادہ کوئی قوم نہیں دیکھی گئی جس نے جانوروں پر ظلم کے خلاف آواز اٹھاتی ہوں، جیسا کہ اسپیکا تنظیم جانوروں پر ظلم کے خلاف بنائی گئی سوسائٹی ہے، اس نے درجہ بالا فلم کی اشاعت کے بعد کچھ یہودیوں کے خیالات کی اشاعت کی ہے لیکن وہ لوگ خود تمام دنیا میں اس کاروبار کو بڑھا رہے ہیں، اسکے باوجود بہت سارے یہودی اس کھیل کے ضمن میں اپنی صفائی پیش کرتے نظر آتے ہیں جبکہ پیٹا تنظیم نے اس فلم کو ایک قوم کی تہذیب سے بالاتر ہونے کو دکھلایا ہے. پیٹا کی اس ویب سائٹ میں دکھایا گیا ہے کہ ایک مکمل و باحوش جانور کو اوپر سے اٹھا کر زمین کی جانب موڑ کر گرایا جا رہا ہے، جسکی گردن میں لپٹی ہوئی زنجیر نے جانور کے اپنے وزن سے گرتے وقت اسکی شہ رگ کو کاٹ دیا ہے. ایسی حالت کے باوجود جانور ابھی تک زندہ ہے جیسے خون سے لت پت فرش پر گھسیٹا جا رہا ہے. ایسی حالت میں چند جاندار جانور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن جلد ہی وہ اس فرش پر پھسل کر اپنی جان کنی تک پہنچ جاتے ہیں. اس فلم میں دکھلایا گیا ہے کہ جانور ایک خطرناک اور اذیت ناک حالت سے گزر کر اپنی موت کو پاتا ہے. جو ایک ظالمانہ کاروائی کی انتہا ہے.

کیا آج یہ صورتحال ہمیں سبق دینے کے لئے کافی نہیں:

کیا آج کے دور میں اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے، کہ حلال مال، خواہ وہ ذبیح کے طور پر ہو یا مال و دولت کے طور پر اہل کتاب کے یہاں اب اس بات کی تمیز ناپید ہو چکی ہے کہ وہ صرف انسانوں کو خدا کے پیغامات کے مطابق حلال کھانے میں اُنکی مدد کر سکیں. اور بظاہر اس بات سے اُن لوگوں کے لئے بھی بہت سبق آموزی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، جو خصوصاً نکاح جیسے پاکیزہ عمل میں اہل کتاب سے نکاح کے خواہشمند رہتے ہیں، کیونکہ کہ بلا کراہت یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس قوم میں خدا کے ساتھ وصل کا کوئی بھی ذریعہ یعنی شرک کی کوئی بھی شکل مرتب کر دی گئی ہو یا پھر اُنکے اعمال میں اہم ترین غذائی معملات کا خدائی احکامات سے براہ راست مخالفت کی صریح شکل ملتی ہو تو وہ اہل کتاب تو مشرکین میں شمار ہو جاتے ہیں، پھر اُنسے نکاح کی صورت کیسے باقی رہ سکتی ہے.

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آج جس اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں میں مشہور ہے، وہ نہ صرف مشکوک بلکہ اہل یہود کے اپنے دین پر سے انحراف کا ایک بیّن ثبوت بھی ہے. لہذا مسلمانوں کو قطعی طور پر ذبیحہ کے معاملہ میں ایسے ممالک میں جہاں پر اہلِ یہود ہی کی حکومت ہو، پر احتراز کرنا چاہیے.

(1) http://www.davidduke.com/general/index.php?p=89 (12/29/2004)

خلاصہٗ بحث :

درجِ بالا حالات کے تحت اسلام نے اُن اشیاء کو جو خود مشکوک ہوں لفظ ''شبہات'' سے تشبیہ دیکر ہمارے لئے باعث مکروہ قرار دیا ہے، لہذا ایسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے کسی بھی مسلمان کو آج کے دور میں اگر اپنے دین وایمان کو بچانا ہے تو وہ محض مکروہات یا غرر والے معاملہ سے اپنے آپ کو دور رکھنے میں ہی اپنی فلاح پا سکے گا۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ وہ جہاں سے چاہیں جیسے چاہیں کھائیں، پیئیں بلکہ ان ممنوع اشیاء کی خرید وفروخت اور اُس پر حاصل شدہ آمدن، کسی صورت جائز اور حلال نہیں ہوسکتی۔ لہذا اسلامی معیشت کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ کاروبار میں زیادتی کی کوئی صورت اسلامی شریعت کے اصولوں کے خلاف نہ ہوں لیکن یہ پابندی اسلام میں کہیں نہیں ہے کہ ایک انسان اپنے لئے ایک اعلیٰ وعرفہ منافع بخش کاروبار نہ کرے۔وہ ایک اچھے اور باخلاق کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسروں کو بھی حرام کاموں والے کاروبار سے اجتناب کی ترغیب دے اور خود بھی بچے۔ پس یہ ہی اسلامی معیشت کا تقاضا ہے۔

شبھات کو اسلام نے ایک علیحدہ تمیز کے طور پر بیان کیا ہے۔اسلام میں مشتبہات کو لفظِ ''مکروہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مکروہات کے اجتناب سے محرمات کو محکم بنانا مقصود ہے۔(۱) قرآن کریم میں اس ماڈے کا لغوی معنوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں مکروہ کا لفظ مادہ ''ک–ر–ہ'' ''کرہ کرھا و کرھا و کرھۃ و کراھیۃ و مکرھۃ الشی'' کسی چیز کو ناپسند کرنا،ضد حُب) سے اسم مفعول بمعنی ناپسندیدہ امر، کریہ اور کرہ صفت ہونے میں اس کے مترادف ہیں۔ (۲) ایک جگہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ''کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم و عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم'' (۳) ترجمہ: ''یعنی تم پر جہاد فرض کردیا گیا، گو کہ تمہیں ناپسند ہے اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے، مگر وہ انجام کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہو۔'' اصطلاح شریعت (فقہ) میں اس سے مراد وہ امور ہیں جن کا ترک کرنا، انکے ارتکاب سے راجح ہوتا ہے۔(۴) اور شارع نے غیر حتمی اور غیر صریح الفاظ، یعنی کنائے، یا قرینے سے ان سے احتراز کرنے کی تلقین کی ہو۔(۵) فقہ میں اسکی تشریح کے لئے قرآنِ کریم کی اس صورت سے استبدال کیا گیا ہے: ''یاایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤ کم'' (۶) ترجمہ: اے اہل ایمان! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال مت کرو کہ اگر ان کا حقیقتیں تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بُری لگیں۔ ان تمام توجیہات کو آخیر میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب حلال وحرام کی تمیز کا مسئلہ حل ہوجائے تو انسان کی فطرت کے عین مطابق اسکو فروعات میں الجھنے سے بچانا ناگزیر ہوجاتا ہے،اور مسئلہ کی پیچیدگی سے بچنے کے لئے اس شق کو تتمہ کے طور پر سمجھانے کی سعی کی گئی ہے، تاکہ لوگ اس فروع کثیرۃ سے اپنے آپ کو بچانے میں کسی حد تک آخیر بات کو بطورِ خاص یادرکھ سکیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ

❁❁❁

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامی، دانش کدہ پنجاب– لاہور، جلد نمبر ۲۱ طبع اوّل ۱۹۸۷ء، ص: ۴۸۷

(۲) ایضاً/ص: ۴۸۵

(۳) قرآنِ کریم: سورۃ البقرۃ/۲: ۲۱۶

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامی– لاہور، جلد نمبر ۲۱ طبع اوّل ۱۹۸۷ء/ص: ۴۸۵ / بحوالہ الجرجانی : التعریفات، ص ۱۵۶

(۵) ایضاً/ص: ۴۸۵ / بحوالہ عبدالوھاب الخلاف: علم اصول الفقہ، ص ۱۱۴

(۶) قرآنِ کریم: سورۃ المائدۃ/۵: ۱۰۱

تیسرا باب

سود آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

تیسرا باب - سود آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

تعارف

سود سے متعلق مطالعہ کے دوران یہ عجیب انکشاف ہوا کہ لفظِ سود اردو زبان میں عام فہم ہونے کے باعث اپنے مقصدِ نطق کی افادیت بالکل اُسی طرح کھو چکا ہے، جسطرح کہ منافقین ومشرکین مکّہ نے منافع کو ہر جائز و نا جائز آمدنی سے مشابہت دینے کی کوشش کی تھی قـالـوا انـمـا البيع مثل الربوا '(۱) ترجمہ' انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے'۔ جسکا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں خوب کھول کر بیان فرمادیا کہ' واحـل الـلـه البيع و حرم الـربـوا '(۲) ترجمہ' اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے'۔ اور نہ صرف یہ بلکہ ہماری عصری تعلیماتِ معیشت نے تو اس پر چار چاند لگادیئے وہ اسطرح کہ بینکوں کے نظام سود کو منافع یا آمدنی کے نام سے انگریزی لفظ 'پروفٹ' 'Profit' کا نام دیکر اُسے لفظِ 'انٹرسٹ' 'Interest' کے ساتھ مدغم کردیا اور یوں عوام الناس کو اصلی 'رباء' کھانے کا خُفیہ راستہ اختیار کرادیا۔ اور پھر یہ بھی زبانِ زدِ عام ہے کہ یہ وہ سود نہیں ہے جو اسلام میں منع ہے بلکہ یہ تو بینک جو پرافٹ یا منافع کماتا ہے اُسکا شراکتی حصّہ ہے، جو بینک اپنے معاونین کی خوشنودی کے لئے انہیں بطورِ عنایت عطاء کرتا ہے۔

میرے ناقص ذہن میں شروع مطالعہ ہی سے یہ خیال جامد ہو کر رہ گیا کہ آخر لفظ 'سود' کی رباء سے کیا مماثلت ہے؟ جیسا کہ لفظِ انٹرسٹ کی مماثلت پروفٹ سے کردی گئی ہے۔ کیوں کہ جتنی بھی کتبِ قدیمہ جن میں اناجیل اربع ہوں یا توراۃ یا اُسی سے متعلق مباحث کے مقالاجات ہوں اُن سب میں رباء کا تصوّر انگریزی لفظ 'Usury' سے کیا گیا ہے، لیکن ہماری زبان اردو میں یہ لفظ کیوں اور کیسے آ گیا۔ میری سمجھ میں اس کی تلاش کا واحد حل یہ آیا کہ پہلے ان الفاظ کے اصلی معنی میں جا کر کنگھالا جائے کہ آیا ان کے معنی میں بھی کوئی ربط و تواصل ہے یا نہیں پھر کہیں جا کر یہ گتھی سلجھنے کے قابل ہو سکے گی کہ کونسا لفظ کیوں اور کیسے مستعمل ہوا اور کیوں کر اس کو جاری رکھا جاسکتا ہے؟ لہٰذا میری کوشش ہے کہ اس لفظ کی حتی الامکان تحقیق لازمی کر لی جائے تا کہ حجت بحث قائم ہو سکے:

الفاظِ 'سُود و الرِّبا' کی لغوی تحقیق:

لفظ''سود'' کے معنی وتشریح: دراصل فارسی زبان سے مشتق مذکر لفظ ہے، جسکے معنی 'نفع، بہتری، بیاج' اور 'بڑھا دینے' (۳) کے ہیں، یہ اسم مذکر ہے، جسکے معنی: زیاں کا نقیض ☆، نفع، فائدہ، منافع؛ سود ہونا: فعلِ لازم- فائدہ، نفع ہونا یا حاصل ہونا، سود مند، صفت: مفید، فائدہ مند (۴) سود: نفع، فائدہ (نقصان کی ضد) (۵) سود اندوزی: حصولِ نفع، فائدہ اُٹھانا، (۶) سود بٹا / بٹہ: الف- نفع نقصان۔ بنیوں کی خرید و فرخت اور

---

(۱) قرآن الکریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۶

(۲) ایضاً

(۳) فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات اُردو جدید- فیروز سنز، لاہور- ۱۹۸۳ء/ص:۸۰۵

(۴) دھلوی، سید احمد مولوی، فرھنگِ آصفیہ- جلد سوم، مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور- جولائی، ۱۹۷۷ء/ص:۱۲۱/ مزید دیکھئے مؤلف نے استاد الشعراء غالب کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے: ☆ تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی نے زیاں تھا نہ سود تھا

(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیرِ اہتمام، دانش گاہِ پنجاب، لاہور، جلد ۱۲، طبع اوّل ۱۹۷۳ء/ص:۱۳۹

(۶) ایضاً

سود، کاشتکاروں کو غلّہ کی ڈیوڑھی سوائی، زمینداروں کو سُود دینا تقسیم حصص وغیرہ کی زیادہ ضرورت رہتی ہے .ب۔سود پر روپیہ چلانے کا کام، سود پر روپیہ پیسہ لگانا (۱) سود بخش: مفید، فائدہ مند، نفع بخش؛ یورپ کی دوسری قومیں بھی اس سُود بخش کاروبار میں حصّہ بٹانا چاہتی ہیں.(۲) سَوِدَ، سَوَدَا، اِسوَدَّ بمعنی سیاہ ہونا۔سَوَّدَ بمعنی مکروفریب کرنا، رات کے اندھیرے میں ملنا، سُود۔سُوددَ۔سُوددَ بمعنی سرداری بزرگی۔سَوَادَ بمعنی بہت مالدار، بے شمار (۳) یہ تمام معنی بتلا رہے ہیں کہ یہ لفظ کہیں نہ کہیں پہنچ کر اُدھار دی جانے والی رقوم پر بڑھوتری کے ساتھ وصولی پر، جیسا کہ درج بالا میں 'بہت مالدار کا معنی'، مکروفریب اور رات کے اندھیرے کے معنی بھی شامل ہیں اور یوں تو لفظِ سود کا انگلش زبان میں پایا جانے والا لفظِ عام 'Interest' ملتا ہے، جسکے معنی 'وہ رقم جو اُدھار دیے ہوئے روپے کے صلے میں مقررہ وقفوں کے بعد واجب الادا ہوتی ہے.(۴) اور اسی طرح انگلش زبان میں معنی Profit, gain, Interest and Usury کے ہوتے ہیں (۵) انگلش معنی کی مزید تفصیل میں جانے سے پہلے ضروری ہے کہ عربی زبان میں لفظِ سُود کے معنی پہلے دیکھ لئے جائیں تا کہ متبادل لفظ کے استعمال پر کسی قسم کا اشکال باقی نہ رہے: لفظ سود کا عربی زبان میں معنی بالکل مختلف ہیں اور لفظ 'سودٗ' یا 'سود مندی، ساد، سد، سودد، سیادت، سیدودات' بمعنی be head or leader of a tribe, rule, command یعنی 'کسی قوم کی سربراہی اختیار کرنا، قانون، یا حکم نامہ' کے بطور مشہور ہے. جبکہ 'سودٗ' - Domain - Leadership سے لفظ 'سودٗ' یعنی کالا Black (جیسے رنگ کالا) کے معنی میں آیا ہے.اور اسوَدٗ بحیثیت واحد بمعنی 'کالا' Black کے ہیں.(۶)

؎ رات بھر جلتا رہا شمعوں کو روشن دیکھ کر   رہ کر اس محفل میں یہ سُود چراغ کھٹتہ ہے (۷)

لفظِ "رباء" کے معنی وتشریح : جبکہ عربی زبان میں اس لفظ کا اصل مادہ 'ربا، 'الرِّبَاءُ' یا 'رِبٰی' (۸) کہلاتا ہے، اسکی عربی ترکیب کچھ اسطرح ہے: رَبَأَ، رِبَاءً: عَلاَ وَارْتَفَعَ، عَلٰى جَبَلٍ، اَشْرَفَ، وَالشَّيْئَ رَفَعَهُ، رِبَاءَ الْمَالِ (۹) رِبَحَ: رِبْحًا وَرَبَحًا وَرِبَاحًا فِي تِجَارَتِهٖ: كَسَبَ تَفَحَارَتُهُ رَابِحَةً. (۱۰) جسکے معنی بھی 'زیادتی کرنے یا بڑھا دینے' کے ہیں. ربا بمعنی 'سودٗ' بمعنی 'کالے' واحد 'اسودٗ' (۱۱) بمعنی زیادتی، مصدر رباء و ربٰو مزید لفظ ربحک بمعنی اُس نے فائدہ دیا اور اسی طرح ماضی کا صیغہ ربح'' بمعنی اُس نے نفع دیا (۱۲) رباح-gain - usury (۱۳) لیکن ہر ایک ماہر لغات کے نزدیک الفاظ کو پرونے کا اپنا علیحدہ انداز ہے، چنانچہ دیگر لغات میں اس لفظ کی بحیثیتِ فعل Verb، اسم Noun، صفت Adjective کی تعریف اس طرح ملتی ہے :

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، جلد ۱۲، طبع اول ۱۹۷۳ء/ص:۱۳۹

(۲) ایضاً/بحوالہ :دستور العمل مدرسین دیہاتی، ۱۸۸۶ء/ص:۲۲

(۳) فیروز اللغات عربی اردو، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور-س ن/ص ۳۲۳

(۴) اردو انسائیکلوپیڈیا-تیسرا ایڈیشن، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، جنوری ۱۹۸۴ء/ص:۶۰۶

(5) Abdus Salam, 'Urdu English Dictionary', Ferozsons (Pvt) Ltd-Lahore-1985/P-452

(6) Steingass, F. *Ph.D*, 'Arabic English Dictionary', Sang-e-meel Publication, 25 Shara-e-Pakistan (lower mall)-Lahore-2001/P-517

(۷) ؎ بے نظیر، کلام بے نظیر، ۱۹۳۲ء، ۲۱۲/بحوالہ: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، جلد ۱۲، طبع اول ۱۹۷۳ء/ص:۱۳۹

(۸) فضل الرحمٰن، سید، تالیف، مجمع القرآن-ادارہ مجددیہ، ناظم آباد نمبر ۳، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز-کراچی ۲۰۰۳ء/ص:۲۲۰

(۹) المنجد فی اللغۃ، الطبعۃ الثامنۃ والعشرون، منشورات دار المشرق ش م م:ص،ب،۹۴۶، بیروت، ۱۹۸۶/ص:۲۴۳

(۱۰) ایضاً/ص:۲۴۳

(۱۱) ایضاً/ص:۲۳۹

(۱۲) ایضاً/ص:۲۲۰

(13) Steingass, F. *Ph.D*, 'Arabic English Dictionary', Sang-e-meel Publication, /p.397

Usury عربی معنی بحیثیت اسم : فائدة ، مراباة ☆ Usufruct بحیثیت اسم وموصوف: حتی الانتفاع [وبخاصة بمتلكات] [شخص آخر من غیر ان یتلفها او یتزل بها اىّ اذى] ☆ Usufrutuary بحیثیت اسم وصفت المنتفیع ؛ صاحب حق الانتفاع ، انتفاعی ☆ Usurious بحیثیت صفت: مراب ، رباوی ؛ خاص بالربا☆ Usurp یغتصب (۱)

یوژری Usury بحیثیت اسم Noun لغوی معنی 'سود ناجائز یا بہت زیادہ سود لینا' جسکی انگلش زبان میں تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: exhorbitant interest for money or practice of taking exorbitant interest اور جس جگہ یہ لفظ بحیثیت فعل Verb استعمال ہوا ہے اُسے انگلش میں Usurp بھی کہتے ہیں جسکے لغوی معنی to seize and hold without right دیئے گئے ہیں، جسکے اردو معنی 'جبرا لینا یا ضبط کرنا' کے ہیں (۲)۔اسی طرح لفظ انٹرسٹ Interest کے لغت میں کئی معنی ہیں جسمیں سے یوژری کی مطابقت کے معنی تو یہ ہیں: the profit percent dervied from money lent یعنی 'ادھار دی گئی رقم پر شرح منافع'۔(۳) اب دیکھنا یہ ہے کہ رباءٗ اصطلاحاً کن کن حالتوں میں عربی میں مستعمل ہے:

لکھنے کے اعتبار سے رباء کی تین بنیادی شکلیں ہیں: پہلی شکل 'رِبَاءٌ' ہے، جسے مزید 'رِبًا' ''رِبَآءٌ' بھی لکھا جاتا ہے۔دوسری شکل 'رِبوٗ' ہے۔اور تیسری شکل پہلی دونوں اشکال کے بدلے میں 'رِبِی' ہے۔پہلی دوشکلوں کی مثال قرآنِ کریم کی ایک ہی آیت میں جمع ہے: 'وَمَـا اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِىۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ '(۴) ترجمہ: 'اورتم جوسود پر دیتے ہوکہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، وہ اللہ تعالی کے یہاں نہیں بڑھتا۔' دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ آیت ہمارے ایمان میں ہلچل پیدا کرتی ہے یا نہیں لیکن اس سے پیشتر ہم غیر مسلم اسکالر کی تشریحات الفاظ کو بھی سمجھ لیں:

'رِبًا'

means an excess, and an addition; an adition over and above the principal sum [that is lent or expended]; but in the law it signifies an addition obtained in a particular manner; [i.e., usury, and the like; meaning both unlawful, and lawful, interest or profit] it is in lending, or in buying and selling, and in giving and is of two kinds; unlawful, and lawful: the unlawful is any loan for which one receives more than the loan, or by means of which one draws a profit; [and the gain made by such means;] and the lawful is a gift by which a man invites more than it to be given to him, or a gift that he gives in order that more than it may be given to him;[and the addition that he se obtains;](5)

اس بحث میں لفظ'' سود'' کے انگریزی زبان میں مترادف لفظ''Interest'' اورعربی زبان کے''رباء'' ''Rib'a'' کے مترادف انگریزی لفظ''Usury'' کے جو معنی سامنے آئے ہیں۔ان کی عصرِ حاضر کی معاشی اصطلاحات پر بھی ایک نظر ڈالی جارہی ہے :

---

(۱) المورد Al-Mawrid الطبعۃ الحادیۃ عشرۃ: بیروت Dar-el-il, lll-malayen 1967 لبنان/ص: 1020

(2) Popular Oxford Practical Dictionary - published by Ch. Ghulam Nabi Chohan, Oriental Book Society, Lahore-1980/p-649

(۳) ایضا/ص:333

(۴) قرآن الکریم: سورۃ الروم/۳۰:۳۸

(5) Lane, Edward William, An Arabic English Lexicon, Williams and Norgate, 14 Henrietta Street, Covent Garden, London; 1867/p.1023

Interest: 'participation in advantages', proprietary right, a share, a business, payment for the use of borrowed money or on a debt. selfish concern for one's own welfare.(1) The profit percent derived from money lent; payment for the use of borrowed money or on a debt; an advantage, an asset, a holding, a shore in something.(2)

Rib'a : making interest on loaned money. in its general sense this term denotes an adiition to or increase of a particular thing over and above its original size or amount. it becomes immoral and agianst the will of Allah when it signifies unlawful additohjn by way of interest, to meony or goods lent by one person or group to another.(3)

Usury : the practice of lending money at interest, Usurp; to seize or take possession of without right. Usurer; a person who lends money at (esp. exorbitant) interest.(4) *Usury* - (riba - exploitation). Muslims are allowed to make money in fair trade, but not from exploiting the needy. A rich person lending money at interest usually gets people deeper into debt.(5) Lending at an exorbitant rate of interest. Usure; usury, excessive rate of interest(6)

درجہ بالا تشریحات واضح طور پر بتلا رہی ہیں کہ عصری معاشیات کا لفظ ''رباء'' پر کتنا گہرا اثر پڑا ہے، لیکن الفاظ کے بدل لینے کے باوجود ان کی تشریحات یعنی سود، ربا، یوژری اور انٹرسٹ میں سے کوئی ایک بھی اصل حقیقت سود چھپا نہیں سکی جسمیں ایک انسان کی خود مختار کمائی اور دوسرے پر ظلم کسی نہ کسی حال میں جتلا ہی رہی ہیں. اس شرح سے معلوم ہوا کہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کا نعم البدل Synonymous ہیں جبکہ لغت کی رُو سے اسکی پوری گنجائش ہے کہ:

''سود اور رباء''

دونوں الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ ''سود'' بمعنی ''نفع'' ایک فارسی لفظ ہے اور ہر نفع پر اسکا اطلاق ہوسکتا ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز. اور ''الرباء'' بمعنی ''زیادتی'' عربی لفظ ہے، جسکا اطلاق ہر زیادتی پر ہوسکتا ہے. اور ''معاملاتِ خرید وفروخت میں زیادتی'' کو ہی ''نفع'' کہتے ہیں، لیکن جیسے ''الرباء'' سے ہر زیادتی مراد نہیں ہوتی، بلکہ خاص زیادتی مراد ہوتی ہے اسی طرح ''سود'' سے ہر نفع نہ مراد لیکر، مخصوص نفع یعنی مخصوص زیادتی مراد لی جاتی ہے، یعنی ہر وہ نفع وزیادتی جسے شریعت جائز نہیں کہتی.(۱) مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''مسئلہ سود'' میں سود کے عرفی مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(1) The Cassell concise dictionary, Cassell Willington House, London-1997/p-767
(2) Perry, F.E., A Dictionary of Banking-Second Edition, Macdonal & Evans-UK,1983/ p-169
(3) Maqsood, Ruqaiyyah Waris, 'A basic ditionary of Islam' Goodword books, Pvt, Ltd, 1, Nizamuddin West Market, New Delhi, India, 2003/p-183
(4) The Cassell concise dictionary, Cassell Willington House, London-1997/p-1615
(5) Maqsood, Ruqaiyyah Waris, 'A basic ditionary of Islam' Goodword books, Pvt, Ltd, 1, Nizamuddin West Market, New Delhi, India, 2003/p-224
(6) Perry, F.E., A Dictionary of Banking-Second Edition, Macdonal & Evans-UK,1983/ p-169

''ربا کی حقیقت نزولِ قرآن سے پہلے جو سمجھی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ قرض دیکر اس پر نفع لیا جائے'' جبکہ ربا کی یہ تعریف ایک حدیث میں اسطرح آئی ہے: ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ **''کل قرض جر منفعة فهو ربا''**

ترجمہ: **'ہر قرض جو کسی منفعت کا باعث بنے وہ ربا ہے۔'** (۲)

چنانچہ حضراتِ فقہاء ''الرّباء'' سے جو مفہوم مراد لیتے ہیں اردو کا لفظ ''سود'' اسکی تمام صورتوں کو حاوی نہیں، بلکہ صرف اس صورت کے لئے بولا جاتا ہے جسے اہلِ جاہلیت ''ربا'' کہا کرتے تھے۔ (۳) لہٰذا ایسی صورت میں اس مسئلہ کا واحد حل یہی ہے کہ درجہ بالا تشریحات کی روشنی میں الفاظ کی گتھی کو اسطرح سلجھایا جائے کہ مروّجہ اردو یا فارسی لفظ

''سود'' کو انگریزی کے لفظ 'Interest'' سے تشبیہ دی جائے۔

اور اسی طرح 'دورِ جاہلیت کے ظالمانہ و جبریہ انداز میں وصولی سود' کا لفظ جو قرآن و حدیث سے مشتق ہے یعنی

''الربا'' کو انگریزی کے لفظ ''Usury'' سے تشبیہ دی جائے۔

گو کہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے لئے نعم البدل Synonymous کے طور پر استعمال کئے جاسکتے ہیں، لیکن اس تحقیق سے الفاظ کے ساتھ ساتھ 'سود و الرباءٗ کی اصلیت اور شدّ و مد کا فوری جائزہ لینے میں مدد مل سکے گی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ لفظ منافع کی صحیح اصطلاح کا عوام الناس کو احساس ہو سکے گا، جو یقیناً ہمارے نزدیک قرآنِ کریم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے کہ لوگوں میں منافع اور رباء کی تمیز کرنا پہلے آجائے تا کہ رباء کو چھوڑنے کی ایک جہد عوام الناس میں قائم ہو سکے۔ اور پھر یہ بات صرف مسلم روایات ہی میں نہیں بلکہ انگریزی روایات میں بھی ملتی ہے کہ کلیساء کے قوانینِ فطرت کے لئے یوژری Usury کا لفظ اور عمومی اعتبار کے لئے انٹرسٹ Interest کا لفظ استعمال ہوا ہے، جسکا مشاہدہ اس تحقیق میں شامل انگریزی حوالہ جات میں بآسانی ملاحظہ کیا جاسکے گا۔ اور اس کے فوائد کا اندازہ آئندہ آنے والی تحقیقی مواد میں مل سکے گے۔

(۱) اسعدی، محمد عبیداللہ مولانا، 'سود کیا ہے؟' ۔ ادارۃ القرآن، گارڈن ایسٹ لسبیلہ، کراچی، جولائی ۲۰۰۲ء/ص:۳۱

(۲) ایضاً/ص:۳۱ ۔ مزید ملاحظہ کریں؛ عثمانی، مفتی محمد شفیع ۔ مسئلہ سود/ص:۱۵، ۱۳

(۳) ایضاً/ص:۳۱

پہلی فصل

سود آسمانی مذاہب کی روشنی میں

یہودیت میں رباء کی حیثیت :

یہودیت میں سود کی حرمت کا تذکرہ خود قرآن مجید نے کیا ہے، چنانچہ یہودیوں کے مختلف اہم قبائح کے بیان کے ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ :

(۱) ''واخذھم الرّبٰوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال النّاس بالباطل ط ''(۲)

ترجمہ: 'اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انہیں اُس کی ممانعت کردیگئی تھی، اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ دوسروں کا مال ناحق کھالیتے تھے'.

اسکے معنی بڑے وسیع ہیں یعنی (اُنکے پیمبروں کے ذریعہ سے اُنہی کی کتابوں میں) توریت میں ممانعتِ سُود کے اس طرح کے احکام آج تک لکھے چلے آرہے ہیں؛ **مثلا** :

'اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر، اور سُود مت لے'. (۳)

'تو اس سے سود اور نفع مت لے، اپنے خدا سے ڈرتا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے تو اُسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اُسے نفع کے لئے کھانا کھلا'.(۴)

یہ اور بات ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سود خور قوم یہی یہود ہے اور اُنکے شایلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔ یعنی اُنکی شریعت میں سُود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام قرار دیا گیا تھا، اُنہی کو اختیار کر کر کے جن نعمتوں سے یہود محروم کردیئے گئے تھے، وہ جتنی اور جو کچھ بھی ہوں، بہر حال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کردئے گئے ہیں۔ (۵) یوں بھی دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے قومی مزاج میں ابتداء ہی سے گمراہی کا عنصر غالب تھا، اُنکی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی داستان سے تورات کے صحائف بھرے پڑے ہیں. جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں انہوں نے مصریوں کی غلامی سے چھٹکارا پاکر صحرائے سینا کی آزاد فضاء میں قدم رکھا تو وہاں کی بُت پرست آبادی کو دیکھ کر حضرت موسیٰ سے سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا بُت بنادیجئے؟(۶) جس پر قرآن مجید میں تفصیلاً ذکر اسطرح ملتا ہے کہ :

---

(۱) اسعدی، محمد عبید اللہ مولانا، سُود کیا ہے؟، ادارۃ القرآن، گارڈن ایسٹ، لسبیلہ کراچی، جولائی ۲۰۰۲ء/ص:۴۹

(۲) قرآن الکریم، سورۃ النساء/ ۴:۱۶۱

(۳) عہدنامہ قدیم، خروج-۲۲:۲۵

(۴) عہدنامہ قدیم، احبار-۲۵:۳۶-۳۷

(۵) دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص:۲۲۹

(۶) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۱۶

''وجاوزنا ببنی اسرآئیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لھم ج

قالوا یموسی اجعل لنآالھا کما لھم الھة ط قال انکم قوم تجھلون o''(۱)

ترجمہ: 'اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس اُن لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے، جیسے اِن کے یہ معبود ہیں۔ فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے'۔

بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پرستی اُن کے دل میں بالکل ہی نہیں اُتری تھی اور جیسے وہ یہ سمجھ رہے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر (نبی) کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جیسے چاہے اپنی قوم کے لئے معبود قرار دیدے۔ عجب نہیں کے حضرت موسیٰ کے جواب اِنکم قوم تجھلون ۔ میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھیرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟ (۲) اسکے باوجود پھر سامری کی باتوں میں آ کر گوسالہ (بچھڑا) پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو گئے، حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسع علیہم السلام کے زمانوں میں اُن بیشمار مقامی اور قبائلی بتوں کی پوجا ایک وباء کی طرح پھیل چکی تھی۔ ان کا سب سے بڑا بُت بعل تھا جسکا ذکر قرآن مجید نے حضرت الیاسؑ کے سلسلے میں کیا ہے۔ (۳)

''وان الیاس لمن المرسلین o اذقال لقومه الا تتقون o اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین o

الله ربکم ورب اٰبآئکم الاوّلین o'' (۴)

ترجمہ: 'بے شک الیاسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ کیا تم بعل (نامی بُت) کو پُکارتے ہو؟ اور سب سے بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤاجداد کا رب ہے'۔

دونوں امثال قرآنی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کے اہل یہود کے یہاں قوانین خداوندی کا پامال کرنا کس حد تک آسان تھا تو کیوں نہ وہ سُود جیسے گھناؤنے جُرم میں اپنے آپ کو ملوث نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے لئے جو راہ انہوں نے متعین کی، وہ نہ گفتہ بہ چالاکیوں کی اپنی مثال آپ ہے۔ جیسا کہ مکروفریب، ظلم و جور اُنکا دستور تھا۔ غریبوں اور یتیموں کو لوٹ لینا، خُدا اور مذہب کے نام پر ڈاکے ڈالنا۔ دنیا کے لالچ میں احکام الٰہی میں تحریف کرنا تھوڑا سا مال لے کر شریعت کے اصولوں کو بدل دینا اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دینا اُنکا شیوہ بن چُکا تھا۔ جس کی تفصیلات سے بائبل بھری پڑی ہے۔ چنانچہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے، (۵) اور جوزیفس (۶) کی تاریخ اسلاف کی رو سے ۱۴۰ ق م کے قریب یہودیوں کے تین فرقے موجود تھے، جو انسانی اعمال وافعال اور معاملات کے متعلق مختلف خیالات رکھتے

---

(۱) قرآن الکریم، سورۃ الاعراف/ ۷: ۱۳۸

(۲) دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص: ۳۵۴

(۳) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص: ۱۱۶

(۴) قرآن الکریم، سورۃ الصفت/ ۳۷: ۱۲۴

(۵) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص: ۱۱۶

(۶) ایضاً /ص: ۱۲۳-- جوزیفس فلیوس JOSEPHUS, FLAVIUS (C.37-C.100) A JEWISH HISTORIAN .
دیکھیں The Oxford Dictionary of the Christian Church-Oxfor University Press:
NY-1974/P-759

تھے.جسمیں ایک فریسی، دوسرا صدوقی اور تیسرا الیسینی کہا جاتا ہے.(۱) ان فرقوں کا مختصر تعارف کرالینا از حد ضروری ہے، جسکے باعث ہمیں علم ہو سکے گا کہ یہودیت کا سُودی تجارت میں قدم رکھنا محض اتفاقی یا حادثاتی واقعہ نہیں ہے، بلکہ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات سے انحراف کرنا اُنکی عادات میں شامل تھا، جس کے لئے بڑے سے بڑے کی عدولی کرنا انتہائی آسان تھا.اور اُنکے ان فرقوں میں.بہر حال کسی حد تک اگر اختلافات تھے تو وہ انہی تبدیلیوں میں ہونے والی اونچ نیچ یا کسی لمحے کسی دوسرے کو بہت زیادتی کرنے کے رجحان سے روکنے کے لئے تھے.

[1] فریسی : یعنی جُدا ہونے والے:

یہ نام اُنکو اپنے مخالفوں اور دشمنوں کی طرف سے دیا گیا جسے یہ لوگ اپنے لئے ناپسند کرتے تھے.اسکی جگہ یہ اپنے آپ کو احبار، دینی بھائی یا ربانی کہا کرتے تھے.(۲) انکے عقائد میں یہ بات شامل تھی کہ وہ معصوم اور گناہ سے پاک ہیں،(۳) ہر مومن یہودی پر لازم ہے کہ مشائخ یا محدثوں (راویٔ توراۃ) کی باتو (فیصلوں) کو شرعی احکام تصور کریں کیونکہ اُنکے اقوال زندہ خُدا کا کلام ہیں.اگر کوئی دینی پیشوا یہ کہدے کہ تمہارا دایاں ہاتھ دایاں نہیں بلکہ بایاں ہے تو اُسکی بات کو تسلیم کرا اور اس سے مزید بحث نہ کر.کسی کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں اور نہ اسکی ضرورت ہے.(۴) وہ کسی ایسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے جو حکومتِ وقت کے خلاف انقلاب لانے پر آمادہ کرتی ہو.یہی وجہ تھی کہ وہ مکابی سلاطین کے درباروں میں انعام و اکرام سے نوازے جاتے تھے، مگر ۱۰۵ قبلِ مسیح میں شاہ ہرکاتوس کے عہد میں اُن کی عزت و وقار کو ٹھیس پہنچی کیونکہ اُس نے صدوقی فرقے کے عقائد اختیار کر کے اُن کی حمایت شروع کر دی تھی.جو فریسیوں کے سخت مخالف تھے.اُس وقت اور اُسکے بعد فریسیوں کی ریاکاری بددیانتی اور شہرت پرستی انتہا کو پہنچ گئی.جب حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوا تو اِس فرقے کے تمام لوگوں نے اُنکی پیغمبری اور رسالت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ اُن پر طرح طرح کی تہمتیں لگائیں.اس لئے اناجیل اربعہ میں ان کو حضرت عیسیٰؑ کا دشمن بتایا گیا ہے.(۶)

[2] صدوقی : قدامت پسند لوگوں کا فرقہ :

یہ فرقہ اہم مسلّمہ مذہبی اصولوں سے انکار کرتا تھا.(۷) یہ لوگ مسیح منتظر کی اسیر کے بالکل قائل نہ تھے.(۸) یہ فرقہ یہودیوں کے اونچے طبقے کے لوگوں پر مشتمل تھا، جس کو دینی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی اقتدار حاصل تھا.اس لئے بعض یہودی مؤرخین اس کو قدامت پسند (Conservative) کے نام سے یاد کرتے تھے.(۹)

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۲۲

(۲) ایضاً/ص:۱۱۷

(۳) ایضاً/ص:۱۱۷

(۴) ایضاً/ص:۱۱۷

(۵) ایضاً/ص:۱۱۷

(۶) ایضاً/ص:۱۱۸

(۷) ایضاً/ص:۱۱۹

(۸) ایضاً/ص:۱۱۹

(۹) ایضاً/ص:۱۱۹

[3] ایسینی : صوفی فرقہ :(Essene)

اس فرقہ کے لوگ اپنے عہد کے صوفی تھے،(۱) اپنی سچائی کے لئے مشہور تھے اور خُدا کے سوا کسی کو اپنا آقا تسلیم نہ کرتے تھے. انکی زندگی نظم وضبط کی زندگی تھی. ان کی ایک شاخ تجرد کی زندگی کی قائل تھی اور دنیاوی لذائذ کے ترک میں روحانیت کی نشو ونما کو مضمر سمجھتی تھی. جو کچھ اُنکی ملکیت میں ہوتا تھا وہ سب ایک جگہ مشترک طور پر اپنے امیر کی تحویل میں رکھ دیتے.(۲) قیاس یہ ہے کہ وہ فرقہ ایسینی ہی کے افراد تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی آواز پر لبیک کہا، گمراہانہ عقائد سے توبہ کی اور خالص توحید کے پیامبر بنے تھے.(۳) اس فرقے کا ذکر متعدد مؤرخین نے کیا ہے. فیلو، ایک یہودی فلسفی ہے، جسکا زمانہ ۲۰ ق م سے ۵۰ عیسوی تک ہے، نے اس فرقے کا ذکر احترام سے کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لوگ سونا چاندی جمع نہیں کرتے تھے. تجارت، شراب، صنعت اور جہاز رانی سے دور رہتے تھے کہ ان سے حرص وطمع پیدا ہوتا ہے.(۴)

[4] متعصب یہودی فرقہ :

مذکرہ بالا تینوں فرقوں کے علاوہ ایک علیحدۃ فرقہ بھی تھا جسکا قریبی تعلق فریسی عقائد سے تھا، مثلاً مسیح منتظر کی آمد پر ایمان اور عبادت کی طرف میلان اور رجحان میں یہ دونوں ایک دوسرے سے متفق تھے، مگر متعصب فرقہ یہود جسے آرتھوڈکس (Orthodax) یہودی کہتے ہیں اپنے غیر لچکدار رویئے کی بناء پر فریسیوں سے ممتاز تھا. وہ ان یہودیوں سے نفرت کرتے تھے جو دینی معاملات میں لچک اور جدت کے قائل تھے یا جن پر لادینیت کی تہمت لگائی گئی تھی. اس فرقے کا خیال تھا کہ یہودیوں کے لئے از سرِ نو مملکت کی تخلیق کے لئے خُدا کی امداد اور نصرتِ غیبی کا انتظار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنی مدد آپ کے تحت اپنی تقدیر بنانے کی کوشش کی جائے، وہ کہا کرتے تھے کہ اچھا یہودی وہی ہے جو قومِ یہود کی نشأۃ ثانیہ میں خُدا کا ہاتھ بٹائیں اُنکے طرزِ عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فریسیوں کے بائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے، حکومت کے متعلق اُنکا عقیدہ تھا کہ خُدا کے سوا کسی دوسرے کو حکومت کا حق حاصل نہیں (۵) انہوں نے انقلابات لانے کی سرتوڑ کوشش کی جس کے نتیجے میں پہلی صدی عیسوی میں اُنکے اور رومیوں کے درمیان تعلقات سخت کشیدہ ہوگئے جسکے نتیجے میں رومی حکومت نے اُنکے اور رومیوں کے درمیان تعلقات سخت کشیدہ ہوگئے، جسکے نتیجہ میں رومیوں نے انہیں باغی قرار دیکر اُکے اکثر سربرآوردہ لوگوں اور سرداروں کو تہہ تیغ کیا مگر اُن لوگوں کی سرکشی اور باغیانہ روش میں کوئی فرق نہ آیا. چنانچہ رومیوں کی طرف سے اُن کو خود مختار حکومت کی جو مراعات حاصل تھیں وہ تمام واپس لے لی گئیں. ردِّ عمل کے طور پر اس فرقے کے لگوں نے یروشلم کے اندر رہنے والے تمام رومیوں اور اُنکے حامیوں کو قتل کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے وہ قتل وغارت میں ضرب المثل بن گئے. اور تاریخ میں ان کو سفاک کے نام سے یاد کیا جانے لگا. بعض مؤرخوں نے اس گروہ کو مذہب کے نام پر سیسی غنڈہ گردی کی تحریک قرار دیا ہے یہ فرقہ بھی حضرت عیسیٰ کو ماننے پر تیار نہ ہوا.(۶)

اس تاویل کے پیش کرنے کا مقصد کسی قومی تاریخ کو دہرانا نہیں تھا بلکہ (Holocuast) ہالوکاسٹ نامی پسِ منظر سے یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ یہودیت میں تمام ہی لوگ واحدانیت کے مخالف نہیں تھے اور نہ ہی اپنے مذہب کے پیروکاریوں مذاق بنانے والے، لیکن چند فرقوں نے جب

---

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۲۳

(۲) ایضاً/ص:۱۲۳

(۳) ایضاً/ص:۱۲۴

(۴) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دار الشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص:۲۹

(۵) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۲۲

(۶) ایضاً/ص:۱۲۲

مکمل طور پر لوگوں کے دین کو تبدیل کرنے میں انتہائی گمراہانا چالوں سے مدد لیکر کامیابی حاصل کر لی تو اُس میں اُنکے لئے ایک سُود کو محض لذتِ دنیاوی کے لئے اپنے اوپر حلال قرار دینے کے بہانے کو تراش لینا کیونکر مشکل ہو سکا ہوگا.

جبکہ تاریخ بتاتی ہے کہ سکندرِ اعظم کی موت (۳۲۳ق م) (۱) پر اُسکی سلطنت کے حصے بخرے ہوئے تو یروشلم مصر کے یونانی حکمرانوں کے حصے میں آیا. اوراس دور میں بہت سے یہودی مصر کے دربار میں ملازم ہوگئے، یہاں انہوں نے بہت جلد اثر ورسوخ اور اعتماد پیدا کر لیا. یونانی تہذیب نے یہودیوں کی نجی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ۲۰۳ق م میں انطوخیوس اعظم شامی نے یروشلم پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا، لیکن چار سال بعد پھر سکندریہ کا جنرل سکوپس یروشلم پر قابض ہوگیا اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر شہر میں مستقل طور پر مصری فوج کی چھاؤنی قائم کردی، لیکن شامی بادشاہ نے حملہ کر کے مصریوں کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا. یہودیوں نے مصریوں کو نکالنے میں انطوخیوس کی مدد کی تھی، لیکن یہ شاہ یہودیوں کا دوست ثابت نہیں ہوا. بلکہ اُس نے یہودیوں کے داخلی انتشار کو اپنی اغراض کے لئے ہوا دی. ۱۷۰ق م میں اپی فین یونانی (ہیڈرین) نے اس شہر کو تباہ کیا، محلات جلا دیئے، عبادت گاہ کی تمام دولت لوٹ کرلے گیا، اور لوگوں کو ان کے مذہب سے منحرف کیا، جو شخص قانونِ الٰہی کی کتاب پڑھتا، اسے سخت سزا دی جاتی. یونانیوں کے اس ظلم وستم کے نتیجہ میں ایک خدا پرستانہ تحریک "مکابی" نے جنم لیا، اس نے تقریباً اسّی ہزار یہودیوں کو تہِ تیغ کیا، مکابی دراصل ایک کاہن تھا جس نے اپنے پانچ بیٹوں کی مدد سے یونانیوں کے خلاف بغاوت منظم کی، اور کامیاب ہو کر شہر اور معبدِ سُلیمانی کی حُرمت کو بحال کیا، مکابی نے جشنِ فتح منایا، جس کی یاد یہود آج تک عیدِ حنوکہ کی صورت میں مناتے ہیں. (۲)

---

(۱) عظیم، سید، تجارتی لُوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دارالشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص: ۵۴

(۲) لیاقت، ممتاز، تاریخ بیت المقدس، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء/ص: ۳۵؛ اسکے علاوہ دیکھیں درج ذیل انگریزی کا متن:

Boardman, John, The Oxford History of the Classical World, Oxford University Press, NY-1988/Page-323

Conflict over non-Greek communities' adoption of foreing ways did sometimes areise; the interaction of Judaism and Hellenism in the second century BC is the best -documented example. The leader of one faction of Jews in Jerusalem succeeded in becoming Hihgt Priest with the backing of the Seleucid king Antiochus IV and immediately seup of gymansion (174-171). To the horror of the rest of the Jews, the priests ceased to show any interest in the divine services and hurried off to take part in the unlawful exercises on the training ground at the earliest opportunities. Some even gave up circumcision. Thought the subsequent events are obscure (we are depdent almost entirely on 'orthodox' Jewish sources, especially the first two Books of the Maccabees), opposition both to the Hellenizing party and to their backer Antiochus grew. This reached crises point when Antiochus stripped the Temple of its treasures and ordered the Jews to give up their distinctive ways, replacing Jewish with pagan cults. Open insurrection followed, which soon led to the restoration of Temple cult, but the conflict between the Jews and the Seleucids continued until the Jews gained their indepndence in 141 BC.

اور یہ بات اُس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی جب یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا اور جب مذہبی تعصب کی جگہ خود پسندی اور ظاہر داری نے لے لی تو تجارت کی دوکان بھی خوب چمکی اور مذہب بھی خاموشی سے دیکھتے دیکھتے رخصت ہوگیا. اب سرمایہ یہود کے ہاتھوں میں تھا، انہوں نے اسکا منافع بخش استعمال کیا اور یورپ اور امریکہ کی معیشت اور معاشرت اپنے تصرف میں لانے میں کامیاب ہوگئے. صلیبی جنگوں کے دوران قتلِ عام نے یہود کو یہ درس دیا کہ اگر یورپ میں رہنا ہے تو کسبِ معاش کے لئے ایسے وسائل بروئے کار لائیں، جن میں لوٹ مار کا اندیشہ نہ اور زیادہ سفر کی صعوبت بھی نہ ہو. وہ حکمران طبقوں کی نگاہوں میں مفید بھی ثابت ہوا اور اپنی دولت چھپا کر دوسری جگہوں پر منتقل کرنے کے قابل بھی رہیں. چنانچہ انہوں نے قومی طور سُود کے لین دین کو اختیار کیا. اور اس سلسلہ میں بائبل کی تحریروں نے اُنکی مشکل آسان کردی. رومن کیتھولک کا عقیدہ ''انخلاء'' کے اُس حکم پر منی تھا کہ: ''اگر تم کسی شخص یا اشخاص کو قرض دو جو تم سے غریب ہے، تو تم اس سے سُود وصول نہیں کر سکتے، نہ تم اس سے سُودی بیوپار کر سکتے ہو''. اسکا مطلب یہ لیا گیا کہ کوئی عیسائی (نصرانی) سُودی کاروبار نہیں کر سکتا. اگر کرے گا تو اُسے کافر قرار دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا. یہ فیصلہ خاص طور پر اُس وقت بڑا معنی خیز نکلا، جب بین الاقوامی تجارت عام ہوئی اور اُس کے لئے بڑی بڑی رقوم کی ضرورت پڑی. اسکا ایک ہی حل تھا کہ سودی کاروبار یہود کے لئے مخصوص کردیا جائے. یہود حضرت موسیٰؑ کے حکم کے ''تابع'' تھے. کتابِ ''احبار'' میں اُن سے یہ جملہ منسوب تھا: ''تم اپنے بھائی (یہودی) کو سُود بٹے پر اُدھار نہیں دو گے. پیسے کا سُود، کاروباری سود، کسی قسم کا سود کوئی یہودی کسی یہودی سے وصول نہیں کر سکتا. ہاں اجنبیوں کو سُود پر اُدھار دیا جاسکتا ہے''.(۱) اس تقسیم کار نے عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان ایک مفاہمت پیدا کردی کہ دنیا کے ساتھ تجارت اور سیاسی ریشہ دوانیا تو عیسائی کریں گے لیکن روپیہ یہود کے ہاتھوں میں رہے گا. جو سُود در سُود کا چکر چلا کر اپنا بھلا بھی کریں گے اور عیسائیوں کی معیشت پر اپنا احسان بھی جتائیں گے. اس فیصلے نے عیسائی دنیا میں یہود کو ایک واضح حیثیت بخش دی اور وہ نئے اُبھرتے ہوئے یورپ کی تجارتی شاہراہوں کے ہر اہم موڑ پر اپنی دوکان سجا کر بیٹھ گئے.(۲)

ادھر تاریخ بتاتی ہے کہ یہودی علماء مذہبی پیشواؤں نے پُر زور نصیحت اور ہدایات کے ذریعہ اپنی قوم کو بتلایا کہ خُدا کو دھوکا دینا اور عُشر ادا نہ کرنا کس قدر بڑا گناہ ہے لیکن ان کو اس اصلاح میں کامیابی نہ ہو سکی. یہودی علماء اور مؤرخین کی ان شہادتوں کو سامنے رکھ کر نیز اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ایک دولتمند اور سرمایہ دار قوم رہی ہے جس نے عام طور پر ساہوکارہ، سودی لین دین اور دولت آفرینی کے دوسرے ذرائع سے بڑی فراخدلی سے کام لیا ہے اور عام طور پر وہ اپنی ہنرمندی صناعی اور کاروباری صلاحیت میں ممتاز رہی ہے. قرآنِ مجید کی اِن آیات پر غور کرنا چاہئیے جن میں اُن کے بخل اور مالی حقوق کی ادائیگی میں اُنکی لیت ولعل، سخن پروری وحیلہ سازی اور ایسے مطالبوں کے موقعوں پر اُنکے گستاخانہ کلمات کا ذکر کیا گیا ہے.(۳) چنانچہ قرآنِ مجید میں آیت اُتری کہ:

''لقد سمع اللہ قول الّذین قالو آ اِنّ اللہ فقیرو نحن اغنیاء ''(۴)

ترجمہ: 'بے شک اللہ نے اُن لوگوں کا قول سُن لیا ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں'.

یہ کہنے والے یہود تھے اور اُنکا یہ قول بہ طور مضحکہ وتمسخر کے تھا. یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع کے نام سے نواح مدینہ میں آباد تھا یہ زرگروں اور مہاجنوں

---

(۱) عہد نامہ قدیم، کتاب الاحبار/ باب ۲۵: ۳۵-۳۸

(۲) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ ص: ۱۸۹-۱۹۰

(۳) ایضاً / ص: ۱۰۸

(۴) قرآن الکریم، سورۃ آل عمران/ ۳: ۱۸۱

ساہوکاروں کا گروہ تھا، اُنہی نے آیۃ کریمہ من ذاللذی یقرض اللہ قرضا حسنا (۱) سُن کر بہ طور تعریض وتضحیک اس قسم کی بدگوئی شروع کردی تھی۔(۲) ایسی ہی اجتماعی ضرورتوں اور ایثار وفیاضی کے مطالبہ کے موقعہ پر انہوں نے جھنجھلا کر یہ گستاخانہ کلمات بھی کہے، کہ خُدا کو اپنے بندوں کو کاربراری کرنے میں کوئی مجبوری پیش آرہی ہے (اور معاذ اللہ کسی نے اُس (خُدا) کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں) اس لئے مخلوق سے مدد لینے کی ضرورت پیش آگئی:(۳)

"وقالت الیھود یداللہ مغلولۃ غلّت ایدیھم ولعنوا بما قالوا – بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشآءُ ۔"(۴)

ترجمہ: 'اور یہود کہتے ہیں کہ خُدا کا ہاتھ بند ہوگیا، ہاتھ اُن ہی کے بند ہو جائیں، اپنے اس کہنے سے یہ ملعون ہوگئے اللہ کے دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے'۔

یہ مسلمانوں کے افلاس پر طنز واستہزاء کی راہ سے ایک فقرہ تھا، محاورہ میں اس سے مراد بُخل وتنگدستی ہوتی ہے۔(۵) روایتوں میں یہ قول صرف دو ہی یہودیوں سے نقل ہوا ہے، لیکن اس سے دلچسپی لینے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے دوسرے لوگ بھی رہے، اسی لئے یہ قول منسوب افراد ہی کی جانب نہیں بلکہ فرقہ کی جانب کردیا گیا۔(۶)

تاریخ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جب کسی قوم پر غلامی کی حالت میں صدیاں گزر جاتی ہیں تو اُسکی زبوں حالی اور پستی کی حدود یہیں ختم نہیں ہو جاتیں کہ وہ مفلس وبدحال ہوں اور کاہل و پریشان حال، بلکہ اُنکے قوائے عملی کی خرابی سے زیادہ اُن کے قوائے دماغی بیکار، مضمحل اور ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اُن میں ہمت وشجاعت مفقود ہو جاتی ہے۔ اور وہ پستی پر ہی قناعت کر لیتے ہیں۔ نا امیدی اُن کا شیوہ ہو جاتا ہے اور ذلت ونکبت کو وہ صبر وقناعت سمجھنے لگتے ہیں۔ اسلئے جب کوئی مصلح یا پیغمبر ورسول اس دماغی وعملی پستی سے نکالنے کے لئے اُن کو پکارتا اور ہمت وشجاعت پر آمادہ کرتا ہے تو یہ ان کے لئے سب سے مشکل اور ناممکل العمل پیغام نظر آتا ہے۔ اور کبھی وہ اس راہ کی سختیوں سے گھبرا کر آپس میں دست وگریباں ہونے لگتے اور کبھی اپنے نجات دہندہ پر شک وشبہ کی نگاہ ڈالنے لگتے ہیں اور اگر اس جدوجہد میں اُنکو کوئی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ وقار اور سنجیدگی سے بھی گزر کر اظہار مسرّت کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر اس راہ میں کوئی آزمائش اور مصیبت کا سوال آپڑتا ہے تو مصلح یا پیغمبر کو الزام دینے لگتے ہیں کہ ہم کو خواہ مخواہ تو نے اس مصیبت میں پھنسایا ہم تو اپنی حالت پر ہی صابرو شاکر تھے۔(۷)

بنی اسرائیل پر حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے فرعون اور مصریوں کی قہر سامانیاں بڑھنے لگیں مختلف حیلوں، ہتھکنڈوں سے فرعون نے اپنا اقتدار قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مصری بڑے بڑے دولت مند تھے، بڑے بڑے ساہوکار تھے، اور یہی سبب فرعونوں کی دولت کا بھی تھا، جسکا تذکرہ آج بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، ایسے سماج میں دولت ہی عظمت کا معیار ہوتی ہے۔ لہٰذا فرعون نے بنی اسرائیل اور گمراہ مصریوں سے کہا کہ اگر موسیٰؑ

---

(۱) قرآن الکریم، سورۃ الحدید/۵۷: ۱۱

(۲) دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص : ۳۷۷

(۳) الازہری، مجیب الرحمٰن قاضی، ڈاکٹر، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' تاج کتب خانہ، محلّہ جنگی قصہ خوانی پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص: ۱۰۸

(۴) قرآن الکریم، سورۃ المآئدہ/۵: ۶۴

(۵) دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص : ۲۱۷

(۶) ایضا

(۷) سیوہاروی، حفظ الرحمٰن مولانا، قصص القرآن، ص: ۴۳۶ مزید دیکھیں: عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دارالشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص: ۲۵

کا ربّ سچا ہے تو آسمان سے سونا چاندی اور کنگن کیوں نہیں برساتا لہٰذا مصری اور بنی اسرائیل فرعون کے اس جاہ وحشمت کے آگے مرعوب ہوگئے۔ یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ سونا چاندی اس دور میں یعنی بارھویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ مبادلے کی کرنسی کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اور مصریوں کی ہندوستان اور اٹلی سے تجارت کے شواہد بھی ملے ہیں، اس دور میں زر وجواہر اور سیم وزر کی فراوانی کے متعلق قارون کا واقعہ بھی مقدّس کتابوں میں ملتا ہے، جس کی خزانے کی کنجیاں مزدوروں کی ایک جماعت اُٹھاتی تھی۔ وہ ہر شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر ہر نگا اس پر رشک کرتی تھی لہٰذا بنی اسرائیل خواہش کرتے ؛'' اے کاش یہ دولت وثروت اور عظمت وشوکت ہم کو بھی نصیب ہوتی''۔(۱)

الغرض بنی اسرائیل نے بالآخر کئی دہائیوں کی اذیتوں کے سہنے کے بعد کنعان پر بزورِ شمشیر قبضہ کرلیا لیکن کتاب استثناء اور مقدّس ودیگر تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کنعان میں داخل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل میں طبقات پیدا ہوگئے تھے۔ اور زمین کی قبائیلی ملکیت سے قطع نظر ذاتی ملکیت کا رواج بھی شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے موسوی شریعت کے احکامات میں جا بجا اس طبقاتی کشمکش اور معاشی تفاوت کو ختم کرنے کی کوششیں نظر آتی ہیں۔ لیکن بنی اسرائیل زراعت کو چھوڑ کر دوبارہ گلہ بانی کی طرف چلے گئے اور انکی معاشی اخلاقیات اپنالیں اور قبائیلی سادگی کی طرف لٹنے کی کوشش کرنے لگے۔ دریائے اُردن کے کنارے کنعان میں بس گئے اور موسوی شریعت چھوڑ گئے۔ مسوی شریعت میں قبائلی طرز زندگی کے موافق دولت کی مشترکہ ملکیت تھی، خداوندی نعمتوں (من وسلوی) کو برابر تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر سات سال بعد قرض دار کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔(۲)

اہلِ یہود کے یہاں سود ممنوع تھا:-

ہم سب سے پہلے عرض کرتے ہیں کہ سود کو ہر ایماندار شخص ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔
افلاطون اور ارسطو بھی 'سود' کو فطرت کے برخلاف شئے گردانتے ہیں؛ ارسطوفین بھی اپنی جانب سے نامنظوری کا اظہار کرتا ہے۔ 'کلاوڈز' میں، کیٹو نے بھی سود کو مسترد کیا ہے۔(دیکھیں 'سائسرو' ڈی آفیسیز، II,xxv)، جیسے سینیسا' اور پلوٹارچ نے مردم کشی (قتل عمد) کے مقابلہ میں سود حاصل کرنے کو زیادہ برا سمجھا ہے۔ چونکہ یونان اور روم کے مصنفین، معاشی سائنس کے بارے کچھ حقائق کم جانتے تھے۔

we have here to consider first, usury as condemned by all honest men. Plato (Laws, v. 742) and Aristotle (Politics, I, x,xi) considered interest as contrary to the nature of things; Aristophanes expressed his disapproval of it, in the "Clouds" (1283 sqq.); Cato condemned it (see Cicero, "De officiis, II, xxv), comparing it to homicide, as also did Seneca (De beneficiis, VII, x) and Plutarch in his treatise against incurring debts. So much for Greek and Roman writers, who, it is true, knew little of economic science. (3)

اس بات کی تصدیق ہمیں سیاسی معاشیات کی کتب سے بھی دستیاب ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دارالشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص:۲۵

(۲) ایضاً/ص:۲۷

(3) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm

2006 by Kevin Knight.

Money- lending at interest was practised throughout ancient times and in terribly harsh forms; yet it was stigmatized by many great men, like Moses, Aristotle, and Cato, who was himslef a usurer, and was condemned by almost all religions. On the coming of Christianity the attack upon it was renewed with redoubled energy in the wrintings of the Church Fathers, and when the Church had firmly established its power it succeeded in getting loans at interest formally prohbibited, in civil as well as in cannon law. the law of Mahomet did the same: "God has permitted sale but forbidden usury", syas the Koran. the true Moslem receives no interest fro money lent, not even from the Christian banker with whom he has deposited it. (Writer has mentioned in it's foot note that) (The Christian babnkers of Cairo kow very well how to take advantage of this from of Moslem piety). (1)

ترجمہ :

سود پر قرض لینے کا رواج دنیا میں قدیم روایات کے تحت چلا آ رہا ہے۔ جبکہ اُسکی چھاپ دنیا کے عظیم انسانوں کے درمیان ہے، جسمیں موسیٰ، ارسطوئل اور کیٹو وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لوگ خود سود خوری میں مبتلاء ہوئے اور انہوں نے تمام مذاہب کو جھٹلایا۔ کرسچیئنٹی (عیسائیت) کے آنے کے بعد کلیساء کے راہبوں کو اس بات پر دوگنا محنت کرنی پڑی کہ جب کلیساء نے اپنا وجود قائم کرنے کے لئے قوانین کی ترتیب دی تو اُس وقت خاصطور سے اس بات کو مدِ نظر رکھا گیا کہ قرض کے لین دین میں سود کی ممانعت پر سختی سے عملدرآمد کرانے کے لئے کلیساء اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے خواہ وہ دیوانی قانون کے ذریعے ہو یا بذریعہ آفاقی قانون (یعنی خدا کا دیا ہوا قانون)۔ محمد ﷺ کا قانون (اس معاملہ) میں یکساں نظر آتا ہے، کہ انکا قرآن کہتا ہے کہ ''خدا نے بیع (خرید وفروخت) کو حلال کیا ہے، جبکہ سود کو حرام قرار دیا ہے''۔ اور سچا مسلمان قرض پر اضافی دولت حاصل نہیں کرتا اور نہ صرف یہ بلکہ وہ آپس میں بہت محتاط رہتے ہیں، حتیٰ کہ ایک نصرانی بنک سے بھی سود کھانا پسند نہیں کرتے۔ اور (نچلے پیرائے میں مصنف لکھتا ہے) قاہرہ (مصر) کے نصرانی بنک مسلمانوں کی اس دیانت داری سے اچھی طرح واقف ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے سودی رقم وصول نہ کرنے سے وہ بنک اپنے لئے کیا فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

درجہ بالا پیرائے میں مصنف کے خیالات سے قطعاً اعراض کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ سود خوری کے معاملہ میں ارسطوئل اور کیٹو کے ساتھ موسیٰ کا لفظ شامل کرنا انتہائی درجہ کی بنیاد پرستی اور عناد پرستی کے مترادف ہے، کیونکہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ موسیٰ خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور نبی Apostle and Prophet تھے۔ اور نبی ہمیشہ ایک ایسی شئے جو نہ صرف شک پیدا کرنے والی ہو بلکہ دنیا میں ظلم وجبریت کو پھیلانے والی ہو کے خلاف اعلانِ جنگ لئے ہوئے آتے ہیں اور جہاں مصنف نے کلیساء کی بقاء کا قانون ذکر کرتے ہوئے خود اظہار کیا ہے کہ:

''سود کی ممانعت پر کہ جب کلیساء نے اپنا وجود قائم کرنے کے لئے قوانین کی ترتیب دی تو اُس وقت خاصطور سے اس بات کو مدِ نظر رکھا گیا کہ قرض کے لین دین میں سود کی ممانعت پر سختی سے عملدرآمد کرانے کے لئے کلیساء اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے خواہ وہ دیوانی قانون کے ذریعے ہو یا بذریعہ آفاقی

---

(1) Gide Charles, *Translated by* Ernest F Row; Principles of Political Economy, George G Harrap & Co.London-1933/P-398

قانون (یعنی خدا کا دیا ہوا قانون) تو ایسی صورت میں موسیٰ علیہ السّلام کا کردار کیا ہونا چاہئے؟'' یہ بالکل کھلی حقیقت ہے، لہٰذا سب سے پہلے تو ہم مصنّف کے اس فقرے کو قطعاً باطل قرار دیں گے اور یہ کہیں گے کہ سودخوری کے الزام میں موسیٰ علیہ السّلام کے نام کو استعمال کرنا یہودیت پر محض عیسائیت کی بالادستی کو برقرار رکھنے کی ایک ناپاک کوشش ہے اور کچھ نہیں. اسی قسم کی دیگر وجوہات ہیں جنکے باعث قرآن کریم نے جو آخری آسمانی کتاب ہے فیصلہ کن بات ظاہر کردی کہ:-

وقالت الیھود لیست النّصری علی شئی ء وقالت النّصری لیست الیھود علی شئیء وھم یتلون الکتب ط

کذلک قال الّذین لا یعلمون مثل قولھم ج فاللہ یحکم بینھم یوم القیمة فیما کانو فیه یختلفون . (۱)

ترجمة: 'یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ کتاب (تورات) پڑھتے ہیں. اسی طرح ان جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں. قیامت کے دن اللہ انکے اس اختلاف کا فیصلہ انکے درمیان کردے گا'.

بارہ تختیوں کا قانون توراۃ:

اسکے علاوہ تاریخ میں یہ بات سب پر عیاں ہے، کہ موسیٰ علیہ السّلام کسی مذہب کو کلعدم کرنے نہیں بلکہ پچھلی شریعتوں کے جاری اور اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے دین پر لوگوں کو مستحکم کرنے آئے تھے. اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام موسیٰ علیہ السّلام کی شریعت کو جاری و ساری رکھنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبعوث کئے گئے تھے. لہٰذا مصنّف کے خیالات میں کسی رسول کا کسی ناجائز شعبہ زندگی سے تعلق کا ظاہر کرنا بذاتِ خود دنیا پرستی کی ایک بدترین مثال ہے. جبکہ اگلی سطروں میں مصنّف خود اپنی ہی تحریر میں سود کی مذہبی ممانعت سے متعلق یہ بات کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ مذہبی پیش رواؤں کے سود کے لین دین پر پابندی بہرحال سود کی ممانعت کے لئے سب سے اوّلین ضرورت ہے، لہٰذا آخری سطروں میں سود کی ممانعت کی مذہبی تصدیق خود مسلم قوانین (آفاقی قوانین) کے مصدّقہ ہونے کی ایک زبردست تائید ہے.

The Law of the Twelve Tables allowed only unciarium fenus, probably one-twelfth of the capital, or 8.33 per cent. A plebiscitum, lex Ganucia, 412 a.u.c. went so far as to forbid all interest whatever, but, at a later period, the Roman law allowed interest at 1 per cent monthly, or 12 per cent per annum. Justinian laid down as a general rule that this maximum should be reduced by half (L. 26, I, c. De usuris, IV, 32). Chaldea allowed interest on loans (cf. Law of Hammurabi, 48 sqq.). No absolute prohibition can be found in the Old Testament; at most, Exod., xxii, 25, and Deut., xxiii, 19, 20, forbid the taking of interest by one Jew from another. (2)

بارہ تختیوں کے قانون نے تو صرف دولت کا 1:12 (بارہواں) حصہ یعنی آٹھ اشاریہ تینتیس فی صد کی اجازت دی تھی. 'لیکس جینوشیا' کی مردم شماری 412a.c.u. نے ہر قسم کے سود کو ترک کرنے کی سفارش کی تھی، لیکن بعد کے دور میں رومی قوانین نے سود پر ایک فیصد شرح کی اجازت دے دی، جو سالانہ ہر ماہ کے حساب سے بارہ فیصد تھی. 'جسٹینیز' نے اس قانون کو گرا کر اسکو انتہائی طور پر آدھا فیصد کروالیا. 'شیلڈیا' قرض پر سود کی اجازت دیتا ہے، (قانون حمورابی) لہٰذا کتب قدیمہ میں سود پر کوئی واضح پابندی نظر نہیں آتی. کہیں کہیں 'اگزاڈیوس' اور 'ڈائٹ' نے ایک یہودی کے دوسرے یہودی سے قرض پر سود وصول کرنے پر پابندی عائد کی تھی.

درجہ بالا پیراگرف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سود کے معاملہ میں ردّ و بدل کافی حد تک اہلِ یہود و نصاریٰ کے یہاں موجود ہے جبکہ یہ بات خود انہیں کے مبصّرین کے یہاں نظر آتی ہے کہ سود پر پابندی بلا کسی اختلاف ہر کتابِ مقدسہ میں موجود تھی. اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ نسخہ عہد نامہ میں اگر ردّ و بدل کیا

---

(۱) قرآن الکریم، سورۃ البقرۃ/۲:۱۱۳

(2) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm 2006 by Kevin

گیا تو اسکی تاریخی حیثیت کیا ہے۔اس کی تحقیق میں انہی مذاہب کے محقق کی زبانی پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم کا سب سے پُرانا عبرانی نُسخہ جس میں توریت، زبور ، اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل شامل ہیں نویں صدی مسیحی کا ہے۔لیکن علماء کی متفقہ رائے یہ کہ مروجہ عبرانی نسخہ ۱۰۰ء سے بلا کسی لفظی تغیر وتبدل کے متواتر نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے تھے؛ بلکہ سچ تو یہ کہ عہد قدیم کے پرانے یونانی نُسخہ کا جو سپٹواجنٹ کہلاتا ہے ۲۵۰ ق م اور ۲۰۰ ق م کے درمیان عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا گیا تھا، یعنی یہ ترجمہ سن ہجری سے ۸۰۰ برس پہلے کا ہے۔دوم یہ کہ ان مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ کتبِ مقدسہ کے بہت سے قدیم ترجمے بھی موجود ہیں، اسلام سے بہت پیشتر عبرانی اور یونانی سے مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ان میں مشہور ترجمے سریانی، لاطینی اور قبطی زبانوں میں ہیں، علما کی رائے ہے کہ یہ ترجمے تیسری صدی مسیحی کے آخری کیئے گئے تھے لیکن سُریانی اور لاطینی ترجموں کا زمانہ ممکن ہے کہ دوسری صدی مسیحی کا ہو۔ان ترجموں کے سب سے قدیم قلمی نسخے جو موجود ہیں پانچویں اور چھٹی صدی مسیحی کے ہیں۔(۱) اب ہم دیکھتے ہیں کہ سود کے پرچار میں یہودیوں کا طریقہ کار کیا رہا ہے۔

For a long time civil law was in agreement with canon law; but as early as the sixteenth century, Germany allowed interest at 5 percent; in France, on the contrary, interest on loans was forbidden until the Decree of 2 and 3 October, 1789. Contemporary laws always consider the loan for consumption as gratuitous in principle, but allow a stipulation for the payment of interest to be added.(2)

ترجمہ: ایک زمانہ تھا جب معاشرتی قوانین آسمانی قوانین کے زیریں آتے تھے،لیکن جوں جوں سولھویں صدی قریب آتی گئی، جرمنی نے (سب سے پہلے) پانچ فیصد سود کی اجازت دی؛ جبکہ دو اور تین اکتوبر سنہ ۱۷۸۹ء کے حکم نامہ سے پہلے تک فرانس میں قرضوں پر سود کی وصولی کی ممانعت قائم تھی۔ اس زمانہ کے عصری قوانین نے ہمیشہ قرضوں کے مصارف کو بلا اجرت اصولوں پر خیال کیا تھا،لیکن سود کی رقوم کی ادائیگی کے موقف کو اسمیں شامل کیا جانے لگا۔

اس پیراگرف سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ان مقدس کُتب میں قوانین فطرت کے زمرے جو کچھ بھی شامل تھا اسمیں معاشرتی اقدار کو سنوارنے کا بندوبست بہت ہی خوب تھا، حتی کہ اٹھارویں صدی تک کہ حالات میں ردّ وبدل فی الواقع موجود تھا تو بہت کم مقدار میں، اسکے برعکس اب اگر ان کتب کا مطالعہ کیا جائے تو ماسوائے انبیاء کے اور روحانی قصوں کے کچھ معاشرتی یا معاشی پہلو جات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں نیٹ پر ملنے والی درجہ بالا بات کہاں تک درست ہے۔اسکے لئے ہمیں یہودیوں کی مذہبی کتب کے مضامین کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ جسمیں پانچ کتب، پیدائش Genesis؛ خروج Exodus؛ احبار Leviticus؛ گنتی Number؛ اور استثناء Deuteronomy بحیثیت بنیادی توراۃ ہیں جو دراصل عہد نامہ قدیم Old Testament کے پہلے پانچ ماخذ ہیں۔

---

(۱) ایل بیون جونز، مسیحی دین کا بیان برائے اہل اسلام- پنجاب رلجس بک سوسائٹی، انار کلی، لاہور ۱۹۵۹ء- جلد دوم/ص:۵۱-۵۲

(2) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm 2006 by Kevin

At the end of every seventh year you are to cancel the debts of those who owe you money. This is how it is to be done. Everyone who has lent money to a fellow-Israelite is to cancel the debt; he must not try to collect the money; the Lord himself has declared the debt cancelled. You may collect what a foreigner owes you, but you must not collect what any of your own people owe you. The Lord your God will bless you in the land that he is giving you. Not one of your people will be poor if you obey him and carefully observe everything that I command you today. The Lord will bless you, as he has promised. You will lend money to many nations, but you will not have to borrow from any; you will have control over many nations, but no nation will have control over you. (1)

'ہر سات سال کے بعد تو چھٹکارا دیا کرنا - اور چھٹکارا دینے کا طریقہ یہ ہو کہ اگر کسی نے اپنے پڑوسی کو کچھ قرض دیا ہو تو وہ اُسے چھوڑ دے اور اپنے پڑوسی سے یا بھائی سے اُسکا مطالبہ نہ کرے کیونکہ خُداوند کے نام سے اِس چھٹکارے کا اعلان ہوا ہے. پردیسی سے تو اُسکا مطالبہ کر سکتا ہے پر جو کچھ تیرا تیرے بھائی پر آتا ہو اُسکی طرف سے دست بردار ہو جانا - تیرے درمیان کوئی کنگال نہ رہے. کیونکہ خُداوند تجھ کو اِس ملک میں ضرور برکت بخشے گا. جسے تو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو قبضہ کرنے کو دیتا ہے. بشرطیکہ تو خداوند اپنے خدا کی بات مانکر اِن سب احکام پر چلنے کی احتیاط رکھے جو میں آج تجھ کو دیتا ہوں. کیونکہ خداوند تیرا خدا جیسا اُس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے تجھ کو برکت بخشے گا اور تو بہت سی قوموں کو قرض دیگا پر تجھ کو اُن سے قرض لینا نہ پڑیگا، اور تو بہت سی قوموں پر حکمرانی کریگا پر وہ تجھ پر حکمرانی کرنے نہ پائینگی.

توراۃ کی درجہ بالا آیت جو کہ پانچویں کتاب استثناء سے ماخوذ ہے، یہ آیات بہت قیمتی ہیں اس بات کے جاننے کے لئے کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالی کی جو نعمتیں نازل ہوئی تھیں انمیں سے ایک نشانی یہ ہے کہ ان آیات میں اس قوم کو احکاماتِ عشرۃ اسی کتاب سے ملے، پھر اس قوم کو غلامی سے نجات کے بعد آبادکاری کا صلہ ملا، اور دنیا میں آنے والے وقت کے مطابق پیشنگوئی بتلائی گئی ہے، اور اس قوم کو کامیابی کی خوشخبری بھی سُنا دی گئی ہے، چنانچہ یہ آیات بتلا رہی ہیں کہ یہودیت میں کامرانی حاصل کرنے کی ابتداء اپنے پڑوسی کا حد درجہ خیال رکھنے سے ہے، اور وہ بھی یوں کہ قرض دے دیا جائے، جس سے اس پڑوسی کی حاجت روائی ممکن ہو سکے گی. اور پھر یہ قرضہ واپس لینے کے لئے کسی زور زبردستی کے بجائے رحم دلی سے بدرجہ اولی اپنے خدا کی رضاء جوئی کے لئے چھوڑ دیا جائے، جس سے چھوڑ دینے والے کی اپنی جان کی خلاصی (ممکنہ گناہوں کی پاداش میں) ممکن ہو سکے گی، جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات مماثلت رکھتی ہے کہ بسہ اوقات کچھ لوگ ملکر کسی قرضدار کی گردن چھڑا دیں، لہذا یہاں بھی یہی بات کہی جا رہی ہے کہ عین ممکن ہو، کوئی اور اُسکا جاننے والا اس قرضدار کی گردن چھڑانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکے. اور یہاں قرض دینے کا مقصد بھی بتلایا جا رہا ہے کہ 'تیرے درمیان کوئی کنگال نہ رہے' کا مطلب یہ ہی ہوا کہ قرض لوگوں میں غربت و افلاس کو ختم کرنے کی ایک نشانی ضرور ہے لیکن اسکا مقصد صاف اور واضح ہونا چاہیے، چنانچہ قرض پر منافع کی جہاں بات آتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح بیان کی گئی ہے.

---

(۱) استثناء/ب۱۵:۲-۶-ص/۱۸۱ بحوالہ ترجمہ: Good News Bible - Today's English Version - United Bible Societies - 146 Queen Victoria Street, London EC4V4BX/7th Edition - 1980/p-170

When you lend money or food or anything else to a fellow-Israelite, do not charge him interest. (1)

'تو اپنے بھائی کو سُود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سُود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے'۔

اب اس آیت میں تو صاف طور پر قرض کو سود پر نہ دینے کا حکم ہے، جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے 'رباء الفضل' کی تفصیل کا شائبہ یہاں موجود ہے، جسکی تفصیل انشاء اللہ اسلامی باب میں آئیگی، یہاں پر اناج کا ذکر یا ایسی شئے کا جو بیاج یعنی گروی رکھوانے پر دی جا سکتی ہو، کے منع کرنیکا واضح حکم موجود ہے۔ لیکن یہاں پر اس سے اگلی آیت جو سود کے کاروبار کو پروان چڑھانے کی کنجی معلوم ہوتی ہے، ہم مسلمانوں کے لئے حیرت انگیز ہے کہ ایسی بے تکی بات قرآنِ کریم یا شریعتِ اسلامی میں کہیں بھی نہیں ملتی؛

You may charge interest on what you lend to a foreigner, but not on what you lend to a fellow-Israelite. Obey this rule, and the Lord you God will bless everything you do in the land that you are going to occupy.(2)

'تو پردیسی کو سُود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا، تا کہ خُداوند تیرا خُدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جنکو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے'۔

اب یہاں ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں ہے کہ ہم یہ ثابت کر سکیں کہ ان بالا آیات میں سے کیا صحیح ہو سکتا ہے، البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ کیا سود کو منع کرنے کے احکام میں کوئی شارع اپنی شریعت میں ایک ہی لحہ میں اپنی ہی آیت کا تنسیخ کرے، جبکہ ہمیں عمیق مطالعہ سے پتہ چلا ہے کہ: یہودیوں میں ایسی کتابیں اس دور میں لکھی گئیں جب قوم پر شدید مایوسیاں طاری تھیں. ہوشیار اور زیرک افراد امید افزا کتابیں تحریر کر کے قدر و منزلت بڑہانے کی غرض سے انہیں بڑی بڑی قدیم شخصیات کی طرف منسوب کر دیتے تھے. حقیقت کچھ نہیں ہوتی تھی. اس ضمن میں یہودی ذہنیت کے انکشاف میں ایک امریکی یہودی دانشور ساڈل ٹپلٹز کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل اور بڑے گہرے اور دور رس نتائج کے حامل ہیں؛ ''ایک شخص دوسرے کو جو سب سے قیمتی تحفہ دے سکتا ہے وہ ہے امید کا تحفہ - ناامیدی بیکسی لاتی ہے. سب لوگوں میں سے صرف یہودیوں نے شکست پر فتح پانے اور مایوسی کو تسخیر کرنے کا گُر پایا ہے، جب سب امیدیں ٹوٹتی نظر آتی تھیں تو ہم نئی امیدیں گھڑ لیتے ہیں''. (۳)

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جہاں تحریفات کا ذکر ملتا ہے تو وہاں اس قسم کی باریک تبدیلیوں سے قوم یہود کو سود کے لین دین کرنے کی ترغیبات شامل کی گئی ہیں. کیونکہ دنیا میں سب سے زیادہ سودی لین دین کا باقاعدہ کاروبار بھی یہود ہی کے یہاں سے ملتا ہے. اس سے پیشتر اسی کتاب استثناء کی اگلی آیات میں پھر وہی بات نصائح کے طور پر ملتی ہے کہ:

---

(۱) استثناء/ب۲۳-۱۹:ص/۱۸۸، بحوالہ: Good News Bible - Today's English Version - United Bible Societies - 146 Queen Victoria Street, London EC4V4BX/7th Edition - 1980/p-170

(۲) استثناء/ب۲۳:۲۰-ص/۱۸۸، بحوالہ: ایضا

(۳) رانا، اسلم، ایڈیٹر ماہنامہ المنذ اہب، جلد ۵، شمارہ ۵، مئی ۱۹۹۳ء، لاہور/ص:۱۳، بحوالہ Dictionary of the Jewish Religion:1979; P-vii

When you lend a man something, do not go into his house to get the garment he is going to give you as security; wait out side and let him bring it to you himself. If he is a poor man, do not keep it overnight; return it to him each evening, so that he can have it to sleep in. then he ill be grateful, and the Lord your God will be pleased with you. (1)

’جب تو اپنے بھائی کو کچھ قرض دے تو گروی چیز لینے کو اُسکے گھر میں نہ گھسنا۔ تو باہر ہی کھڑے رہنا اور وہ شخص جسے تو قرض دے خود گروی چیز باہر تیرے پاس لائے۔ اور اگر وہ شخص مسکین ہو تو اُسکی گروی چیز کو پاس رکھکر سو نہ جانا۔ بلکہ جب آفتاب غروب ہونے لگے تو اُسکی چیز اُسے پھیر دینا تا کہ وہ اپنا اوڑھنا اوڑھکر سوئے اور تجھکو دعا دے اور یہ بات تیرے لیئے خداوند تیرے خُدا کے حضور راستبازی ٹھہریگی‘۔

اس سے یہ بات بھی مماثل اسلام ہوتی ہے کہ قرضخواہ پر ہر قسم کی ہرزا سرائی ہر حال میں خُدا کی ناراضگی کا سبب بنے گی، حتی کہ اُسے قرض پر مہلت دینا اور اُسکی بُرے حالات میں مدد بھی اسلامی نظریات کے منافی نہیں ہیں۔ بلکہ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی باقاعدہ ہدایت کی گئی ہے:

If you lend money to any of my people who are poor, do not act like a money-lender and require him to pay interest. If you take someone's cloak as a pledge that he will pay you, you must give it back to him before the sun sets. becuase it is the only covering he has to keep him warm. What else can he sleep in? When he cries out to me for help, I will anser him because I am merciful.(2)

’اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اُس سے قرضخواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اُس سے سُود لینا۔ اگر تو کسی وقت اپنے کسی ہمسایہ کے کپڑے، گروی رکھ بھی لے تو سورج کے ڈوبنے تک اُسکو واپس کر دینا۔ کیونکہ فقط وہی اُسکا ایک اوڑھنا ہے، اُسکے جسم کا وہی لباس ہے، پھر وہ کیا اوڑھکر سوئیگا؟ پس جب وہ فریاد کریگا تو میں اُسکی سنونگا کیونکہ میں مہربان ہوں۔

اب یہاں یہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ قرض کو سود پر دینے یا قرض پر سود وصول کرنے کی کس درجہ ممانعت ہے، اسی طرح ہر معاملہ میں چونکہ پڑوسی کا خیال رکھا گیا ہے، لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سود ایک طرح کا ظلم ہے، جس کی وضاحت اسلام میں باقاعدہ تعلیم کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ایک عجیب و غریب آیت جو متی کی انجیل میں آئی ہے، درجہ بالا آیت کے مزاج کے برخلاف ہے، جس پر نہ صرف ہمیں حیرت ہے بلکہ یہود و نصاری کے مابین ازلی تفرقات کا پتہ ہمیں چلتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود یہودیت میں سود کی ممانعت پر کھلے دلائل موجود ہیں:

What God Requires:

A person who obeys God in everything and always does what is right,(3)............ He (who) makes loans without charging interest, and cannot be bribed to testify against the innocent. Whoever does these things will always be secure.(4)

’خُدا تم سے کیا چاہتا ہے؟ ایک وہ شخص جو خدا کے احکام کو ہر طرح سے پورا کرتا ہے اور راستی سے رہتا ہے......وہ جو اپنا روپیہ سُود پر نہیں دیتا اور بے گناہ کے خلاف رشوت نہیں لیتا، ایسے کام کرنے والا کبھی جُنبش نہ کھائیگا۔

یہودیوں کے مختلف اہم قبائح کے بیان کے ضمن میں جہاں قرآن کریم میں جو فرمایا گیا ہے،’’ واخذهم الربوٰا وقد نهوا عنه‘‘ (۵)

---

(۱) استثناء/ باب۲۳، ۱۰-۱۳/ ص:۱۸۹، بحوالہ:: Good News Bible - Today's English Version - United Bible Societies - 146 Queen Victoria Street, London EC4V4BX/7th Edition - 1980/p-170

(۲) خروج / باب۲۲، ۲۵-۲۷/ ص:۱۸۹ بحوالہ: ایضاً

(۳) زبور/ باب۱۵، ۲ بحوالہ ایضاً

(۴) ایضاً/ باب۱۵، ۵-۶ بحوالہ: Good News Bible - Today's English Version - United Bible Societies-1980/(1)p-195;(2)p-84(3)p-p-544(4)p-544

(۵) قرآن الکریم، سورۃ النساء/ ۴:۱۶۱ / ملاحظہ فرمائیں: اس آیت کا ترجمہ: اور وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انہیں اُس کی ممانعت کردیگئی تھی۔

یعنی یہودیوں کی جن حرکتوں کی بناء پر، بہت سی حلال چیزوں کو اُنکے حق میں حرام قرار دیا گیا تھا،اُن میں سے ایک قبیح حرکت باوجود ممانعت وحرمت کے سودی لین دین تھا۔(۱) اسکی قباحت میں خود توارۃ کی درج ذیل آیت اپنی تعریف آپ کر رہی ہے کہ:

Jeremiah complains to the LORD:

What an unhappy man I am! Why did my mother bring me into the world? I have to quarrel and argue with everyone in the land. I have not lent any money or borrowed any; yet everyone curses me.(2)

'اے میری ماں مجھ پر افسوس کہ میں تجھ سے تمام دنیا کے لئے لڑاکا آدمی اور جھگڑالو شخص پیدا ہوا! میں نے تو نہ سُود پر قرض دیا اور نہ قرض لیا تو بھی اُن میں سے ہر ایک مجھ پر لعنت کرتا ہے'.

مندرجہ بالا عبارت سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ سود لینے والے کولعنت وملامت کی کرتے تھے، وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُن میں قرض لینا مستحسن اقدام نہ سمجھا جاتا تھا.(۳) بلکہ اس بات سے کہیں زیادہ سخت بات تو آگے آنے والی حزقی ایل کی وہ آیات ہیں، جو قرآن کریم کی آیات جسمیں سود لینا گویا ''اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ'' اور ''سود کے کھانے والے کے لئے ہلاکت'' کے مترادف ہے وہ یہ ہے:

' خُداوند فرماتا ہے کہ مجھے اپنی حیات کی قسم............جو جان گناہ کرتی ہے، وہی مریگی. لیکن جو انسان صادق ہے اور اُسکے کام عدالت و انصاف کے مطابق ہیں. جس نے بُتوں کی قربانی سے نہیں کھایا اور بنی اسرائیل کے بُتوں کی طرف اپنی آنکھیں نہیں اُٹھائیں..........
......اور کسی پر ستم نہیں کیا اور قرضدار کا گرو واپس کر دیا، اور ظلم سے کچھ چھین نہیں لیا. بھوکوں کو اپنی روٹی کھلائی اور ننگوں کو کپڑا پہنایا. سُود پر لین دین نہیں کیا.......خُداوند خُدا فرماتا ہے، وہ یقیناً زندہ رہیگا (۴)..
اور جو ان فرائض کو بجا نہ لائے، بلکہ بُتوں کی قُربانی سے کھائے..............غریب اور محتاج پر ستم کرے ظلم کر کے چھین لے، گرو واپس نہ دے، اور بُتوں کی طرف اپنی آنکھیں اُٹھائے اور گھنونے کام کرے۔ سُود پر لین دین کرے تو کیا وہ زندہ رہیگا؟ وہ زندہ نہ رہیگا.(۵)
....اور کسی پر ستم نہ کرے، گرو نہ لے اور ظلم کر کے کچھ چھین نہ لے بھوکے کو اپنی روٹی کھلائے اور ننگے کو کپڑے پہنائے، غریب سے دستبردار ہو اور سود پر لین دین نہ کرے پر میرے احکام پر عمل کرے اور میرے آئین پر چلے وہ اپنے باپ کے گناہوں کیلئے نہ مریگا، وہ یقیناً زندہ رہیگا.(۶)

مندرجہ بالا عبارات از خود یہ بات واضح کر رہی ہیں کہ: اہل یہود پر سودی لین دین نہ صرف حرام بتلایا گیا ہے بلکہ اُس شخص کو مُردہ تصوّر کیا گیا ہے، جو سودی لین دین کرتا ہو، گویا یہ قبیح فعل اُس قوم کے لئے ہلاکت کا ہی باعث ہوگا. دیگر یہ کہ سود کو ''ظلم'' ہی سے تشبیح دی گئی ہے. چنانچہ مذہب اسلام میں جن معنی میں سود کی ممانعت کا ذکر آگے آرہا ہے وہ بھی درجہ بالا آیات کے عین مطابق ہی ہیں، لہٰذا اس بات سے یہ مشہور بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اہل یہود ہی نے سود پر اُترنے والی آیات پر مخالفت اسلام کیوں کی تھی، جبکہ اگر دیکھا جائے تو اسلامی نظریات میں توحید کے بعد جو بڑا پہلو حلال وحرام کی تمیز کے بارے میں مصدّق ہے، وہ کہیں قدرِ مشترک اہل یہود کی کتب میں موجود ہے. پھر بھی اگر اسلام کی مخالفت کا حساب لیا جائے تو یہود نے ہی سب سے زیادہ مخالفت کو جنم دیا حتی کہ اس مخالفت کے نتیجہ میں وہ خود کلام الٰہی سے روگرداں ہو کر رہ گئے.

---

(۱) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی نمبر۲، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص:۷۵

(۲) یرمیاہ/ب۱۵:۱۰/ مزید دیکھیں انگلش ترجمہ بحوالہ: Good News Bible - Today's English Version - United Bible Societies-1980/p-748;

(۳) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص:۷۶

(۴) حزقی ایل/ب۱۸:۳-۹/ کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۸۰ء/ص۷۹۴

(۵) ایضاً/ب۱۸:۱۱-۱۳

(۶) ایضاً/ب۱۸:۱۶-۱۷

عیسائیت میں ربا ء کی حیثیت

مسلمانوں سمیت تمام مذاہب اہل کتب کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرتِ مسیح علیہ السلام بطنِ مادر سے اس دنیا میں جس شریعت کو لیکر تشریف لائے تھے، اسمیں پچھلی شریعت یعنی موسوی شریعت کی تنسیخ نہ تھی بلکہ اُسی شریعت پر کاربند رہتے ہوئے اپنے دور کے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت الٰہیہ سے مانوس کرانا تھا، چنانچہ عیسائیت میں بھی سود کی قطعی ممانعت وارد ہوئی تھی اور نہ صرف یہ بلکہ تورات میں حرمتِ سود کے متعلق جتنے احکامات وارد ہوئے تھے وہ سب کے سب نصرانیت کے لئے بھی یکساں قابلِ عمل تھے.(۱) جیسا کہ ایک موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اسکا خلاصہ بائبل کی درجہ ذیل آیت بخوبی پیش کر رہی ہے:

Teaching about the Law:

Do not think that I have come to do away with the 'Law of Moses' and the teachings of the prophets. I have not come to do away with them, but to make their teachings come true.(2)

'قانون سے متعلق تعلیمات؟ یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں.'

یہودیت و نصرانیت میں سود کی حُرمت کے یکساں قوانین

چنانچہ یہ بات تو طے ہوگئی کہ کوئی بھی حُکم جو بنی اسرائیل پر اُتارا گیا تھا وہ نصرانیوں کے لئے بھی اُسی طرح قابلِ عمل تھا. لہٰذا سود کی حُرمت تو محض اس دلیل سے پوری ہوجاتی ہے، لیکن اتمام حجت کے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ نصرانیت کی کتب مقدسہ جو اناجیل اربع اور چند خطوط پر منضبط کتابوں کا ایک جزو ہے، میں مزید کیا احکامات برائے حُرمتِ سود اتاری گئی ہیں.

اس سلسلے کی پہلی آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نصرانیت کی تربیت بھی بڑے پیمانے پر امن و آشتی کے پیغام سے کی گئی تھی:

If you love only the people who love you , why should you receive a blessing? Even sinners love those who love them! and if you do good only to those who do good to you, why should receive a blessing? Even sinners do that! And if you lend only to those from whom you hope to get it back, why should you receve a blessing? Even sinners lend to sinners, to get back the same amount! No! love your enemies and do good to them; lend and expect nothing back. You will then have a great reward.....(3)

'اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، اور اگر تم اُن ہی کا بھلا کرو جو تمہارا بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اور اگر تم ان ہی کو قرض دو جن سے وصول ہونے کی امید رکھتے ہو تو تمہارا کیا احسان؟ گنہگار بھی گنہگاروں کو ہی قرض دیتے ہیں، تاکہ پورا وصول کرلیں مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر امید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا.'

درجہ بالا آیات اس بات کی غمازی کررہی ہیں کہ عیسائیت، یہودیت کی اُن پالیسیوں کے خلاف اپنی قوم کو متنبہ کررہی ہے جو ان جیسے اعمال سے بچ سکیں کہ وہ:

۱- محبت و بھائی چارگی کا درس نہ صرف اپنے دوست سے بلکہ اپنے اجنبی سے بھی رکھے جو کہ دوست نہ ہو!

۲- یعنی ایسے لوگوں کو قرض دینا جن سے وصول تو ہر حال میں ممکن ہے، یعنی امیر لوگ، تو گویا یہ کوئی کمال نہیں ہے، اور اگر کوئی کسی غریب پر ترس کھا کر اُسے بغیر کسی زیادتی کے لالچ میں اگر قرض دے گا تو وہ اسکا بہترین اجر پائے گا! اگر ہم غور کریں تو آج بینکنگ

---

(۱) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص:۷۷

(۲) متی/باب ۵: ۱۷-۱۸ مزید حوالہ دیکھیں: The Holy Gospel,The New Testament, United Bible Societies;Aistralia;study edition, 2001/p-15

(۳) لوقا / باب ۶: ۳۲-۳۵ مزید حوالہ دیکھیں: ibid/p-218

کے نظامِ قرض میں انجیل کی اسی ایک آیت کی سخت مخالفت ہورہی ہے، کہ بینک صرف اُس مالدار کو قرض دیتا ہے، جو بینک کو دولت تو واپس کرہی دیتا ہے، لیکن اکثریت انمیں ایسی ہی ہے جو وہ رقوم ہضم کر جاتے ہیں، دیگر یہ کہ امیر کو اپنی امارت بڑھانے کا اگر کوئی ذریعہ بڑا اور آسان ہو تو بینک ہی کے قرضوں کی ایک شکل ہوا کرتی ہے. جبکہ کلیساؤں کے پُرانے قوانین پر بھی اگر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ قرض دینے کو اوّل یوم سے ہی بطورِ نیکی و جزائے خیر کے تصور سے غرباء کی کفالت کا زمہ سمجھا جاتا تھا.

In the Christian era, the New Testament is silent on the subject; the passage in St. Luke (vi, 34, 35), which some persons interpret as a condemnation of interest, is only an exhortation to general and disinterested benevolence. A certain number of authors, among them Benedict XIV (De synodo diocesana, X., iv, n. 6), believed in the existence of a Patristic tradition which regarded the prohibitory passages of Holy Scripture as of universal application Examination of the texts, however, leads us to the following conclusions: (1)

مسائیت کے شعبہ میں، کتب جدید اس موضوع پر خاموش نظر آتی ہے. صرف سینٹ لیوک کے پیراگراف میں (حوالہ نمبر: vi,34,35) میں چند افراد کی یہ توجیح ملتی ہے کہ سود سے انکار صرف ایک عمومی نیکی تو ہو سکتی ہے لیکن فلاحی مقصد سے عاری ہے. چند مصنفین نے، جنمیں سے بینیڈکٹ {XIV (De Syndo dioscesana, X.,iv,n.6)} جو حب الوطنی سے بھرپور معاشرت کے وجود پر یقین رکھتے ہیں، جو صحف مقدسہ کے پیراگرف سے ماخوذ پوری دنیا میں ممانعت کی غرض سے موجود ہیں. البتہ اس پیرائے پر غور و فکر ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ: چوتھی صدی عیسوی تک کے فادر اور مصنفین کتب مقدسہ کے نزدیک، غرباء و مساکین (ضرورتمندوں) سے سود کا تقاضہ کرنا انسانیت کے خلاف بے رحمی و سنگدلی گردانی جاتی تھی.

یہاں یہ نقطہ قابلِ ذکر ہے کہ کسی چیز کو تبدیل کرنے کے لئے آدمی کو اس کا علم ہونا چاہئے. اپنے عمل کے ذریعے انسان نہ صرف اُن چیزوں کو بدلتا ہے جو اُسکی سرگرمیوں کا موضوع ہوتی ہیں بلکہ وہ اپنے مقاصد، خواہشات اور مفادات کو بھی بروئے کار لاتا ہے. لہٰذا انسانی سرگرمی میں خارجی علم، ضروریات اور مفادات سب اکٹھا ہو جاتے ہیں. لیکن جن طریقوں سے یہ یکجا ہوتے ہیں وہ مختلف ہو سکتے ہیں کیونکہ انسانوں کے مفادات ایک دوسرے سے الگ اور بعض اوقات تو متضاد تک ہوتے ہیں. (۲) لہٰذا ایسی صورتحال میں یہ بات بعید از امکان نہیں ہے کہ سود کے لاگو کرنے کے مختلف ذرائع میں فلسفہ کے ماہرین کا سہارا بہت بڑا سہارا ثابت ہوا تھا.

usury as condemned by all honest men. Plato (Laws, v. 742) and Aristotle (Politics, I, x,xi) considered interest as contrary to the nature of things;

Aristotle disapproved of the money trader's profit; and the ruinous rates at which money was lent explain his severity. On the other hand, the Roman and Greek laws, while considering the mutuum, or loan for consumption, as a contract gratuitous in principle, allowed a clause, stipulating for the payment of interest, to be added to the bond.

A plebiscitum, lex Ganucia, 412 a.u.c. went so far as to forbid all interest whatever, but, at a later period, the Roman law allowed interest at 1 per cent monthly, or 12 per cent per annum. Justinian laid down as a general rule that this maximum should be reduced by half (L. 26, I, c. De usuris, IV, 32). Chaldea allowed interest on loans (cf. Law of Hammurabi, 48 sqq.). No absolute prohibition can be found in the Old Testament; at most, Exod., xxii, 25, and Deut., xxiii, 19, 20, forbid the taking of interest by one Jew from another. (3)

---

(1) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm
2006 by Kevin Knight. [accessed on 7th December,2006]

(۲) ولادیسلاف کیلے ماتوے کوائزون، تاریخی مادیت، ترجمہ، بیگ، مرزا اشفاق، سٹی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی-ے۲۰۰ء/ص:۲۰

(3) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm
2006 by Kevin Knight. [accessed on 7th December,2006]

سود کو ہر ایماندار شخص ناپسندیدہ قرار دیتا ہے، افلاطون اور ارسطو بھی 'سود' کو فطرت کے برخلاف شئے گردانتے ہیں: ارسطوفین بھی اپنی جانب سے نامنظوری کا اظہار کرتا ہے۔ ارسطو پیسہ پر تجارت کی نفی کرتا ہے، اور اسکی سنگین نوعیت کے اظہار کے لئے قرض کے عوض حاصل شدہ پیسہ کو تباہ کن معیار بتلاتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب رومن اور یونانی قوانین 'قرض برائے مقاصد ضروریہ' پر بحث کرنے بیٹھے تو خیال کیا گیا کہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو اصولی طور پر بطور بخشش یعنی بلا اُجرت حاصل ہونے والا پیسہ ہے، جو سود کی رقوم کو شرطیہ ادائیگی کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے باٹمزی اجرا کو جواز قائم کرتا ہے۔ 'لیکس جینوشیا' کی مردم شماری a.c.u 412 نے ہر قسم کے سود کو ترک کرنے کی سفارش کی تھی، لیکن بعد کے دور میں رومی قوانین نے سود پر ایک فیصد شرح کی اجازت دے دی، جو سالانہ ہر ماہ کے حساب سے بارہ فیصد تھی۔ 'جسٹینیز' نے اس قانون کو گرا کر اسکو انتہائی طور پر آدھا فیصد کروایا۔ 'شیلڈیا' قرض پر سود کی اجازت دیتا ہے، (قانون ہموربی) لہذا کتب قدیمہ میں سود پر کوئی واضح پابندی نظر نہیں آتی۔ کہیں کہیں 'آ گزاڈیوس' اور 'ڈائٹ' نے ایک یہودی کے دوسرے یہودی سے قرض پر سود وصول کرنے پر پابندی عائد کی تھی۔

ایسی صورت میں اہل کتاب نے اپنی کتب میں تحریفات کا جو ڈھنگ اپنایا ہے وہ عمومی اذہان انسانی کی پہنچ سے بہت دور ہے۔ لہذا اہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہودی شریعت میں سود حرام قرار دیا گیا تھا، لیکن 'اپنے بھائی کے علاوہ کو سود پر قرضہ دینے' کو اپنے لئے حلال قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح گو کہ عیسائیت میں بھی سود کو انتہائی درجہ نفرت سے دیکھا ضرور گیا ہے، لیکن کیا کہیے گا اگر ہم متی کی درج ذیل آیات کو دیکھ لیں تو بات سمجھ میں آ جائے گی، دونوں مذاہب یعنی یہودیت وعیسائیت میں روحانیت کا ڈھونگ تو عروج پر ہے، مگر اسکے ساتھ ساتھ احکاماتِ الٰہیہ میں تبدیلیاں بھی ایسے عروج پر پہنچا دی گئی ہیں کہ اس دور میں انکی پہچان ممکن ہی نہیں کہ آخر انکا مذہبی پیرا مسیح کیسے انہیں مزید سود جیسی لعنت میں مبتلا ہونے کا از خود مشورہ دے سکتا ہے:

The Parable of the Three Servants:

At the time the 'Kindom of heavens will be like this.' Once there was a man who was about to leave home on a trip; he called his servants and put them in charge of his property. He gave to each one according to his ability:to one he gave five thousand gold coins, to another he gave two thousand, and to another he gave one thousand. Then he left on his trip. - The servant who had received five thousand coins went at once and invested his money and earned another five thousand. In the same way the servant who had received two thousand coins earned another two thousand. But the servant who had received one thousand coins wen off, dug a hole in the ground, and hid his master's money. - After a long time the master of those servants came back and settled accounts with them. The servant who had received five thousand coins came in and handed over the other five thousand. 'You gave me five thousand coins, sir' , he said: 'Look! Here are another five thousand that I have earned'. Well done, you good and faithful servant!, said his master. 'You have been faithful in managing small amounts, so I will put you in charge of large amounts. Come on in and share my happiness!' . Then the servant who had been given two thousand coins came in and said, 'You gave me two thousand coins, sir. 'Look! Here are another two thousand that I have earned'. 'Well done, you good and faithful servant! said his master. You have been faithful in managing small amounts, so I will put you i charge of large amounts. Come on in and share my happiness!. Then the servant who had received one thousand coins came in and said, 'Sir, I know you are a hard man; you reap harvests where you did not plant, and you gather crops where you did not scatter seed. I was afraid,k so I went off and hid your money in the ground. Look! Here is what belongs to you'.

You bad and lazy servant! his master said. 'You knew, did you, that I reap harvests where I did not plant, and gather crops where I did not scatter seed?' Well, then, you should have deposited my money in the bank, and I would have received it all back with interest when I returned. Now, take the money away from him and give it to the one who has ten thousand coins. For to every person hwo has some thing, even more will be given, and he will have more than enough; but the person who has nothing, even the little that he has will be taken away from him. As for this useless servant - throw him outside in the darkness; there he will cry and gnash his teeth.'(1)

---

(1) متی/ باب ۲۵: ۱۴-۳۰/ ص: ۲۹- مزید حوالہ دیکھیں: The Holy Gospel,The New Testament, United Bible Societies;Aistralia;study edition, 2001/P-94

'کیونکہ یہ اُس آدمی کا سا حال ہے جس نے پردیس جاتے وقت اپنے گھر کے نوکروں کو بُلا کر اپنا مال اُنکے سپرد کیا اور ایک کو پانچ توڑے دیئے،
(یہاں پر انگریزی ترجمہ کے مطابق ۵ توڑے ۵۰۰۰ رقم بنتی ہے) اور ایک کو پانچ توڑے دیئے، دوسرے کو دو اور تیسرے کو ایک یعنی ہر ایک کو اُسکی
لیاقت کے مطابق دیا اور پردیس چلا گیا جسکو پانچ توڑے ملے تھے اُس نے فوراً جا کر اُن سے لین دین کیا اور پانچ توڑے اور پیدا کر لئے، اسی طرح
جسکو دو ملے تھے اُس نے بھی دو اور کمائے مگر جسکو ایک ملا تھا اس نے جا کر زمین کھودی اور اپنے مالک کا روپیہ چھپا دیا۔ بڑی مدت کے بعد اُن نوکروں
کا مالک آیا اور اُن سے حساب لینے لگا۔ جسکو پانچ توڑے ملے تھے وہ پانچ توڑے اور لیکر آیا اور کہا اے خُداوند! تو نے پانچ توڑے مجھے سپرد کئے
تھے دیکھ میں نے پانچ توڑے اور کمائے۔ اُسکے مالک نے اُس سے کہا اے اچھے اور دیانتدار نوکر شاباش! تو تھوڑے میں دیانتدار رہا میں تجھے بہت
چیزوں کا مختار بناؤنگا اپنے مالک کی خوشی میں شریک ہو اور جسکو دو توڑے ملے تھے اس نے بھی پاس آ کر کہا اے خداوند تو نے دو توڑے مجھے سپرد
کئے تھے: دیکھ میں نے دو توڑے اور کمائے۔ اُسکے مالک نے اُس سے کہا اے اچھے اور دیانتدار نوکر شاباش! تو تھوڑے میں دیانتدار رہا۔
میں تجھے بہت چیزوں کا مختار بناؤنگا اپنے مالک کی خوشی میں شریک ہو۔ اور جسکو ایک توڑا ملا تھا وہ بھی پاس آ کر کہنے لگا اے خداوند میں تجھے جانتا تھا
کہ تو سخت آدمی ہے اور جہاں نہیں بویا وہاں سے کاٹتا ہے اور جہاں نہیں بکھیرا وہاں سے جمع کرتا ہے۔ پس میں ڈرا اور جا کر تیرا توڑا زمین میں
چھپا دیا دیکھ جو تیرا ہے وہ موجود ہے۔ اُسکے مالک نے جواب میں اُس سے کہا اے شریر اور سُست نوکر! تو جانتا تھا کہ جہاں میں نے نہیں بویا وہاں
سے کاٹتا ہوں، اور جہاں میں نے نہیں بکھیرا وہاں سے جمع کرتا ہوں پس تجھے لازم تھا کہ میرا روپیہ ساہوکاروں کو دیتا تو میں آ کر اپنا مال سُود سمیت
لیتا۔ پس اس سے وہ توڑا لے لو اور جسکے پاس دس توڑے ہیں اُسے دیدو۔ کیونکہ جسکے پاس نہیں ہے، اُس سے وہ بھی جو اُسکے پاس ہے لے لیا جائیگا۔
اور اس نکمے نوکر کو باہر اندھیرے میں ڈال دو وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا'۔

درجہ بالا آیات کا بظاہر ایک ہمدردانہ رویّہ سے آغاز ہوتا ہے لیکن وہ خداوند جو کہ 'آدمی' بھی ہے اور سریحاً اس بات کا اظہار بھی کرتا ہے، کہ قرض یا بخشش پر منافع جو کہ اصلاً 'سود' ہے وہ مالک یا خداوند کا حصّہ ہے۔ جبکہ ان آیات پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو سرمایادارانہ نظام معیشت یعنی **Capatilism** سمیت اشتمالیت یعنی **Communism** کی بھی بو محسوس ہوتی ہے کیونکہ یہاں پر خود اُنکا خداوند 'سود کھانے کا متلاشی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ پیسہ والوں کو نوازنے اور غریبوں کا استحصال کرنے کے بھی در پہ ہے، جو یقیناً معاشرے کے لئے ایک ناسور نظام کی بنیاد ہے، جسکے لئے ہم سر دست یہ بات کہہ سکتے کہ سرمایادارانہ اور اشتراکیت یا اشتمالیت پر مبنی نظام معیشت کہاں سے انسانی اذہان میں اُترنا شروع ہوئے، اور اگر یہ آیات بائبل میں قبل از اسلام داخل ہو چکی تھیں تو پھر ایک نہ ایک دن ایسا آنا ہی تھا کہ درجہ بالا نظامہائے معیشت وسیاست بالضرور انسانی حیات وبقاء میں اپنے پنجے گاڑ لیتی جسکا اظہار سولھویں صدی عیسوی سے ہو چکا تھا، لیکن ہمیں یہ بھی خوشی ہونی چاہیے کہ فی زمانہ لوگوں کی معلومات عامہ کے علاوہ ہر خص وخاش کو اسلام کی حقانیت کا علم بھی ہو چکا ہے، چنانچہ یہ بات اس اکسویں صدی میں سب پر عیاں ہو چکی ہے کہ اشتراکیت، اشتمالیت تو روس جیسے سُپر پاور مملکت میں بھی اپنا دم توڑ چکی ہے، رہ گئی سرمایہ داری کی معیشت وسیاست، تو یہ محض بے ضرر نہیں بلکہ چھپے روستم کی مانند مسلم اذھان میں اپنا گھر کر چکنے کے بعد محض سود خوری کے لئے کی راہ ہموار کرتی چلی آ رہی ہے۔ الغرض یہ معاملہ جوں کا توں رہے گا اگر ہم اس بات کی تحقیق نہ کریں کہ آج جو مذہب سے دور معاشی سیاست کا نظام **Political Economy System** ہمارے درمیان رائج ہے تو کیا وہ اسلام سے کوئی مماثلت رکھتا ہے اور اگر نہیں رکھتا تو مخالفت تو ضرور رکھتا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ یہ کسی اور مذہب سے بھی مخالفت رکھتا ہے یا نہیں، اگر نہیں رکھتا ہوگا تو یقنی بات یہ ہے کہ یہ کسی نہ کسی غیر اسلامی مذہب سے موافقت ضرور رکھتا ہوگا۔ جیسا کہ درجہ بالا آیات یہ بتلا رہی ہیں کہ نصرانیوں کی مقدس کتاب خواہ انجیل ہو یا یہود کی مقدس کتاب توراۃ ہو، دونوں میں 'سود' کے حوالے سے ابتک جو آیات سامنے آئی ہیں، وہ مباحث مجادلہ بالقرآن ناگزیر ہو گئی ہیں، یعنی وہ باتیں جو فطرت کے عین خلاف ہوں انکے لئے اسلام کا دعوہ ہے کہ اسلام ہی نے ایک بات کو اگر صریح بیان کیا ہے تو دوسرے کسی کو ناحق 'قطع' نہیں کیا بلکہ اپنے دلائل کو کھول کر اور انتہائی واضح انداز سے بیان کیا ہے: جبکہ اسکے برخلاف بقیہ اہل کتب سماوی نے تحریفات کی جو انتہاء کی ہے اسکی واضح دلیل یہ ہے کہ ان کتب میں اپنی جانب سے نت نئے تجربات کے ذریعے فطرت سے ہٹ کر معیشت و معاشرت کا نظام چلانے کی ترکیبیں جمع کر دی ہیں حتیٰ کہ لکیر کی فقیر اقوام نے اس کو بخوشی اپنا ہی لیا کہ وہ اُسی گھسے پٹے فارمولے پر اپنی معیشت کو سنوار رکھیں گے کہ جسمیں 'غریب کا استحصال' ہوتا ہو اور 'امیر کو بانٹو' کا اہتمام۔ جس کے لئے کوئی شک نہیں کہ روسائے روم جو اپنے وقت کی بڑی قوی سلطنت تھی کی

اور اپنی مقننہ پر مذہب سے علیحدہ نازاں تھی کی اقوام میں بھی یہ مرض سرائیت کر گیا ہے۔ جسکا حال سرہنی سمز مین رقمطراز ہیں کہ "ابتدائی زمانہ میں قانون، اور اسکے ساتھ تمدن کو جو قانون ہی سے قائم رہتا ہے، دو مخصوص خطرات پیش آنے کا اندیشہ لگا رہتا ہے، اوّل یہ کہ قانون میں ضرورت سے زیادہ عجلت کے ساتھ ترقی ہو جائے۔ یہ حالت یونان کی بعض ترقی یافتہ جماعتوں کے مجموعہ ہائے قوانین کی ہوئی، ان جماعتوں کے ضوابط کی گراں بار صورتوں اور بے کار اصطلاحات کے بوجھ سے حیرت انگیز آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو سبکدوش کر لیا اور سخت قواعد اور ان کے مراسم کا جاہلانہ وقعت سے دست بردار ہو گئیں لیکن یہ طریقہ بلا آخر نوع انسانی کے لئے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوا۔(۱) دوم وہ خطرہ جو قوموں کو آغاز تمدن میں پیش آتا ہے، نوع انسان کے بڑے حصے کی ترقی میں مانع اور مزاحم ثابت ہوا ہے۔ قدیم قوانین کی اس سختی نے، جو خاص طور سے مذہب کے اختلاط اور اثر سے پیدا ہوئی، انسانوں کی بڑی جماعت کو انہیں خیالات زندگی اور طرز عمل میں جکڑے رکھا جو اس وقت تھے، جب کے اُن کے رسم و رواج باضابطہ شکل اختیار کر رہے تھے۔(۲) قدیم علم ادب میں، بہت کم پایوں کہو کہ مطلق اس عقیدہ کا پتہ نہیں چلتا کہ تمدن کی حالت لازمی طور سے خرابی سے بہتری کی طرف مائل ہے(۳) یا نہیں۔ یہ ان مفرضات کے بالکل متضاد ہے، جس پر قدیم اصول مبنی تھا، یا یوں کہو کہ یہ ایسے دو اصول کو ایک جگہ جمع کر دینا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ رجحان کے کامل نمونوں کی تلاش، بجائے زمانہ گزشتہ کے زمانہ آیندہ میں ہونی چاہیے، دنیا میں عیسائیت نے پیدا کیا۔(۴) وہ تعلیم جس سے سینکڑوں سال قبل ان غلطیوں کی اصلاح ہو سکتی تھی جو محض قدامت پسند قانون پر لحاظ کرنے کی وجہ سے ہوتی تھی، وہ مذہبی تعلیم ہی تھی۔ اور یونانی مذہب، اس زمانہ کے مفہوم کے مطابق، خیالی افسانوں کا مجموعہ تھا۔ مشرقی مذاہب پر اگر کبھی توجہ بھی کی جاتی تھی تو وہ آفرینش عالم کے بیکار مباحث میں مبتلا نظر آتے تھے۔ قدیم کتابوں میں اگر کوئی کتاب پڑھنے کے قابل سمجھی جاتی تھی تو وہ یہودیوں کی قدیم تاریخ تھی، لیکن اسکے پڑھنے میں اس زمانہ کا تعصب مانع تھا۔ روسو اور والٹیر کا فلسفہ جن مختصر اور چند امور میں متفق تھا انہیں میں تمام مذہبی قدامتوں اور سب سے زیادہ یہودیوں کے مذہب کی بے وقعتی شریک تھی، یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اُس زمانہ کے دلیل کرنے والے یہ کہنا موجب فخر سمجھتے تھے کہ قوانین موسوی آسمانی قوانین نہ تھے۔ اور نہ اُس زمانہ میں مرتب ہوئے جس میں انکا مرتب ہونا بیان کیا جاتا ہے، بلکہ وہ اور نیز توریت کی اوّل پانچ کتابیں محض جعلی تھیں جو قید سے واپسی کے بعد تیار کر لی گئی تھیں۔(۵) درجہ بالا بحث سے ہمیں جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مذہبی تعلیمات میں کمی یا تحریف کے باعث روم جیسی بڑی سلطنت کو قوانین سازی کرنے میں مذہب یہود یا نصرانیت سے کوئی سروکار اس لئے نہیں رہا تھا کہ ان ہی مذاہب کے ماننے والے ان مذاہب کی کتب ہی کو سر دست جھوٹ پر مبنی یا تحریف شدہ سمجھتے تھے۔ لہذا سود پر پابندی جیسے کڑے قانون کی ایسے معاشرے میں کیسے وقعت ہو سکتی تھی چنانچہ انجیل سازی کرنے میں مذہب یہود یا نصرانیت سے کوئی سروکار اس لئے نہیں رہا تھا کہ ان ہی مذاہب کے ماننے والے ان مذاہب کی کتب ہی کو سر دست جھوٹ پر مبنی یا تحریف شدہ سمجھتے تھے۔ لہذا سود پر پابندی جیسے کڑے قانون کی ایسے معاشرے میں کیسے وقعت ہو سکتی تھی چنانچہ انجیل مقدس کے ابواب میں 'خداوند' کے الفاظ پر اب کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آیا خداوند خود بھی توڑے کے بدلے سود لینا چاہتا ہو؟ ہم اس تحقیق میں کہ یہود و نصاریٰ کی تاریخ خود کتنی سچی ہے، ہر جانب سے نظر دوڑا کر دیکھنے کی کوشش جاری رکھیں گے، کہ تمام باتوں کا حل ہمیں ایک کسی بہتر نتیجہ پر لے آئیگا۔ مزید یہ دیکھتے ہیں کہ قوانین فطرت کو مذہب سے دوری کی اور کونسی وجوہات پیش نظر آ سکتی تھیں؛

(۱) سر مین، سر ہنری، قدیم قانون، ترجمہ علی، مسعود مولوی، ادارۃ الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، انڈیا- ۱۹۳۲ء/ص:۵۹

(۲) ایضاً/ص:۶۰

(۳) ایضاً/ص:۵۸

(۴) ایضاً/ص:۶۰

(۵) ایضاً/ص:۶۹

اس ضمن میں ہمیں پھر نیٹ ڈاؤن لوڈنگ کے آرٹیکلز کا سہارا لینا پڑ رہا ہے جو کہ ہمارے نزدیک فی الوقت عصری معلومات کا تقاضہ پورا کر رہی ہیں:

Until the fourth century all that can be inferred from the Fathers and ecclesiastical writers is that it is contrary to mercy and humanity to demand interest from a poor and needy man. The vehement denunciation of the Fathers of the fourth and fifth centuries were called forth by the moral decadence and avarice of the time, and we cannot find in them any expression of a general doctrine on this point; nor do the Fathers of the following centuries say anything remarkable on usury; they simply protest against the exploitation of misfortune, and such transactions as, under the pretence of rendering service to the borrower, really threw him into great distress. (1)

'چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کے فادرز (پادریوں) کی جانب سے سود لینے کی پرزور ملامت کرنے پر اس دور کے پسماندہ ذہنیت اور دولت کے پجاریوں کے زیر اثر یہ کہلوادیا کہ: ہم اس معاملہ میں نہ تو کلام صحف سے کوئی خاص بات پاتے ہیں اور نہ ہی اگلے دور کے فادرز نے سود پر کوئی خاص بات کہی. بلکہ انہوں نے بدنصیبی پر واویلا مچانے والوں کے خلاف بہت سادہ انداز میں ایک احتجاج کیا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ تو مقروض کی خدامات کے عوض (سود وصول نہ کرنا) ظاہری طور پر اسکو (قرض خواہ کو) بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دینے کے مترادف ہے'.

اور پھر اسکو قانونی حیثیت دینے کی سعی ملاحظہ کیجئے:

The question of moderate rates of interest seems scarcely to have presented itself to their minds as a matter of discussion. The texts bearing on the question are collected in Vermeersch, "Questiones morales de justitia" II, n. 359. The councils condemned in the first place clerics who lent money at interest. This is the purpose of the 44th of the Apostolic Canons; of the Council of Arles (314), and of the 17th canon the First Council of Niceaea (325). It is true that a text of the Council of Elvira (305 or 306) is quoted which, while ordering the degradation of clerics, would also have punishment inflicted on laymen, who obstinately persisted in usurious practices; but the mention of layman is of extremely doubtful authenticity. It may then be said that until the ninth century canonical decrees forbade this profit, shameful as it was considered, only to clerics.(2)

' اسکے اذہان میں گھومنے والے اس سوال کی سب سے بڑی وجہ سود کی تیزی سے بڑھنے والی وہ شرح ہے جسکے باعث یہ بحث جاری ہوئی. سوالوں کی بھرمار کے اس نقطہ کو 'ورمیرش' میں جمع کر دیا گیا ہے..... اس نسبت سے کونسل نے سب سے پہلے ان پادریوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے جنہوں نے اپنی رقوم بطور قرض سود کے حصول کی غرض سے بانٹی ہوئی تھیں. اور یہ آرلز کی کونسل-۳۱۴- کے 'اپاسٹولک شریعۃ' کی ۴۴ ویں شق کی ایک کڑی تھی. اور اس طرح یہ نیقیہ ۳۲۵- کی پہلی کونسل کی ۱۷ اویں شق بنی. یہ حقیقت ہے کہ 'کونسل آلویرا' کے سبق نمبر ۳۰۵-۳۰۶ میں یہ درج ہے، کہ ان پادریوں پر انحطاط جاری کیا گیا جنہوں نے مستقلاً سودی معاملات کو جاری کیا، لہذا انکو ایک عام آدمی کی طرح قابل سزا مجرم تسلیم کیا گیا، لیکن ایک عام آدمی سے تشبیہ انتہائی مشکوکانہ چال تھی. اس لحاظ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ۹ ویں صدی عیسوی تک شرعی فیصلوں نے سود کی وصولی کو روکنے کے علاوہ ان پادریوں کے لئے خاصطور پر قابل شرم گناہ شمار کئے رکھا'.

نقایہ کی کونسل بیٹھک ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی، تاہم 'متناقص اناجیل' کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں تھا؛ یوسیبیس مورخ اس کونسل کی مکمل رپورٹ فراہم کرتا ہے. وہ بتاتا ہے کہ اس کانفرنس کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ بنیادی مسیحی عقائد کی تلخیص مرتب کی جائے تا کہ اُسے آسانی سے زبانی یاد کیا جاسکے. اُنکے مرتب کردہ خلاصے کو 'نقایہ کا عقیدہ' کہا جاتا ہے. وہ یہ بھی کہتا ہے کہ عقائد کا اختصار کرتے ہوئے کونسل کے ممبران نے وسیع طور پر اُس عہد نامہ جدید سے اقتباس کئے جو اُس وقت دور دور تک مروّج تھا.(۳) آگے دیکھئے کہ اُس زمانے کے مخلص پادریوں کے نزدیک کتنی مشکل ترین

---

(1) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.

[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne.

The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(۲) ایضاً

(۳) قارنیم، بی ڈاکٹر، المسیح کی حیات وتعلیمات، مترجم، عامر، یونس، ایم آئی، کے ۳۶، فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۵۴

گھڑی تھی کہ انہوں نے صرف تجارتی معاملات کے سدھار کے لئے اپنی پُر خلوص محنت نہ صرف جاری رکھی بلکہ کئی اجلاس بلا کراس پر مدلل بحث قائم کی:

Nevertheless, the 12th canon of the First Council of Carthage (345) and the 36th canon of the Council of Aix (789) have declared it to be reprehensible even for laymen to make money by lending at interest. The canonical laws of the Middle Ages absolutely forbade the practice. This prohibition is contained in the Decree of Gratian, q. 3, C. IV, at the beginning, and c. 4, q. 4, C. IV; and in 1. 5, t. 19 of the Decretals, for example in chapters 2, 5, 7, 9, 10, and 13. These chapters order the profit so obtained to be restored; and Alexander III (c. 4, "Super eo", eodem) declares that he has no power to dispense from the obligation. Chapters 1, 2, and 6, eodem, condemns the strategems to which even clerics resorted to evade the law of the general councils, and the Third of the Lateran (1179) and the Second of Lyons (1274) condemn usurers. In the Council of Vienne (1311) it was declared that if any person obstinately maintained that there was no sin in the practice of demanding interest, he should be punished as a heretic (see c. "Ex gravi", unic. Clem., "De usuris", V, 5).(1)

'تاہم 'کارتھیج' (۳۴۵) کی پہلی کونسل کی شق نمبر ۱۲ اور کونسل آ کس' (۷۸۹) کی شق نمبر ۳۶ نے اپنی شریعہ میں عام آدمی کو قرض پر وصول کیئے جانے والی سود کی رقم کی سختی سے ممانعت کی ہے۔جبکہ درمیانے ادوار کے ان شرعی قوانین نے اس قسم کے پیشے کی سخت ممانعت کی ہے۔اور یہ ممانعت 'گریشن' ق،۳،س،۴، نے شروع ہی سے اپنے فیصلوں میں اسے حرام قرار دیا ہے اور اسکے علاوہ تجارت سے حاصل شدہ منافع کو جائز قرار دیا ہے۔لہذا الیگزینڈر III' کہتا ہے اسکے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ فرائض سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔(آدم ،سی ۴) سبق نمبر ۱، ۲ اور ۶ میں بھی دھوکہ بازی کو کلعدم قرار دیا ہے، حتی کہ پادریوں نے بھی کونسل کے اس قانون کو برقرار رکھنے میں انتہائی تساہل سے کام لیا ہے۔اور اسی طرح 'لیٹرن' کے تیسرے (۱۱۷۹) اور' لایونز' کی دوسری (۱۲۷۴) شق نے بھی سود خوروں کی مذمت کی ہے۔'ویانا' کی کونسل (۱۳۱۱) نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص اس بات پر مصر رہا کہ سود حاصل کرنے کی کسی حالت میں کوئی گناہ نہیں ہے تو ایسے شخص کو ملحد کی طرح سخت ترین سزا دیجائے گی'۔

درجہ بالا پیرا کی آخری لائین بھی تو پادری حضرات کی جانب سے کہیں انتہا پسندی یعنی Extrimism پر تو ختم نہیں ہوتی جس میں انہوں نے سود خور شخص کو''ملحد'' قرار دے دیا ہے۔

Canonists adopted it as well as the theologians; and Benedict XIV made it his own in his famous Encyclical "Vix pervenit" of 1 November, 1745, which was promulgated after thorough examination, but addressed only to the bishops of Italy, and therefore not an infallible Decree. On 29, July, 1836, the Holy Office incidentally declared that this Encyclical applied to the whole Church; but such a declaration could not give to a document an infallible character which it did not otherwise possess. The schismatic Greeks, at least since the sixteenth century, do not consider the taking of interest on loans as intrinsically bad.(2)

'ماہر قانون اور قائدہ نویسوں نے اس کو اپنا لیا، جیسا کہ بینیڈکٹ نے اپنے انسائیکلوپیڈیا - جو یکم نومبر ۱۷۴۵ء میں مکمل تجزیے کے بعد لاگو کیا گیا تھا، لیکن جو صرف اٹلی کے 'بشاپس' سے مخاطب ہے، لہذا اس وجہ سے یہ کوئی معنی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتا۔جولائی ۲۹، ۱۸۳۶ء کو مقدس ادارہ تحقیق نے اچانک یہ اعلان کیا کہ یہ قانونی شق تمام کلیساؤں (گرجوں) میں اپنائی جائیگی۔لیکن یہ بات بھی قانونی دستاویزت کی حیثیت سے قابل عمل شکل اختیار نہ کروائی جا سکی۔سولھویں صدی عیسوی تک یونانی مذہبی فرقہ بندیوں کی جماعت نے بھی قرضوں پر سود کی وصولی کو ایک اصولی برائی کی حیثیت سے نہ جانا تھا'۔

یورپ جس سے ہم دوچار ہوئے ، وہ اٹھارھویں اور انیسویں صدی کا یورپ تھا، یورپ اُن دونوں صدیوں میں فکری رجحانات اور اجتماعی خصوصیات کے اعتبار سے ایک بلند مقام پر فائز تھا۔اسے تین امتیازی خصوصیات حاصل تھیں۔جو ایک دوسرے سے لازم و ملزوم تھیں، پہلی خصوصیت دین کے خلاف بغاوت تھی۔لہذا یورپ کی مسیحیت فکری ارتقاء اور عملی تفکر کا ساتھ نہ دے سکی، (۳) اور یوں سود کی وصولی کو جائز قرار دیئے جانے کا واضح راستہ اختیار کر لیا گیا۔

---

(1) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm
2006 by Kevin Knight. [accessed on 7th December,2006]

(۲) ایضا

(۳) مبارک محمد پروفیسر، دین رسول اور دیگر مذاہب فکر، بحوالہ نقوش رسول نمبر، مدیر، طفیل محمد، شمارہ ۱۳۰، جلد ۴، جنوری ۱۹۸۳ء ، ص: ۵۰۲

While Luther, Melanchthon, and Zwingle condemned loaning for interest, Calvin permitted interest on money advanced to rich persons; his disciple Salmasius gave effect to this opinion by a systematic code of rules. By degrees a certain number of Catholic writers relaxed their severity. Scipio Maffei, a friend of Benedict XIV, wrote a celebrated treatise, "Dell' impiego del danaro", to justify an opinion which in this matter resembles that of Calvin. Economists generally uphold the theoretical lawfulness of interest on loans. For a long time civil law was in agreement with canon law; but as early as the sixteenth century, Germany allowed interest at 5 percent; in France, on the contrary, interest on loans was forbidden until the Decree of 2 and 3 October, 1789. Contemporary laws always consider the loan for consumption as gratuitous in principle, but allow a stipulation for the payment of interest to be added. In modern legislation two questions remain to be decided:"Wheter it is desirable to establish a maximum legal rate; and by what means usurious exactions may be prevented?"(1)

' جبکہ لوتھر، میلن کوتھن، اور زونگل نے تو قرضوں کو سود کی خاطر پروان چڑھایا۔ کیلون نے امیروں کو رقم پر سود کی پیشکش کی اجازت عام کی۔ اسکے حواری سالمیشس نے مذکورہ خیالات کو باقاعدہ قانونی شق کی حیثیت دینے کی سفارش کی جسکے باعث سینکڑوں کیتھولک مصنفین اپنے نقطہ نظر میں کمزور پڑ گیے۔ شپیو مافے، جو چودھویں بینڈکٹ کا دوست ہے، نے اپنے سپاس نامہ میں لکھا ہے، اس معاملہ میں مصالحانہ رائے صرف وہ ہو سکتی ہے جو کیلون سے مطابقت رکھتی ہو۔ ماہرین معاشیات نے قرضوں پر سود کی وصولی کے اس علمی موقف کو قانونی حیثیت پر قیاس کرتے ہوئے اپنے لئے جائز خیال کرلیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب معاشرتی قوانین آسمانی قوانین کے زیریں آتے تھے، لیکن جوں جوں سولھویں صدی قریب آتی گئی، جرمنی نے (سب سے پہلے) پانچ فیصد سود کی اجازت دی؛ جبکہ دو اور تین اکتوبر سنہ ۱۷۸۹ء کے حکم نامہ سے پہلے تک فرانس میں قرضوں پر سود کی وصولی کی ممانعت قائم تھی۔ اس زمانہ کے عصری قوانین نے ہمیشہ قرضوں کے مصارف کو بلا اجرت اصولوں پر خیال کیا تھا، لیکن سود کی رقوم کی ادائیگی کے موقف کو اسمیں شامل کیا جانے لگا۔ اس نئی قانون سازی میں دو مزید سوالات پر فیصلہ کرنا باقی ہے: ☆ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ قانونی حد بندی مقرر کی جائے؟ ☆ اور کن ذرائع سے ہم اس پر زیادتی کے پہلوں کو روک سکیں گے؟

یہاں پر ہم مختصر و مستند تعارف ان شخصیتوں کا کراتے چلتے ہیں جنکا ذکر انہیں زبانوں میں زیادہ پُر لطف رہے گا:

Luther, Martin (1483-1546), founder of the German Reformation. (2) His main notion is: "Man is, in fact, wholly under the power of evil and can do nothing but sin." (3) this shows his negative attitude to religious human effort,.(4)

Melanchthon, Philipp (1497-1560), Protestant Reformer. His real name was 'Schwarzerd' (5) he became professor of Greek at 'Wittenberg'. Here he exercised a great influence, lecturing in the spirit of the Renaissance. He soon fell under the spell of Martin Luther, whose teachings he helped to cast into a more rational and systematic form.(6) Melanchton's attitude to christianity was far more humanistic than that of most of the Reformers. (7) He emphasized the need of history and arhaeology for their undrstanding.(8)

---

(1) http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm
2006 by Kevin Knight. [accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(2) Cross, F.L., The Oxford Dictionary of the Christian, Oxford University Press, NY, 1974/Page-846

(3) Ibid/p-847

(4) Ibid

(5) Ibid/p-898

(6) Ibid

(7) Ibid

(8) Ibid/p-899

Zwingli, Ulrich (or Huldreich)(1484-1531), Swiss Reformer.(1) He was ordianed priest in 1506, and from 1506 to 1516 was pastor at Glarus. (2) he gave himself up at Glarus largely to humanistic studies.(3) On 11 Dec.,1518 he was elected People's Preacher at the Old Minster in Zurich, where he remained for the rest of his life. (4) The real beginning of the Reformation in Switzerland was Zwingli's lectures on the NT in 1519.(5) He seems to have owed little directly to Martine Luther, of whose influence he always betrayed some jealousy. (6) In April 1522 appeared his first Reformation tract(7), advocating the liberation of believers from the control of the Papacy and bishops.(8) Bishops, of Rome, who are called "Holy See" upon which all commandments are based by the later 16th Century- Wherein the "Holy See" means - The see of the Bishop of Rome. As commonly used, it denotes the Papcy, esp. in reference to the authority, jurisdiction, and functions of government which attach to it.(9)

درجہ بالا پیرگراف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پندرھویں تا سولھویں صدی عیسوی کے نصرانی علماء لوتھر کی تعلیمات سے خوب متاثر تھے لہذا انہوں نے سود پر نگاہ ڈالتے وقت احکام خداوندی سے صرف نظر کی اور کسی نہ کسی بہانے سود کو جائز قرار دے ہی دیا، جیسا کہ درجہ ذیل میں اس بات کی تصدیق ملتی ہے:

The Holy See admits practically the lawfulness of interest on loans, even for ecclesiastical property, though it has not promulgated any doctrinal decree on the subject. See the replies of the Holy Office dated 18 August, 1830, 31 August, 1831, 17 January, 1838, 26 March, 1840, and 28 February, 1871; and that of the Sacred Penitentiary of 11 February, 1832. These replies will be found collected in "Collectio Lacensis" (Acta et decreta s. conciliorum recentiorum), VI, col. 677, Appendix to the Council of Pondicherry; and in the "Enchiridion" of Father Bucceroni.(10)

"مقدس نگاہوں" نے قرضوں پر سود کے قوانین کو عملی طور پر قبول کرلیا ہے حتی کہ مقدس جائدادوں، گرجا اور پادری صاحبان کی جائدادیں وغیرہ بھی انمیں شامل ہیں گو کہ ان کے بارے میں کوئی حکم نامہ جاری نہ ہوا ہو دیکھیں مقدس ادارہ تحقیق کی جوابی کاروائی مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۳۰ء تا ۲۸ فروری ۱۸۳۲ء یہ کاروائیاں مکمل طور پر دستیاب ہیں "کولیکٹو لیسینسز" جو کہ : ایکٹ والیم نمبر کال ۶۷۷، اپینڈکس برائے کونسل آف پانڈیشری اور پادری بوسیرونی کے انشر ڈیون میں موجود ہے۔

یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ لوتھر جرمنی کا باشندہ تھا، جسکی پرورش دو دنیاؤں میں ہوئی، یعنی جس نے اپنے والدین اور معاشرے سے تعلیم پائی، چنانچہ اپنی مخصوص ذہنیت کے باعث مذہبی اور شہزادوں کے ضابطوں دونوں ہی کی مخالفت میں احتجاج کرکے اُن دونوں کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنی اندرونی دنیا میں یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اُس نے خدا کے اُس حکم کو معلوم کرلیا ہے، جسکی پیروی کرنے سے اُس کو اپنی آزادی کا یقین ہو جائیگا تو اُس وقت وہ یہ کہنے لگتا ہے کہ میں یہاں کھڑا ہوں اور میں اُسکے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا. اسکا ضابطے اور شہزادوں دونوں کے خلاف اپنے مستحکم نظریات کی بنیاد پر احتجاج کرنا بتاتا ہے، کہ وہ بھی مافوق الضابطہ ہی تھا.(۱۱) اس بات میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مافوق الضابطہ مذہب اور مذہب ضابطہ پرستی باہم مختلف مذہب ہیں. مذہب ضابطہ پرستی کا مرکز یہ ہے کہ فرد اپنی تمام اخلاقی ذمہ داریوں کو حاظر مال کی طرح پہلے ہیں سے بنے بنائے ضابطہ کی حوالگی میں دے دیتا ہے. اور اُسی ضابطہ کی تقلید کرتا ہے ج اور اس ضابطہ کی حرف بہ حرف تعمیل کرنے سے فرد کو امن اور اطمینان محسوس ہوتا ہے. اسکے

---

(1) Cross, F.L.,The Oxford Dictionary of the Christian,Oxford University Press, NY,1974/Page-1514

(2), (3), (4), (5), (6), (7) and (8) Ibid

(9) Ibid/p-659

(10) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.

[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(۱۱) جعفری، سید سعید احمد، نفسیات المذاہب، آغاز پرنٹرز، کراچی، مارچ، ۱۹۷۵ء/ص:۱۱۵

برخلاف مذہب، مافوق الضابطہ کا مرکز یہ ہے کہ خود فرد ہی کی ذاتی معیاری دنیا اُسکی جبلّی حرکتِ ارادی اور اُسکے ذاتی معاشرے کے تقاضوں کے خلاف کام کرنے والی کیفیتوں کو اپنا مطیع بنا لیتی ہیں، اور فرد خود اپنی ذات کو معیار سمجھتا ہے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد معاشرے کے تقاضوں کو تو ایک اعلیٰ جانچ کے اصول کی سپردگی میں دے دیتا ہے اور اپنی ذات کے تقاضوں کے لئے وہ خود ہی ضابطہ بن بیٹھتا ہے۔(۱) چنانچہ ابتدائی کمیونسٹ لوگوں کو اپنے صحیح ہونے کا احساس اس قدر ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنے روس کے ضابطہ کو مسترد کر دیا لیکن جس وقت وہ خود برسر اقتدار آئے تو انہوں نے خود اپنے ہی مقلّدین کو آزادی سے فیصلہ یا تجویز پیش کرنے کی اجازت نہیں دی(۲)

Everyone admits that a duty of charity may command us to lend gratuitously, just as it commands us to give freely. The point in question is one of justice: Is it contrary to the equity required in mutual contracts to ask from the borrower interest in addition to the money lent? It may be remarked that the best authors have long since recognized the lawfulness of interest to compensate a lender for the risk of losing his capital, or for positive loss, such as the privation of the profit which he might otherwise have made, if he had not advanced the loan. They also admit that the lender is justified in exacting a fine of some kind (a conventional penalty) in case of any delay in payment arising from the fault of the borrower. These are what are called extrinsic grounds, admitted without dispute since the end of the sixteenth century, and justifying the stipulation for reasonable interest, proportionate to the risk involved in the loan. Another discussion, which has not been closed, but only suspended, relates to the question whether the civil law creates a new and real title, whether the State can, in order to extend and promote credit for the good of the community, permit interest on loans. We think it can. But there will scarcely be any need for such a law except in circumstance which already justify the general practice of lending for interest. (On these extrinsic rights see: Funk, "Geschichte des kirchlichen Zinsverbotes"; Lehmkuhl, "Theologia moralis", I, n. 1306 sqq., 11th ed.) The precise question then is this: if we consider justice only, without reference to extrinsic circumstances, can the loan of money, or any chattel which is not destroyed by use, entitle the lender to a gain or profit which is called interest? (3)

"ہر کوئی اس بات کو مانتا ہے کہ فلاحی رضا کاری کا احساس ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ ہم قرض کے معاملہ میں ایسے شکر گزار بنیں، گویا ہم نے اسے بالکل مفت فراہم کیا ہو اس لحاظ سے ایک منصفانہ سوال ہے کہ، کیا یہ بات معاہدہ سازی میں انصاف قائم کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی اور یہ کہ کیا قرضخواہ سے رقم پر زیادتی کا سوال انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے؟ (یعنی یہاں یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ مقروض سے بڑھوتری رقم کے بارے میں سوال اُسکی دل آزاری کے مترادف نہ ہوگا) - اس لحاظ سے وہ مصنفین جنہوں نے سود کی قانونی تحفظات کی نشاندہی کی ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ قرض دینے والے کی رقوم کے زیاں ہونے سے بچانے کے لئے سود کا سہارا لینا پڑتا ہے، خصوصاً اُس جگہ جہاں پر یقینی نقصان کا اندیشہ ہو- جیسا کہ جب منافع کو چھپانا چاہے جو کہ وہ کر سکتا ہے اگر اُس نے رقم کو قرض پر نہ دیا ہو۔ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرضخواہ اس بات پر اپنی جگہ بالکل درست ہیں جبکہ وہ رقم کی وصولی بحیثیت سزاء مقرر کریں (روایتی سزاء کے تصور کی طرح) جو کہ کسی بھی طرح کی مقروض کی جانب سے زیادتی یا وقت زیادہ ہونے پر لیٹ ہو جانے پر لگائی جاتی ہے۔ 16 ویں صدی تک یہ قوانین بالکل پختگی سے بلا کسی تفریق کے تسلیم کیے جاتے رہے ہیں- اور ایک متناسب مقدار کا سود وصول کرنے میں ایک مستقبل قریب کے نقصانات سے بچانے کے لئے انصاف کا تقاضہ ٹھہرائے جا چکے ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک اور بحث جو ابتک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی ہے، لیکن طبعی طور پر جامد ہے کہ

(۱) جعفری، سیّد سعید احمد، نفسیات المذاہب، آغاز پرنٹرز، کراچی، مارچ، ۱۹۷۵ء/ص:۱۱۴

(۲) ایضاً/ص:۱۱۶

(3) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.

[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

کیا تمدنی قوانین کوئی نئے قوانین یا بنیادیں فراہم کرتے ہیں، جیسا کہ حکومت ایسا کرسکتی ہے کہ اودھار کے طریقوں کو پروان چڑھایا جانا عوام الناس کے مفاد میں بہتر ہو، جس میں وصولیء سود کی اجازت بھی ہو۔ اور ہم سوچتے ہیں کہ ایسا ممکن ہے۔ لیکن شاید ہی ایسی کوئی ضرورت پیش آئے جسکے تحت قانون اُن حالات کو تسلیم کربیٹھے جسمیں عموی طور پر قرض کو سود پر دیا جاتا ہو۔

یہاں ہم ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ ہر ذی شعور انسان خواہ کسی بھی مذہب سے اُسکا تعلق ہو قرض کے لین دین میں یقیناً دل کی گہرائیوں سے قرض پر حاصل شدہ زائد تقاضوں سے متعلق انصاف یا ناانصافی کے معاملہ ہوسکنے کا خدشہ ضرور زیر بحث آہی جاتا ہے، جس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی جانب سے تمام ادیانِ سماوی میں سود پر پابندی از خود اللہ تعالی کی منصف ذات ہونے کو ثابت کرتی ہے اور اگر ہم پھر بھی اُن غیر معمولی احوال کو شامل کیئے بغیر، صرف انصاف کو پرکھیں، تو مختصر سا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ: کیا رقم پر اُدھار، یا کسی بھی قسم کا مالِ منقولہ جسکا ہمارے ہاتھ سے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو، تو ایک مستعار دینے والے کو اُس (رقم) پر حاصل شدہ منافع جیسے ہم سوڈ کہتے ہیں اجازت دیتا ہے یا نہیں.

> **To this question some persons, namely the economists of the classic school, and some Catholic writers, answer "yes, and always"; others, namely Socialists and some Catholic writers, answer, "no, never"; and lastly some Catholics give a less unconditional answer, "sometimes, but not always";and they explain the different attitudes of he Church in condemning at one time, and at another authorizing, the practice of taking interest on loans, by the difference of circumstances and the state of society. The principal argument in favour of the first opinion is that the lender does the borrower a service which should be paid for. This is, of course, a materialistic view of human service,which when rendered in a spirit of active benevolence is repaid by gratitude: only onerous service, which costs or represents some trouble or privation, is sold or hired for money. (1)**

' اس سوال کے جواب میں معاشیات سے متعلق افراد اور کیتھولک مصنفین جواباً کہتے ہیں "ہاں، اور یقیناً ہمیشہ کیلئے" .. جبکہ دیگر عمرانیات اور کیتھولک مصنفین ہی اسکا جواب "نفی بلکہ کبھی نہیں ہوسکتا" کہتے ہیں. آخرِ کار کچھ کیتھولک زمہ داروں نے ایک مبہم سے جواب دے ہی ڈالا اور وہ یہ کہ "کچھ مرتبہ ہوسکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں"، انہوں نے کلیساء کی جانب سے مختلف رجحانات کا حوالہ دیا ہے. وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت تو کلیسا ایسے معملات کا قطعاً انکاری ہے، جبکہ دوسری جانب دوسرا کلیسا قرض پر سود کے حصول کو ماحولیات یا تمدنی حالات میں فرق ہونے کی بناء پر اُسے جائز قرار دیتا ہے. اصولی طور پر یہ بحث یوں پہلی تجویز کے جائز قرار دینے پر پوری ہوتی ہے کہ "مستعارِ قرض، مقروض قرض کو اپنی خدمات پیش کررہا ہے لہذا اُسے اُسکا عوض ملنا چاہئے. یہ یقیناً انسان کی مادہ پرست خدمات کی منظر کشائی ہے، جو جب کہیں بھی خیر خواہی کی غرض سے پیش کی گئی اُسے احسانمندی کی نظر سے دیکھا گیا. جو رقم کو گروی رکھنے یا بیچ دینے جیسی قیمت یا مشکلات میں مبتلا کرنے والی ایک وزنی خدمت ہے۔

اب یہاں دیکھنا ہے کہ احسان مندی تو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے، جس میں قرض دینا کارِ ثواب گردانا جاتا ہے، جبکہ قرض پر زیادہ سے زیادہ وقت کے اعتبار سے چھوٹ دینا بھی کسی نیکی سے کم تصور نہیں کیا جاتا، تو کیا یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ قرض اگر ملے بھی تو سرمایہ دار کو جس سے وہ اپنی دولت کو چاندی لگا سکے، جب کہ اسلام میں قرض کا لین دین محظ کسی انسان کی مشکلات میں ایک مدد کے زمرے سے زیادہ کوئی حیثیت بھی نہیں ہے، لیکن یہاں درج ذیل بات کچھ اور ہی بتلا رہی ہے کہ:

---

(1) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.

[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

Now, at times when opportunities for investing money in commercial undertakings or converting it into revenue-producing property were comparatively rare, a loan made to a solvent person, instead of being onerous to the lender, was rather an advantage, in giving him full security for his money, for the borrower insured him against its accidental loss. And we have just shown that the loan of things for immediate consumption was not, as such, a source of revenue.(1)

'اب جبکہ رقوم کی تجارتی بنیادوں پر مارکیٹ میں لگانے یا اُسے ملکیت بنانے والی جگہوں پر لگانے کے مواقع ناپید ہوتے جارہے ہیں، ایسے موقع پر استعمارِ قرض کسی ایک ایسے شخص، جو ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو کو قرض دینا اس سے بہتر سمجھتا ہے کہ اُس سے استعمارِ قرض کو گراں نہ گزرے اور یہ ایک بہترین موقع بھی تھا کہ ایسا کرنے سے مقروض کو حادثاتی نقصان کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جاسکتا ہے، لہذا اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ قرض دے کر رقم سے رقم پیدا کرنے سے بہتر کوئی شئے موثر یا قابل عمل نہیں ہے'.

یعنی دعوی کرنے میں کیا حرج ہے کہ قرض خواہی نظام اصل میں غرباء ومساکین کی امداد کے لئے ہوتا ضرور ہے لیکن چونکہ وہ قرض چکانے کی طاقت نہیں رکھتے لہذا وہ قرض حاصل کرنے کی غیر امتیازی کوشش بھی نہ کریں، لہذا یہ معاملہ اسلام کے نقطہ نظر سے ناانصافی پر مبنی بن جاتا ہے. جبکہ عیسائیت کے علماء کے نزدیک انصاف قائم کرنا اور ناانصافی کو ختم کرنا محض جذباتیت ہے اور کچھ بھی نہیں، دیکھیں درج ذیل میں کیا کہا جارہا ہے:

Father Ballarini, (Opus morale, III, pt. III, ii) thought that the justice or injustice of taking interest depends on one's intention; thus, we may give credit gratuitously, or we may give the use of our money for a consideration. In the first case the contract is essentially gratuitous; and as formerly this gratuitous contract was the ordinary practice, the Church was opposed to all claim of interest. However, as the use of money has its value, like the use of anything else, the Church on this ground at the present day permits the lending of money for interest. In spite of the assent of many authors to this explanation, we do not approve it. In Roman Law, gratuitousness was not essential to the mutuum, but only presumed in the absence of any stipulation to the contrary.(2)

'فادر بالارینی (اوپس مورل) نے سوچا کہ سود کے لینے پر انصاف اور ناانصافی پر مبنی بحث محض کسی ایک کی جذباتیت ہے اور کچھ نہیں، لہذا ہم کھلے دل سے قرض دے سکتے ہیں، یا پھر ہم اپنی رقوم پر کچھ بہتر نظر کرم کرسکتے ہیں. اس معاملہ کے پہلے حصہ میں معاملہ کا بلا معاوضہ ہونا ضروری ہے، جو کہ پچھلے لوگوں کا ایک عمومی طریقہ رہا ہے، جہاں کلیساء نے ہمیشہ سود کی وصولی پر مخالفت اختیار کی ہے. بہرحال رقم کا استعمال اُسکی قدر کو بڑھادیتا ہے، جیسا کہ کسی بھی شئے کے معاملہ میں ہوتا ہے. پس کلیساء اسی ایک وجہ کی بنیاد پر سود پر رقوم کو قرض دینے کی اجازت دیتا ہے. باوجود اسکے کہ اس شق کو پیش کرنے والے مصنفین کی بناوٹی رضامندی کو ہم تسلیم نہیں کرتے. کیونکہ رومن قانون کے مطابق بلا معاوضہ قرض دینا ضروری نہ تھا سوائے اسکے کہ اُس مقروض کے غائب ہونے کے پیش نظر تھا'.

Ballerini, Puietro (1698-1769), Patrisitic scholar and canonist..... *Ordained priest in 1722, he shortly afterwards became principal of a classical school in the same city.* Attention was drawn to his work on moral theology when his extreme views on usury were condemned by Pope Benedict XIV in his bull *vix pervenit* (1745). (3)

---

(1) **http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.**
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(2) **ibid**

(3) **Cross, F.L., The Oxford Dictionary of the Christian, Oxford University Press, NY, 1974/Page-124**

'بالارینی دراصل ۱۸ویں صدی کا ایک عیسائی عالم ہے، جسکا نظریہ سود پاپ بینیڈکٹ نے قطع کر دیا تھا' جسکا اظہار درجہ بالا پیرے میں کیا گیا ہے کہ جو غالباً قرض پر سود لینے کی حرمت پرمبنی ہوگا، لیکن پوپائیت نے اسپر بہانے بازیاں کر کے آخر کار سود کو حلال قرار دینے کے راستے تلاش کر ہی لئے.

Persons who openly or secretly demanded interest proved conclusively that they were not actuated by motives of benevolence; and the Church, in condemning them, did not raise the question of their intention. The answer to Ballerini is that rent is a price paid for the use of a thing not destroyed by use. The expenditure of money may be productive, and the person lending money and so depriving himself of profit may claim a compensation for that privation; but this is a question of extrinsic circumstances, not of justice itself. Others with Claudio-Jannet (Le capital, la spéculation et la finance, iii, II and III) distinguish between the loan for consumption and the loan for production: we may ask interest from the borrower who takes money or credit in order to produce or gain money; but not from one who borrows under pressure of necessity, or for some unproductive expenditure.(1)

اُوہ لوگ جنہوں نے سود کا کھلے عام یا چھپ کر تقاضہ کیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بات ہم نے کسی خیر خواہی کے جذبہ سے شروع نہیں کی تھی، اور کلیساء جس نے ہمیشہ نظر انداز کیا ہے نے بھی ہمارے جذبہ کی کوئی قدر نہ کی. بلیرینی کو جواب دیا گیا کہ کرایا اس شئے کی قیمت ہوتا ہے جو کسی شئے کے استعمال حاصل ہو جبکہ اُس شئے کے استعمال سے اُس پر کوئی حرف بھی نہ آتا ہو. اور ایک وہ شخص جو رقم کو اودھار دیے رہا ہو، اسکی لاگت منافع بخش بھی ہو سکتی ہے، جبکہ وہ بہت محتاط انداز میں رہتے ہوئے صرف اپنے نقصان کے دعوے کے طور پر منافع حاصل کر رہا ہو تو ایسی بات تو صرف ظاہری صورت حال کے پیش نظر ہے نہ کہ انصاف پر مبنی کوئی معاملہ. کلاڈیوں جانیٹ سمیت دیگر کے یہاں قرض برائے ترسیل اور قرض برائے پیداوار (منافع) میں بہت حد تک فرق کیا جاتا ہے. وہ کہتے ہیں کہ "ہم صرف اُس مقروض سے سود وصول کر سکتے ہیں جو ہماری رقم پر تجارتی استعمال کے ذریعے یا مذید کسی اور ذرائع سے منافع حاصل کرتا ہو نہ کہ اُس شخص سے جو مفلوک الحال ہو کسی غیر منافع بخش حالات پر پیسہ کو استعمال کرتا ہو".

چلیں یہاں یہ بات تو واضح ہو ہی گئی کہ <u>کلیساء نے اپنی مذہبی زمہ داریوں سے آزاد رہنے کے لئے سود جیسے مسئلہ کو فلسفیوں کے ہاتھوں دے دیا کہ:</u>

The increased frequency of loans for production considered in the connection with the different extrinsic circumstances would seem to justify the demand for interest on such loans at the present day. In a spirit that is not irreconcilable with the rulings of the Fathers in the matter, this system contains this element of truth, that the lender of a sum of money which is intended for productive use may refuse to lend except on condition of being made a partner in the undertaking, and may claim a fixed interest which represents that share of the profit, which he might reasonably expect to receive. The system, nevertheless, is formally condemned by the Encyclical "Vix pervenit", and contradicts the principle of the just value; it tends in fact to make the borrower pay the special advantage, while the compensation is regulated by the general advantage procured by the possession of a thing, not by the special circumstances of the borrower. (2)

'آج کے دور میں یہی بات کافی ہے کہ قرض مانگنے کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے، جو بظاہر مختلف حالات کے پیش نظر لوگوں میں عام ہوتی جارہی ہے جو سود حاصل کرنے کی وجہ بن سکتی ہے. (مسلمانوں کے یہاں تعداد میں اضافہ کسی بھی صورت سے قوانین فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتے) فطری طور پر اس معاملہ کو پادریوں کے جاری کردہ احکامات سے کسی بھی طرح چھپایا نہیں جاسکتا، کیونکہ وہ معاملات انتہائی سچائی پر مبنی ہوتے ہیں، جبکہ کسی رقم کا ادھار دینے والا جسے پتہ چلے کہ اسکی رقم کسی منافع بخشی پر استعمال ہوگی، وہ رقم ادھار دینے سے انکاری ہو جائے، سوائے اسکے کہ وہ مقروض کے ساتھ اشتراک منافع کرے اور ایک بندھی رقم (سود) کا دعوہ بھی کر سکتا ہے. اور اُسکے منافع پر ایک تناسبی شرح مقرر کر سکتا ہے. یہ نظام بھی باقاعدہ طور پر انسائکلیکل 'ویکس پرونٹ' نے باطل قرار دیا،

---

(1) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(2) ibid

جورقم کی گرانقدری کے اصولوں کے منافی ہے۔ یہ پابند کرتا ہے کہ حقیقت میں مقروض کو خصوصی فائدہ پہنچایا جائے، جبکہ جرجانہ کو بالکل عمومی انداز میں وصولی کی جائے جیسا کہ کسی شئے کے محصولات کی صورت میں ہوتا ہے، نہ کہ کسی خاص حالات میں مقروض کے۔(یعنی تمام توجہ جو ہے ناانصافی سے حدودجہ بچاجائے)

Others justify the existing practice by a presumption of extrinsic circumstances, which is confirmed, according to some persons, by the permission of the civil law. This explanation appears to us to be unsatisfactory. The extrinsic circumstances do not always exist, while we can always lend at interest, without any scruple on the score of justice. And what is there to show that modern legislators pass laws merely to quiet men's consciences? But we may correct this last opinion by the aid of the general principles of contractual justice; and we shall then more fully understand the strictness of the laws of earlier times, and the greater liberty allowed at the present day. The just price of a thing is based on the general estimate, which depends not in all cases on universal utility, but on general utility. Since the possession of an object is generally useful, I may require the price of that general utility, even when the object is of no use to me. There is much greater facility nowadays for making profitable investment of savings, and a true value, therefore, is always attached to the possession of money, as also to credit itself. A lender, during the whole time that the loan continues, deprives himself of a valuable thing, for the price of which he is compensated by the interest. It is right at the present day to permit interest on money lent, as it was not wrong to condemn the practice at a time when it was more difficult to find profitable investments for money. So long as no objection was made to the profitable investment of capital in industrial undertakings, discouragement of interest on loans acted as an encouragement of legitimate trade; it also led to the creation of new contractual associations, such as insurance companies, which give a reasonable hope of gain without risk.(1)

'جبکہ دیگر یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ شہری قوانین کے تحت موجودہ طریقہ کے مطابق کچھ یقینی لوگوں سے وصولی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ توجیہ ہمیں غیر اطمینان بخش ہے۔ ظاہری حالات کبھی بھی یکساں نہیں رہتے۔ جبکہ ہم انصاف کے تقاضوں کو پامال کئے بغیر ہمیشہ ہی سود پر رقم ادھار دے سکتے ہیں۔ لہذا اب جدید دور کے قانون پاس کرنے والوں کے لئے اب کیا گنجائش باقی ہے انسانوں پر قدغن لگانے کے لئے۔ لیکن ہم یہاں پر اپنے قولی انصاف پر مبنی اصولوں کے تحت اس آخری رائے کو درست کرسکتے ہیں، تب ہی ہم آج کے دور کی آزادانہ روش کے تقابل میں پچھلے ادوار کے قوانین کی تندوتختی کا اندازہ کرسکتے ہیں، چنانچہ جب کسی شئے کی قیمت کا تعین کرنا ہوتا ہے تو اُسکا معیار آفاقی نہیں بلکہ عمومی استعمال کے پرکھ پر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جس شئے کا قبضہ آج کے دور میں بچت کے لئے بہت سے مواقع دستیاب جسمیں منافع جات کا حصول آسان ہوگیا ہے۔ لہذا ایسی صورت کے پیش نظر پیسہ کا ادھار پر چلنا ایک لازم عمل ہوگیا ہے۔ اپنے قیمتی سرمایہ کی حوالگی کے پیش نظر ایک ادھار دینے والا شخص مسلسل اذیت کا شکار رہتا ہے، جسکے لئے اُسے اُسکی منہ مانگی قیمت ملے گی۔ آج کے دور میں رقوم کے ادھار دینے پر سود کی وصولی کی اجازت بالکل صحیح ہے، جبکہ پچھلے دور میں اس پر قدغن لگنا اُس دور کے اعتبار سے بھی درست تھا کیونکہ اُس دور میں رقوم پر لگا کر منافع حاصل کرنے کے مواقع بھی نہ تھے۔(یہ عجیب قانون ہے کہ آج لوہے کو آسانی سے پگھلایا جاسکتا ہے لہذا اسکا شگوف کا استعمال جائز ہوگیا) لہذا آج کے دور میں صنعتی اداروں پر رقوم لگا کر بہتر منافع حاصل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں اُٹھایا گیا، جبکہ قرض کی رقوم پر سود کی وصولی کو ہمیشہ ہی حوصلہ شکنی کا سامنا کرنا پڑا ہے، جبکہ قانونی تجارت پر منافع کی حصولہ مندی کی گئی، اس روش نے ایک نئے معاملے کے باہمی ربطگی میں اضافہ کو جنم دیا ہے، جیسے انشورنس کمپنی، جو لوگوں میں بغیر کسی نقصان کے اندیشے کے ایک امید بہاراں کی طرح ابھر کر سامنے آیا ہے'.

---

(1) **http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.**
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(2) ibid

The action of the Church has found distinguished defenders, even outside her own pale, among the representatives of contemporary economic science. We may mention three English authors: Marshall, professor of political economy at the University of Cambridge (Principles of Economics, I, I, II, secs. 8 etc.); Ashley, professor at the new university of Birmingham (An Introduction to English Economic History and Theory, I, I, I, sec. 17); and the celebrated historian of political economy, Professor Cunningham (Growth of English Industry and Commerce, I, II, vi, sec. 85, third edition). Even at the present day, a small number of French catholics (Abbé Morel, "Du prêt à intérêt"; Modeste, "Le prêt à intérecirc;t, dernière forme de l'esclavage") see in the attitude of the Church only a tolerance justified by the fear of greater evils. This is not so. The change in the attitude of the Church is due entirely to a change in economic matters that require the present system.

Lending money at interest gives us the opportunity to exploit the passions or necessities of other men by compelling them to submit to ruinous conditions; men are robbed and left destitute under the pretext of charity. Such is the usury against which the Fathers of the Church have always protested, and which is universally condemned at the present day. Dr. Funk defined it as the abuse of a certain superiority at the expense of another man's necessity; but in this description he points to the opportunity and the means which enable a man to commit the sin of usury, rather than the formal malice of the sin itself. It is in itself unjust extortion, or robbery. The sin is frequently committed. In some countries are found the exaction of interest at 30, 50, 100 percent and more. (1)

' اپنے کلیساء کے گردونواح میں دور حاضر کے معاشی سائنس کے نمائندگان کلیساء کے اُن اقدامات کا احاطہ کیئے ہوئے نظر آتے ہیں، جو اُسکے لئے بہترین سہارا ہیں. یہاں ہم تین انگلش مصنفین کا ذکر کریں گے:- یونیورسٹی آف کیمبرج کے سیاسی معیشت کا پروفیسر، مارشل ہے، دوسرا برمنگھم کی نئی یونیورسٹی کا پروفیسر آشلے ہے، جبکہ سیاسی معیشت کا تاریخی آغاز کرنے والا تیسرا پروفیسر کننگھم ہے. حتیٰ کہ آج کے نئے دور میں فرانسیسی کیتھولک کی بھی ایک تعداد موجود ہے، جنہوں نے کلیساؤں کا مطالعہ بغور کرتے ہوئے کہا کہ بڑے شیطانوں کے مدِ مقابل کلیساؤں کا معاملہ فہمی قابلِ ذکر ہے، کہ اگر کوئی تبدیلی کلیساؤں میں آتی ہے تو محض معیشت کے معاملات میں تبدیلی کے باعث ہے، جو کہ وقت کی ضرورت ہے.'

'سرمایہ کو سود پر دینے ہمیں موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم غریبوں کو تباہ ہونے سے بچائیں اور انہیں پیروں پر کھڑا ہونے کا جذبہ پیدا کریں. لوگ خیراتی اداروں کے مکر وفریب کا شکار ہو کر اپنی تمام جمع پونجی لٹا بیٹھتے ہیں. یہ ہی سود کی وہ قسم ہے جسکے خلاف کلیساء کے پادریوں نے ہمیشہ آواز اُٹھائی ہے اور جسکو آج بھی دنیا میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا. ڈاکٹر فنک نے لوگوں سے اُنکے مفادات سے فائدہ اٹھانے کو سخت ترین گناہ گرداناہے. لیکن اس معاملہ میں وہ مواقع اور طریقہ کار کو علیحدہ علیحدہ گرداناہے، جو انسان کو سود جیسے گناہ پر مبتلا کردے نہ کہ وہ صرف گناہ سے کوئی ذاتی عناد رکھنے کی بناء پر ایسا کہہ رہا ہے. اور یہ بذاتِ خود ایک ایسی ناانصافی ہے جو ڈکیتی اور غبن کے مترادف ہے. اور اس گناہ میں روز افزاں اضافہ ہو رہا ہے. چند ممالک میں تو سود کی شرح ٹھیک ٹھاک مقدار میں یعنی، 100,50,30 فیصد یا اس سے بھی زیادہ وصول کیا جا رہا ہے.'

یعنی کلیساء، وقت کے ساتھ ساتھ اپنے قوانین ہی کو تبدیل کر ڈالے- گویا تمام معاملاتِ معیشت کلیساء یعنی مذہب کے ہاتھ میں تھے، تو آج اسلامی معیشت کے نظام پر اعتراض کیوں ہے؟

The evil is so great in India that we might expect legal provisions to fight against such ruinous abuse. The exorbitant charges of pawnbrokers for money lent on pledge, and, in some instances, of persons selling goods to be paid for by installments, are also instances of usury disguised under another name. As a remedy for the evil, respectable associations for mutual lending have been instituted, such as the banks known by the name of their founder, Raiffeisen, and help has been sought from legislators; but there is no general agreement as to the form which legislation on this subject should take. (2)

---

(1) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(2) ibid

' انڈیا میں یہ شیطانی چکر بڑے پیمانے پر چل رہا ہے کہ شاید ہی ہم اس تباہی پھیلانے کے خلاف کسی قسم کی چارہ جوئی کر سکتے ہوں. گروی رکھنے والے لوگ گروی رکھی ہوئی رقوم پر یا قرضوں پر بھاری مقدار میں وصولی کرتے ہیں، اور چند لوگ جو انشاالمنت کے نام پر زائد رقوم کی وصولی کرتے ہیں یہ گویا سود کی ایک نئی شکل ہے. کچھ معتبر انجمنوں نے اس شیطانی چکر سے نمٹنے کیلئے ،ایک درمیانی راستہ نکالا ہے جسمیں قرض دینے کے باقاعدہ اداروں کا قیام، جیسے بنک، اپنے بنانے والوں کی شناخت بن گئے ہیں، رفیسین، جنہوں نے قانوندانوں سے مدد حاصل کی لیکن کسی خاص قسم کا عہد نامہ تیار نہ کیا جاسکا جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا'.

Notion of interest -

Interest is a value exacted or promised over and above the restitution of a borrowed capital. Moratory interest, that is interest due as an indemnity or a penalty for delay in payment, is distinguished from compensatory interest, which indemnifies the lender for the danger he really runs of losing his capital, the loss that he suffers or the gain of which he deprives himself in disembarrassing himself of his capital during the period of the loan, and " from Lucrative interest, which is an emolument that the lender would not gain without lending. Interest originates in the loan of goods for consumption, which permits the borrower to expend or to destroy the things lent, on condition of giving back an equal number of the same kind or quality. The sum to be paid for the usage of an article, which must itself be given back, is called hire. Everything which is consumed by usage: corn, wine, oil, fruit, etc., can be the matter of a loan (former sense), but ordinarily it is a sum of money which is lent.(1)

سود کا مرکزی خیال

'سود وہ قیمت ہے جو طے کی جاتی ہے یا جسکا وعدہ کیا جاتا ہے کسی رقم کے ادھار لیکر اس پر وقت گزرنے کے لئے. ایسی رقم جو ادھار دی گئی ہو اور جس پر وقت بھی گذرنے کی وجہ سے جو قیمت طے کردی جائے یا جسکا وعدہ کیا جائے، سود کہلاتا ہے. التواء سود وہ سود کہلاتا ہے جسمیں اس پر وقت کی زیادتی کے باعث سزا قرار دی جائے، اور اس سود کو جرمانہ والے سود سے مختلف رکھتے ہیں، جو استعمار قرض کو اسکی رقم کے ساتھ دوران تجارت پیش آنے والے نقصانات کا ہرجانہ ہوتا ہے. جسمیں اُسے ذہنی کوفت اٹھانے کی مشقت اپنے سر لینی پڑتی ہے. اور اسکو علیحدہ کریں سود مند نفع بخش سود سے جسمیں ایک ایسا قیمتی منافع ہے جو ایک اُدھار دینے والے شخص کو بغیر ادھار دیئے وصول نہیں ہوسکتا. سامان اشیاء کے ادھار میں بھی سود شامل ہوتا ہے، جو مقروض کو کھلی اجازت دیتا ہے کہ وہ اُن اشیاء سامان کو جو اُسے ادھار دی گئی ہیں ضائع کردے یا پھر اُنمیں وسعت پذیری اختیار کرے اس شرط پر کے انہیں اسی قسم کی اشیاء اتنی ہی تعداد میں اور اسی خصوصیات کے ساتھ واپس کرنا ہے. (یہاں مسئلہ رباء الفضل کا ہے) لیکن وہ اشیا جو واپس کرنے کے ارادے سے لی گئی اور استعمال کی گئی ہوں اُن پر لیا جانے والا سود اُسکا ''کرایہ'' کہتے ہیں. لہذا کوبھی شئے جسے استعمال کرلیا جائے، اور وہ خرچ ہونے والی ہوں اُنمیں، کارن، شراب، تیل، پھل وغیرہ شامل ہیں، اُنمیں ادھار کا معاملہ کیا جاسکتا ہے. لیکن عقل کہتی ہے کہ یہ بھی اُسی رقم کے باعث وجود میں آئی ہیں، جو ادھار کی گئی تھی'.

مذہب اسلام کی تعلیمات اسکے بالکل برعکس ہیں اور وہ یہ کہ ادھار دینے والے کو، ادھار لینے والے شخص کو وقت میں زیادہ سے زیادہ چھوٹ دینے کا حکم ہے. جس کے باعث کسی قسم کا ظلم اُسکی ذات پر ادھار دینے والے کی جانب سے نہ ہوسکے. چنانچہ یہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ جب سود انسانوں کی زندگیوں میں رچ بس جاتا ہے تو وہ محظ زبانی کلامی مذہبی انسان رہ جاتا ہے وگرنہ وہ اصل میں اپنے مذہب سے دور ہوچکا ہوتا ہے

'وان کا ذو عسرة فنظرة الی میسرة ط وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون o' (۲)

ترجمہ: اور اگر تنگدست ہے تو اس کیلئے آسودہ حالی تک مہلت ہے. اور اگر معاف کردو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو

---

(1) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۸۰

Legitimacy of lending at interest !

Is it permitted to lend at interest? Formerly (see USURY) the Church rigorously condemned the exacting of anything over and above capital, except when, by reason of some special circumstance, the lender was in danger of losing his capital or could not advance his loan of money without exposing himself to a loss or to deprivation of a gain. These special reasons, which authorise the charging of interest, are called extrinsic titles. Besides these compensatory interests, the Church has likewise admitted moratory interest. In our day, she permits the general practice of lending at interest, that is to say, she authorizes the impost, without one's having to enquire if, on lending his money, he has suffered a loss or deprived himself of a gain, provided he demand a moderate interest for the money he lends. This demand is never unjust. Charity alone, not justice, can oblige anyone to make a gratuitous loan (see the replies of the Penitentiary and of the Holy Office since 1830). What is the reason for this change in the attitude of the Church towards the exaction of interest? As may be more fully seen in the article USURY, this differece is due to economical circumstances.

The price of goods is regulated by common valuation, and the latter by the utility that their possession ordinarily brings in a given centre. Now, today, otherwise than formerly, one can commonly employ one's money fruitfully, at least by putting it into a syndicate. Hence, today, the mere possession of money means a certain value. Whoever hands over this possession can claim in return this value. Thus it is that one acts in demanding an interest.(1)

عیسائیت میں سود پر معاملہ ءقرض کی قانونی شکل بھی نکال لی گئی

'کیا سود پر ادھار دینے کی اجازت مل چکی ہے؟ لہذا آپ دیکھیں مضمون (سود)-کلیساء نے تو کسی بھی شئے کی یا پھر کسی بھی ایسی شئے کیلئے اُسی معیار مقرر کرنے پر پابندی عائد کی تھی، جسمیں کسی بھی شئے کی مقدار اُسکے سرمایہ سے زیادہ ہو ماسوائے اس کے کہ کچھ خصوصی احوال کے ساتھ جسمیں استعمار قرض اپنے سرمایہ کے ڈوبنے کے خطرات کے پیشِ نظر اپنے آپ کو ظاہر کیے بغیر اُس نقصان کے اندیشے میں ڈوب رہا ہو، چنانچہ اس قسم کی خصوصی حالات میں، جو کھلے عام سود وصول کرنے کی ترغیب دیتا ہے ایسے معاملہ کو وفادار عنوان کہتے ہیں.

ان مفاداتی سود کے بجائے کلیساء نے سود التواء کو جاری رہنے کو تسلیم کر لیا ہے. آج بھی جو عموی طریقہ کار ہے سود پر قرض دینے کا اُسکی بھی اجازت دی گئی ہے اُسے خراج یا محصول کا نام دیا گیا ہے. اور کسی سے بھی اسکے بارے میں پوچھ گچھ نہیں، کہ اُس نے جو اپنا سرمایہ لگایا ہے اُسپر اُسے کتنی ذہنی کوفت اُسکے نقصان کے اندیشہ میں ہو سکتی ہے لہذا اُس پر محصول کو ایک خاص شکل میں وصول کر سکتا ہے. لہذا اُسکا یہ تقاضا کسی بھی صورت میں ناانصافی نہیں ہوگا. (اگر یہ ناانصافی نہیں ہے تو میرا سوال یہ ہے کہ یہودی اپنے بھائی یہودی سے کیوں یہ سود حاصل کرنا پسند نہیں کرتا) خیرات ایک طرف، تو انصاف ہی نہیں ہے، کیونکہ کسی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرض دینے ہی کو بخشش یا عنایت سمجھے. یہی کافی ہے. کلیساء کے اندر سود کے تسلیم کر لینے میں اس انداز میں تبدیلی کی کیا وجوہات ہیں؟ اسکو "سود" کے مضمون میں دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ معاملہ بالکل معاشی معاملات سے تعلق رکھتا ہے.

سامان اشیاء کی قیمتوں کا تعین عموی مارکیٹ سے کیا جاتا ہے. اور اُن پر قبضہ پا لینے کے بعد اُس جگہ پر اُسکے استعمال کے اعتبار سے اُس کا تعین کیا جاتا ہے. لہذا، آج کے دور میں، یا پھر باقاعدہ ایک شخص اپنے سرمایہ کو مجمع کے سامنے رکھ کر بہترین پھل پا سکتا ہے. لہذا آج سرمایہ رکھنے کے معنی قیمتی ہونے کے ہیں. لہذا جو کوئی اپنا سرمایہ کسی کے حوالے کرتا ہے، اُسکا حق ہے کہ اُسکے بدلے میں اُسکی (منہ مانگی) قیمت وصول کرے. یہ ہی وجوہات ہیں کہ کوئی سود کا تقاضا کر سکتا ہے.

---

(1) **http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.**
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

What should be the rate of interest!

Even today one can still sin against justice by demanding too high an interest, or usury, as it is called. What interest then is just and moderate? Theoretically, and in an abstract way, the fair rate of interest nearly corresponds to the average gain that those engaged in business may generally expect in a determined centre. It nearly corresponds, for the interest being guaranteed, whilst the profit is uncertain, we must discount the value of an insurance premium from the average profit. Accordingly, in a determined centre, if those who sink their money in buildings, land, or industrial undertakings generally look for a profit of 6 percent, the just rate of interest will be about 4 or 5 percent. This rate covers the risks and ordinary inconveniences of lending. But if one had to run special risks or had to give up an extraordinary premium, one might in all justice exact a higher rate of interest.

Such, therefore, is the theoretical rule. In practice, however, as even the answer of the Sacred Penitentiary shows (18 April, 1889), the best course is to conform to the usages established amongst men, precisely as one does with regard to other prices, and, as happens in the case of such prices, particular circumstances influece the rate of interest, either by increasing or lowering it. In this way, the security offered by advances to the governments of wealthy countries and those that cover mortgages diminish the rate for public loans and loans on mortgage. On the contrary, the interest on shipping, and mercantile business is higher than that in civil business, on account of the greater uncertainty in sea voyages and in commercial enterprise.(1)

سود کی شرح کیا ہونی چاہیئے؟

"آج بھی ایک شخص ناانصافی کے گناہ کا بوجھ اپنے سر لے سکتا ہے، اگر وہ بہت زیادہ شرح سے سود یا ربا (جو بھی کہہ لیں) وصول کرنا چاہتا ہے. (قرآن کریم میں لفظ سود کے کتنے الفاظ آئے ہیں، دیکھیے باب دوم) لہٰذا کتنی شرح سود اعتدال و انصاف پسندی پر مبنی ہونی چاہیئے؟ فرضی طور پر اسکا لب لباب یہ طے کیا گیا ہے کہ سود پر کرایہ کی شرح تعین اُس سرمایہ کا اوسط ہونا چاہیئے جیسے کاروبار میں لگایا جا رہا ہو اور اسکے تعین کے لیئے ایک مرکز جسے "محقیق گاہ" کہہ سکتے ہیں کا قیام ضروری عمل ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ سود کی ضمانت پہلے دی جائے، جبکہ کاروبار میں نفع ہونا غیر یقینی ہوتا ہے. (اسلام کی جنگ یہیں سے شروع ہوتی ہے) لیکن ہمیں لوگوں کو انشورنس کے پریمیم میں لازمی چھوٹ دینی چاہیئے اُسکے اوسط منافع پر. (یعنی طالب و مطلوب سب جھوٹے - انشورنس کا کام بھی حرام اور اُسپر منافع کی شرح پر سود کم لینا کونسی بڑی نیکی ہوئی) اسی طرح اس محقیق گاہ کا کام اُن لوگوں پر نگاہ رکھنا ہے جو اپنے سرمایہ کو 6% فیصد کے حصول کی خاطر، عمارتوں میں، زمینوں میں یا صنعتی اداروں میں ڈبو رہے ہیں، جبکہ انکا متناسب شرح 4% یا 5% فیصد سے زیادہ نہ ہوگی. یہ شرح بالکل مناسب ہے اُنکے قرضوں پر دیے گئے سرمایہ کے نقصانات کو متوازن کرنے کیلیے. لیکن اگر کسی کو خاص الخاص خطرات سے ہی لڑنا ہے تو اُسے زائد پریمیم کو چھوڑنا پڑے گا، چنانچہ ہر وہ شخص جو سود کی شرح تناسب سے نہ بڑھے وہ انصاف پر رہ سکتا ہے.

یہ تو محض مفروضاتی قوانین تھے. لیکن دو طریقیت میں بہر حال مقدس پینیٹنشری کے مطابق تو کوئی جواب ہونا ضروری ہے. (18 اپریل 1889) بہتر راستہ یہی ہے کہ لوگوں سے انکے درمیان سرمایہ کے استعمالات کے معملات کو جان لیا جائے، مختصر یہ کہ کوئی کسی قیمت کے عوض یا کسی خاص حالات میں وہ خاص قیمتیں سود کی شرح پر بڑھوتری یا کمتری کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہوں تو ایسے معاملے میں دولتمند ممالک کی حکومتیں گروی پر دیے گئے قرضوں یا عوام الناس کو مہیا کیے گئے قرضوں پر شرح کے کم کرنے کی پیشگی محافظت کا اعلان کرتی ہیں، اسکے برخلاف جہازوں پر سود اور اسی طرح سمندری تجارتوں پر شرح سود زیادہ ہے بنسبت شہری کاروبار کے، جسکی بڑی وجہ سمندر کی تجارتی مہم یا سفر میں غیر یقینی کی کیفیت انتہا درجہ پر بڑھی ہوئی ہوتی ہے.

یہ بات سادہ سی ہے کہ نقصان اور جان کے جانے میں سوائے مومن و مسلمان کے اور کوئی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر توکل کرنے کو تیار نہیں.

---

(1) http://www.gospel/CATHOLICENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm2006 by Kevin Knight.
[accessed on 7th December,2006] Ref: accessed by the Auther: Arthur Vermeersch. Transcribed by Brendan Byrne. The Catholic Encyclopedia, Volume XV. Published 1912. New York: Robert Appleton Company. Nihil Obstat, October 1, 1912. Remy Lafort, S.T.D., Censor. Imprimatur. +John Cardinal Farley, Archbishop of New York

یہود و نصاریٰ کے سودی لین دین کا خلاصہ

یہودیت کی سرزمین بابل و مصر کے مندر صرف عبادت گاہ ہی نہ تھے بلکہ بینک بھی تھے، بابل کے آثار قدیمہ میں جو گلی تختیاں Clay Tablets ملی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمیندار فصل سے پہلے اپنی زرعی ضروریات کے لئے مندروں سے قرض لیتے تھے اور فصل کاٹنے کے بعد یہ قرض مع سود ادا کرتے تھے۔ یہ ساہوکاری نظام دو ہزار قبل مسیح میں پایا جاتا تھا، 600 قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں پرائیوٹ بینک بھی بابل میں کام کرتے تھے۔(۱) اس کے علاوہ ول ڈیورنٹ اپنی تحقیقی تصنیف میں لکھتا ہے کہ: ''بابل میں از روئے قانون ۲۰ فیصد نقد روپے کے قرضوں پر اور ۲۳ فیصد سالانہ اجناس کی صورت میں قرضوں پر سود تھا بعض طاقتور خاندان نسلاً در نسلاً ساہوکاری کا کام کرتے تھے۔ اور صنعت پیشہ لوگوں کو سود پر قرضے دیتے تھے۔ اُن کے علاوہ مندروں کے پروہت فصلوں کی تیاری کے لئے زمینداروں کو قرض دیا کرتے تھے۔(۲) روم میں سودی سرگرمیوں کے متعلق ول ڈیورنٹ لکھتا ہے کہ: 'دوسری صدی قبل از مسیح میں روم کی بینک کاری پورے عروج پر تھی۔ ساہوکار لوگوں کے ڈپازٹ رکھتے تھے اور اُن پر سود ادا کرتے تھے، قرض لیتے بھی تھے اور دیتے بھی تھے...... اس زمانہ میں سرکاری خزانہ بھی زمینداروں کو فصل کی کفالت کے لئے سودی قرضے دیتا تھا۔ آگسٹس کے زمانہ میں شرح سود ۴ فیصد تک کردی گئی تھی جبکہ قسطنطین کے زمانہ میں شرح سود ۱۲ فیصد تک چڑھ گئی۔(۳) آپ ﷺ سے بالکل قریب کے زمانہ میں قیصر روم جسٹینین نے، جس کی وفات آپ ﷺ کی پیدائش مبارکہ سے صرف پانچ برس قبل ہوئی، تمام بازنطینی سلطنت میں از روئے قانون زمینداروں اور کاشت کاروں کے قرضوں پر ۴ فیصد، شخصی قرضوں پر بھی ۴ فیصد تجارتی اور صنعتی قرضوں پر ۸ فیصد اور بحری تجارت کے قرضوں پر ۱۲ فیصد شرح سود مقرر کی تھی۔(۴) بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ: 'چوتھی صدی قبل مسیح سے وہا بینکاری کے باقاعدہ نظام کا ثبوت ملتا ہے؛ اس نظام میں ایک قسم کے بینک وہ تھے جو لوگوں کے مال بطور امانت اپنے پاس رکھتے تھے اور اس پر سود دیتے تھے۔' (۵) اسکے علاوہ ول ڈیورنٹ لکھتا ہے: 'پانچویں صدی قبل مسیح میں ڈلفی کا اپالو مندر تمام یونانی دنیا کا بین الاقوامی بینک تھا اس سے اشخاص کو اور ریاستوں کو بھی معتدل شرح سود پر قرضے حاصل ہوتے تھے۔ اسی طرح پرائیوٹ صراف ۱۲ فیصد سے ۳۰ فیصد تک شرح سود پر تاجروں کو قرضے دیتے تھے۔ یونانیوں نے یہ طریقے مشرق قریب (بابل اور مصر و شام) سے سیکھے اور بعد میں روم نے اُن طریقوں کو یونان سے سیکھا'۔(۶) اگرچہ دور جاہلیت میں یونان میں سودی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں لیکن ارسطو جو کہ مشہور یونانی فلاسفر ہے نے سودی لین دین کی سختی سے مخالفت کی۔ (جس کا ذکر گزشتہ صفحات پر آچکا ہے) ارسطو کے علاوہ مشہور یونانی مفکر افلاطون جو کہ ارسطو کا استاد تھا، نے بھی سود کی سخت مذمت کی۔(۷)

---

(۱) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص:۲۹؛ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ایڈیشن ۱۹۳۶ء، مضمون Banks

(۲) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص:۲۹؛

بحوالہ Will Durant, A Story of Civilization, Vol-I, MJF Books, Ist Edi:1935;updated:1993/P-228

(۳) ایضاً/ص:۲۹، بحوالہ A Story of Civilization, Vol-I, Page-231

(۴) ایضاً/ص:۳۰، بحوالہ A Story of Civilization, Vol-I, Page-120

(۵) ایضاً/ص:۳۰؛ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ایڈیشن ۱۹۳۶ء، مضمون Banks

(۶) ایضاً/ص:۳۱، بحوالہ A Story of Civilization, Vol-I, Page-262

(۷) ایضاً/ص:۲۹، بحوالہ اسلام اور سود، ص:۱۱۸، انور اقبال قریشی، ڈاکٹر

جیسا کہ یہودیت میں ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ توراۃ میں جو احکامات حُرمتِ سود پر نازل ہوئے تھے، وہ محض اس وجہ سے کہ بنی اسرائیل سودی کاروبار میں صفِ اوّل کے کھلاڑی بن چکے تھے، اور بالکل اسی طرح نصاریٰ کے یہاں بھی جوازِ سود کا اظہار خود پادریوں کی آپس میں اختلافات وشریعتِ عیسوی سے پھر جانا کے باعث سامنے آتا ہے. کیونکہ عیسائی پروفیسر ڈاکٹر بی، فارنہم لکھتے ہیں کہ اگر لوگ کلمۃ اللہ المسیح کی سیدھی سادی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو روئے زمین پر ایک انقلاب برپا ہو جائے گا. آپ (مسیح) نے محض سیاسی ڈھانچے ہی کو تبدیل کرنے کا مشورہ نہیں دیا، اگرچہ یہ بھی لازم ہے، بلکہ دیگر تعلیمات کی طرح دھن دولت کے بارے میں بھی آپ انسان کے دل کی گہرائیوں کو چھو رہے ہیں. دراصل آپ کی تعلیم دولت سمیٹنے کی غرض سے نجای سطح پر اور قومی سطح پر جنگوں اور طاقت کے استعمال کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتی ہے. جیسے کہ آپ کے ایک پیروکار پولس رسول نے بعد میں الہام سے یہ لکھا ہے، (۱).

"For the love of money is a source of all kinds of evil. Some have been so eager to have it that they have wandered away from the faith and have broken their hearts with many sorrows"(2)

ترجمہ: ''کیونکہ زر کی دوستی ہر قسم کی برائی کی ایک جڑ ہے، جس کی آرزو میں بعض نے ایمان سے گمراہ ہو کر اپنے دلوں کو طرح طرح کے غموں سے چھلنی کر لیا''

چنانچہ یہ بات طے ہوگئی کہ سود کا مرکزی خیال خود یہود و نصاریٰ کی دینی شریعتوں کے دعویدار کے ہاتھوں وجود پایا، جس نے اب تمام دنیا کو اپنی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے، جو کہ انسانیت میں طبقاتی نظام وجود میں لانے اور غرباء کو محکوم بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے. یہی تو وجہ ہے کہ مذہب اسلام میں اگر شرک کے بعد کسی گناہ کی سب سے بڑی سزا بتلائی گئی ہے تو وہ محض سودی لین دین ہے. لیکن افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آج مسلمانوں میں جو راسخ العقیدہ ہیں اُنکی بھی یہ حالت ہے کہ وہ مغرب میں سودخواری اور معاشی ترقی دیکھ دیکھ کر اپنے قدم لڑکھڑا بیٹھے ہیں. لیکن- **پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ** ـ کے مصداق ہم نے سودی معاملات کو جس حد تک کھولنے کی سعی کی ہے اُسمیں ہمارے نزدیک دعوتِ الی اللہ کے زمرے میں اہلِ کتاب 'یہود و نصاریٰ' بھی قابلِ نصیحت ہیں، کیونکہ الدین النصیحة ،یعنی دین خالص نصیحت کا نام ہے لہذا اگر ہمارے ان حقائق بیان کرنے سے کسی کو ہدایت حاصل ہوتی ہے اور وہ سود کے اصل مسئلے کو سمجھ کر اُسکی 'حرمت' پر لبیک کہہ بیٹھتا ہے، تو یقیناً یہ عمل اللہ تعالیٰ کہ یہاں بضرور قبول ہوگا. کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کا گمان ہمیشہ حسنِ ظن پر ہونا چاہئے. اور وہ نصیحت یہ ہے کہ آج جس طرح سائنس کے ہر موضوع کو قرآن وسنت سے آزمائش کر کے پرکھا جا رہا ہے اور کہیں بھی سائنس اسلام کے کسی پہلو کو ناکام یا ناکافی ثابت نہ کر سکی، میں بحیثیت مسلم ہونے کے اپنے مسلم بھائیوں سمیت تمام اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ اور دیگر عالمِ انسانیت سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ اسلام کے ''بلاسودی'' معیشت کو اپنا کر دنیا بھر سے طبقاتی جنگ کو ختم کرنے میں اسلام کا ساتھ دیں، جسکے لئے اسلام نے ''لااکراہ فی الدین ''(۳) یعنی 'اسلام میں کوئی زبردستی نہیں' کے زمرے میں اُنہیں دعوت دی ہے کہ وہ اسلام کے زرّین اصولوں کو اپنا کر امن وآشتی میں زندگی بسر کر سکتے ہیں.

---

(۱) فارنہم، بی ڈاکٹر، المسیح کی حیات وتعلیمات، مترجم، عامر، یونس، ایم آئی کے، ۳۶فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۹ء/ص:۹۱

(2) 1 Timothy-6:10, the New Testament, The Holy Gospel, United Bible Societies Asia Pacific Region, Brishane, Australia, Study Edition,2001,/Page-729

(۳) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۵۶

دوسری فصل

سود اسلام کی روشنی میں

سود و الرّ باء یعنی 'Interest and Usury' کی حرمت کی نفسیاتی وجوہ :

اسلامی احکامات پر آج کے مادہ پرست و دنیادار اشخاص بہانگِ دھل تنقید کر بیٹھتے ہیں، جسمیں سے ایک پہلو سود والرّ باء کی حرمت کا بھی ہے، جسمیں اُن کے اذہان میں پیدا ہونے والے سوالات میں سے ایک یہ ہے کہ "باوجوداسکے کہ سود وربا کتنا بُرا سہی، لیکن آجکل کی دنیا میں وہ نظامِ معاشیات و تجارت کا رکنِ اعظم بن چکا ہے، اگر قرآنی احکام کے ماتحت اُسکو چھوڑ دیا جائے تو نظام بنک وتجارت کیسے چلے گا؟"(۱) یہ وہ سوال ہے جس کے جواب میں عوام النّاس کا رویہ قرآن وحدیث وفقہی احکامات سے منقبت عقلی دلائل آجانے کے باوجود "میں نہ مانوں" جیسی نفسیاتی روش اختیار کیئے ہوئے ہے. چنانچہ فصل اوّل میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ دیگر ادیان سماوی کے پسِ پردہ ڈالدیئے جانے والے احکام بھی سامنے لائیں جائیں تاکہ معاشرے میں رسم ورواج کی بندشوں کو توڑا جاسکے اور اُن مادہ پرست اذہان کے اندر اصلاحی تغیر وتبدل کی راہ ہموار ہوسکے. اس لئے ہم نے سب سے پہلے سود کی حرمت قائم ہونے کی نفسیاتی پہلوؤں پر غور کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہر خاص وعام پر مادّی فکر ونظر سے حجت تمام ہوجائے. منطق کا ایک اصول ہے کہ جب تک کسی اصطلاح کے مفہوم کا تعین نہ ہوجائے اُسے کسی دوسری اصطلاح کے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاسکتا.(۲) اس اصول کے تحت ہم دیکھیں گے کہ دنیا کے معاشی نظاموں میں یا مذہبی اصطلاحات میں لفظ "سود اور رباء" یعنی "Interest and Usury" کی اصطلاحات میں عجیب قسم کا ابہام پایا جاتا ہے. جیسا کہ جدید فنِ معیشت کی جانب سے جوازِ سُود کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "سود اور رباء" کے درمیان فرق ہے جو سود شرح مروّجہ یا شرح قانونی سے زیادہ اور بھاری ہو اُسکا نام "رباء" Usury ہے اور ایسے سودخوار کو Uzher بھی کہتے ہیں اور سُود کی وہ شرح جو مروّجہ یا قانونی ہے سود بمعنی ربا نہیں بلکہ سُود بمعنی "نفع جائز" ہے اور اس کو آج کی اصطلاحِ معیشت میں Interest کہا جاتا ہے. چنانچہ موجودہ سماج کے جدید باطل نظام سے مرعوب مسلمانوں نے بھی قرآنی حقائق سے ناآشنا یا بے پرواہ ہو کر یہ کہنا شروع کردیا کہ قرآن نے بھی "سُود" کو نہیں "رباء" کو حرام قرار دیا ہے.(۳) اور اس کے لئے وہ دلیل قرآن کریم کی اس آیت سے لیتے ہیں، کہ :

---

(۱) شفیع محمد مفتی / معارف القرآن، جلد اوّل/ص:۲۶۳

(۲) ماہانہ معاشیات، انجمن ترقی اُردو، جلد ۵، شمارہ نمبر ۶/ جون ۱۹۵۱ء/ص:۲۹۵

(۳) سیوہاروی محمد حفظ الرحمٰن مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۂ اسلامیات، انارکلی، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء/ص:۲۸۲-۲۸۵

" یاایھاالذین امنوا لا تاکلو ا الرّبوا اضعافا مضعفۃ ۔ واتقواللہ لعلکم تفلحون " (۱)

'اے ایمان والو! مت کھاؤ سود کو سود در سود، اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ'.

گو یا صرف سود اُنکی نظر میں کم درجہ کا گناہ ہے، جسے انہوں نے تجارتی گردانا ہے، جبکہ رباء اُنکے نزدیک بڑا گناہ ہے جو سود در سود سے بنتا ہے. جبکہ قرآنِ کریم کے اصلوبِ نزول کو ملاحظہ کیا جائے تو شراب کے آہستہ آہستہ حرام ہونے کی شکل سود کی حُرمت میں بھی ملتی ہے، اور وہ اسطرح کہ اللہ تعالی نے جو سب سے پہلے سود کی حُرمت پر آیت نازل فرمائی ہے، وہ آپ ﷺ پر مکّی زندگی ہی میں نازل ہوگئی تھی اور جس میں اللہ تعالی نے سود پر یکدم پابندی لگانے کے بجائے اُسکی اصطلاحی تعریف خود ہی بیان فرمادی اور اشارۃً حُرمت کی طرف اشارہ بھی فرمادیا۔ جسکی بڑی وجہ یہ ہی ہوسکتی ہے کہ مکّی زندگی میں دشمنانِ اسلام کی سختیاں پہلے ہی سے بہت زیادہ تھیں لہذا سود پر یک دم کدغن لگانے کا مطلب کفارِ مکّہ پر فقر و فاقہ کا خوف پیدا ہونے کا خدشہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا کہ: 'الشیطن یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء ج واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا ط' (۲) کیونکہ شیطان ہمیشہ افلاس سے خوف زدہ کرتا ہے، لہذا اللہ تعالی جو انسان کی نفسیات کا بھی خالق ہے، انسانی سکت و برداشت پر ایسی ہلکی ضربیں لگائیں، جسکے باعث حضرتِ انسان کے لاشعور میں، بہت ہی آرام کے ساتھ حرمتِ سود بیٹھتی چلی گئی اور بعد از ے برس یعنی سنہ ۹ ھ ہجری میں سُود کی کلّی ممانعت ہوچکی تھی۔

قرآنِ مجید میں رباء کی حُرمت پر ابتداء ہی سے انداز بیان مخصوص ہے

جس سے پوری امتِ مسلمہ کو بالخصوص اور انسانیت کو بالعموم اس ابہام سے نکالا جائے، میرے نزدیک ایک دینی فریضہ ہے. لہذا ان دونوں الفاظ کے لغوی معنی پر غور کرنے سے پیشتر ان کے درمیان ابہام پیدا کرنے والی نفسیاتی وجوہ کا پتہ چلایا جائے تا کہ الفاظ کے درمیان باہم ربطگی کا فیصلہ کیا جاسکے. سب سے پہلے ہم یہ ملاحظہ کرلیں کہ قرآن کریم نے سود پر کیا احکامات اور کن احوال کے ساتھ لاگو کئے ہیں تب ہم بقیہ نفسیاتی وجوہ کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت طلبی محسوس نہ کریں گے. سود و رباء کی حرمت پر نازل ہونے والی قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت وہ ہے جو مکّی زندگی میں نازل ہوئی، اور سود کے متعلق تمام وجوہ کا اعادہ کردیتی ہے:

وماآتیتم من رّبا لّیربُوا فی اموالِ النّاسِ فلایربوا عند اللہ ط (۳)

'اور جو رقم تم سُود پر دیتے ہوتا کہ وہ لوگوں کے اموال سے بڑھتا رہے تو یہ مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا'.

سب سے پہلے اللہ تعالی نے اِس آیت میں جو اندازِ بیان اختیار فرمایا ہے، وہ انتہائی دلچسپ اور نفسیاتی مہارت ہونے کی علامت ہے، کہ اللہ تعالی تو خود حکیم الاعلی ہے، وہ کیونکر لوگوں کا نفسیاتی علاج نہ کرسکے گا. اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت میں تخاطب سود خوار کی طرف بالکل نہیں۔ بعض مفسرّین نے نکتہ یہ لکھا ہے کہ وہ ملعون قابل خطاب بھی نہیں. (۴) اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں نیت کا دار و مدار ذکر کیا

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ آلِ عمران/۳:۱۳۰
(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۶۸
(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ الرّوم/۳۰:۳۹
(۴) دریا بادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم، تفسیر ماجدی، مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص:۸۲۱

گیا ہے، جسکی حدیہ ہے کہ مال بڑھنے کی نیت خواہ کسی بھی صورت کی ہو اسکی تعریف "الرباء بمعنی الزیادۃ علی راس المال (۱) چنانچہ الربوا، یا ربائے اصطلاحی یا سُود، اسی کی ایک مخصوص و متعیّن شکل ہے. نیوتہ وغیرہ کے نام سے جن رقموں سے برادری کی اکثر تقریبات میں شرکت اس اُمید سے کی جاتی ہے کہ وہ رقم زائد ہو کر پھر اپنے پاس آ جائیگی. اکثر محققین نے یہاں یہی مُراد لی ہے. العطیۃ التی تعطی للاقارب للزیادۃ فی اموالھم- (۲) اسی طرح اس آیت مبارکہ کا حصّہ جو فلا یربوا عنداللہ ط یعنی اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا سے مراد اُسے اللہ کے ہاں سند قبول حاصل نہیں ہوتی. اللہ کے ہاں مقبول مطلقا مال نہیں، بلکہ صرف وہی ہوتا ہے، جس سے مقصود و مطلوب رضائے الٰہی ہو. (۳) چنانچہ اس ایک آیت میں لوگوں کی نیت اور اُسکے استعمال کو حرام سے روکنے کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شفیق ماں اپنے بچّے کی غلطی کو جس انداز سے منع کر سکتی ہے، وہاں باپ کا منع کرنا اُسکے بالکل برعکس ہوتا ہے، گویا یہ ایک فطری بات ہے.

ممانعتِ سود کی حکمت و مصلحت مفسرین عظام کی نظر میں

سود و ربا کی حرمت و ممانعت کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اور اُس میں وہ کونسی رُوحانی یا معاشی مضرّتیں ہیں، جن کی وجہ سے اسلام نے اس کا اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے. اس جگہ پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا کی ساری مخلوقات اور اُنکے معاملات میں ایسی کوئی چیز نہیں جس میں کوئی بھلائی یا فائدہ نہ ہو، سانپ، بچھو، بھیڑیا، شیر اور سنکھیا جیسے زہرِ قاتل میں بھی انسان کے لئے ہزاروں فوائد ہیں. چوری، ڈاکہ، بدکاری، رشوت، ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس میں (ملوث شخص) کو کچھ نہ کچھ فائدہ نہ ہو، مگر ہر مذہب و ملت اور ہر مکتبِ فکر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس چیز کے منافع زیادہ اور مضرتیں کم ہیں اُن کو نافع و مفید کہا جاتا ہے، اور جن کے مفاسد و مضرات زیادہ اور منافع کم ہیں اُنکو مضر اور بیکار سمجھا جاتا ہے. (۴) ہر چیز کے نفع نقصان یا مفاسد و مصالح کا موازنہ کرنے میں یہ بات بھی ہر عقلمند کے نزدیک قابلِ نظر ہوتی ہے کہ اگر کسی چیز میں نفع محض وقتی اور ہنگامی ہو اور نقصان اسکا دیر پا یا دائمی تو اسکو کوئی عقلمند مفید اشیاء کی فہرست میں شمار نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی ہو اور اُسکا نقصان پوری ملّت اور جماعت کو پہنچتا ہو تو اس کو بھی کوئی ہوشمند انسان مفید نہیں کہہ سکتا، چوری اور ڈاکہ میں چور، ڈاکو کا تو نفع کھلا ہوا ہے، مگر وہ پوری ملّت کے لئے مضر اور اُن کے امن و سکون کو برباد کرنے والا ہے.

درجہ بالا تمہید کے بعد مسئلہ سود (ربا) پر نظر ڈالئے تو اس میں ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں سود خور کے وقتی اور ہنگامی نفع کے مقابلہ میں اُسکا رُوحانی اور اخلاقی نقصان اتنا شدید ہے کہ وہ اس کو انسانیت سے نکال دیتا ہے. اور یہ کہ اُس کا جو وقتی نفع ہے وہ بھی صرف اُسکی ذات کا نفع ہے، اسکے مقابلہ میں پوری ملّت کو نقصانِ عظیم اور معاشی بحران کا شکار ہونا پڑتا ہے. لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ جب اس میں کوئی چیز رواج پا جاتی ہے تو اُسکی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اور صرف اسکے فوائد سامنے رہ جاتے ہیں، اگر چہ وہ فوائد کتنے ہی حقیر و ذلیل اور ہنگامی ہوں اسکے نقصانات کی طرف دھیان نہیں جاتا اگر چہ وہ کتنے ہی شدید اور عام ہوں. (۵) مختصر یہ کہ سود و ربا میں اگر کوئی دوسرا

---

(۱) راغب بحوالہ تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، کراچی/ص:۸۲۱

(۲) روایت ابن عباسؓ بحوالہ تفسیر ماجدی/ص: ایضا

(۳) ایضا

(۴) معارف القرآن، جلد اوّل/ص: ۶۶۹

(۵) ایضا

عیب بھی اسکے سوا نہ ہوتا کہ اسکے نتیجہ میں چند افراد کا نفع اور پوری انسانیت کا نقصان ہے تو یہی اسکی ممانعت اور قابلِ نفرت ہونے کیلئے کافی تھا، حالانکہ اسمیں اسکے علاوہ اور بھی معاشی خرابیاں اور روحانی تباہ کاریاں پائی جاتی ہیں۔(۱)

مزید تفصیلات میں جانے سے قبل یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات یہ بتلا رہی ہیں کہ ربا سے متعلق معاملات زمانہ تورات میں بھی معروف تھے، اور تورات میں بھی اسکو حرام قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا لفظ جو زمانہ قدیم سے عرب اور اُس کے قرب وجوار میں معروف چلا آتا ہے اور اُس پر لین دین کا رواج چل رہا ہے، اور قرآن اُسکی حرمت وممانعت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی خبر دیتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت پر بھی سود ور باء حرام کیا گیا تھا، اس لفظ کی حقیقت کوئی ایسی مبہم چیز نہیں ہوسکتی جسکے سمجھنے سمجھانے میں دشواریاں پیش آئیں، یہی وجہ ہے کہ جب ۸ھ ہجری میں سورۃ بقرہ کی آیاتِ رباء کی حرمت کے متعلق نازل ہوئیں تو صحابۂ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ اُن کو لفظِ رباء کی حقیقت سمجھنے میں کوئی اشتباہ پیش آیا ہو، اور حضور ﷺ سے دوسرے معاملات کی طرح اس کی تحقیق کی نوبت آئی ہو، بلکہ جس طرح شراب کی حرمت نازل ہوتے ہیں صحابۂ کرام نے اس پر عمل کیا، اسی طرح رباء کی حرمت نازل ہوتے ہی رباء کے تمام معاملات ترک کردیئے۔ پچھلے زمانہ کے معاملات میں مسلمانوں کا جو رباء غیر مسلموں کے ذمہ واجب الاداتھا وہ بھی مسلمانوں نے چھوڑ دیا، اور جو غیر مسلموں کا مسلمانوں کے ذمہ واجب الاداتھا، اور مسلمان نزولِ ممانعت کے بعد اُس کو دینا نہیں چاہتے تھے، اسکا جھگڑا امیرِ مکّہ کے عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا، تو اسکا فیصلہ سورۃ بقرۃ کی آیات میں آسمان سے نازل ہوا کہ پچھلے زمانہ کے بقایا رباء کا لین دین بھی اب جائز نہیں۔ اور اسمیں چونکہ غیر مسلموں کو یہ شکایت کا موقع مل سکتا تھا کہ ایک اسلامی حُکم شرعی کی وجہ سے ہمارا روپیہ کیوں مارا جائے، تو اسکے ازالہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ واضح کردیا کہ اس حکمِ شرعی کا اثر صرف غیر مسلموں پر نہیں، بلکہ مسلمانوں پر بھی یکساں ہے، اور سب سے پہلے جو سود کی رقم چھوڑی گئی وہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت عباسؓ کی کثیر التعداد رقم تھی۔ الغرض رباء کی ممانعت ہونے کے وقت رباء کا مفہوم کچھ مخفی نہ تھا، عام طور پر معروف تھا وہی رباء جسکو عرب رباء کہتے تھے، اور اُسکا لین دین کرتے تھے۔ قرآنِ کریم نے حرام کیا، اور رسول کریم ﷺ نے اسکو صرف اخلاقی انداز میں نہیں، بلکہ قانونِ ملک کی حیثیت سے نافذ فرمایا۔(۲)

قرآنِ کریم میں سود کی آیات کا ترتیب وار موضوعاتی مطالعہ

اسلام میں احکام سود کی جتنی کھلی وضاحت آئی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی وضاحت دیگر ادیان سماوی میں اوّل تو ہیں ہی نہیں یا پھر اگر موجود بھی ہیں تو انکی وضاحت کا اطلاق قرآنِ کریم کی طرح انکی معاشی زندگیوں پر بالکل نظر نہیں آتا؛ البتہ فصلِ اوّل میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ دیگر اہل کتاب کے یہاں سود حرام قرار دیا جاچکا تھا، اور باوجود اُن کی سماوی کتب میں مستقلاً تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں حتیٰ کہ اُن کتب سماوی کی اہلیت نزول بالکل مسخ ہوکر رہ گئی۔ اس سب کے باوجود سود جیسے باریک مسئلہ کو اگر تبدیل یا مسخ نہ کیا جاسکا ہوگا تو میری نظر میں ایک وجہ یہ ہی ہے کہ اگر قرآن کریم میں کہیں یہود کے سود خور ہونے کا ذکر آیا ہے، تو وہ صرف قرآن کی حد تک تو نہیں رہا بلکہ خود انکی کتب سماوی میں موجود آیات نہ صرف یہود ونصاریٰ کی رہنمائی کر رہی ہیں بلکہ اصل متنِ قرآن کی حقانیت کی بھی تصدیق کر رہی ہیں۔

---

(۱) شفیع محمد مفتی مولانا، معارف القرآن، دارالاشاعت، کراچی، س ن ـ جلد اوّل/ص:۶۷۱

(۲) ایضاً /ص:۶۶۲-۶۶۳

قرآن کریم کی ترتیب دراصل سود کے معاملہ میں اُن حالات کے عین مطابق ہے، جو لوگوں میں اپنی بدعادات کو ختم کرنے میں نفسیاتی طور پر اس حد تک کارآمد ثابت ہوتی ہے گویا، کوئی حاذق حکیم اپنے دیرینہ مریضوں کا بہت احتیاط سے علاج کررہا ہو۔ اللہ تعالیٰ جو حکیم الاعلیٰ ہے، وہ کیوں نہ اپنے بندوں پر رحمت کے ساتھ انکا علاج موضوع ترین حالات کے ساتھ کرنے والا ہو، لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ احکامِ سود کو بالترتیب نزول ہی سامنے لائیں تاکہ احوال واقعی واحکام کی نوعیت حالات کے زمرے میں بہتر انداز سے سمجھ آسکے:

ترتیبِ اوّل - "وما آتیتم من ربا لیربوا فیٓ اموال الناس فلا یربوا عند اللہ ط" (۱)

'تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، پس وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا'.

مندرجہ آیت سورۃ الرّوم سے لی گئی ہے. سورہ روم ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئی .اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی شان رسالت، حشر ونشر، قیامت، آخرت، جزاوسزا، مشرکانہ اعمال کی مذمت، جنت وجہنم، اللہ کی قدرت کی نشانیاں، قرآنِ کریم کا نزول اور دنیا کی بدکار قوموں کے بُرے انجام کو کھول کر بیان کیا گیا ہے. جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس وقت مکّہ مکرّمہ میں مسلمانوں پر کفارِ مکہ کے ظلم وستم کی انتہا ہو چکی تھی. کفار ومشرکین اہل ایمان کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور جس سے انسانیت بھی شرما جائے اس ظلم وزیادتی سے باز نہیں آرہے تھے. یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے صحابہ کرامؓ مکّہ چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر چکے تھے. اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دینے کے لئے قیصر و کسریٰ جیسی طاقتوں والی قوموں کے بننے اور مٹنے اور بننے کے واقعہ کو بیان کر کے بتایا ہے کہ اہل ایمان بہت جلد کامیاب ہونگے اور کفار مٹا دیئے جائیں گے.(۲) اور پھر کیا ہوا کہ کم وبیش ۷ برس کے عرصہ ہی میں اہل ایمان نے یہ خوشخبری سُن لی.'' ترمذی نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ جس دن معرکہ بدر تھا، اسی دن رومیوں کو اہلِ فارس پر فتح نصیب ہوئی، اور مسلمانوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی، اس وقت المٓ، غلبت الروم تا قولہ تعالیٰ، بنصر اللہ؛ نازل ہوئی''.(۳)

اب یہاں سے نقطہ بحث کا آغاز ہوتا ہے کہ اہل کتاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر اہل کتاب کے مقابلے میں اُسی طرح اہمیت رکھتا ہے جس طرح اللہ نے اپنے تمام پیغمبران کے ذریعے الہامی ہدایات کو ماننے والے صحیح العقیدہ افراد کو ایک قوم فرمایا؛ ولکل امت اجل - کے مصداق. لہٰذا سود کے احکامات میں سب سے پہلے اہل کتاب یعنی یہود کا ذکر کر کے انہیں محظ تنبیہانہ انداز میں سود کی خرابی کا ذکر اس سورۃ الروم میں، آپ علیہ السّلام کی مکّی زندگی میں فرما کر، سود پر قدغن لگانے کے قوانین کا آغاز فرمایا.

اب یہ اور بات ہے کہ مفسرین عظام نے گہرائی میں اتر کے جو وضاحتیں فرمائی ہیں انمیں اس آیتِ مبارکہ کا ایک واضح پہلو اور ذکر کیا گیا ہے جسمیں خاندانوں میں تحائف کے تبادلہ میں 'نیوتوں' کا دخل بھی شامل حال کر کے انہیں حالتِ سود پر لا کھڑا کیا ہے. چنانچہ نیوتہ وغیرہ کے نام سے جن رقموں سے برادری کی اکثر تقریبات میں شرکت اس اُمید سے کی جاتی ہے کہ وہ رقم زائد ہو کر پھر اپنے پاس آجائیگی، اکثر محققین نے یہی مُراد لی ہے.(۴) اب فصل اوّل پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نصاریٰ کے یہاں خاصطور پر یہ رواج رہا ہے کہ اپنی کسی باتمیں ایک عام آدمی تحفہ تحائف کے ذریعے پادری صاحبان سے قوانینِ فطرت کا رخ بآسانی اپنے مطلب کی جانب مبذول کروالیتا تھا، جس کی مثال اوپر آنے واقعات میں سے ایک ''پال'' "Paul" کی بھی ہے.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الرّوم/۳۰: ۳۹

(۲) قاسمی، محمد آصف الحاج مولانا، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہ بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، (ٹورانٹو) کینیڈا، س ن - جلد ۵/ص: ۱۹۹

(۳) سیوطی، جلال الدین علّامہ، ترجمہ: انصاری محمد حلیم، الاتقان فی القرآن؛ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن: ص: ۴۵

(۴) دریابادی، عبدالماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص: ۸۲۱

ترتیبِ دوم ۔

"واخذهم الرّبوا وقد نهوا عنه واكلهم اموال الناس بالباطل ۔واعتدنا للكفرين منهم عذابا اليما" (۱)

ترجمہ: اور وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ اس سے انہیں منع کر دیا گیا تھا وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھا جاتے تھے، اور انمیں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب تیار کیا ہوا ہے۔

سیاق وسباق کے حوالے سے یہ آیت قوم یہود کی ریشہ دوانیوں کی فہرست میں آخری شرارت کا ذکر کر رہی ہے، جس پر اللہ تعالی نے پر انکی حرکتوں کے باعث کفر لازم قرار دیکر سزا کا موجب ٹھہرایا ہے۔ چونکہ ہمارا موضوع اُن پچھلی باتوں سے طوالت اختیار کر جائے گا اس لئے ہم انتہائی مختصر انداز میں یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ سورۃ النساء غزوہ اُحد کے بعد نازل کی گئی، جس جنگ میں ستر سے زیادہ صحابہ کرام شہید ہوئے اتنی بڑی تعداد میں گھروں کے سربراہوں کے اٹھ جانے سے عورتوں، بچوں کے مسائل، میراث وجائیداد کی مشکلات پیش آگئیں (۲) چنانچہ اس سورۃ میں اس بات کی تنبیہ خاص طور پر کی گئی ہے کہ تمام معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اسکے رسول علیہ السلام کی مکمل اطاعت زندگی کا سب سے بہتر راستہ ہے، اور باہمی رضامندی کے بغیر لین دین اور لوٹ کھسوٹ کو حرام قرار دیا گیا ہے (۳) لیکن اُن تمام معاملاتِ زندگی میں یہودیوں کی ریشہ دوانی کا قصہ کیونکر آیا اس کی ایک خاص وجہ زیر بحث آتی ہے اور وہ یہ کہ یہود کے چند سردار حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ بھی ایک مکمل لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل شدہ ہمیں دکھادیں جس طرح ایک مکمل لکھی ہوئی کتاب حضرت موسیٰ پر نازل ہو چکی ہے تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ (۴)

"یسئلک اهل الكتب ان تنزّل عليهم كتبا من السّمآء فقد سالوا موسىٰ اكبر من ذلك۔۔۔" (۵)

"(اے نبیؐ) اہل کتاب آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ اُن کے لئے آسمان سے کوئی کتاب اُتار لائیں، تو (یہ کوئی نئی بات نہیں ہے) وہ اس سے بھی زیادہ نامعقول مطالبے موسیٰ سے کر چکے ہیں؛

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذارسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ تم سے عناداً توریت جیسی کتاب دفعۃً واحدۃً طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو اُن متعصب نالائقوں سے کیا متبعد ہے اُنکی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت انکے لئے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید انکے واسطے تیار کر رکھا ہے (۶)

اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ نے قوم کے سامنے تورات کی تختیاں پیش کیں اور انہیں اسکے احکام پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی۔ بنی اسرائیل کہنے لگے "اے موسیٰ! ہم تمہارے کہنے سے کس طرح یقین کر لیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، لہذا تم ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھاؤ اور وہ خود ہم سے کہے کہ یہ اس کی

---

(۱) قرآن کریم : سورۃ النساء/۴:۱۶۱

(۲) قاسمی، محمد آصف الحاج مولانا، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہ بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، (ٹورانٹو) کینیڈا، س ن۔ جلد۵/ص: ۴۵۷

(۳) ایضا/ص: ۴۵۷

(۴) ایضا/ص: ۶۰۲

(۵) قرآن کریم؛ سورۃ النساء/۴:۱۵۳

(۶) مترجم، محمود الحسن، شیخ الہند، عثمانی شبیر احمد علامہ، تفسیر عثمانی القرآن الکریم، مطبع المملکۃ العبیۃ السعودیہ/ص: ۱۳۵

کتاب ہے، پھر ہم ایمان لے آئیں گے" (۱) الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہ انہیں کوہ طور پر بھی لے گئے اور اللہ سے ہمکلامی کا منظر دکھوا اور سنوا بھی دیا لیکن یہ قوم کسی صورت بھی ایمان والی نہ بن سکی۔

تاریخ گواہ ہے کہ اگر کسی قوم نے اللہ کے راستے سے سب سے زیادہ لوگوں کو بھڑ کایا ہے، اُن کا راستہ روکا ہے اور مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے، اگر کوئی قوم دینِ اسلام کی مخالفت میں سب سے آگے آگے رہی ہے تو وہ یہودی ہیں، آج بھی مسلمانوں اور خود دینِ اسلام کے خلاف جس قوم کا سرمایہ، دماغ، افرادی طاقت، سیاست، ہتھیار اور ہر ممکن طریقہ لگ رہا ہے وہ یہی بدنصیب قوم ہے، اسی قوم نے کمیونزم اور سوشلزم جیسی لادینی بلکہ مخالفِ دینی تحریکوں کو ابھارا (۲) پس اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ نے انہیں (یہودی قوم کو) سود سے منع فرمادیا تھا پھر بھی انہوں نے سولیا طرح طرح کے حیلے تراش کر سود خوری جاری رکھی اور باطل سے لوگوں کا مال اُڑاتے رہے، حتیٰ کے اس جرم پر اللہ تعالیٰ نے بعض حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں، اور پھر فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۳)

گویا یہ بات طے ہوگئی کہ سود خوری نہ صرف ایک گناہ بلکہ اللہ کے ساتھ ضد کرنے کے باعث کفر لازم آنے کے مترادف ہے۔ اور یہ بات یوں بھی سمجھ میں آتی ہے کہ توریت میں ممانعتِ سود کے اس طرح کی احکام آج تک لکھے چلے آرہے ہیں، (۴) جن کا ہم نے یہودیت کے باب میں تفصیلی ذکر کیا ہے، لہذا اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہودیت کی شریعت میں سُود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام کر دیا گیا تھا، اُنہی کو اختیار کر کے جن نعمتوں سے یہود محروم کر دیے گئے تھے، وہ جنتی اور جو کچھ بھی ہوں، بہر حال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کر دیئے گئے ہیں، (۵)

اسلام لوگوں میں باہمی الفت و ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے اور وہ ایسے تمام راستوں کو بند کر دینے کا خواہاں ہے کہ جو دوسروں کی ذہنی وفکری اور مالی بدنی تکلیف پر منتج ہوتے ہوں۔ چنانچہ اس ضمن میں اسلام نے امورِ جاہلیت میں سے کسی امر کو باطل ٹھہرانے کے سلسلے میں اسکی اتنی مذمت نہیں کی کہ جتنی "سود" کی کی ہے۔ سرمایہ داری نظام کی پیدائش میں سودی کاروبار کا بڑا دخل ہے۔ روپیہ کے ذریعے روپیہ کمانا انسانیت کی سب سے بڑی لعنت ہے۔ اہلِ زر اسی کاروبار کے باعث ست اور کاہل ہو جاتے ہیں اور محنت کی قدر نہیں کرتے۔ سود خور ایک ضرورت مند کی مدد کرنے کے بجائے اُسکی حاجت مندی کو مزید بڑھاتا ہے۔ اور اس میں بے بسی و احتیاج کی کیفیت پیدا کر کے اس سے زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ خود غرضی کا یہ جذبہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ انسانی ہمدردی کا کوئی شائبہ بھی اُس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ ایسے لوگ ظاہر میں انسان اور باطن میں خونخوار درندوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ (۶) اور اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو صرف سزاء کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ دنیا میں ہی سود خوار کو کافروں کی صف میں لا کھڑا کیا، لہذا ایسے ہی حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم قرآنِ کریم کی جن اگلی آیات کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں میں ہمارے لئے راہنما کن نشانیاں ہیں۔ چنانچہ اسلام نے سُودی کاروبار کی ان تمام اقسام کو حرام قرار دیا ہے اور بے محنت کی اس کمائی کو ظلم و سُحت سے تعبیر کیا ہے: (۷)

---

(۱) عرفی، عبدالعزیز، جمالِ مصطفیٰ، سیرت ایوارڈ ۱۹۸۰ء، گیلانی پبلشرز، کراچی ۱۹۸۷ء، جلد دوم/ص: ۱۵۳

(۲) قاسمی، محمد آصف الحاج مولانا، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہ بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، ٹورانٹو، کینیڈا، جلد اول، س ن/ص: ۶۰۳

(۳) ابن کثیر، عماد الدین ابوالفدا، حافظ، تفسیر ابن کثیر، مترجم: راغب رحمانی، محمد داؤد خاں مولوی، مدرسہ تحمیہ دہلی کالونی، کراچی ۱۹۶۸ء، جلد اول/ص: ۱۳۹

(۴) دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص: ۲۲۹

(۵) ایضاً/ص: ۲۲۹

(۶) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص: ۱۳

(۷) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء/ص: ۲۶۸

ترتیب سوم – اللہ تعالی نے قرآنِ کریم کی سورۃ البقرۃ کی مندرج ذیل آیات میں سودی لین دین پر احکامات کے ان تمام پہلوؤں کو اس ترتیب سے یکجا کر کے بیان کیا ہے، گویا یہ آیات تمام احکاماتِ سود کا خلاصہ پیش کر رہی ہوں :

"الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المسّ ؕ ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا م واحل الله البیع و حرم الربوا ؕ فمن جآءه موعظة من ربه فانتهی فله ما سلف ؕ وامرۃ الی الله ؕ ومن عاد فالئک اصحب النار ج هم فیها خالدون o" (۱)

"یمحق الله الربوا ویربی الصدقت ؕ والله لا یحب کل کفار اثیم o " (۲)

"ان الذین امنوا وعملوا الصلحت واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ لهم اجرهم عندربهم ج ولاخوف علیهم ولا هم یحزنون o " (۳)

"یایها الذین امنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین o " (۴)

"فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله ج وان تبتم فلکم رء وس اموالکم ج لا تظلمون ولا تظلمون o " (۵)

ترجمہ ☆ وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح اٹھیں گے جس کو کسی جن (شیطان) نے لپٹ کر بدحواس کر دیا ہو۔(اور وہ پاگلوں جیسی حرکتیں کرتا ہو) یہ سزا اسلئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے۔حالانکہ اللہ تعالی نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دے دیا ہے پھر جس شخص کو اسکے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور پھر وہ آئندہ کیلئے اس سے رک جائے تو جو گزر گیا اسکا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔اور جو شخص پھر اسی طرف لوٹ جائے گا تو وہ جہنم والا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

☆ (اللہ کا یہ نظام ہے کہ) وہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو پروان چڑھاتا ہے۔اللہ کو ناشکر اور گناہ گار سخت ناپسند ہیں۔

☆ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے،انہوں نے نماز قائم کی زکوۃ دیتے رہے تو ان کا اجر و ثواب ان کے پروردگار کے پاس ہے۔نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

☆ اے ایمان والو! اگر واقعی تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسکو چھوڑ دو۔

☆ پھر بھی اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔اگر تم نے توبہ کر لی تو اصل مال تمہارے ہیں۔ نہ تم کسی پر ظلم و زیادتی کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم و زیادتی کرے گا۔(۶)

سورۃ البقرۃ کا مقامِ نزول مدینہ منورہ ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی ترتیب کے اعتبار سے دوسری سورت ہے،اس سورت کا نام بقرہ جس کے معنی گائے یا بیل کے ہیں۔ یہ لفظ اسمِ جنس ہے جیسے ہم کہتے ہیں 'انسان'،اس سے مراد عورت بھی ہو سکتی ہے اور مرد بھی۔اسی لئے مفسرین نے بقرہ کا

---

(۱) قرآنِ کریم : سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۵

(۲) ایضا/۲:۲۷۶

(۳) ایضا/۲:۲۷۷

(۴) ایضا/۲:۲۷۸

(۵) ایضا/۲:۲۷۹

(۶) قاسمی، محمد آصف الحاج مولانا، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہ بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، ٹورانٹو، کینیڈا، جلد اول، س ن/ص:۳۰۸

ترجمہ گائے کا کیا ہے اور کسی نے بیل کا. اس سورت میں ایک جگہ "بقرہ" کا ایک بہت ہی مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے. جس کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے.(۱) اس سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل اور امتِ محمدیہ ﷺ کا ذکر کرنے کے بعد وہ چالیس اصول زندگی ارشاد فرمائے گئے ہیں جو عبادت و بندگی، تہذیب و تمدن، عدل و انصاف، معاشرت و معیشت اور زندگی کے اہم معاملات کی بنیاد ہیں. گویا اس میں ایک اشارہ بھی ملتا ہے کہ اگر امتِ محمدیہ ﷺ نے زندگی کے ان اصولوں کو سامنے رکھا تو وہ بنی اسرائیل کی طرح دنیا و آخرت کے نقصانات سے بچ جائیں گے.(۲) ان اصولوں میں سے قابلِ ذکر کچھ یہ ہیں:

☆ سودی لین دین کسی بھی معاشرے کے لئے کینسر کی طرح ہے اللہ تعالی نے اسکے لین دین سے اس قدر سختی کے ساتھ منع کیا ہے کہ اس کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اگر غور کیا جائے تو آج ساری دنیا جو مہنگائی کی سولی پر چڑھی ہوئی ہے. جس سے زندگیوں کا سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے وہ سود ہی کی لعنت ہے. اللہ تعالی اس لعنت سے ہر مومن کو اور ہر اسلامی ملک کو محفوظ رکھے. آمین.(۳)

☆ اس سے پیشتر ہم دیکھ چکے ہیں کہ اہل کتاب کے یہاں سود کے احکامات میں جوڑ توڑ و بدل کیا گیا اور جن جن وجوہات یا دلائل کو منظرِ عام پر لایا گیا ہے وہ تمام کی تمام صورتحال درجہ بالا آیات میں مکمل نظر آتی ہیں، مثلاً: بجائے اُن لوگوں کو سزا کی حالت پہلے سنائی جاتی، یہ حال پہلے ہی بتلا دیا گیا ہے کہ سود کھانے والا ازرا پاگل صفت ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو اُسکا انجام ہی بدحواسوں کا سا ہوگا. اسکا مشاہدہ ہم آج کی دنیا میں آسانی کر سکتے ہیں، کہ ہمارے معاشرے کے نوجوان اپنے باپ یا دادا کی کمائی یا میراث پر حاصل شدہ گاڑیاں سڑکوں پر جس بدحواسی یا پھر فرعونِ مصر کی طرح تکبرانہ انداز میں سڑکوں پر دندناتے پھرتے ہیں وہ صحیح معنی میں اس آیت کی تصویر پیش کر رہے ہوتے ہیں. ایک اور بات جو سود خور طبقہ میں نظر آتی ہے، وہ لوگ انتہائی درجہ کے بداخلاق اور رزیلانہ حرکتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں. پھر یہی ایک بات نہیں بلکہ ان سود خوروں کا بس نہیں چلتا ورنہ تو دنیا سے یہ لوگ انسانوں سے محنت و مزدوری کی روش ہی ختم کروا ڈالتے، جیسا کہ بنی اسرائیل ہی کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے محنت کرنا اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تھا. اور پھر پیسہ پر پیسہ کمانا اپنی اپنی فنکارانہ دوکانے بڑھانا انکا بہترین مشغلہ ہو گیا.

☆ ان آیات میں ایسے سود خوروں کا بیان ہے جو لوگوں کا خون چوستے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اُنکا مال اڑا جاتے ہیں. سود خواروں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے دیوانوں، خبطیوں اور مرگی والوں کی طرح اٹھیں گے، جیسے کسی کو جن لپٹ کر اُسے پاگل و دیوانہ بنا دیتے ہیں. ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سود خوار دیوانہ اٹھیگا. قیامت کے دن سود خوار سے کہا جائے گا کہ رب سے لڑائی کے لئے ہتھیار لیکر آمادہ ہو جا. پھر آپؐ نے الذین یاکلون الخ پڑھ کر فرمایا کہ قبروں سے اُٹھتے وقت اُن پر دیوانگی کی حالت طاری ہوگی.(۴)

☆ انمیں ایک طبقہ ایسا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ بیع اور سود میں فرق ہی کیا ہے، جب بیع جائز ہے تو سود بھی جائز ہے. ان نااہلوں نے سود کا قیاس بیع پر نہیں کیا تھا کیونکہ یہ تو سرے سے قرآنی بیع کی مشروعیت کے قائل ہی نہ تھے، علاوہ ازیں اگر قیاس ہوتا تو یوں کہتے کہ سود بیع کی طرح ہے. اور کہا یہ کہ بیع سود کی طرح ہے انکا محض شریعتِ الٰہیہ پر اعتراض تھا کہ جب دونوں معاملے ایک جیسے ہیں تو پھر ایک حلال ہو اور دوسرا حرام؟ قرآن

---

(۱) قاسمی، محمد آصف الحاج مولانا، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہ بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، ٹورانٹو، کینیڈا، جلد اول، س ن/ص:۱۶

(۲) ایضاً/ص:۱۹

(۳) ایضاً/ص:۲۳

(۴) ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء حافظ، تفسیر ابن کثیر، مترجم: راغب رحمانی، محمد داؤد خاں مولوی، مدرسہ نجمیہ، دہلی کالونی، کراچی، ۱۹۶۸ء، جلد دوم/ص:۱۰۳

جواب دیتا ہے کہ علت وحرمت کا مدار اللہ کے حکم پر ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ واحل اللہ الخ کافروں ہی کا قول ہو، اس صورت میں اور بھی لطافت و نزاکت پیدا ہوگئی کہ انہیں کے قول سے اعتراض کا جواب بھی نکل آیا کہ جب تمہیں یہ معلوم ہے کہ ایک معاملے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اور ایک کو حلال تو اسکے حکم پر تعاقب کرنے والے تم کون ہوتے ہو اور کیوں اس میں چوں وچرا کرتے ہو، بھلا اللہ کا حکم کوئی ٹال سکتا ہے؟ اور کوئی اُسکی کسی بات پر اعتراض کرسکتا ہے. اللہ تعالی حقائق اشیاء اور اُنکی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے، اُسے معلوم ہے کہ کِن باتوں سے لوگوں کو فائدہ پہونچے گا اور کِن سے نقصان، اسلئے مفید چیزیں حلال اور مضر چیزیں حرام فرمادیتا ہے. وہ تو بڑا ہی شفیق ومہربان ہے، ایک ماں کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے اُس سے کہیں زیادہ اُسے اپنے بندوں سے محبت ہے، وہ مصلحت ہی سے حکم دیتا ہے اور مصلحت ہی کی بناء پر روک دیتا ہے، اسی وجہ سے فرمایا کہ جس کے پاس اُسکے رب کی نصیحت آ گئی یعنی جس کو حُرمتِ سود کی خبر مل گئی اور وہ سود خواری سے باز آ گیا تو اُس کے لئے ممانعت سے پہلے کا کیا ہوا سود معاف ہے. (۱) فرمایا: **عفا اللہ عما سلف** (۲) ترجمہ: اللہ نے گزشتہ کو معاف کردیا، یعنی پچھلا کھایا ہوا سود اللہ نے معاف کردیا.

☆ اس آخیر آیت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ظلم وجبر سے حاصل شدہ آمدنی خواہ ہم اُسے رشوت، چوری، ڈکیتی یا قبضہ کے مترادف کوئی بھی نام دیں وہ قرآن کے اس حکم کے مطابق پہلے ''سود'' یا ''رباء'' کے زمرے میں آئے گا، پھر کسی اور نام میں. اس سے رباء کی تمام شکلوں کے حرام ہونے کا خوب اندازہ ہوجانا چاہئے.

ترتیب چہارم -

''یآیھاالذین امنوا لاتاکلوا الربوا اضعافامضعفة ص واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۝

واتقو النّار الّتیٓ اُعدّت للکفرین ۝'' (۳)

'اے ایمان والو! سود کو دُگنا چوگنا کر کے نہ کھاؤ، اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح وکامیابی حاصل کرسکو، اور اُس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے'.

سورۃ آلِ عمران مدینہ منورہ میں نازل ہوئی لیکن چونکہ یہ فتح مکّہ کے بعد ۹ ھ میں نجران کے بڑے بڑے علماء نے نبی کریم ﷺ سے ملنے کی درخواست کی تاکہ وہ عیسائیت کی صداقت کو بیان کرسکیں. نبی کریم ﷺ نے اُن کو آنے کی اجازت مرحمت فرمادی. (۴) سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں، اُن کی ناشکریوں اور اسپر عذابِ الٰہی کا ذکر کر کے اُن کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کی اولاد ہوکر شرک میں مبتلا ہیں. اسی طرح سورہ آلِ عمران میں النصاریٰ یعنی عیسائیوں کے عقیدوں کی خرابیوں کو بیان کر کے اُن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی. (۵) اس تمثیل کی وجہ بظاہر اس کے کچھ نہیں کہ سود کا یہ طریقہ دورِ جہالیت سے دورِ نو میں جب داخل ہوا تو بینک کے لین دین میں سب سے زیادہ اسی درجہ کے سود نے حیثیت حاصل کی.

---

(۱) ابن کثیر، عماد الدین ابوالفدا اسماعیل، تفسیر ابن کثیر، مترجم: راغب رحمانی، محمد داؤد خاں سولوی، مدرسہ نجمیہ، دہلی کالونی، کراچی، ۱۹۹۸ء، ۱/ص: ۱۰۳

(۲) قرآن کریم - مائدہ/۵:۹۵

(۳) قرآن کریم: سورۃ آلِ عمران/۳:۱۳۱-۱۳۰

(۴) قاضی محمد آصف الحاج مولانا، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہ بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، ٹورانٹو، کینیڈا، جلد اوّل، س ن/ص: ۳۲۴

(۵) ایضاً

اب یہاں مفسرین عظام کی رائے سے استفادہ ہمارے لئے باعث راہنماء ثابت ہوگا. لاتاکلوا الربوا - یعنی سودی کاروبار، لین دین کو بالکل حرام سمجھو.(۱) اضعافا مضاعفة - اسکی خاصیت یہی ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں. آیت میں سود کے اسی دوگنے چوگنے ہوجانے والے وصف کی طرف اشارہ ہے، یہ مُراد نہیں کہ سُود مکرر کب نہ لو، اور سود مفرد لے سکتے ہو. متکلمین نے کہا ہے کہ آیت سے فرقہ ''مرجئة'' کا رد نکل رہا ہے. جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں اور نہ مومن کے لئے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے،' فیه ردّ علی المرجئة فی قولهم لا یضر مع الایمان ذنب و لا یعذب بالنار اصلا (مدراک) - یعنی وہ جہنّم کی آگ اصلاً ہے کافروں ہی کیلئے کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کر کے اپنے کو اُن کی لپیٹ میں نہ لے آنا. اکثر ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کیلئے ہے، جو سودخواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لئے وہ حدودِ کفر میں داخل تھے.(۲) امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت ہی زیادہ ڈرانے والی آیت ہے کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقۃً کُفر کی سزا ہے. اُن لوگوں (مسلمانوں) کو بھی ڈرایا گیا ہے جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے.(۳)

اللہ تعالیٰ سود میں برکت نہیں کرتا یا تو سود والا مال سب کا سب سود خوار کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے یا وہ اسکی برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے. یعنی وہ اس مال سے دنیا میں فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ دنیا ہی میں غارت ہو جاتا ہے اور آخرت میں اس پر اُسکا وبال بھی پڑے گا.(۴) اس بات کو اُس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ یہ آیت سمجھ میں نہ آجائے جسمیں پاک و ناپاک چیزوں کے درمیان فرق کئے رکھنے پر اللہ تعالیٰ نے پُر زور علامت بتلائی ہے؛ قُل لا یستوی الخبیث و الطیّب و لو اعجبک کثرة الخبیث ۔ (۵) ترجمہ: آپ فرمادیں کہ ناپاک و پاک برابر نہیں ہوتے اگر چہ تم کو ناپاک کی کثرت حیرت ہیں میں کیوں نہ ڈالدے. اب چونکہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ سود کھانا تو منافع کے برابر ہے تو پھر سود کھانے والے کو کڑی سزا کیوں؛ تو اسکا جواب بھی قرآنِ کریم نے پہلے ہی دے دیا کہ: ویجعل الخبیث بعضه علی بعض فیر کمه جمیعا فجعله فی جهنّم ط اُلٰئک هم الخاسرون ٥(۶) ترجمہ: پھر اللہ گندوں کو گندوں پر رکھ کر (اکھٹا کر کے) سب کو جمع کر کے جہنّم میں جھونک دیگا. چنانچہ و ما اتیتم من الرباء والی آیت سے یہاں یہی مراد ہے کہ جو چیز تم اس لئے دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہونچ کر بڑھ جاوے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی. لہذا سود خواہ کتنا ہی بڑھ جائے مگر اس کا انجام کمی ہی کی ہے. ابنِ ماجہ میں لکھا ہے کہ 'جس نے کثرت سے سود لیا اُس کا انجام ضرور کمی پر ہوا' یعنی سودی معاملہ کا انجام مقصد نقیض ہے. مقصد تو مال کی بہتات ہے مگر ہوتا ہے اسکے خلاف، یعنی کمی آجاتی ہے.(۷)

---

(۱) دریآبادی، عبدالماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص:۱۵۴

(۲) ایضا

(۳) ایضا

(۴) مترجم: رحمانی، راغب، تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، تاریخ طبع ۱۹۶۸/۹/۱۴/ص:۱۰۵

(۵) قرآنِ کریم - مائدہ/۵:۱۰۰

(۶) قرآنِ کریم - انفال/۸:۳۷

(۷) مترجم: رحمانی، راغب، محمد داؤد خان، الفضل الکبیر، تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، تاریخ طبع ۱۹۶۸/۹/۱۴/ص:۱۰۵

سودی کاروبار کے سب سے بڑے محرک 'قرض' پر قرآنِ کریم کے تحفظات

سود بمعنی پیسہ پر پیسہ کمانا جیسے ناجائز منافع کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی ناپسند فرمایا ہے اور انسانی فطری جذبات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایسے عوامل کا جن سے لوگوں کے معاملاتِ زندگی میں جھول آسکتا ہو، پر ایسی مدلل آیات نازل فرمائی ہیں کہ دنیا کا کوئی فلسفہ اسکا توڑ پیش نہیں کرسکا۔ یہ بات ضرور ہے کہ معاشیات کے علماء نے قرض کو سود حاصل کرنے کا سب سے بڑا محرک قرار دیا ہے۔ اور ایسی ہی صورت میں اللہ تعالیٰ نے قرض کے لین دین میں انسانیت کو جو اصول وضوابط بتائیں ہیں وہ مقروض شخص کو بالخصوص اور قرض خواہ کو بالعموم تحفظات مہیا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں قرض کے لین دین میں سود سے بچنے کی جو احتیاطیں موجود ہیں ان کا ذکر معیشتِ اسلامی کا ناگزیر پہلو ہے۔ اسی طرح ان عوامل کا پہلے ذکر کیا جانا بھی ازبس ضروری تھا کہ جسمیں ایک انسان قرض لینے پر کیونکر مجبور ہوسکتا ہے؛ اور اگر اُسے ایسا ماحول پہلے ہی مہیاء کردیا جائے تو پھر معاشرے سے سود کی لعنت کو کیونکر ختم نہیں کیا جاسکتا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی عجیب اعجازِ گفتگو ملتی ہے کہ اس مسئلہ کا حل اللہ تعالیٰ نے اوّل وقت ہی میں کردیا، جہاں پر سود اور قرض کا ذکر کیا جانا تھا، لہٰذا سورۃ بقرۃ جسمیں سود کی حرمت پر ایک باب کھول کر بیان کردیا گیا ہے، اُس کی شروعات میں جو آیت قرآنِ کریم میں نازل ہوئی وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں؛ جس پر امتِ مسلمہ اگر کاربند ہوجائے تو نہ قرض کے لین دین کی ضرورت پیش آئے اور نہ ہی پھر جملہ سودی منافع جات کی مارکیٹ وجود میں آئے:

''الذین ینفقون اموالھم بالیل والنھار سرا و علانیة فلھم اجرھم عندربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ٥'' (١)

'اور جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں اُن کے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی'

اصولی طور پر تو درجہ بالا آیت کی تشریح اُن آیات سے پہلے ہی آنی چاہئے تھی لیکن یہاں اس بات کی فی الفور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سود کا اور قرض کا کوئی باہمی ربط بھی ہے کہ نہیں۔ لہٰذا ان سب کے درمیان دو چیزیں حائل ہیں۔ ایک یہ کہ قرض دینا کے مقاصد کا تعین اوّل روز سے ہی ہو جانا چاہئے، دوسرا یہ کہ آیا پیسہ کو صرف پیسہ کمانے کے مصرف پر لگایا جاسکتا ہے، یا جس سے انسانیت کی فلاح کا رضائے الٰہی کی خاطر کوئی پہلو بھی نکلتا ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر اپنی عاقبت سنواری جاسکتی ہے۔ چنانچہ جن مقاصد کے لیئے قرض لیا یا دیا جاتا ہو، انمیں ایک بات تو یہ مشترک ہے کہ انسان ایک دوسرے کی ضرورتوں سے فطری طور پر بندھا ہوا ہے، وہ اس سے جان نہیں چھڑا سکتا؛ چنانچہ قرض لینے والے کو اپنا فائدہ حاصل کرنے کا جس طرح حق ہو اسی طرح قرض دینے والے کو بھی حق حاصل ہے۔ اسلام نے بس ان دونوں کے درمیان نیتوں کی شرط لگادی ہے اور وہ نیت رضائے الٰہی کہلاتی ہے، جس کے باعث قرض دینے والا بظاہر تو جو رقم اپنے بھائی پر لگا رہا ہے اس رقم سے مادی منافع حاصل کرنے کے بجائے اصل رقم پر قدرت کے انعامات حاصل کرنے کا جذبہ لئے رہتا، اور دوسری طرف درجہ بالا آیت پر عمل کرنے کی اگر تمام مالدار حضرات اپنی کمر کس لیں تو خود بخود ایک وقت وہ آجائے گا کہ معاشرے میں کسی کو قرض لینے ہی کی حاجت نہ رہے گی، اور یہ بھی محض اسی دینداری کے معاملے کی برکت سے ہوسکے گا۔ چنانچہ اب دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اگر کسی کو قرض دیں تو وہ اپنی عاقبت کیسے سنوار سکتے ہیں:

---

(١) قرآنِ کریم: سورۃ البقرۃ/٢:٢٧٤

''یایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ ط ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب ج ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربّہ ولا یبخس منہ شئیا ط وان کان الذی علیہ الحق سفیھا او ضعیفا اولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل ط واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتن ممن ترضون من الشھدآء ان تُضل احداھما فتذکرا احداھما الاء خری ط ولا یابالشھدآء ازمادعوا ط ولا تسئموآ ان تکتبوہ صغیرا او کبیراالیٰ اجلہ ط ذلکم اقسط عنداللہ واقوم للشھادۃ وادنی الا ترتابوآ الّا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم فلیس علیکم جناح الاتکتبوھا ط واشھدوا اذاتبایعتم ولایضآرّ کاتب ولاشھید ط وان تفعلوا فانہ فسوق بکم ط واتقوا اللہ ط ویعلمکم اللہ ط واللہ بکل شئی علیم O'' (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کسی سے ادھار کا ایک مقررہ مدّت پر معاملہ کرو تو اسے لکھ لو، تمہارے درمیان کسی کاتب کو یہ معاملہ انصاف سے لکھ دینا چاہئے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اسے اللہ نے (لکھنا) سکھا دیا ہے اس لئے اسے لکھ دینا چاہئے اور حق والے کو لکھوانا چاہئے اور اللہ سے جو اسکا رب ہے ڈر جانا چاہئے اور اس میں سے کچھ گھٹائے نہیں. پھر اگر صاحب حق بے عقل ہو یا کمزور ہو، یا خود نہ لکھوا سکتا ہو تو اسکا ولی انصاف سے لکھوا دے اور اپنے مردوں میں دو گواہ بنالو. اگر دو مرد نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں (ہی کافی ہیں) جو اُن گواہوں میں سے ہوں جنہیں تم اچھا سمجھتے ہو کہ اگر کوئی عورت بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلا دے اور جب گواہ بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسکے لکھنے میں اسکی مقرّرہ میعاد تک سُستی نہ کرو، خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسکیں اللہ کے نزدیک خوب انصاف ہے اور گواہی بھی درست رہتی ہے اور یہ تمہارے شبہ میں نہ پڑتے کے قریب تر ہے. ہاں اگر موجود سودا ہو کہ اسے آپس میں لے دے رہے ہو تو تم پر اس کے لکھنے میں کوئی گناہ نہیں، اور جب معاملہ کرو تو گواہ کرلو، نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے اور اللہ سے ڈر جاؤ اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے.

درجہ بالا آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے تمام احکامات کُل انسانیت میں امن و آشتی کے لئے بھیجے ہیں لہذا قرض یا تجارتی لین دین کی Loan or business deal کی کوئی صورت ہو یا پھر کوئی بھی ایسی صورت جسمیں انسانوں کی ضروریات کا ادھار معاملہ یا قسطوں پر سامانِ تجارت کی بیع سے پورا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہو تو، ایسی ہر صورت میں کسی بھی قسم کے معاملہ کو ممکنہ حد تک حرام ٹھہرنے یا سود کے زمرے سے نکالنے کے لئے اسلام نے مکمل تعلیمات عطاء کی ہیں. جو کہ آج کے جدید دور میں بھی اُسی طرح جاری و ساری ہیں جیسا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھیں. چنانچہ اسلام میں انفاق وایثار اور صبر وقناعت کی تعلیم اور حقوق اللہ کی پابندی، حقوق العباد کی پل صراط سے بآسانی گزرنے میں خصوصی تقویت پہنچاتی ہے اس کے بغیر اس مشکل منزل کو عبور کرنا ناممکن ہے. (۲)

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۸۲

(۲) اسحاق حکیم محمد، اسلام کا معاشی معیار اخلاق، حصہ دوم، ناشر حکیم محمد اسحاق، ریلوے روڈ حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، مئی ۱۹۷۷ء/ص:۵۲

بنیادی طور پر لین دین کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں، ایک معاملہ جو ہاتھ در ہاتھ ہو، جسے 'بیع المؤ جل' یعنی 'Credit Sale'(۱) اور دوسرا معاملہ جسمیں ادھار 'Loan' یا مال کے قبضے کی صورت میں پیش آتا ہو یا پھر مال کی قیمت میں ادائیگی کی صورت ہو جیسا کہ 'بیع سلم' کا معاملہ یا بیع عینہ (۲) وغیرہ. اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسی حالت بھی پیش آ سکتی ہے کہ معاملہ 'بیع المؤجل' میں بھی صورتِ سود کا پہلو آ سکتا ہے؟ اور رہا ادھار کا معاملہ تو دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کیسے سود سے بچنے کے لئے رہنمائی کرتا ہے.

بیع کی تعریف:۔ بیع کی مخصوص تعریف یہ ہے کہ کسی مال کا مقررہ طریقہ سے نقدی کے عوض فروخت کرنا اور بیع کی عام تعریف یہ ہے کہ ایک مال کا مبادلہ دوسرے مال سے مفید اور مقررہ طریقہ سے کرنا۔ اسی کا دوسرا نام معاوضہ اشیاء، یعنی ایک شئے کے عوض دوسری شئے کے لین دین کا معاملہ ہے۔

بیع مؤ جل : میں منہ در منہ بات کرنے اور سودے پر باہم موافقت سے بولی کو طے کرنے کے کو بیع مؤ جل کہتے ہیں. ایسی صورت میں سب سے بڑی وقت سامانِ تجارت کے نقائص کے چھپانے اور دھوکہ دینے پر موقوف ہے. چنانچہ ایسی چار اقسام بیع وہ ہیں جنہیں آج کے دور میں بھی ہر قسم کی تجارتی بیع پر پرکھا جائے تو وہ اسلامی اقتصادی پہلوؤں سے ناجائز اور حرام ٹھہرائیں جائیں گی:۔

۱- بیع ملامسۃ : بیع ملامسہ یہ ہے کہ بائع یعنی بیچنے والا یا Seller؛ کوئی چیز مشتری یعنی خریدنے والے Byer کو دکھائے اور صرف مشتری کے ہاتھ لگا لینے سے بیع منعقد کر دے، گویا چیز کو چھونا، دیکھنے کے قائم مقام کر دے اور بعد میں مبیع یعنی خریدی گئی چیز، واپس کرنے کا اختیار بھی نہ ہو.

۲- بیع منابذہ : کسی چیز کو مشتری کی طرف پھینک دینے سے بیع لازم ہو جائے یا یہ کہ بائع مشتری سے یوں کہے کہ جب میں یہ تیر پھینک دوں گا تو بیع لازم ہو جائے گی یا یہ کہ بائع مشتری سے کہے کہ جب میں یہ چیز تیری طرف پھینک دوں گا تو بیع منعقد ہو جائے گی اور تجھے واپسی Refund کا بھی اختیار بھی نہ ہوگا.

۳- بیع الحصاۃ : زمانہ جاہلیت کی بیع کی ایک قسم ہے، بائع اور مشتری جب کسی چیز کی قیمت پر متفق ہو جاتے اور مشتری جس چیز پر کوئی کنکری رکھ دیتا تو بیع لازم ہو جاتی اور فریقین میں سے کسی کو رد Cancellation کا اختیار نہ ہوتا.

۴- دھوکہ کی بیع : یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ کہے کہ میرا اس جال میں جتنی مچھلیاں آئیں گی وہ اِتنے (روپوں) کی ہونگی تو یہ دھوکہ کی بیع ہے. یہ تمام بیع کی اقسام باطل اور ناجائز ہیں اور خلاصہ ان کا یہ ہے کہ ان میں بائع اور مشتری کے ساتھ دھوکہ ہوتا ہے جو کہ ناجائز ہے.(۳)

اب ان خامیوں کو اُجاگر کرنے والی احادیثِ مبارکہ پر ایک نظر ڈال لی جائے تا کہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے:

حدیث نمبر۱- عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الملامسة والمنابذة .(۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے.

حدیث نمبر۲- عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الحصاة و عن بيع الغرر .(۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے.

---

(۱) Uamani,Muhammad Imran Asraf Dr, Islamic Banking, Darul Isaat, Karachi,2002/Page-238

(۲) اسحاق حکیم محمد، اسلام کا معاشی معیارِ اخلاق، حصہ دوم، ناشر حکیم محمد اسحاق، ریلوے روڈ حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، مئی ۱۹۷۷ء/ص:۵۳

(۳) مترجم، عزیز الرحمان، صحیح مسلم شریف مترجم، مکتبہ رحمانیہ، اقراء سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاھور، جلد۲/ص:۳۸۰

(۴) صحیح مسلم شریف، حدیث نمبر ۳۸۰۱

(۵) ایضا، حدیث نمبر ۳۸۰۸

ہم نے اس پہلو پر غور کرنے کے لئے احادیث کا حوالہ فی الوقت اس لئے لیا ہے کہ حدیث ہی کے علم سے قرآن کے مآخذ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں.
وگرنہ اس سے آگے آنے والے مضمون میں سود پر تتمہ ء بحث احادیثِ رسول ﷺ ہی کے حوالوں سے ہوگی، انشاءاللہ. چنانچہ اب ہم ایک نظر درجہ بالا آیت کے پیرائے میں یہ دیکھتے ہیں کہ کس قدر ہم دنیاداری کے معاملات میں قرآن وسنّت سے دور ہوتے جارہے ہیں:-

۱- بیع ملامسہ: اس بیع کی مثال آج کے جدید دور میں، اسٹیٹ ایجنٹس حضرات کے ہاں پائی جاسکتی ہے، جسمیں فائل کو قائم مقام بنا کر کسی بھی مکان، دوکان یا زمین پر سودے بازی طے کردی جاتی ہے، جبکہ بسا اوقات ان معاملات میں انسانوں کو ایک غلط سودا ہو جانے کے باعث اگر وہ سودا واپس کرنے جائے تو بیانہ کی رقم اور ایجنٹ حضرات کی فیس خوامخواہ عوام پر ڈالدی جاتی ہے، جس سے ظلم کئے جانے کا پہلو بالکل واضح ہے.

۲- بیع منابذہ: آج کے دور میں نیلام نام کی ایک تجارت عروج پر ہے، لیکن وہاں ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کو ہرے باغ دکھلائے جاتے ہیں وہاں پر اُسے حقیقت سے بہت دور رکھا جاتا ہے، حتی کہ وہ اگر دھوکہ کھا جائے تو اُسے بھی کسی صورت سودا واپس کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا، جس سے بسا اوقات مال ناقص اور رقم ڈوب جاتی ہے.

۳- بیع الحصاۃ : درجہ بالا مثال بھی اسی بیع کا حصّہ ہے، اسکے علاوہ یہاں کمیٹی کا جو نظام ہمارے ہاں رائج ہے، اُس میں تبدیلیاں کرنے کی شیطن صفت انسانوں کے اذہان میں ڈالدی گئی، لہٰذا ایسی کمیٹی بنائی گئی کہ جو شخص جتنا زیادہ مال چھوڑے گا، بقیہ کمیٹی کی رقم اُسی شخص کی ہوگی، چنانچہ کمیٹی ڈالنے والا اپنا منافع نکال لیتا ہے، حتی کہ اس کمیٹی میں جو دب رہا ہوتا ہے، اس ہی کی کمیٹی کھا جانے کی صورت اختیار کرنی پڑتی ہے.

۴- دھوکہ کی بیع : وہ بیع تو ہر خس وخاش سے سرزد ہو رہی ہے، اسکی ایجاد **Bata Shoe Company** جو جوتے بنانے کی ایک فارن کمپنی ہے، جو رقم کی حد کو ایک پائی یا مزید چند پیسے کم کرکے رقم دکھا کر اصل قیمت میں گاہک کے نقصان بننے کا سبب ہوا کرتی ہے. مثلاً **599.95** روپے کی رقم کسی جوتے پر چھاپ دی جاتی ہے، جو دراصل **600/-** روپے ہی ہے لیکن یہ ایک کھلا دھوکہ ہے اور اس دھوکے میں گاہک کو اکثر اپنی ہر خریداری پر چند پیسوں حتی کہ روپیہ تک کھونا پڑجاتا ہے. یہ کمپنی یقیناً یہود ونصاریٰ میں سے کسی کی بھی ہوگی، لیکن جیسا کہ ہم نے سود جائز قرار دینے کے بہانوں میں پچھلے اسباق میں ملاحظہ کرلیا چنانچہ یہ حربہ انکے خیال میں خریداروں کو کھینچنے **Attract** کرنے کے مرادف ہوتا ہوگا، لیکن بہر حال یہ ایک زبردست دھوکہ ہے، جسکی دیکھا دیکھی ہمارے مسلمان بھائیوں نے بھی اسی قسم کی نت نئی اسکیمیں شروع کردی ہیں انہی میں سے ایک اور مثال یہ ہے کہ جو کلچر ہمارے ہاں سیل **Sale** یا کچھ کی یعنی **Discount** کی صورت میں رائج ہوچکی ہے، وہ دراصل دھوکہ یعنی غرر ہی کی مثال ہے اور ساتھ ہی لادینیت کی تقلید بھی، کیونکہ زیادہ تر اسکیمیں کلیسا تک لوگوں کو لانے کی غرض سے شروع کی گئیں تھیں، یہی وجوہات ہیں جنکی بناء پر ہمارے ہر فعل میں دھوکہ بڑھ چکا ہے، اور جو **'لا تـظلمون ولا تظلمون '** (۱) یعنی نہ ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ، جو اقتصادِ اسلامی کی رو سے "سود" ہی کی قسم ہے، اسلئے ان باتوں سے حد درجہ بچنا مسلمانوں کا فرض ہے.

بیع سلم: بیع سلم کو بیع سلف بھی کہتے ہیں اس بیع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک معاہدہ کے تحت بائع مشتری سے ایک غیر حاضر مبیع کی قیمت پیشگی وصول کرلیتا ہے اور مبیع ایک مقررہ مدت کے بعد مشتری کے سپرد کردیتا ہے. البتہ وہ مشتری کو جس مبیع کا وعدہ کرتا ہے اس کا وصف اس طرح بیان کردیتا ہے کہ کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا. جواز: بیع سلم از روئے قرآن، حدیث، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع فقہاء امّت کے جائز ہے، (۲) فقہاء نے قرآن کی اس آیت :

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ / ۲:۲۷۹

(۲) غفاری، نور محمد مولانا ڈاکٹر، اسلام کا قانون تجارت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص:۱۰۱

یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ۔(۱) کوسلم کی سند جواز قرار دیا ہے، جسمیں کہا گیا ہے کہ:'اے ایمان والو جب تم کسی سے ادھار کا ایک مقررہ مدت پر معاملہ کرو تو اسے لکھ لو' نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں ہر ایسی شئے کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو، مگر سلم میں آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی(۲) وہ الفاظ یہ ہیں:'روی ان النبی ﷺ نھی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم'(۳) آپ ﷺ نے ایک دوسری روایت میں فرمایا:'من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم وزن و فیاجل معلوم'(۴) ترجمہ: جو شخص پھلوں میں بیع سلف کرے اُسے چاہیئے کہ وزن معلوم، پیمانہ معلوم اور مدت معلوم تک سلف کرے۔

لہذا عقدِ سلم Forward buying فقہاء کی اصطلاح میں ایک ایسا عقد ہے جس میں سامان (مبیع) کی قیمت پیشگی ادا کردی جاتی ہے اور سامان بعد میں ادا کیا جاتا ہے۔ معجم لغۃ الفقہاء میں ہے(۵) :''بیع السلعۃ الآجلۃ الموصوفۃ فی الذمۃ بثمن مقبوض فی مجلس العقد''(۶) ترجمہ: بیع سلم ایک ایسا عقد ہے جس میں مجلس عقد میں ادائیگی قیمت کے عوض سامان کی فروختگی کی جاتی ہے جس کی صفات واضح کردی گئی ہوں اور جو فروخت کنندہ کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ تجارت کے مختلف طریقے ہیں جن کی اجازت شریعت اسلامی نے دی ہے۔ ان میں سے ایک طریقہ سلم بھی جسمیں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور خریدار کو مال کی ادائیگی Delivery ایک متعین مدت کے بعد ہوتی ہے، جسے آج کی زبان میں عقدِ سلم Forward Buying کہا جاتا ہے۔ اسلامی بینکنگ کے ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر سودی بینکاری کے میدان میں ''بیع سلم'' کا بہتر استعمال ہوسکتا ہے۔(۷) اسی لئے محقق ابن الہمام نے لکھا ہے کہ سلم(۸) ''بیع آجل بعاجل''(۹) نقد قیمت کے عوض ادھار سامان فروخت کرنا ہے، الفاظ کے فرق کے ساتھ دیگر ائمہ نے بھی سلم کی یہی تعریف کی ہے کہ قیمت نقد ادا کردی جائے اور سامان بائع کے ذمہ ادھار رہے۔(۱۰) اسی طرح سلم میں مسلم فیہ لامحالہ دین ہے۔ لہذا جن چیزوں میں بیاج (سود) جاری ہوتا ہے خواہ نقد میں یا ادھار میں اُن کی باہم سلم ناجائز ہے۔ کیلی چیز کو کیلی چیز کی سلم میں دینا جائز نہیں ہے۔(۱۱) اسی طرح سلم میں کئے جانے والے جائز تصرّفات بنیادی طور پانچ ہیں: (الف) وکالت Power of Attorney (ب) حوالہ Bill of Exchange (ج) کفالہ Guarantor Surety Bondsman Bails man (د) اقالہ Reversol of Sale (ہ) رہن Mortgage ۔(۱۲) انکی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ کے ابواب میں آئینگی۔ یہاں صرف بتلانا یہاں یہ مقصد تھا کہ یہ تمام ارکانِ اقتصاد درجہ بالا سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ اُنمیں اور لوگوں پر گواہ ہونے کے مسائل کہاں سے شروع ہوتے ہیں:

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۸۲

(۲) غفاری، نور محمد مولانا ڈاکٹر، اسلام کا قانون تجارت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، /ص ۱۰۲

(۳) ایضاً/ دیکھیں فٹ نوٹ: شرح المسلم باب السلم، ذکرہ قرطبی.

(۴) ترمذی: الجامع، کتاب البیوع

(۵) قاسمی، نسیم احمد مفتی، اسلامی کاروبار، ادارۃ القرآن، اردو بازار، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء/ص:۲۰۰

(۶) ایضاً/ بحوالہ : معجم لغۃ الفقہاء ۲۳۹

(۷) ایضاً/ص:۱۹۷

(۸) ایضاً/ص:۲۰۰

(۹) ایضاً/ بحوالہ فتح القدیر ۶/۲۰۴

(۱۰) ایضاً / ص :۲۰۰ بحوالہ: غایۃ المنتہی ۲/۱۰۲، کشاف القناع ۳/۲۷۶، الشرح الکبیر ۳/۱۹۵

(۱۱) غفاری، نور محمد مولانا ڈاکٹر، اسلام کا قانون تجارت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص : ۱۰۶

(۱۲) قاسمی، نسیم احمد مفتی، اسلامی کاروبار، /ص : ۲۱۸

قرض میں لین دین کے معاملہ پر سود کے اطلاق کی حدود کا جائزہ

ابھی ہم انہی مبحثہ آیات پر مزید غور کریں گے کہ آیا ''دین'' کے معاملہ میں ہی لکھوانے پر کیوں زور دیا گیا ہے، تو کیا اطلاق بلا تخصیص کسی بھی تجارتی لین دین پر آتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں یہ طے کرنا پڑے گا کہ آیا لفظِ ''دین'' سے قرآن کریم میں کیا مراد لی گئی ہے.

قرآنِ کریم کا لفظِ ''دَین'' Payable کا مفہوم

دین لغت میں عین کی ضد کو کہتے ہیں. عین کے معنی میں بعینہ وہی چیز، چنانچہ عرب ہر اُس چیز کو دین کہتے تھے جو خرید و فروخت کے وقت بعینہ سامنے موجود نہ ہو، اُسکے برعکس جو چیز بوقت بیع وشری سامنے موجود ہو، اُسے ''عین'' کہتے ہیں.(۱) شرعی نقطہ نظر سے ''دین'' ہر وہ چیز ہے جو کوئی عقد (سودا) طے پانے یا کسی خاص فعل کا ارتکاب کرنے کے باعث کسی شخص کے ذمّے لازم اور واجب الادا ہوتی ہے.(۲) عقد سودے کی ایک مثال یہ بھی ہیکہ جیسے خریدار یا مشتری کے ذمّے کی چیز کی قیمت واجب الادا ہوتی ہے اور جب تک ادا نہیں ہوتی خریدار کے ذمّے دین کی حیثیت سے واجب رہتی ہے. جو دین کسی خاص فعل کے ارتکاب سے واجب ہوتا ہے، اسکی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا مال قبضے میں کرلے اور پھر اُسے تلف کردے تو اس صورت میں بھی جو چیز تلف کنندہ کے ذمّے واجب ہوگی وہ بھی دین کے ضمن میں آتی ہے.(۳) حضرت تھانویؒ نے دین کی تعریف کے ضمن میں لکھا ہے کہ شرعاً دین سے مراد وہ مال ہے جو عقد (سودا کرنا)، استھلاک یعنی خرچ یا تلف کرنا اور استقراض یعنی قرض مانگنا، کے باعث کسی شخص پر واجب ہوتا ہے. اسکے نزدیک حقیقت میں دین صرف اُن تین اسباب کے باعث واجب ہوتا ہے، لیکن مجازاً اس ذمّے داری کو بھی ''دین'' سے تعبیر کرتے ہیں جس سے عہدہ برآ ہونا مال کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے.(۴)

دین کی اقسام

ادائیگی اور عدم ادائیگی کے لحاظ سے دین کی دو قسمیں ہیں:

اوّل دین صحیح اور اس سے مراد وہ دین ہے جو واجب الادا ثابت ہونے کے بعد صرف ادا کردینے یا بری الذمہ قرار دے دینے 'بـــــالاداء اوالابراء' سے ہی ساقط ہو سکتا ہے، جیسے:

دین القرض : 'قرضہ لینے کی صورت میں جو دین واجب ہوتا ہے'.

دین المهر : 'مہر کی صورت میں شوہر کے ذمّے جو دین واجب ہوتا ہے' اور

دین الاستهلاک : 'کسی کی چیز تلف یا خرچ کرنے پر جو دین واجب ہوتا ہے.(۵)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور- جلد ۹/۱۹۷۲ء/ص:۵۶۲

(۲) ایضا

(۳) ایضا

(۴) ایضا

(۵) ایضا/ص:۵۶۳

دین کی قسم دوم غیر صحیح ہے اور اس سے مراد وہ دین ہے جو اداء اور ابراء 'بری الذمہ قرار دینا' کے بغیر بھی ساقط ہو سکتا ہے جیسے :

بدل الکتابۃ : 'یعنی وہ معاوضہ جو کسی غلام یا عبد مکاتب نے اپنے آقا کو اپنی آزادی کی قیمت کے طور پر ادا کرنا ہوتا ہے' یہ دین اس صورت میں بھی ساقط ہو سکتا ہے جب غلام قانونی طور پر معاوضہ ادا کرنے سے عاجز قرار پائے۔ وجوب ادا اور عدم وجوب ادا کے لحاظ سے دین کی دو قسمیں ہیں:

اوّل دین حال یا معجّل جو دائن یعنی دین دینے والے کے طلب کرنے پر ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

دوسرا دین مؤجّل جس کی ادائی وقت آنے 'حلول اجل' سے قبل واجب الادا نہیں ہوتی لیکن قبل از وقت ادا کر دینا صحیح ہے اور ذمّے داری پوری ہو جاتی ہے۔(۱)

دین اور قرض کا فرق کا تعیّن کرنا ضروری ہے:

دین اور قرض میں معمولی سا فرق ہے، قرض خاص ہے، صرف 'نقود' یعنی درھم، دینار یا روپیہ لینے کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن ''دین'' عام ہے۔(۲) فقہائے اسلام کے ہاں متعارف یہ ہے کہ دین عام ہے اور قرض خاص، گویا قرض پر دین کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن ہر دین کو قرض سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔(۳) دیگر رائے یہ ہے کہ دین ''بیع السلم'' ہی کی ایک شکل ہے جو صرف اُن اشیا میں جائز ہے جن کی مقدار اور وزن معلوم و مقرر ہو اور ساتھ ہی مدت (اجل) بھی متعیّن ہو۔ دین یا بیع السلم میں صاحبِ حق قبل از وقت مطالبہ نہیں کر سکتا اور جس کے ذمّے حق واجب ہو، وہ وقت آ جانے کے بعد ٹال نہیں سکتا، اسکے برعکس قرض میں مہلت اور ڈھیل ہو سکتی ہے، اور اس میں وہ التزام نہیں جو دین میں ہوتی ہے کیونکہ قرضہ تو ایک ایسی مستعار چیز ہے جو بعینہ واپس ہوگی۔(۴) اس بارے میں فقہائے اسلام میں اختلاف رائے موجود ہے کہ دین کا معاملہ کرتے وقت دستاویز مرتب کرنا واجب ہے یا مستحب؟ بعض علما کے نزدیک آیتِ دین میں امر کا صیغہ **فاکتبوہ** یعنی دین کو ضبطِ تحریر میں لاؤ، ہے، جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ کیونکہ آگے چل کر اسی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ فان امن بعضکم بعضا '، یعنی اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو پھر یونہیں صاحبِ امانت کو دین ادا کر دینا چاہیے، احناف کا یہی مسلک ہے۔ زیادہ محفوظ طریقہ یہ ہے کہ اگر خیانت کا خطرہ ہو تو دستاویز اور گواہ ضروری ہیں اور اگر اسکا خطرہ نہ ہو تو مستحب ہے کیونکہ حضرت ابو موسی الاشعری نے جن تین اشخاص کی دعا نہ قبول ہونے کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک وہ ہے، جس نے دین پر گواہ نہ بنائے ہوں(۵)۔ آخر میں دین و قرض کے درمیان فرق کے بارے میں مولانا ظفر احمد فرماتے ہیں: ''جو چیز معاملات کی وجہ سے ذمّہ میں واجب ہوتی ہے، دین کو محض اسکے ساتھ خاص کر دینا غلط ہے، بلکہ دین لغۃ و عرفاً قرض کو بھی شامل ہے، قاموس میں ہے کہ دین وہ رقم ہے جس کے لئے ادائیگی کی مدّت متعیّن ہے اور وہ بھی ہے، جس کے لئے ادائیگی کی مدّت متعیّن نہ ہو (اس تفسیر کے تحت دونوں آ گئے) اس سلسلہ میں حق وہی ہے جسے راغب اصفہانی، ابن الاثر، اور قاضی محمد اعلی تھانوی نے ذکر کیا ہے کہ ''دین قرض کو شامل ہے''۔(۶)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور- جلد ۹/۲/۱۹۷۲ء/ص:۵۶۳

(۲) ایضاً/ص:۵۶۳- مزید دیکھیں/دستور العلماء، ۲:۱۱۸!!

(۳) ایضاً/ص:۵۶۳

(۴) ایضاً/ص:۵۶۳- مزید دیکھیں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر المظہر ی

(۵) ایضاً/ص:۵۶۳- مزید دیکھیں بجصاص: احکام القرآن:۱:۴۸۲

(۶) اسعدی، محمد عبید اللہ مولانا، سود کیا ہے؟، ادارۃ القرآن، گارڈن ایسٹ، لسبیلہ کراچی، جولائی ۲۰۰۲ء/ص:۱۳۱

اسلام میں دستاویزات سازی کی اہمیت

دستاویزات عربی میں وثیقہ جمع وثائق، یعنی تحریراتِ سیاسی Diplomatic (۱) کے معنی میں بھی آتا ہے. چنانچہ عہدِ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے بردی مخطوطات کی ترتیب وطباعت سے ہماری معلومات میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے.(۲) مجموعہ ہائے جنزہ (Geniza) اور کوہ سینا پر صومعہ سینٹ کیتھرائین میں متعدد اہم عربی دستاویزات ملی ہیں.(۳) سجلات العدلہ، گواہوں کی نیک چلنی کے صافت نامے، یہ مخطوطات بردی کی صورت میں بھی ملتے ہیں.(۴) فقہ اسلامی کی رُو سے صرف وہی ثبوت قابل قبول ہے جو گواہوں کے ذریعے پیش کیا جائے اور محض تحریری شہادت کو اصولی طور پر رد کردیا جاتا ہے. بہرحال جہاں تک قانون کے عملی اطلاق کا تعلق ہے، دستاویزات کو بہت اہمیت حاصل رہی. یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عرب میں زمانہ قبل از اسلام میں بھی معاہدے لکھے جاتے تھے. بلادِ مشرق میں مہر یا خاتم کا سراغ بہت قدیم زمانے سے ملتا ہے اور اسے عربی دستاویزات میں توثیق کا ایک اہم ذریعہ سمجھا جاتا تھا. یورپ کی طرح یہاں دستخطوں نے مہر کی جگہ نہیں لی بلکہ یہاں دستاویز پر دستخط ثبت ہونے کی صورت میں بھی اسے اس وقت تک مستند نہیں سمجھا جاتا تھا، جب تک اس پر مہر نہ لگی ہو.(۵) چنانچہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک چاندی کی مہر تھی، جس پر کلمہ "**محمد رسول الله**" کندہ تھا، قدیم ترین محفوظ مہر حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہے.(۶)

چنانچہ مالکی، شافعی اور حنبلی فقہا کی اکثریت اس بات پر زور دیتی ہے کہ معاملہ دین کی دستاویز ضبطِ تحریر میں لانا واجب ہے کیونکہ معاملہ دین اور حلول اجل یعنی وقت پورا ہونے کی مدت کے درمیان انسان پر کئی قسم کے عوارض طاری ہو سکتے ہیں، جیسے موت، غفلت، نسیان بلکہ نفس شیطانی انکار پر بھی ابھار سکتا ہے، جو ادائے دین میں رکاوٹ کا باعث بنیں گے. کتابت دین کی دستاویز جامع و مانع اور ایسی واضح ہونی چاہیے کہ اگر معاملہ عدالت میں لے جانا پڑے تو اسکے مطابق صحیح فیصلہ کرنا ممکن ہو.(۷) اگر کوئی شخص دین ادا نہ کرے تو اُسکی جائداد فروخت کر کے ادا ہوگا اور اگر جائداد نہ ہو تو حاکم اُسے قید کر سکتا ہے.(۸)

مدیون یعنی جس کے ذمہ دین ہو، کی وفات کی صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک تجہیز وتکفین کے اخراجات کے بعد جو ترکہ بچے، اسمیں سے سب سے پہلے دین ادا ہوگا، اسکے بعد زکوۃ، پھر فریضہ حج کے اخراجات نکالے جائیں گے، اور پھر جو مال بچے گا وہ وارثوں میں تقسیم ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ترکہ وارثوں کا حق ہے لیکن اگر مرنے والا دین، زکوۃ یا حج کے بارے میں وصیت کر گیا ہو تو پھر پہلے یہ واجبات ادا ہوں تے اور باقی وارثوں میں تقسیم ہوگا.(۹) لہذا مدیون یا قرضدار اگر وقت پر تنگدست ہے تو اُسے اُسی وقت تک کے لئے مہلت دیدی جائے

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ جلد۹/۲/۱۹۷۲ء/ص:۲۹۹

(۲) ایضا/ص:۲۹۹

(۳) ایضا/ص:۲۹۹

(۴) ایضا/ص:۳۰۵

(۵) ایضا/ص:۳۱۰

(۶) ایضا/ص:۳۱۰

(۷) ایضا/ص:۵۶۳ مزید دیکھیں: کتاب الام،۸: ۱۰۳ ابعد.

(۸) ایضا/ص:۵۶۳۔ مزید دیکھیں: مختصر المزنی ۲: ۲۲۲، کتاب الام،۸: ۱۰۳.

(۹) ایضا/ص:۵۶۳۔ مزید دیکھیں: احکام القرآن لابن العربی ۱: ۲۴۳؛ مختصر المزنی ۲: ۲۲۲؛ کتاب الام ۸: ۱۰۳،۱؛ الشرح الصغیر، ص ۸۵ ابعد.

جب تک وہ ادا کرنے کا قابل ہو جائے۔(۱) یہاں پر سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیات سے تمام معاملاتِ سود سے بچنے کا بہتر حل نظر آتا ہے کہ:

'وان کا ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ، وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ٥' (۲)

'اور اگر تنگدست ہے تو اس کیلئے آسودہ حالی تک مہلت ہے۔اور اگر معاف کر دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو'

یعنی اسلامی تعلیمات جو ہمیشہ رحم دلی اور بھائی چارگی کا جو درس دیتی ہیں اُن سے آخر ہم کب منفعت حاصل کریں گے۔جو صرف یہ تو نہیں کہ ہم دنیا کو دکھلانے کے لئے اعلیٰ اخلاقیات کا پرچار کئے رکھتے ہیں، چنانچہ مندرجہ بالا آیت میں اُن تعلیمات کا صحیح مصرف ہمیں نظر آرہا ہے اور جو اپنی زندگیوں میں ہمیشہ کی کامیابی کا ضامن ٹھہرتا ہے۔جیسا کہ بقول میرے والد محترم کے جو حضرت مولانا حافظ محمد ایوب دہلویؒ (مرحوم) کی خانقاہی مجالس میں باقاعدگی سے حاضری دیا کرتے تھے، حضرت دہلویؒ کا ایک جملہ اکثر ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ:''دنیا میں آج اگر کوئی جھگڑا ہے تو وہ محض اس وجہ سے کہ ہر شخص یہ خیال کئے بیٹھا ہے کہ اُسے کسی دوسرے سے کیا کچھ وصول کرنا ہے؟اور اگر ہر شخص یہ خیال کرنا اپنی گھٹی میں شامل کرلے کہ پہلے وہ دوسرے کے حق میں سوچنا شروع کردے کہ اُسے کسی کا کیا دینا ہے تو دنیا سے تمام لین دین کے جھگڑے بخیر و خوبی نمٹ جائیں گے اور امن کا بول بالا ہو جائے گا''۔ آج ہمیں یہ احکامات کیوں نہیں سمجھ میں آتے، کیوں یہ اصول زندگیوں میں بر سرِ عمل نہیں ٹھہرائے جاسکتے۔یہ ہی بات اب اسلامی بینکوں کے حوالے سے عرض کرنا ہے، انہوں نے قرض خواہ کہ ساتھ عین اسلامی قرضہ اسکیموں کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، وہ قابلِ تحسین ضرور ہے، لیکن کیا انکے یہاں عدم دستیابی پر حیلہ کے نام جو سزاء Panalty مقرر ٹھہرائی ہے وہ بھی درجہ بالا آیات کے منافی نہیں؟ خواہ وہ اس رقم کو کسی بھی فلاح و بہبود انسانیت میں خرچ کرنے کا علیحدہ اکاؤنٹ بنالیں۔لیکن بہرحال ان آیات کی روشنی میں تو حیلہ کرنا بھی ظلم اور سود دونوں کے مرادف ہو سکتا ہے۔

پھر اس سے پیشتر جو قرآنِ کریم میں''وذرو مابقی من الربوٰا''(۳) والی آیت ہے:جسمیں حُرمتِ سود کے حکم سے قبل جو رقم سود کی تم ٹھہرا چکے ہو اسکا وصول کرلینا بھی اب جائز نہیں اُسے چھوڑ دو، جیسی تنبیہ آخر عمل میں کب آئے گی۔اسی طرح جب **'فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ'** (۴) کی آیت آچکی ہے جسمیں صاف کہا گیا ہے کہ اگر تم باز نہ آئے اس عمل سے تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔(۵) پھر آخر کیا وجہ ہے کہ اتنی شدید تہدید قرآنِ مجید میں کسی دوسری معصیت کے لئے نہیں آئی ہے،العظمۃ للہ ، (۶) حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسول سے یہ جو قول منقول ہے کہ سُود کو بھی چھوڑ دو اور اسکے مشابہ چیزوں کو بھی۔وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اُس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں اُن پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔(۷)

---

(۱) دریا بادی، عبد الماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص:۱۱۷

(۲) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۸۰

(۳) ایضاً/۲:۲۷۸

(۴) ایضاً/۲:۲۷۹

(۵) دریا بادی، عبد الماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص:۱۱۷

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

چنانچہ اسکا لب لباب یہ ہے کہ نادار مدیون کو اپنا مطالبہ بالکل معاف ہی کر دو۔(۱) جو کہ فی زمانہ ایک مشکل ترین کام ہے۔عقائدِ اسلامی کی طرح قوانین اسلامی کی بھی پوری قدر اس وقت ہوتی ہے جب اُن کے مقابل میں اپنے کو مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کے قوانین پرکھے جائیں۔خود اس قرضہ کے معاملہ میں دوسری قوموں کے قانون قرض داروں کے حق میں سراسر ظالمانہ ہیں۔رومی قانون، مرعوب کُن Roman Law میں مدیون کا قتل تک کیا جاسکتا تھا اور رومی تاریخ میں دائنوں کا ظلم وزیادتی سے بار ہا نوبت شدید بلوؤں تک آ گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام معاشیات کا بنیاد ماتیات سے کہیں بڑھ کر انسانیت وروحانیت وتقوی الٰہی پر رکھی ہے اور یہ خصوصیت اُسے دنیٰ کی قدیم وجدید سارے معاشی نظاموں سے ممتاز کئے ہوئے ہے۔(۲) تاریخ روما Roman History کے سرسری طور سے پڑھنے والوں کو بھی صاف طور سے نظر آتا ہے کہ روما کی سرزمین پر پردیسیوں کے قیام سے، جو مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے تھے، وہاں کی حکومت ہائے جمہوری پر کیا کیا غیر معمولی اثرات پڑے ہیں، بعد کے زمانے تو اس نقلِ مکان کے وجوہ صاف طور سے نمایاں ہیں، کیونکہ ہم آسانی سمجھ سکتے ہیں، کہ ہر قوکے لوگ کیوں عروس البلاد (روما) کی طرف کھنچے ہوئے چلے آئے؛ مگر سلطنت روما میں پردیسیوں کی ایک کثیر جماعت کی موجودگی کا پتہ اس ملک کی بہت ابتدائی تاریخوں سے بھی چلتا ہے۔قدیم اطالیہ میں زیادہ تر لُٹیری قومیں آباد تھیں جن کی وجہ سے تمدّن کی بنیاد متزلزل تھی، لوگوں کا رجحان اس طرف تھا کہ وہ کسی ایسی قوم کے ممالک میں جا کر آباد ہوں جو اُن کو اور نیز اپنے آپ کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھ سکیں۔(۳) یہ چند الفاظ تاریخ روما پر ایک سطحی نظر تھی، تاریخ دان جانتے ہیں جو قومیں انتہائی لُٹیری تھیں وہ آج دولت کے انبار تلے دب کر مہذب قومیں بن چکی ہیں، جبکہ ہمارے ہاں آ ج تک اپنے گھروں میں سگے بھائیوں سے، جن سے ہماری ناچاقی ہو جائے تو ہم گوارہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کیوں اپنی پاک سرزمین غیر مسلم کا تسلط کیونکر برداشت کریں گے۔

معاملات لکھنے میں گواہوں کی تخصیص

"واستشهدوا شهيدين من رجالكم ج فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتن ممن ترضون من الشهدآء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى ط"(۴) سورۃ البقرۃ/۲:۲۸۲

ترجمہ: اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کرلیا کرو، پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں اُن گواہوں میں سے جنھیں تم پسند کرتے ہو، تا کہ ان دو عورتوں میں ایک دوسری کو یاد دلا دے اگر کوئی ایک اُن دو میں سے بھول جائے۔

آخیر میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے عرض ہے کہ ایک مرد یا دو عورتوں کا تصوّر اس آیت سے جو گواہی لکھ لینے میں آیا ہے، وہ بھی دراصل یہودی قانون کے برخلاف ہے، چنانچہ اُنکے یہاں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے، اور عورت کی شہادت سرے سے قابلِ تسلیم نہیں۔اسلام نے اُسے یہ حق دیا ہے اور ساتھ ہی اپنے علمِ کامل اور تحقیقِ مطلق کی بناء پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ پر نصف مانا ہے۔ ممن ترضون، دیانت ضمیر، سیرتِ کردار کا ایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔چنانچہ یہاں یہ قید لا کر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزاز ومنصب ہے ہر کس وناکس اُسکا اہل نہیں۔اسکے اہل وہی ہیں جنکی سیرت وکردار پر ہر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جن کی دینت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔(۵) اس سے ثابت ہوا کہ معاملہ فہمی ومعاملہ کی گواہی ایک انسان کو دوسرے انسان کے نسیان وجبر دونوں سے محفوظ رکھتی ہے، جس کے باعث انسانیت سے ظلم کا خاتمہ ہونا ناگزیرعمل ہو جاتا ہے، جو کہ سودی لین دین کی بنیادی وفسادی جڑ ہے۔

---

(۱) دریآبادی، عبدالماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص: ۱۱۷

(۲) ایضاً

(۳) سمرمین، سرہنری، قدیم قانون، ترجمہ: علی، مسعود مولوی، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۹۳۳ء/ص: ۳۷

(۴) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۸۲

(۵) دریآبادی، عبدالماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص: ۱۱۸

سود کی تشریح احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

احادیث نبوی میں جو ترتیب سود کی حُرمت میں ہمیں ملتی ہے، وہ من وعن قرآنِ کریم کی تشبیہ ہے، جسکی مثال درج ذیل احادیث سے ثابت ہے :

ترتیب اوّل : وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ ان الربوا وان کثر فان عاقبته تصیر الی اقل (۱)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سود کا مال اگرچہ زیادہ ہو لیکن اسکا انجام کمی پر ہوتا ہے.

اس حدیث میں سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے تشبیہ لی جاسکتی ہے :وما اٰتیتم من ربا لیربوا فیٓ اموال الناس فلا یربوا عندالله ط(۲)

ترجمہ: تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، پس وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا.

ترتیب دوم : وعن أسامه بن زید انّ النبی ﷺ قال الرّبوا فی النسئة وفی روایة قال لا ربوا فیما کان یدا بید (۳)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سُود اُدھار میں سے ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اُس چیز میں سود نہیں جو دست بدست ہو.

اس حدیث میں اُدھار سے مراد قرض کا لین دین ہی ہے وّاخذهم الرّبوا وقد نهوا عنه واكلهم اموال الناس بالباطل ، واعتدنا للكٰفرين منهم عذابا اليما ٥ (۴)

ترجمہ : اور وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ اس سے اُنہیں منع کر دیا گیا تھا وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھا جاتے تھے .

ترتیب سوم : جب کہ درجہ بالا حدیث میں دست بدست سے مراد محض تجارتی اشیاء کا لین دین ہے. لیکن یہیں پر دوسری حدیث میں اشیاء کی خرید و فرخت میں کسی بھی قسم کا دھوکہ دیئے جانے یا دھوکہ کھانے سے بچنے کے لئے آپ ﷺ کی درج ذیل حدیث میں مثال دی گئی ہے کہ:

وعن سعید بن ابی وقاص قال سمعت رسول الله ﷺ سئل عن شری التمر بالرطب فقال اینقص الرطب اذا یبس فقال نعم فنهاه عن ذالك – (۵)

ترجمہ: حضرت سعید ابن وقاصؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خشک کھجور کے بدلے تازہ کھجور کو خریدنے کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تازہ کھجور کا وزن خشک ہو کر کم ہو جاتا ہے؟ کہا گیا، ہاں، آپ ﷺ نے اسکی بیع کو منع فرمایا.

اب ان درجہ بالا ترتیب اوّل، دوم اور سوم کی احادیث کو سورۃ البقرۃ کی اُن آیات کی تشریحات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جسمیں اللہ ربّ العزّت نے کفار کے اُس قول کا جواب دیا تھا، جسمیں انہوں نے کہا، ذلک بانهم قالوا انما البيع مثل الربوا م (۱) یعنی 'وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو

---

(۱) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی مرحوم، مولانا عابدالرحمٰن، جلد دوم/ حدیث نمبر: ۲۷۰۳/۲۱، ص: ۲۵، مزید دیکھیں ابن ماجہ والبیہقی واحمد

(۲) قرآنِ کریم: سورۃ الروم/ ۳۹:۳۰

(۳) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی مرحوم، مولانا عابدالرحمٰن، جلد دوم/ حدیث نمبر: ۲۷۰۰/ ۱۸، ص: ۲۵، متفق علیہ

(۴) قرآنِ کریم : سورۃ النساء/۴: ۱۶۱

(۵) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی مرحوم، مولانا عابدالرحمٰن، جلد دوم/ حدیث نمبر: ۲۶۹۶/ ۱۴، ص: ۲۴، متفق علیہ

(۶) قرآنِ کریم : سورۃ البقرۃ/۲: ۲۷۵

سود کی طرح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسکا جواب یہ دیا کہ واحل اللہ البیع و حرم الربوا ط(۱) یعنی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور رباء کو حرام۔ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت ط (۲) یعنی اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو پروان چڑھاتا ہے۔

ترتیب چہارم : اسکے بعد سود سے بچنے کے لئے لیے یا دیئے گئے قرض پر قرض خواہ اور مقروض کے مابین ہر طرح کے لین دین کی مشتبہ صورتوں کی ممانعت درج ذیل حدیث میں فرمادی گئی:

وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقرض احدکم قرضا فاھدی الیہ او حملہ علی الدابۃ فلا یرکبہ ولا یقبلھا الا ان یکون جری بینہ وبینہ قبل ذلک ۔ (۳)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے جو شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اسکے پاس کوئی ہدیہ یا تحفہ بھیجے یا سواری کے لئے کوئی جانور دے تو وہ نہ سواری پر سوار ہو اور نہ اُسکے ہدیے اور تحفے کو قبول کرے مگر ہاں اس صورت میں جب کہ قرض دینے سے پہلے بھی اس قسم کا معاملہ جاری ہو۔

چنانچہ ایک ذرّہ برابر حصّہ زائد کو قرض پر لینے سے قرآنِ کریم میں دگنا چوگنا کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے: یآیھا الذین امنوا لاتاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ ص (۴) یعنی اے ایمان والو! سود کو دُگنا چوگنا کر کے نہ کھاؤ۔ اسی طرح حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب کوئی کسی کو قرض دے تو پھر قرض لینے والے سے ہدیہ قبول نہ کرے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اذا اقرض الرجل فلا یاخذ ھدیۃ ۔ (۵) اور ایک طویل حدیث میں مضارع حضرات کو بھی سبق دیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنی زمین پر کسی قسم کا سود وصول نہ کریں:

وعن ابی بردۃ بن ابی موسی قال قدمت المدینۃ فلقیت عبد اللہ بن سلام فقال انک بارض فیھا الربوا فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاھدی الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذہ فانہ ربوا۔ (۶)

ترجمہ: ابی بردہ بن ابی موسیٰ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو میں نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملاقات کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا تم ایک ایسی زمین میں ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے پس ایسی حالت میں اگر کسی پر تمہارا حق (قرض) ہو اور وہ تمہارے پاس ہدیہ کے طور پر بھوسہ کا ایک یا جو کا ایک بوجھ یا گھاس کا ایک گٹھا بھیجے تو تم اس کو نہ لینا اس لئے کہ یہ سود کا حکم رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک معمولی گھاس کا تنکہ بھی سود لینے کے زمرے میں آسکتا ہے، تو سود کا معاملہ ہوسکنے میں کتنی باریکیاں موجود ہیں۔ جب ہی تو نبی علیہ السلام نے اتنی سخت بُرائیاں سود کھانے والے کے لئے بتلائی ہیں۔

وعن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ قال قال رسول اللہ ﷺ درھم ربوا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ ۔ رواہ احمد والدارقطنی وروی البیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس وزاد وقال من نبت لحمہ من السحت فالنار اولی بہ۔ (۷)

---

(۱) قرآنِ کریم : سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۵

(۲) ایضاً/۲:۲۷۶

(۳) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوٰۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی مرحوم، مولانا عابد الرحمٰن، جلد دوم/حدیث نمبر: ۲۷۰۷/۲۵، ص:۲۶، متفق علیہ

(۴) قرآنِ کریم : سورۃ آلِ عمران/۳:۱۳۱-۱۳۰

(۵) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوٰۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی مرحوم، مولانا عابد الرحمٰن، جلد دوم/حدیث نمبر: ۲۷۰۸/۲۶، ص:۲۶، متفق علیہ

(۶) ایضاً/حدیث نمبر: ۲۷۰۹/۲۷، ص:۲۶، متفق علیہ

(۷) ایضاً/حدیث نمبر: ۲۷۰۱/۱۹، ص:۲۵، متفق علیہ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ کہتے ہیں (یعنی انکو بعد شہادت فرشتوں نے غسل دیا تھا) فرمایا رسول ﷺ نے سُود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھائے چھتیس '36' مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ بڑا گناہ رکھتا ہے۔(احمد، دار قطنی اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے بھی روایت نقل کی ہے) اور یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو گوشت مال حرام سے پیدا ہو وہ دوزخ ہی کے لائق ہے۔

اور پھر اس سے زیادہ سخت بات یہ آئی ہے کہ:

وعن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ الربوا سبعون جزءا یسرها ان نکح الرجل امه . (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سُود کے گناہ کے ستر حصے ہیں ایک معمولی سا حصہ یہ ہے کہ جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے جماع کرے۔

یہی تو وجہ ہے کہ آپ علیہ السّلام نے سود کے معاملات کو لکھنے لکھانے اور اسمیں اعانت برتنے والے شخص کو سود خواری میں شامل کیا ہے:

وعن علی انه سمع رسول الله ﷺ لعن اکل الربوا و موکله و کاتبه و معنع الصّدقة و کان ینهی عن النّوح . (۲)

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو لعنت فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ سود خوار پر، سود دینے والے پر، سود کا کاغذ لکھنے والے پر، یا سود کا حساب لکھنے والے پر اور صدقہ سے منع کرنے والے پر اور آپ ﷺ منع فرماتے تھے نوحہ کرنے سے۔

اور آخیر کار سود کی حُرمت پر حضرت عمر بن خطاب کا درج ذیل قول ہی سب سے زیادہ معتبر ٹھہرتا ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کی تشبہ والی حدیث جو باب دوم کے آخر میں گزر چکی ہے کی نسبت سود کو چھوڑ دینے کی واضح دلیل بیان فرمادی ہے، جو سود کی حُرمت پر دلیل آخر ہے:

وعن عمر بن الخطّابؓ ان اٰخر ما نزلت اٰیة الرّبوا وانّ رسول الله ﷺ قبض ولم یفسّرها لنا فدعوا الرّبوا والرّیبة . (۳)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ آخری چیز جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ربوا کی آیت ہے اور رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور اس آیت کی تفسیر نہیں فرمائی۔ پس چھوڑ دو تم سود کو اور اس چیز کو جس میں سود کا شک وشبہ ہو۔

اسکی مثال آپ ﷺ کا وہ خطبہ جلیلہ ہے، جو حجۃ الوداع کے مقدس سفر سے منقول ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سود کی حُرمت محقق ہو جانے کے باوجود اسکی باقیات اُس وقت تک پائی جاتی تھیں جن کا ختم کرنا ضروری تھا، اور اس کا عملی نمونہ حضور رسالت مآب ﷺ نے خود پیش فرمایا: (۴)

فخطب النّاس وقال........الا کل شئی من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع........

وان کل ربا موضوع، ولکن رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تُظلمون— قضی الله انه لا ربا—

وربا الجاهلیة موضوعة واوّل ربا اضع ربانا عبّاس بن عبد المطلب فانه موضوع کله. (۵)

ترجمہ: پس آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا کہ...جان لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے......اور ہر قسم کا سود آج سے ممنوع قرار پاتا ہے، البتہ تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جسمیں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان، اللہ نے یہ بات طے کردی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کے تمام سود (سودی کاروبار) اب باطل ہیں۔ اور جہاں تک کہ عبّاس بن عبدالمطلب کے سود کا تعلق ہے تو وہ تمام کا تمام ساقط ہے۔

---

(۱) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوٰۃ شریف، ترجمہ، کاندھلوی مرحوم، مولانا عابد الرحمٰن، جلد دوم/ حدیث نمبر: ۲۷۰۳/ ۲۰/ ص: ۲۵، ابن ماجہ اور بیہقی

(۲) ایضاً/ حدیث نمبر: ۲۷۰۵/ ۲۳/ ص: ۲۵، ابن ماجہ اور بیہقی

(۳) ایضاً/ حدیث نمبر: ۲۷۰۶/ ۲۴/ ص: ۲۶، ابن ماجہ اور دارمی

(۴) احمد، نثار ڈاکٹر، خطبہ حجۃ الوداع حقوقِ انسانی کا عالمی منشور، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۵ء/ ص: ۲۰۱

(۵) ایضاً/ بحوالہ: الصحیح المسلم/ نور محمد اصح المطابع، دہلی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء، طبع اول/ ج ۱ ص ۳۹۷

احادیث نبوی ﷺ سے متعلق ہمارے شبہات کا ازالہ ہونا ازحد ضروری ہے

حضور نبی اکرم ﷺ جو شریعتِ الٰہیہ کے 'سراجا منیرا' (۴) یعنی وہ روشن چراغ ہیں جو دراصل قرآن کریم کی مکمل تفسیر اپنی حیاتِ طیّبہ ہی میں فرما چکے ہیں، کیونکہ وحی الٰہی کو سمجھانے کیلئے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ ہی کا مرتبہ عالی پسند فرمایا اور خود اُسکی تعریف ان الفاظ سے اس لئے فرمادی تا کہ کسی کو آپ علیہ السلام کی برابری کرنے کی جراءت بھی نہ ہو سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '**ومایـنطق عن الهوی ان هوا الا وحی یوحی**' (۲) ترجمہ: اور آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے. لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی پاک ﷺ اگر سود کی حُرمت کی آیات کی تشریح فرمائیں اور وہ قرآن کی مطابقت دنیاوی معاملات کے حل کرنے کے مصرف سے نہ ہو؛ بلکہ اس سے قبل جیسا کہ ہم نے یہود و نصاریٰ کے مضامین میں ملاحظہ کرلیا ہے کہ انسانی دماغوں نے لفظِ رباء کو اور اپنی اپنی الہامی کتابوں سے جتنا اسکی تشریح کرنے کی کوشش کی وہ خود ہی اُس گناہ میں پھنستے چلے گئے، حتیٰ کہ اُن اہل کتاب کے علماء ہی نے آخرِ کار بہانے بہانے سے سود کو جائز یا قابلِ عمل قرار دے ہی دیا؛ اور باوجود اسکے کے آج بھی اُن آسمانی کتب میں سود حرام لکھا ہوا ہے، لیکن نہ تو اُن کو کسی ربّ کی پرواہ ہے اور نہ کسی شریعت کی. بہرحال نبی پاک ﷺ سے کسی کے تقابل کا کیا میدان ہے، آپ علیہ السلام کے بارے میں تو کسی بڑے سے بڑے منافق کی بھی یہ جراءت نہ ہوئی کہ آپ ﷺ کی بات کو رد کر سکتا؛ لہذا آپ علیہ السلام کے دئے ہوا اصولوں Principles کو اگر ہم اپنی زندگیوں میں اپنی سعادت سمجھ کر اپنالیں تو ہمارے لئے بلا سودی تجارت و ترقی نہ ممکن نہ رہے گی، اس کے لئے لازم ہے کہ ہمیں اس خول سے باہر آنا پڑے گا، جسکے ملمّع کا پردہ ہمارے دماغوں پر Modernity کے نام سے پڑا ہوا ہے.

سب سے اوّل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں رباء کے مفہوم کو وسعت دے کر لین دین اور خرید و فرخت کے معاملات کی بعض ایسی صورتیں بھی بیان فرمائی ہیں جن کی رو سے چیزوں کے باہم لین دین یا اُنکی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی کرنا بھی رباء ہے. اگرچہ اُس ادھار میں اصل مقدار پر کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر سرابر لیا جائے. (۳) لہذا ایسی صورت میں احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ''رباء'' کی دو اقسام متعارف کرائی گئی ہیں. نمبر۱- رباء النسیۃ ؛ نمبر۲- رباء الفضل.

رباء النسیۃ

قرض پر دیئے ہوئے راس المال Main Capital پر جو زائد رقم مدّت کے مقابلہ میں شرط اور تعین کے ساتھ لی جائے، اُسے 'رباء النسیۃ' کہتے ہیں. اس رباء کی حُرمت قطعی ہے اور اسکی تعریف متفق علیہ ہے. یہی وہ رباء ہے جو زمانہ جاہلیت میں عربوں میں معروف تھا اس کو 'رباء القرآن' بھی کہتے ہیں. اس وجہ سے کہ اس کی حُرمت قرآن پاک سے ثابت ہے اسکے علاوہ اسے 'رباء جلی' اور 'رباء حقیقی' بھی کہا جاتا ہے. اس لئے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے. نہ کہ سود کا ذریعہ؛ چونکہ یہ سود ادھار پر لیا جاتا ہے، اسلئے اس کا مشہور نام 'رباء النسیہ' ہے.

---

(۱) قرآن کریم: سورۃ الاحزاب/۳۳: ۴۶

(۲) قرآن کریم: سورۃ النجم/۵۳: ۳

(۳) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی نمبر۲، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص: ۲۶؛ بحوالہ: مظاہر حق جدید، جلد۳ص: ۶۴

(۴) ایضاً/۲۷

قرآنِ کریم کی روشنی میں رباء النّسیۃ کی مثال

''یاایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین ○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ج وان تبتم فلکم رء وس اموالکم ج لا تظلمون ولا تظلمون ○ ''(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر واقعی تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسکو چھوڑ دو۔ پھر بھی اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر تم نے توبہ کر لی تو اصل مال تمہارے ہیں۔ نہ تم کسی پر ظلم وزیادتی کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم وزیادتی کرے گا۔

لہٰذا یہاں لاتظلمون سے مراد، ظالم بننے کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی رقم قرض دی اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کر لی؛ اسی طرح ولاتُظلمون سے مراد مظلوم بننے کی صورت یہ ہے کہ جتنی رقم قرض لی تھی اب ادا کرنا اس سے زائد کا پڑ رہا ہے۔(۲) اس سے آگے قرآنِ کریم میں سودِ مرکب کی بھی مثال سمجھا دی گئی ہے، جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ سود مفرد ہو یا مرکب ہر حال میں حرام قرار دیا جا چکا ہے:-

'' یاایھاالذین امنوا لا تاکلو ا الرّبوا اضعافا مضعفۃ ص واتقوا اللہ لعلکم تُفلِحُون '' (۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت کھاؤ سود کو سود در سود، اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

یہاں پر دورِ جاہلیت کا سود تو گردانا گیا ہے، جو آج کے دور کا وہ طریقہ کار ہے جسے ہم عام فہم زبان سودِ مرکب یعنی Compound Interest کہلاتا ہے؛ چنانچہ اس دور میں تو ہم اسے مہاجنی سود بھی کہہ سکتے ہیں. **مہاجنی سود** ؛ جو کہ دو قسموں پر مشتمل ہے:

(a) **سودِ مفرد**: Simple Interest کہلاتا ہے، جسمیں اصل زر × مدّت (سالوں میں) x شرح/۱۰۰ ؛ مثلاً ۴۵۰۰ روپیہ پر ۶ فی صدی سالانہ کی رو سے ۳ سال کا سود= ۴۵۰۰ x ۳ x ۶/۱۰۰ = ۸۱۰ روپے۔

(b) **سودِ مرکب**: اگر سود کو ہر مرتبہ جب کہ وہ واجب الادا ہو، اصل زر میں جمع کر دیا جائے اور اس سود پر بھی سود محسوب کیا جائے تو اُسے سودِ مرکب یا سود در سود "Compund Interest" کہیں گے۔ اسکے نکالنے کا قاعدہ یہ ہے:

پہلے سود کا سود ۴۵۰۰ روپے پر = ۴۵۰۰ x ۶/۱۰۰ = ۲۷۰ روپے

دوسرے سال کا سود ۴۵۰۰ + ۲۷۰ روپے پر = ۴۷۷۰ x ۶/۱۰۰ = ۲۸۶٫۲ روپے

تیسرے سال کا سُود = ۴۷۷۰ روپے + ۲۸۶٫۲ روپے پر= ۵۰۵۶٫۲ x ۶/۱۰۰ = ۳۰۳٫۳۷۲ روپے

سُودِ مرکب= ۸۵۹٫۵۵۲ روپے = ۱۰۳/۱۲۵ ۱ پائی- ۹ آنے-۸۸۹ روپے (۴)

اب ملاحظہ کریں کہ سود کس درجہ انسانی دولت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے؛ جبکہ اسکا مظاہرہ صرف سود لینے والے کے مال میں بظاہر ترقی ہوتا نظر تو آتا ہے لیکن یہ دولت بازاروں اور تاجروں سے سمٹ کر چند دولت کے پجاریوں تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، جسکے لئے قرآنِ کریم میں یہ بات بالکل واضح طور پر آئی ہے کہ: '**کئی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم**'(۵) ترجمہ: ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔

---

(۱) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ/۲: ۲۷۸-۲۷۹

(۲) دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص: ۱۱۷

(۳) القرآن الکریم، سورۃ آل عمران/۳: ۱۳۰

(۴) اردو انسائیکلوپیڈیا، تیسرا ایڈیشن، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، جنوری ۱۹۸۴ء/ص: ۷۰۶

(۵) القرآن الکریم، سورۃ الحشر/۵۹: ۷

حدیث پاک میں ارشاداتِ نبوی ﷺ تجارتی معاملات میں سود سے بچنے کا خلاصہ ہیں

"ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما یقول اخبرنی أسامة بن زید عن النبی ﷺ قال إنما الربوا فی النسیة ".(۱)

ترجمہ: ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سود صرف اُدھار میں ہے۔

اور پھر اسی طرح ایک اور جگہ جو کچھ ارشاد فرمایا وہ دراصل سود اور تجارت کا واضح فرق ہے :-

"ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھماعن أسامة بن زید انّ رسول اللہ ﷺ قال لا ربا فیما کان یدا بید ".(۲)

ترجمہ: ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نقد بہ نقد میں سود نہیں ہے۔

اب اگر دیکھا جائے تو جس طرح سیاسی معاشیات میں سود کا تصوّر محض دو طرح کی اقسام پر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک وہ جیسے 'سودِ مفرد' Simple Interest اور دوسرا وہ جیسے 'سودِ مرکب' Compound Interest کہتے ہیں لیکن دونوں کا حال صرف دولت سے دولت کو سمیٹنا ٹھہرتا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے 'سود' کی کسی بھی تعریف سے کوئی بات واضح طور پر کھل کر سامنے نہیں آتی، کیونکہ اوپر ہم نے ملاحظہ کر ہی لیا ہے کہ سودِ مفرد ومرکب محض قرضہ کی ادائیگی ہی کے وقت سے شروع ہو کر اُسکے مکمل اداء ہونے کی انتہاء تک پہنچتا ہے۔ اس لئے یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ دیگر مذاہب ہوں یا معاشی میدان کی سیاسیات جنہیں پولیٹیکل اکانومکس Political Economics کہتے ہیں، لہذا ایسی معاشروں میں محض سود کو بڑھ چڑھ کر لینے کی باتیں تو ہو سکتی ہیں لیکن اُنکے بداثرات خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی، کسی صورت ان مذاہب ومکاتبِ فکر میں قطعاً نظر نہیں آتیں۔ لیکن بعد میں آنے والے کچھ کچھ محققین معاشیات نے بہر حال کچھ باتیں سود کی مخالفت میں بھی کی ہیں مثلاً اٹھارویں صد کے آخری حصّے میں سب سے مشہور مصنف نیپلس کا ایک باشندہ انٹونیو جینوی (۱۷۱۱ء تا ۱۷۶۹ء) تھا، جس نے اطالیہ میں اُصولِ تجارت کو سب سے بہتر طریقے پیش کیے۔ (۳) اس مصنف کی اعلی خیالی اور بلند پروازی نے اُسکو مذہبی رہنماؤں کا نشانہ ءِ علامت بنا رکھا تھا۔ (۴) چنانچہ مصنف اپنی کتاب میں تجارتی غلّہ کی آزادی کا وکالت کرتا اور قرض کے لین دین میں سرکاری طور سے سود کے تعیّن کا مخالفت کرتا ہے۔ (۵) بالکل اسی طرح سب سے آخر میں اطالیہ کا ایک اور فلسفی اورٹس Giammaria Ortes ۱۷۱۳ء تا ۱۷۹۰ء قابلِ ذکر ہے، (۶) یہ مصنف تجارت کی آزادی کی وکالت کرتا ہے، قرونِ وسطی کا معاشی ومعاشرتی نظام اُسکا معیار معلوم ہوتے ہیں، مثلاً وہ کلیسائی جائداد کے قیام وانتظام پر زور دیتا ہے، سود کے رواج اور خصوصاً قرض پر سود کے لین دین کی مخالفت کرتا ہے۔ (۷) یہاں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ ان جدید معاشی نظاموں کے بانیان نے اگرچہ سود کی مخالفت بھی کی ہے تو ہمارے نزدیک وہ اُنکے اندر انسانیت کی چھپی ہوئی محبت ورحمت کا فطری تقاضہ تو ہو سکتی ہے لیکن وہ کسی باقائد مذہبی قانون وقائدے کی بات کرتے کہیں نظر نہیں آتے۔

---

(۱) مسلم شریف، کتاب المساقاہ، حدیث ۴۰۸۹؛ مترجم، مولانا عزیز الرحمان، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، س ن

(۲) مسلم شریف، کتاب المساقاہ، حدیث ۴۰۹۰

(۳) انگرام، کیلس ڈاکٹر، تاریخ معاشیات، مترجم، رشید احمد، مولوی، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۲ء/ص: ۱۱۲

(۴) ایضا

(۵) ایضا/ص: ۱۱۳

(۶) ایضا/ص: ۱۲۲

(۷) ایضا/ص: ۱۲۳

رباء النسیئہ کی حُرمت پر تقابلی جائزہ

قرض کے لین دین کا معاملہ جس کے لکھنے، گواہ بنانے وغیرہ پر قرآنِ کریم کی تقریظ و تعریف کے مطالعہ کے بعد اب ضرورت اس بات کی ہے کہ رباء النسیئہ کی حُرمت کا مختصر تقابلی جائزہ لیا جائے.

(I) تمام انبیاء کی تعلیمات میں "رباء" کے صرف ایک ہی معنی ہیں

رباء النسیئہ کی حُرمت اُن مسائل میں سے ہے جو تمام انبیاء علیہم السّلام کی معروف شریعتوں میں مسلّم رہے ہیں. عہدِ قدیم کے کئی صحیفوں میں رباء کو حرام قرار دیا گیا ہے. ملاحظہ ہو:(۱)

(i) "اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اُس سے قرضخواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اُس سے سُود لینا".(۲)

(ii) "اگر تیرا بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے تنگ دست ہو تو تُو اُسے سنبھالنا. وہ پردیسی اور مُسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے. تُو اُس سے سود یا نفع مت لینا بلکہ اپنے خدا کا خوف رکھنا تا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر کر سکے. تو اپنا روپیہ اُسے سود پر مت دینا اور اپنا کھانا بھی اُسے نفع کے خیال سے نہ دینا".(۳)

(iii) تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے. تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا...".(۴)

(iv) "وہ جو اپنا روپیہ سود پر نہیں دیتا". (۵)

(v) "جو ناجائز سود اور نفع سے اپنی دولت بڑھاتا ہے....".(۶)

(vi) "اور میں نے اپنے دل میں سوچا اور امیروں اور حاکموں کو ملامت کر کے اُن سے کہا تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی سے سود لیتا ہے اور میں نے ایک بڑی جماعت کو اُنکے خلاف جمع کیا.....(۷)......میں تمھاری منت کرتا ہوں کہ سود لینا چھوڑ دیں.....(۸)

(vii) سود پر لین دین نہیں کیا(۹) سود پر لین دین کرے تو کیا وہ زندہ رہے گا؟ وہ ہرگز زندہ نہ رہیگا.(۱۰) غریب سے دست بردار ہو اور سود پر لین دین نہ کرے.(۱۱) تو نے بیاج اور سود لیا...(۱۲)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور- جلد ۱۰/ ۱۹۷۲ء/ ص:۱۷۲

(۲) پُرانا عہد نامہ، خروج:۲۲:۲۵

(۳) ایضاً/ احبار: ۳۵-۳۷

(۴) ایضاً/ استثنا:۲۳:۱۹-۲۰

(۵) ایضاً/ زبور:۱۵:۵

(۶) ایضاً/ امثال: ۲۸:۸

(۷) ایضاً/ نحمیاہ:۵:۷

(۸) ایضاً/ ۵:۱۰

(۹) ایضاً/ حزقی ایل:۱۷:۸

(۱۰) ایضاً/ ۱۷:۱۳

(۱۱) ایضاً/ ۱۷:۱۷

(۱۲) ایضاً/ ۲۲:۱۲

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ربا ء النسیۃ جو دراصل رباء القرآن بھی کہلاتا ہے، دراصل پچھلی اقوام پر رباء کی یہی صورتیں حرام قرار دی جا چکی تھیں .لہذا اس بات کا مکمل خلاصہ یہ ہے کہ قرض کے بدلے میں ہر اضافہ یا زائد رقم جو معاہدہ طے کر کے لی اور دی جائے، سود میں داخل ہے .خواہ اسکی شرح کم ہو یا زیادہ ،(۱) اسی طرح سود کو اضعافا مضاعفۃ' (۲) چندر چند کر کے مت کھاؤ .اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ قرآن نے صرف اس سود کو حرام قرار دیا ہے، جو چندر چند یعنی Compound Interest ہو کر اصل رقم سے بڑھ جائے ،اور اگر سود کی مقدار اس سے کم ہو تو وہ جائز ہے، حالانکہ دراصل اس آیت میں سود کی بنیادی کیفیت اور ایک خاص صورت کا بیان ہے .جو زمانہ جاھلیت میں بکثرت رائج تھی ،لہذا ''چندر چند'' کا لفظ حرمت سود کی قانونی شرط نہیں ہے، بلکہ زائد رقم کا تصور دلانے کے لئے ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ولا تشترو ا بایاتی ثمنا قلیلا' (۳) ترجمہ :میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہ لو' ،ظاہر ہے کہ یہاں ''تھوڑی سی قیمت'' قانونی شرط نہیں بلکہ یہ تصوّر دلانے کے لئے ہے کہ جو قیمت بھی ہوگی کم ہی ہے لہذا اسکا یہ مطلب سمجھنا غلط ہے کہ آیات قرآنی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے .(۴) اور اس چندر چند والے سود کی واضح مثال جناب محمد عربی حضرت محمد ﷺ کے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں جس سود کو منسوخ فرمایا ہے وہ اصل میں دورِ جہالیت کا یہی سود تھا تب ہی اس سود میں جس رقم کے چھوڑ دیے کا حکم لاگو کیا گیا تھا وہ حقیقت میں سود چندر چند ہی تھا؛ چنانچہ حدیث میں آتا ہے: ''الا ان کل ربا کان فی الجاھلیة موضوع عنکم کله ،لکم رؤوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلموں، و اوّل ربا موضوع ربا العباس بن عبدالمطّلب کله" .(۵) ترجمہ :سنو کہ ہر وہ ربا جو ایام جاہلیت میں واجب تھا تم سے پورے کا پورا ختم کر دیا گیا ،تمہارے لیے صرف قرض کی اصل رقم ہے، نہ تم ظلم کرو، نہ رم پر ظلم کیا جائے ،اور بس سے پہلے جو ربا ختم کیا جاتا ہے وہ عباس بن عبدالمطلب کا ربا ہے، پورے کا پورا .چنانچہ صحابہ کرامؓ کے متواتر عمل سے ثابت ہے کہ وہ سود کی ہر مقدار کو حرام سمجھتے تھے اور قرض پر معاہدے میں طے کر کے لیا جانے والا ہر اضافہ ان کے نزدیک ربا تھا .(۶)

(۲) کسی بھی شریعت میں قرض کے لین دین سے منع نہیں کیا گیا

امام بخاری نے کتاب الاستقراض ،باب اذا اقرضہ الی اجل مسمّی میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا یہ قول تعلیقاً نقل کیا ہے؛ ''قال ابن عمرؓ القرض الی اجل لا باس به و ان اعطی افضل من دراهمه مالم یشترط ''(۷) معین مدت تک قرض دینے میں کوئی حرج نہیں خواہ قرض دار اسکے دراھم سے بہتر دراھم ادا کرے بشرطیکہ (یہ بہتر دراھم ادا کرنا) معاہدہ قرض میں شرط نہ کیا گیا ہو . اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاہدے میں یہ طے کر دیا جائے کہ قرض کے دراھم سے بہتر دراھم ادا کیے جائیں گے تو وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک ربا میں داخل ہو کر حرام ہوگا .(۸)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،دانش گاہ پنجاب ،لاہور - جلد ۱۰/ ۱۹۷۲ء/ص:۱۷۲

(۲) قرآن کریم ،سورۃ آل عمران/ ۳ :۱۳۰

(۳) قرآن کریم ،سورۃ البقرۃ/ ۲ :۴۱

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،دانش گاہ پنجاب ،لاہور - جلد ۱۰/ ۱۹۷۲ء/ص:۱۷۲

(۵) ایضاً/ مزید دیکھیں :ابن کثیر ،مصر/ ۱۳۵۶ھ ،۱ :۳۳۱

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً/ مزید دیکھیں: الصحیح ،اصح المطابع دھلی ،۱۳۵۷ھ ،۱ :۳۲۳

(۸) ایضاً

کتاب سیاسی اقتصادیات کے اصولوں کا مصنف ارنیسٹ لکھتا ہے کہ:

Money-lending at interest was practised throught out ancient times and in terribly harsh forms; yet it was stigmatized by many great men, like Moses , Aristotle, and Cato, who was himself a usurer, and was condemned by almost all religions. (1)

ترجمہ: ''سود پر قرض لینے کا رواج دنیا میں قدیم روایات سے چلا آ رہا ہے، جبکہ اُسکی چھاپ دنیا کے عظیم آدمیوں کے درمیان ہے، جیسا کہ (نعوذ واباللہ) موسیٰ، ارسطو ٹل اور کیٹو وغیرہ شامل ہیں، (جبکہ بحیثیت مسلمان ہم اس بات کو کسی صورت تسلیم نہیں کر سکتے کہ لفظ موسیٰ بھی اُن معیشت دانوں کی فہرست میں شامل ہیں، لہذا اس تحریر کو خوف الٰہی کے ساتھ صرف معاملہ کی حد تک پڑھا اور سمجھا جائے، جسکے بعد یہ مصنف اور سخت بات لکھتا ہے) کہ یہ لوگ خود سود خوری میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے مذاہب کو جھٹلایا''۔

جبکہ یہ بات مسلم وغیر مسلم سب پر عیاں ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السّلام، انمیں سے کوئی نبی بھی کسی مذہب کو کلعدم قرار دینے نہیں آئے تھے بلکہ انہوں نے پچھلی شریعتوں اور اللہ کے دین کو جاری وساری کیا، اور لوگوں کو اُنکی معاشرتی ومعاشی زندگی کے ہر پہلو سے اللہ کے دین پر قائم رکھا جسکی مثالیں ہم وضاحت سے پچھلی فصول میں دے چکے ہیں۔

(۳) ہر شریعت میں قرض خواہ کو ذرّہ برابر ہدیہ قبول کرنا حرام ہے

ابو بردہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے مجھے نصیحت کی کہ تم ایک ایسی سرزمین میں آباد ہو جہاں ربا بہت عام ہے، لہذا اگر کسی شخص پر تمہارا قرض واجب ہو اور وہ تمہیں بھوسے، جو یا چارے کا کچھ بوجھ ھدیۃ دینا چاہے تو تم اُسے قبول نہ کرو کیونکہ وہ ربا ہے۔ (۲) حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ حکم یا تو تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہے، یا پھر اس قسم کے تحفے کا عم رواج اتنا ھوگا کہ اسے معاھدے کا جزو سمجھا جانے لگا ھوگا، اس لیے فقہی قاعدہ 'المعروف کالمشروط' کے مطابق انہوں نے اس تحفے کو بھی ''رباء'' قرار دیا، بہرحال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انکے نزدیک قرض پر لیا جانے والا ہر اضافہ 'ربا' تھا۔ (۳) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ میں نے ایک شخص سے پانچ سو درھم اس شرط پر قرض لیے ہیں کہ اُسے اپنا گھوڑا سواری کے لئے دوں گا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جتنی سواری وہ کرے گا وہ سود ھوگی۔ (۴)

درجہ بالا پیرا نمبر۲ میں جو تمثیل پیش کی گئی، اسی مصنف کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے، سود کے لین دین پر مذہبی پیش رواؤں کی جانب سے اقدامات کی ایک جھلک بر سبیل تقابل پیش ہے کہ:

On the coming of Christianity the attack upon it was renewed with redoubled energy in the writings of the Church Fathers, and hen the Church had firmly established its power it succeeded in getting loans at interest formally prohibited, in civil as well as in canon law. (5)

ترجمہ: ''عیسائیت کے آنے کے بعد کلیساء کے راہبوں (پادریوں) کو اس بات پر دوگنا محنت کرنا پڑی کہ جب چرچ نے اپنا وجود قائم کرنے کے لئے قوانین اخذ کیے تو اُس وقت خاص طور سے اس بات کو مدِّنظر رکھا گیا کہ قرض کے لین دین میں سود کی ممانعت پر سختی سے عملدر آمد کرانے کے لئے چرچ اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے خواہ وہ دیوانی قانون کے ذریعے ہو یا بذریعہ آفاقی قانون کے ذریعے ہو''

---

(1) F.Row, Ernest, Gide's Principles of Political Economy, George G. Harrap & Company Ltd London, January, 1933/Page-398

(۲) اردو دائرہ معارف، جلد۱۰/ص:۱۷۲، مزید دیکھیں: الصحیح، مناقب عبداللہ بن سلامؓ، دھلی، ۱۳۵۷ھ، ۱:۱۵۳۸

(۳) اردو دائرہ معارف، جلد۱۰/ص: ۱۷۴

(۴) اردو دائرہ معارف، جلد۱۰/ص:۱۷۲، مزید دیکھیں: البیہقی، السنن الکبریٰ، دائرۃ المعارف، دکن ۱۳۵۲ھ، ۵:۳۵۱

(5) F.Row, Ernest, Political Economy, George Harrap & Co Ltd., London, January, 1933/Page-398

اور اپنی اس بات کی تائید میں مسلم قوانین کی تصدیق کرتے ہوئے مصنف کہتا ہے کہ:

The law of Mahomet did the same: "God has permitted sale but forbidden usury", says the Koran. The true Moslem receives no interest for money lent, not even from the Christian banker with whom he has deposited it. Although the doctrine has been treated in more modern times with profound contempt, and regarded as a mark of ignorance of all the laws of economies, yet it admits of a very easy historical explanation. (1)

ترجمہ: ''محمد (ﷺ) کا قانون اس معاملہ (یعنی قرض پر سودی لین دین) میں یکساں (یعنی تمام نبیوں سمیت، غیر متبدل) ہے۔ کہ اُنکا (محمد ﷺ) کا قرآن کہتا ہے کہ: خدا نے بیع کو حلال کیا ہے، جبکہ سود کو حرام کیا ہے۔ اور سچا مسلمان قرض پر اضافی دولت حاصل نہیں کرتا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اس حد تک محتاط رہتا ہے کہ وہ ایک نصرانی بینک سے بھی سود کھانا پسند نہیں کرتا''۔

پھر نچلے پیرائے میں مصنف لکھتا ہے کہ

The Christian bankers of Cairo know very well how to take advantage of this form of Moslem piety. (2)

ترجمہ: ''مصر کے نصرانی بینک مسلمانوں کی اس دیانت داری سے اچھی طرح واقف ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس معصومیت و دیانتداری (یعنی سودی رقم وصول نہ کرنے) سے وہ بینک کس حد تک اپنے لئے منفعت حاصل کر سکتے ہیں''۔

درجہ بالا تشریحات سے بحیثیت مسلم امۃ آج ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے، کہ آج کے مسلمان سے ایک غیر مسلم کی کیا توقعات وابستہ تھیں لیکن آج کے مسلم کا کیا کہنا کہ کسی جسکا اپنے رب، اللہ اور رسول، نبی پاک ﷺ کے ساتھ مدِ مقابل جنگ کر دینے سے کوئی خوف نہ ہو تو وہ کسی غیر مسلم کی توقعات سے کیا واسطہ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب فرمائے۔ لیکن یہاں یہ بات ہمیں ترغیب دیتی نظر آتی ہے کہ ہمارے اکابرین میں سے تمام فقہاء اور اکثر مفسرین جیسے طبری، زمخشری، بیضاوی، سیوطی اور ابن عربی وغیرھم نے ایسی صورت میں سود جسے اسلام نے حرام کیا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ اسکے سلسلہ میں غیر مسلموں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوگا کہ باہم غیر مسلموں میں سودی کاروبار کی اجازت ہونی چاہیے تھی۔ اس استثناء کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو سود خواری کو چوری، ڈاکے، قتل وغیرہ کی طرح کا فوجداری جرم قرار دیا جانا مصلحت سمجھا گیا، دوسرے چونکہ غیر مسلموں پر اُنکا شخصی قانون نافذ کیا جاتا تھا، (اباحیت نہ تھی کہ جو چاہیں کرلیں) اور سود ہر مذہب میں حرام ہی ہے اسلیے سود سے ذمیوں کو روکنا دینی مداخلت نہیں۔(۳) چنانچہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں میں تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلامی معیشت کی بھی جاری رکھی جاتی تا کہ انہیں بھی اپنے مذہب میں سود کی یاددہانی کرانے والے مسلمانوں سے راہ ہدایت کا کوئی راستہ مل جاتا اور مسلمانوں کی تبلیغی حجت میں قائم ہو جاتی۔

---

(1) F.Row, Ernest, Gide's Principles of Political Economy, George G. Harrap & Company Ltd., London, January, 1933/Page-398

(۲) ایضا

(۳) یوسف الدین، محمد، اسلام کے معاشی نظریے، پاک اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۲ء، جلد ۲/ص: ۴۰۸

(۴) کیا مقروض کو اپنے مصارف قرض خواہ سے بتلانا ضروری ہیں؟

جس طرح قرض کے لئے معاہدے میں شرائط کا طے کرنا ناجائز ہے، اور قرض خواہ کو ایک ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنا ممنوع ہے، اسی طرح یہ بات قطعی غیر متعلق ہے کہ قرض کس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے، عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ میں ہر قسم کے قرض پر اضافہ وصول کرنا ''ربا'' کہلاتا تھا، اور اسے حرام سمجھا جاتا تھا، خواہ قرض کسی عام صرفی ضرورت کے واسطے لیا گیا ہو یا کسی تجارتی یا پیداواری ضرورت کے لیے۔ ہمارے زمانے میں بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جو قرض تجارتی اغراض کے لیے حاصل کیا گیا ہو اس پر مقروض سے معیّن شرح پر سود وصول کرنا ''ربا'' میں داخل نہیں۔ کیونکہ عہدِ رسالت ﷺ میں صرف صرفی اغراض کے قرضے رائج تھے، تجارتی قرضوں کا رواج نہ تھا... یہ خیال درست نہیں۔ اوّل تو اس لیے کہ جب قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ کے روسے ''ربا النسیئہ'' کی یہ تعریف کہ ہر ''وہ قرض جس پر معاہدہ کے ذریعہ کوئی اضافہ مقرر کیا گیا ہو''، متعیّن ہوگئی تو اسکے بعد یہ تحقیق بالکل غیر ضروری ہے کہ قرض کس مقصد کے لیے حاصل کیا جارہا ہے۔ اور اس میں تجارتی اور صرفی اغراض کا فرق نکالنا قرآن وحدیث کے مفہوم میں ایک بے دلیل زیادتی کے مترادف ہے۔(۱)

اور آج کے دور میں دیکھا جائے تو کسی گورنمنٹ ملازم کو اپنے گھریلوں مسائل کے حل کے لئے اگر قرضے کی ضرورت پڑے تو اُسے اپنے جی پی فنڈ ہی کی مد سے قرضہ لینے کے لئے ہزاروں جھوٹ بول کر اور قرضے کے معاہدے پر وجوہات جتلانی پڑتی ہیں، جبکہ انسانوں کے قرضے حاصل کرنے کی ذاتی وجوہات کچھ اور ہی ہوتی ہیں، یہ ہی حال بینکوں سے قرض حاصل کرنیکی مد میں بھی یکساں ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو شرعی اعتبار سے وجہ کو جاننا ہی معاھدے کی شرط طے کرنے کے مترادف ہوا جو کہ ناجائز ہی ہوگا، پھر اسکے ساتھ عوام الناس کو جھوٹ بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے، جو ایک بڑا گناہ و کبیرہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا ملازم پیشہ افراد تو جبراً بھی یہ قرضہ واپس کرہی بیٹھتے ہیں، لیکن جو سرمایہ دار طبقہ ہے، وہ ان سب جھوٹ بولنے، یعنی قرضہ کی وجہ کچھ بتائیں گے اور کاروبار کچھ کریں گے، کے اکثر اوقات بینکوں کا قرضہ ہضم کرجاتے ہیں؛ یوں قومی سرمایہ کا نقصان علیحدہ ہوتا ہے، اور کسی جانب سے بھی تو لوگوں کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات سنا کر خوف زدہ نہیں کیا جاتا کہ ایسا کرنا اُن لوگوں کی اپنی آخرت کے لئے کتنا سخت عذاب کا باعث ہوسکتا ہے۔ جبکہ مسند احمد، البزار اور الطبرانی نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس شخص کو بلائے گا جس نے کسی سے قرض لے کر اُسے ادا نہ کیا ہو، اس سے پوچھے گا کہ اے ابن آدم؛ یہ قرض تو نے کس واسطے لیا؟ اور کیوں لوگوں کے حقوق ضائع کیے؟ وہ کہے گا، اے پروردگار؛ میں نے قرض لے کر نہ اُسے کھایا، نہ پیا، نہ پہنا اور نہ اسے کسی اور کام میں لگاسکا، بلکہ یا تو مجھ پر آتش زنی کی آفت آگئی، یا مال چوری ہوگیا، یا (تجارت میں) خسارہ (وضیعہ) ہوگیا۔(۲) چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تجارتی قرض لینا گناہ کی بات نہیں بلکہ اُسکا واپس نہ کرنا گناہ کی بات ہے۔ ایسی صورت حال سے یہ بات ابھرتی ہے کہ اگر تجارتی قرضہ میں زیادہ احتمال سود ہوجانے کا ہے تو بندہ کیا تدبیر اختیار کرے، لہٰذا ایسی صورت میں رقم دینے والے کو چاہیے کہ وہ تجارت میں مضاربت کی شکل اختیار کرلے تا کہ تجارت کے نفع میں دونوں متناسب طور سے (نہ کہ معیّن شرح سود سے) شریک ہوں، اس معاملہ کو اس عہد میں ''قراض'' کہا جاتا تھا۔(۳)

---

(۱) اردو دائرہ معارف، جلد۱۰/ص:۱۷۴

(۲) اردو دائرہ معارف، جلد۱۰/ص:۱۷۵

(۳) ایضاً

رباء النّسیئہ کا خلاصہ

ربوا النّسیئہ جسے بعض مسلم ماہرین اقتصادیات نے ''مہاجنی سود'' بھی کہا ہے.(۱) زمانہ جاہلیت کی درج ذیل تین صورتیں خلاصہ کے طور پر پیش کی جارہی ہیں:

۱- حاجت مند مجبور کو نقدی (درہم یا روپیہ وغیرہ) دیتے اور ایک معینہ مدت پر اس سے ایک مقررہ شرح (۲% یا ۳%) کے حساب سے اس سے سود وصول کرتے.

۲- جب معینہ مدت کے بعد بھی حاجب مند غریب قرضہ مع سود ادا کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تو ظالم وڈیرا اپنی رقم اور سود کو ملا کر اصل قرار دیتا اور پھر اس پر سود لگادیتا جسے سود در سود کا نام دیا جاتا تھا.

۳- بعض محتاج اپنی اشیاء ضرورت استحصال سرمایہ داروں کے پاس رہن رکھ دیتے تا کہ اُن دولت کے پجاریوں کو تسلی رہے کہ انہوں نے کم دے کر غریب کی زیادہ مالیت کی اشیاء پر قبضہ جمار کھا ہے. اس ظلم کی انتہاء اس پر ہوتی کہ اگر وہ غریب مقررہ مدت پر بھی قرض ادا نہ کرسکتا تو وہ سرمایہ دار اس غریب کا ان اشیا کی اونے پونے داموں قیمت کر کے انہیں ہضم کر لیتے اور غریب پر بقیہ رقم سود پر چلتی رہتی.(۲) یوں چونکہ اس معاملہ کو جتنا بھی کُرید اجائے تو اس میں اصل معاملہ ''ظلم وزیادتی'' کا ہے، نہ کہ سود کے نام پر منافع حاصل کرنے کا. اسی لئے اللہ تعالی نے اس پر سب سے زیادہ قدغن لگائی ہے. واللہ اعلم بالصواب.

یہاں یہ بات حضرت موسی علیہ السلام کے حوالہ عرض کرنی مقصود ہے، جنہیں پچھلے صفحوں میں ایک غیر مسلم مفکر نے کیسے حضرت موسی علیہ السلام کو معاشی چکر میں جکڑ کر دوسرے عام لوگوں کے ساتھ ملانے کی ناپاک کوشش کی، اُسے یہ بات سمجھ لینے چاہئے کہ

گو مال و دولت سے نفرت کرنا یا افلاس وغربت کو دعوت دینا بذاتِ خود مامور و مطلوب نہیں، تاہم حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے بالعموم اور نبی الانبیاء ﷺ نے بالخصوص امت وانسانیت کے لئے جو اُسوۂ چھوڑا ہے وہ فقر وقناعت ہی کا ہے، دولت و امارت کا نہیں. کون نہیں جانتا کہ مکّی نہیں، مدنی زندگی اور پورے ملک عرب کی بادشاہی کے عہد میں بھی کاشانہ نبوّت میں ایک دو دن نہیں ۲،۲ مہینے متواتر چولھا نہیں جلتا تھا، پانی اور کھجور پر گزر بسر ہوتا تھا، حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ جب سے مدینہ تشریف لاوے، وفات تک آپ کے گھر والوں نے کبھی تین رات برابر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر نہیں کھائی.(۳)

---

(۱) غفاری، نور محمد مولانا ڈاکٹر، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص:۱۷۰؛
مزید دیکھیں: سیوھاروی، مولانا حفظ الرحمن: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۹ء؛ ص:۲۶۶

(۲) ایضا/ص:۱۷۰ بحوالہ: ابو بکر جصاص، احکام القرآن ج ۱/ص ۵۸

(۳) ندوی، مولانا عبدالباری، تجدید معاشیات، نفیس اکیڈمی، کراچی، جولائی ۱۹۶۲ء/ص:۸۵

حدیث مبارکہ کی روشنی میں رباء الفضل کی تعریف

اس کے برخلاف جو کچھ ہمارے نبی پاک ﷺ نے جو سود کی تعریف فرمائی ہے وہ تعلیمات معاشیات میں سب سے منفرد اور یکجاء ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ ہر دور و زمانے کے اعتبار سے یکسانیت لئے ہوئے ہے۔ جو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ مذہب ہی انسانی راہنمائی کا اصل منبع ہے۔

رباء الفضل

'رباء' کی دوسری اہم قسم 'رباء الفضل' ہے اور چونکہ ربا کی اُس قسم کی حرمت سنت سے ثابت ہوئی اس لیے اسے 'ربـــاء السنة' بھی کہتے ہیں. ربا الفضل دراصل اُس اضافے کو کہا جاتا ہے جو کچھ مخصوص اجناس کے ہم جنس تبادلے پر لی جائے؛ لیکن وہ مخصوص اجناس کیا ہیں؟ اس کی مکمل قانونی تعریف ہر فقیہ کے یہاں جدا ہے (۱) چنانچہ رباء الفضل سے مراد وہ سود ہے، جس میں ایک ہی جنس کی دو چیزوں کو دست بدست لین دین یا خرید و فروخت میں زیادتی ہو. آپ ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا ہے؛ کیونکہ اس سے زیادہ ستانی کا دروازہ کھلتا ہے، اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے کہ جس کا آخری ثمرہ سود خواری ہو. ربوا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، (۲) مختلف محققین نے یہ بات لکھی ضرور ہے اور یہ بات صحیح بھی ہے کہ رباء کی یہ قسم احادیث سے ثابت ہے اور قرآن سے نہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ بات کمزور پہلو ہے، جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ قرآن کریم آپ ﷺ کے بارے میں لوگوں کے دل کے شکوک یوں دور کرتا ہے کہ 'وما ینطق عن الهوی' (۳) والی آیت بتلاتی ہے، کہ ایسا ممکن نہیں البتہ یہ بات ہو سکتی ہے کہ جو وضاحت آپ ﷺ نے جن الفاظ سے کسی کے بارے میں کی ہو قرآن کریم من و عن ویسی آیت نہ دکھاتا ہو، لیکن جیسا کہ رباء الفضل میں واضح ہے کہ ایک کی زیادتی دوسرے پر ظلم ثابت کرتی ہے چنانچہ قرآن کریم میں سود کی آخری تعریفوں میں یہی بات تو سمجھائی گئی ہے کہ 'لا تظلمون ولا تظلمون' (۴) لہذا ایسی صورت میں درجہ ذیل حدیث نبوی ﷺ قرآن کریم کی اسی آیت کے زمرے میں آتی ہے. چنانچہ اس رباء الفضل کی تعریف جو آپ ﷺ نے فرمائی ہے وہ کسی عام بندہ بشر کی طاقت نہیں کہ اُس میں تبدیلی لا سکے البتہ یوں کہا جا سکتا ہے، اس پر آپ ﷺ کا قول اتنا مضبوط و مثبوت ہے کہ وہ رباء الفضل جیسے تمام معاملات کے لئے بنیاد بن گیا ہے. لہذا حدیث پاک میں ارشادِ گرامی ہوا :-

'حضرت عبادہ بن صامت رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضةوالبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید واذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید'. (۵)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، برابر برابر، ٹھیک ٹھیک، ہاتھوں ہاتھ ہو، پس جب یہ اقسام تبدیل ہو جائیں تو جب وہ ہاتھوں ہاتھ ہوں تم جیسے چاہو فروخت کرو.

---

(۱) اردو دائرہ معارف، جلد ۱۰/ص: ۱۷۷

(۲) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص: ۲۷

(۳) القرآن، سورۃ النجم/۵۳: ۳

(۴) القرآن، سورۃ البقرۃ/۲: ۲۷۹

(۵) صحیح مسلم شریف، مترجم مولانا عزیز الرحمان، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور س ن/ جلد ۲، کتاب المساقاۃ، حدیث ۴۰۶۳

اس حدیث کو کئی روائی حضرات نے بیان فرمایا ہے، جس سے اس حدیث کے متن کی مزید وضاحت بھی ملتی ہے، جیسے:

'حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الاخذ والمعطی فیہ سوآء'.(۱)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، برابر برابر، نقد بہ نقد (فروخت کرو)، جس نے زیادتی کی یا زیادتی طلب کی تو اُس نے سودی کاروبار کیا. لینے اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں.

'ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ ایضا قال جاء بلالؓ الی النبی ﷺ بتمر برنی فقال لہ النبی ﷺ من این ھذا قال کان عندنا تمر ردی فبعت من صاعین بصاع فقال اوما عین الربا! عین الربا! لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر بیع آخر تمہ اشتربہ'.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے پاس "برنی" کھجور لائے، نبی پاک ﷺ نے اُن سے پوچھا تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے ملیں؟ انہوںؓ نے عرض کیا ج ہمارے پاس گھٹیا کھجوریں تھیں ہم نے دو صاع یہ کھجوریں دے کر ایک صاع "برنی" کھجوریں لے لیں، آپ ﷺ نے فرمایا، اوہ یہ تو عین سود ہے ایہ تو عین سود ہے! ایسا نہ کرو اگر تم یہ کھجوریں خریدنا ہی چاہتے ہو تو پہلے اپنی کھجوروں کو بیچ ڈالو اور پھر (اُسکی رقم سے) اُن کھجوروں کو خرید لو.

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے درمیان لین دین یا خرید و فرخت میں کسی قسم کی زیادتی جائز نہیں لیکن اگر جنس مختلف ہو تو پھر کمی بیشی کرنا جائز ہے، لیکن اُدھار کرنا جائز نہیں ہے. پہلی حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر ہے اُن کو فقہ کی اصطلاح میں 'اموال ربویہ' کہتے ہیں. حدیث میں یہ تفصیل نہیں کہ یہ حکم صرف انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے! یا کچھ اور اجناس بھی اس حکم میں داخل ہیں. چنانچہ قتادہؒ اور طاؤسؒ سے منقول ہے کہ وہ 'رباء الفضل' کو صرف انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص سمجھتے تھے جبکہ باقی فقہا جن میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں کا یہ کہنا ہے کہ کچھ اور اجناس بھی اس حکم میں داخل ہیں لیکن پھر اسمیں اختلاف ہے کہ کون کون سی اجناس اس حکم میں شامل ہے. جس کی تفصیلات کتب فقہ میں آسانی سے مل سکتی ہے.(۳) چنانچہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایک ہی جنس کی دو چیزوں کو بدلنے کی ضرورت صرف اُسی صورت میں پیش آتی ہے، جبکہ اتحادِ جنس کے باوجود اُنکی نوعتیں مختلف ہوں. مثلاً اچھے چاول، عمدہ سونا اور گھٹیا سونا یا معدنی نمک اور سمندری نمک وغیرہ. عہدِ جاہلیت میں اسکی ضرورت اس لئے پیش آتی تھی کہ دیہاتوں میں رہنے والے بدو اپنی غربت کی وجہ سے درہم و دینار سے تو یکسر تہی دامن تھے، اسلئے وہ اشیاء کے بدلے اشیاء کا تبادلہ کرتے تھے، لیکن اس میں بھی وہ بہتر اور کم تر کا فرق رکھتے تھے.(۴) چنانچہ ہمارے ملک میں آج بھی نئے اور پُرانے نوٹوں کا کاروبار کیا جاتا ہے، یا پھر بڑے نوٹ کے عوض چھوٹے سکے جو لیے یا دیے جاتے ہیں اُس پر اُجرت کی مد میں جو چند فیصد' بطور آمدن وصول کیا جاتا ہے وہ سب کا سب ناجائز اور سود ہے. اب یہاں یہ مسئلہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک کی کرنسی کے سامنے 'ہم جنس' کے نہیں بلکہ 'غیر جنس' کے زمرے میں آتی ہے، خواہ وہ بھی کاغذ ہی کی چھپی ہوئی ہو، لہذا ایسے تبادلے کے کاروبار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے. اسی لئے منی ایکسچینج کا کاروبار جائز ہوا.

---

(۱) مسلم شریف، کتاب المساقاہ، حدیث ۴۰۶۴

(۲) بخاری و مسلم شریف، کتاب المساقاہ، حدیث ۴۰۶۴

(۳) اردو دائرہ معارف، جلد ۱۰/ص: ۱۷۷

(۴) احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء/ص: ۳۵

رباء الفضل کی حرمت پر تقابلی جائزہ

ربوٰ الفضل ایسی زیادتی ہے جو یکطرفہ ہوتی ہے جو کسی جنس کی قیمت کی ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے ہوتی اور نہ ہی کسی شئے کے معاوضہ میں ہوتی ہے۔ یہ زیادتی دست بدست تبادلہ نقود یا متجنس اشیاء کے تبادلہ میں ایک طرف سے زیادتی کے مطالبہ اور دوسری طرف؛ جو ہمیشہ مظلوم ومحتاج ہوتی ہے؛ سے ادائیگی یا ان اشیاء کے ادھار کے سبب وجود میں آتی ہے۔ ربوٰ کی یہ استحصالی شکل شریعت مطہرہ کے مندرجہ ذیل اصولوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

الف ۔ اگر ہر دو جانب خرید وفروخت کی شئے ہم جنس ہے یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں، جو، نمک، کشمش، مٹی وغیرہ اشیاء کا ہم جنس شئے سے بیع وشرا مطلوب ہے تو کھرے اور کھوٹے، منقوش اور غیر منقوش، کم قیمت وبیش قیمت، عمدہ اور ردی کا لحاظ کیے بغیر دونوں جانب ناپ، تول میں مساوات بھی واجب ہے اور نقد خریداری بھی واجب وضروری، نہ کمی بیشی درست ہے اور نہ ادھار جائز ہے۔

ب ۔ اگر جانبین میں ہم جنس شئے نہیں ہے یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے، گیہوں کا جو سے یا جو کا گیہوں سے (وغیرہ وغیرہ) تبادلہ مقصود ہے تو ایسی صورت میں کمی بیشی تو درست ہے مگر ادھار جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ عقد بیع کے دونوں جانب سے معاملہ بصورت نقد عمل میں آئے۔(۱) چنانچہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ بالا جو ارشادات بصراحت موجود ہیں انہی کی روشنی میں فقہاء امت نے ان احادیث کو تجارتی سود کی بنیاد قرار دیا ہے۔ جسکا نام 'ربوٰ الفضل' ہے، اور اب اس لفظِ فضل کے پیرائے پر غور کیا جائے تو دراصل یہ لفظ درج ذیل قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہوتا ہے:

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ٥(۲)

ترجمہ: پھر جب تم نماز ادا کر چکو، تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

پس اگر ہم قرآنِ کریم کی اس آیت کے زمرے میں لفظ 'فضل' کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ وہ ہی فضل ہے جسکے لیئے اللہ تعالی نے نمازِ جمعہ کے بعد زمین پر پھیل جانے اور اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد ایسی تجارت بتلائی ہے جسکو اپنا کر منافع کمانے کی ترغیب دی گئی اور اُسکی ہر منفعت کو لفظ 'فضل' سے تعبیر کیا گیا ہے، لہذا ایسی ہی ہر تجارت میں بہ اعتبارِ منافع اگر ما حصل کو 'مشکوک وحرام' میں تبدیل کردینے والے عوامل و محرکات سے مدغم کر دیا جائے تو یہ شریعتِ اسلامی کی رو سے 'رباء' ہی قرار دیا جائے گا، پس اسی لئے حدیث میں صریح لفظ 'رباء الفضل' کو تجارتی سود کے اظہار کے لئے نبی علیہ السلام سے بہتر کون تعبیر کر سکتا تھا، چنانچہ جناب رسول ﷺ نے اسکو 'رباء الفضل' ہی کا نام دیا؛ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص:۱۷۱

(۲) قرآن کریم، سورۃ الجمعہ/۶۲:۱۰

تجارتی سود کی ممکنہ اشکال - قبل از اسلام تجارتی سود کی چند مثالیں

تجارتی سود کی امثال سامنے لائے جانے سے یہ بات ممکنہ حد تک سمجھنا آسان ہو جائیگی کہ اسلام نے تجارتی سود کی جتنی شکلیں ممکن ہوں اُن سب پر احادیث نبویہ ﷺ کے طفیل جو پابندیاں عائد کی ہیں اُنکے مابعد اثرات سے اسلامی تجارت کو ماضی میں کیا فروغ حاصل ہوا اور مستقبل میں اُسکے کیا روشن پہلو جات مرتب ہو سکتے ہیں۔

۱- قبل از اسلام تجارتی سود کی چند مثالیں

قبل از اسلام عرب کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان بنو عمرو بن عمیر (عامر) اور قبیلہ بنو مخزوم کے خاندان بنو مغیرہ اپنے تجارتی کاروبار کی بدولت مشہور تھے۔ بنو عمرو بن عامر تجارتی کاروبار کے لیے بنو مغیرہ کو سودی قرضہ دیا کرتا تھا۔ جب اسلام آیا اور اس نے حرمت سود کا اعلان کیا تو مغیرہ کے ذمہ ایک بہت بڑی رقم واجب تھی ابن جریر کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں: (۱)

كانت بنو عمرو بن عامر يا خذون الربوٰ من بنى المغيره و كانت بنو المغيره يربون لهم فى الجاهلية فجاء الاسلام ولهم عليهم مال كثير۔ (۲)

ترجمہ: زمانہ جاہلیت میں بنو عمرو بن عامر، بنو مغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ انہیں سود دیا کرتے تھے۔
جب اسلام آیا تو ان (بنو مغیرہ) پر ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی۔
امام سیوطیؒ نے اس سودی کاروبار کی نوعیت کو یوں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔

كان ربا يتبا يعون به فى الجاهلية۔ (۳)

ترجمہ: یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کیا کرتے تھے۔

مفسرین نے پورا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور بنو عمرو بن عامر (عمیر) نے ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اب وہ مسلمان ہو چکے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک سود کا لینا دینا حرام ہے۔ ان کا یہ جھگڑا حضرت عتاب ابن اسید کی عدالت میں پہنچا (انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر کیا تھا) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے قرآن مجید کی سورہ البقرہ کی دو مستقل آیات ۲۷۸-۲۷۹ نازل ہوئیں جن میں یہ واضح ارشاد تھا کہ سود کا لینا اور دینا حرام ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ بھیجا کہ سود کا لینا دینا بالکل حرام ہے۔ (۴) اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان دو قبیلوں کا آپس میں سودی لین دین صرفی قرضوں پر نہیں بلکہ تجارتی قرضوں پر تھا اور ان دو قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی۔ (۵)

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری 1999ء/ص: ۳۸

(۲) ایضاً/ ابن جریر طبریؒ: جامع البیان عن آیات القرآن، ج ۶، دار المعارف، قاہرۃ ص ۲۲-۲۳

(۳) ایضاً/ امام سیوطیؒ: الدر المنثور، ج ۱، قاہرۃ، س ن/ص ۳۶۶

(۴) ایضاً/ بحوالہ ملا علی قاریؒ: عمدۃ القاری، ج ۱۱، ادارۃ طباعۃ منیریہ، قاہرۃ، س ن/ص ۲۰۱

(۵) ایضاً

۲- آج کے دور میں تجارتی سود کی مثال

تجارتی کاروبار میں آج تک جتنے استحصالی حربے استعمال کیے جا چکے ہیں ان میں مضر ترین، قبیح ترین اور جرم میں سب سے بڑھ کر ربوا یا سود ہے۔ یہی وہ منحوس ترین استحصالی حربہ ہے جس کے استعمال سے قاتل سرمایہ دار مجبور غریب حاجت مند کا خون چوستا ہے اور پل پل کر خون خوار بھیڑیا بنتا ہے جو بلاتمیز دشمن و دوست جسے چاہتا ہے چیرتا پھاڑتا ہے۔ منحوس سرمایہ دارانہ نظام نے اس انسانیت کش بے رحم حیلہ کو اتنی ترقی دی ہے اور اسے اس طرح سائنٹفک بنیادوں پر منظم کر دیا ہے کہ آج دنیا کی تمام قوتیں اسکے دام تذویر میں گرفتار ہیں اور ایک منظم استحصال Organized Exploitation کے ذریعے سرمایہ دار، بنکار..... حکومت ہو یا افراد..... تجارتی سود کے ہتھیار سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے حاجت مندوں کا خون نچوڑ رہے ہیں۔ حاجت مند تجارت پیشہ افراد اور غریب ضرورت منداس ظلم کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں مگر سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے جنم لینے والا اور اس کی گود میں پرورش پانے والا سرمایہ دار..... بینک ہو یا افراد..... ان کی بے بسی پر مسکراتا ہے کہ اس کے کاروبار ظلم نے اُسے غریبوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ اس یہودی نظام کی معقولیت اور جواز کے لیے نت نئی تھیوریز Theories ایجاد کی جا رہی ہیں۔ بے بس انسانیت اب اتنی مایوس ہو چکی ہے کہ اس کے پاس اب غالباً سوائے اللہ کریم کے حضور دعا اور اس کی کریم ذات سے نیک تمنا کے اور کوئی علاج نہیں۔ (۱)

اسلام کا معاشی نظام تمام انسانوں میں معاشی عدل و انصاف کا معاملہ اور تعاون و ہمدردی کی فضا قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان آپس میں 'تبادلہ نقود یا تبادلہ اشیاء' کے نام پر ایک دوسرے کا استحصال کریں۔ گو معاشی کاروبار حیات میں عموماً انسان آپس میں سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا تبادلہ چاندی سے نہیں کرتے مگر بین الاقوامی سطح پر 'تبادلہ نقود یا مبادلہ خارجہ' (Foreign Exchange) کے ذریعے ترقی یافتہ اور امیر ممالک (اور اشخاص بھی) غریب اور محتاج ممالک (اور اشخاص) کا استحصال کرتے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کی بدبودار کوکھ سے جنم لینے والا یہ منظم طریقہ استحصال غریب اور امیر اور ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک کے درمیانی معاشی دست بردکی راہیں کھول کر دیتا ہے۔ کیا امریکی ڈالر اللہ کریم کے عرش سے اترا ہے کہ اس کے بدلے غریب پاکستانی کو ۱۵ روپے دینا پڑتے ہیں؟ دونوں ایک ہی طرح کے کاغذ کے دو پُرزے ہیں مگر کیا ظلم ہے کہ ایک پرزہ پندرہ پرزوں کے برابر بکے۔ کیا یہ معاشی استحصال نہیں ہے؟ کیا اگر امریکہ ایسے ایک ملک کی مصنوعات یا پیداوار کی مانگ کسی دوسرے غریب ملک میں زیادہ ہے تو وہ اس قدر کے بقدر دام بھی زیادہ وصول کرے۔ آخر اس دوہرے استحصال کا جواز کہاں کہ قیمت بھی مصنوعات کی من چاہی لیں اور غریب ملک کا سکہ بھی بے قدر کر کے لیں۔ (۲)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جدید سیاسی معاشیات Political Economics، جو کہ لادینی معاشی نظام ہے، میں 'سود' کو تجارتی منافع کے ساتھ، کن پوشیدہ راستوں سے یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ جدید معاشیات کے بانیان میں سے ایک ولارڈ جان منیارڈ کینز Keynes's اپنی مشہور و معروف کتاب، A General Theory of Employment, Interest and Money میں لکھتا ہے، کہ:

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص: ۱۶۵

(۲) ایضاً/ص: ۱۷۲

The money-rate of interest - We may remind the reader - is nothing more than the percentage excesss of a sum of money contracted for forward delivery, e.g., a year hence, over what we may call the 'spot' or cash price of the sum thus contracted for forward delivery. It would seem, therefore, that for every kind of capital-asset there must be an analogue of the rate of interest or money. For there is a definite quantity of (e.g.) wheat to be delivered a year hence which has the same exchange value today as 100 quarters of wheat for 'spot' delivery. If the former quantity is 105 quarters, we may say that the wheat-rate of interest is 5 percent per annyum; and if it is 95 quarters, that it is minus 5 per cent per annum. Thus for every durable commodity we have a rate of interest in terms of itself, - a wheat-rate of interest, a copper-rate of interest, a house rate of interest, even a steel-plant rate of interest. (1)

ترجمہ: ثمن کی سودی قیمت۔ہم قارئین کو یاددھانی کراسکتے ہیں کے ثمن کی سودی قیمت اسکے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک ایسی متناسب قیمت ہے اُس ثمن کی جو کسی پیدواری کیفیت کے لیے استعمال کی گئی ہو،مثلاً ایک وہ سال جسمیں یہ معاملہ طے کیا گیا ہو، چنانچہ راس المال کی ہر وہ حالت جسکی صلحی قیمت اُسپر حاصل ہونے والا سود یا وہ رقم ہوگی؛ چنانچہ اگر ہم گندم کی ایک مناسب مقدار کو ایک سال تک کی ایسی قیمت پر بیچتے رہیں جسکی آج کی قیمت اُس گندم کے ۱۰۰ ویں حصہ کے برابر ہو، اوراب اگر آج اس کی قیمت ۱۰۵ ویں حصہ پر پہنچ جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ گندم کی قیمت سود (یعنی منافع) سالانہ ۵ فیصد زیادہ حاصل ہوئی ہے، اب چاہے وہ گندم کا منافع ہو، تانبہ، مکان حتی کہ لوہے کی مشنری پر حاصل شدہ منافع ہو.

یہاں درجہ بالا مثال پر ایک ماہر معاشیات، ہنری ہزلیٹ، نے جواز خود نقطہ چینی کی ہے، وہ یہ کہ کینز نے منافع اور سود کو مدغم کر کے رکھ دیا، جبکہ مکان کا کرایا ہو یا کسی شئے کے قیمتِ فروخت وہ اسکی شرح منافع 'Marginal efficiency rate' (۲) تو ہوسکتی ہے، شرح سود نہیں کیونکہ ہزلیٹ کے مطابق اگر گندم کی شرح منافع اُسکی عدم دستیابی پر 0% (فیصد) ہوسکتی ہے، لیکن وہ رقم جو سود پر دی جائے، اُسپر شرح منافع، جو بقول ہزلیٹ کے، منافع اور سود میں فرق کے ساتھ بات کرنا ضروری ہے، کہ وہ رقم جو سود پر دی جائے، اُسپر شرح منافع نہیں بلکہ شرح سود تو وقت کے لحات کے بدلنے سے یکسر بڑھتا ہی رہتا ہے، لہذا، ہزلیٹ کہتا ہے کہ گندم یا کسی پیداواری عوامل کو سرمایہ کی قیمت سے مناسبت ملا کر شرح منافع طے کرنا کسی عقلمندی کی دلیل نہیں ہے. لہذا وہ کہتا ہے کہ:

---

(1) Henry Hazlitt, The Failure of the "New Economics" (An Analysis of the Keynesian Fallacies),D Van Nostran Company, Inc., Princeton, New Jersey, 3rd Edition, November, 1963/Page:236-237

(۲) ایضاً/ص:۲۳۷

Now a negative interest rate is in itself a foolish and self contradictory conception, for it is impossible to imagine any sane person lending any amount of wheat or money or anything else in order to make a foreseen loss; and the term "interest rate" implies that the rate is foreseen if it implies anything. The term "interest rate", again. implies that something is being lent by one party to the transaction and borrowed by the other, and that the principal sum (or object is) is being returned by the borrower to the lender at the end of the contractual period. But no "lending" or "borrowing" of wheat occurs in the transaction described by Keynes, but merely a purchase and sale. And if a "rate of interest" is being paid, it is impossible to figure from whome to whom. It is even impossible to know, from the illustration Keynes gives, whether the purchaser of the future contract for wheat has made a profit or a loss. (1)

ترجمہ:(ایک لمبی تمثیل کے بعد مصنف کینز پر تنقید کرتا ہے کہ-اب اگر شرح منافع (جیسے کینز نے شرح سود کہا ہے) منفی ہو جائے تو از خود یہ ایک بیوقوفانہ اور متضاد تصور ہے جو در حقیقت کسی بھی ہوشمند انسان کے لئے نا قابلِ قبول ہے کہ گندم کو ادھار دینے میں اور رقم کو قرض پر دینے میں جو بنیادی فرق ہے وہ کسی شئے پر حاصل ہونے والے نقصان کے اندیشہ کا ہے، جسے صرف شرح سود کہنا قطعاً غیر مناسب ہے، کیونکہ شرح سود سے مراد صرف یہ ہے کہ کوئی شئے قرض دی گئی ہو، یا قرض پر لی گئی ہو، لہذا یہ بات طے شدہ ہے کہ مقروض کو ہر حال میں راس المال کو اسکی معیاد پوری ہونے پر اپنے قرضخواہ کو لوٹانا ہی ہوتا ہے، (چونکہ گندم کا استعال تو صرف ہونے کے لئے ہے نہ کہ واپس کئے جانے کے لئے) لہذا (مصنف کے مطابق) کینز کو دراصل گندم کے قرض دینے کے لئے "قرض دینا" یا "قرض لینا" سے مطابقت پیدا کرنے کے بجائے (گندم کی) "خرید و فروخت" کے الفاظ استعمال کرنا چاہئیں. کیونکہ اسمیں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "شرح سود" کسی ایک (انسان) کے کسی دوسرے (انسان) کو قطعی طور پر پیش کرنے کے ہی سے تعلق رکھتی ہے، جبکہ کسی انسان کو گندم کے دیے جانے پر اسپر حاصل شدہ منافع کی فیصدی شرح کا کوئی اندازہ قائم نہیں کیا جاسکتا.

دورانہ مطالعہ مجھے ہزلیٹ Hazlitt کے اس حقیقت پسندانہ بیان کو پڑھ کر جتنی خوشی ہوئی ہے، شاید کسی اور غیر مسلم کے بیان کو پڑھ کر ہوئی ہو، میں اس کتاب کے مطالعہ کے لئے یہ سفارش کرنا چاہوں گا کہ ہر مسلم ماہر اقتصادیات کو اسکا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے. دیکھئے کہ ہزلیٹ نے کس طرح پیچیدہ مسئلہ کو آسان و قابلِ فہم بنادیا، کہ ایک غیر مسلم کی غلطی کو ایک غیر مسلم ہی دور کر رہا ہے، جو بظاہر اُس غیر مسلم کے الفاظ ہیں لیکن دراصل یہ اسلامی نقطہ نظر کی کھلے الفاظ میں ترجمانی ہے. اور وہ یوں کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے در حقیقت اشیائے صرف کی ثمنی قیمت اور دولت، کی ثمنی قیمت میں قطعاً اور واضح خط کھینچ کر ممانعت فرمادی، کہ اشیاء کو اشیاء کے بدلے میں ذرہ برابر فرق سے بیچا نہیں جاسکتا اور اسی طرح دولت کی کوئی قیمت اسلامی شریعت میں قابلِ قبول نہیں، حتیٰ کہ اُن رقوم میں جنس کی تبدیلی پائی جائے. دوسرا یہ کہ 'رباءالفضل' کا یہاں قابلِ عمل پہلو واضح ہو جاتا ہے کہ اشیائے صرف کو ادھار دینے یا اُنکے ادھار لین دین میں جو 'دست بدست' اور 'پہلو بہ پہلو' یعنی یکسانیت کا جو پہلو قابلِ عمل سکھلایا ہے، وہ دراصل رقم کو قرض پر دینے اور رقم پر حاصل شدہ منافع (شرح سود) کو اشیائے صرف کے شرح منافع (جیسے آج کی جدید معیشت، شرح سود ہی گردانتی ہے) سے قطعاً ملانے کو 'حرام' قرار دیا ہے. لہذا میرے اس مطالعہ کا ماحصل صرف یہ ہے کہ فقہائے کرام نے احادیث مبارکہ کی جن چھ اشیائے صرف کے معاملہ کو محض مقید بحث گردانا ہے، میری ناقص رائے میں آج کے اِس پُرفتن دور میں اسکی کھلی وضاحت اُس پیرائے میں بھی ہونا چاہئے جسمیں ہمارے مسلم ماہرین اقتصادیات آسانی سے سمجھ سکیں. جسکے باعث درج ذیل خرافات وجود پائیں:

☆ یہی وجہ ہے کہ ہر طرح کے کاروبار میں حاصل شدہ شرح منافع کو بلا تخصیص شرح سود بہ قیمت ثمن مابین قیمتِ اشیاء صرف پھیلانا، جس پر ہمارے مسلم اقتصادی ماہرین بھی تکیہ کئے بیٹھے ہیں.

☆ یہی وہ وجہ جس کے باعث "سیل" Sale کے لفظ کا ایجاد ہونا، محض عوام الناس میں جھوٹے کاروبار کو پھیلانا تھا، کیونکہ اسمیں یا تو مالِ ناقص کو

فروخت کر کے عوام کو دھوکہ دیا جارہا ہے، یا پھر مارکیٹ میں دوسرے دوکانداروں کا حق مارا جانا شامل ہو کر "نہ تم ظلم کرو، نہ ظلم کیے جاؤ" والی آیت کے زمرے سے معاملہ "رباء" کے پہلو میں جالگتا ہے، جبکہ یہ رواج دراصل کلیساء میں لوگوں کو عبادت پر راغب کرنے کے اعتبار سے وجود میں لایا گیا تھا، جو آج مسلم امّۃ میں لین دین میں تسلی کردیئے جانے سے مانع کرنے کے مسائل بھی پیدا کرتا ہے، اور اگر یہ سود نہ بھی بنے تو غرر یعنی uncertainty کی کیفیت ضرور پیدا کرتا ہے۔

☆ پُرانے گھریلو سامان (مشینری) وغیرہ کو "واپس دیکر" نیا سامان (مشینری) خریدیں (قیمت کے فرق کے ساتھ) جیسے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا، جو دراصل "دست بدست" "پہلو بہ پہلو" یعنی اپنی حیثیت میں یکسانیت سے عاری اشیاء کی فروخت محظ "سودی" یا "رباء" والی حالت کو جنم دیتی ہے، اسلئے یہ معاملہ قطعا "سود" یعنی حرام ہو جاتا ہے۔ جبتک کہ پچھلے سامان کو فروخت کر کے اُسپر قیمت وصول نہ کرلی جائے، اُس شئے کے عوض کوئی اور شئے کو خریدنا ناجائز ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لہذا اسلام کے عادلانہ قانونِ تجارت نے اس معاشی قتل کو روکنے کے لیے اعلان کیا تھا کہ سونا اور چاندی ہی دراصل دو نقدین ہیں اور ان میں ہر ایک اپنی جنس کے ساتھ برابر برابر مساویانہ تبدیل ہوگا۔ یہی وہ حکیمانہ اور عادلانہ تعلیمات نبویہ ہیں جن کے چشمہ صافی سے 'وحدت تسکیک' Unity of Coinage کا تصور اُبھرتا ہے۔ اللہ کریم کرے کبھی یہ حقیقت کا روپ دھار لے تا کہ مظلوم انسانوں کو سرمایہ دار ظالم انسانوں کے ظلم سے نجات مل سکے (آمین) (۱)

رباء الفضل کا خلاصہ

بنیادی طور پر رباء النَّسِیہ اور رباء الفضل کو علیحدہ علیحدہ پیرائے میں بیان کیے جانے سے متعلق محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قرض کی صورت میں سود کا حاصل کیا جانا بہت آسان عمل ہے، جس پر یہود نے محنت سے کترانے کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ سرمایہ کو قرض دے کر اُسپر گھر بیٹھے سود حاصل کرنے کے عمل کو اپنے لئے زیادہ سہل جانا، لیکن اسلام چونکہ انسانی زندگی کا مجموعی احاطہ کرتا ہے، اور دیگر مذاہب کی طرح صرف روحانیت کو ربوبیت سے متعلق بحث پر چرچہ کر کے اپنے کو لوگوں کی تہذیب و معاشرت سے دور نہیں رکھتا، لہذا رباء الفضل کا مقصد جہاں انسانی اقدار سے ظلم کا خاتمہ کرنا ٹھہرتا ہے، وہیں یہ جبر و ناانصافی کے تمام راستوں کو بالکل بند کر دیتا ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ جن معنی میں اشتراکیت یا اشتمالیت نے جو طبقاتی حِس Status Consiousness کے نام پر امیر کے امیر تر ہونے اور غریب کے غریب تر ہو جانے کا گھناؤنا نظام انسانیت کو دیا ہے اسلام اس طبقاتی حِس کو اُن معنی میں بیدار ہونے کا قطعی موقع ہی نہیں دیتا۔ اسلام کا معیارِ طبقہ تو صرف "تقویٰ" piousity کا نظام ہے، جسمیں امیر انسان غریب انسان کی پرواکئے بغیر اپنی دنیوی و دینی مقاصد کو قطعا حاصل نہیں کرسکتا، چنانچہ "نیتِ خالص" کی بنیاد پر وہ ہر کس و ناکس کی مدد کے لئے تیار رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بینک کا نظام قرضہ مرتب کیا تھا، اُنکے نزدیک تو سرمایہ داروں کے مال کی حفاظت محض اُس پیسہ کو قرضہ کے طور پر استعمال کر کے سود کی رقم حاصل کرانا اور انکو دنیاوی اعتبار سے قدآور بنانا مقصود تھا، چنانچہ اِس نظام نے دنیا کی ایک بڑی آبادی کو صدہا برس سے اپنے زیرِ تگیں کئے رکھا ہے۔ جبکہ اسلامی بینک کے قیام میں خاص عمل یہ ہے کہ یہاں قرض خواہ، امیر ہو یا غریب اُسکی ضرورت کو

---

(۱) غفاری، نور محمد ڈاکٹر، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص: ۱۷۱

مدِ نظر رکھتے ہو جس مقدار پر قرضہ دیا جائے گا، وہ بینک اُس آدمی سے کسی بھی حال میں کوئی مشروط رقم یا تناسب حاصل کرنے کا مجاز نہیں. اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ بینک جو اسلامی کہلاتا ہے، وہ اپنے سرمایہ کو کس طرح بڑھا سکتا ہے، اور یہ کہ وہ کیوں لوگوں سے قرضہ کی وصولیابی پر زیادتی حاصل نہیں کر سکتا ؟ان سوالوں کے تسلی بخش جوابات تو دنیا کے بڑے علماء و فقہائے اکرام نے دے دیئے ہیں، ہمارے موضوع میں ان جوابات پر بحث کرنا یا اُن کو دوبارہ مقالہ میں شامل کرنا محض طوالت اختیار کرنے کا باعث تو ہو سکتا ہے، لیکن حاصل گفتگو کے لئے پھر ایک دفترِ بحرِ بیکراں چاہیے ہوگا. اسلئے مختصرا صرف وہ معاملہ جو حال ہی میں سامنے آیا ہے، جبکہ میں اپنے تمام کاموں کو سمیٹ رہا ہوں، ایک محقق کا اخبار میں اسلامی بینک کے قرضے کی بابت دلائل پڑھ کر مجبور ہوا کہ اس کا فوری جواب تلاش کر لینا ذمہ داری کے درجہ میں باعث ثواب ہوگا.

عبدالودود خان محقق اور اسلامی معیشت کے ماہر ہیں؛(۱) لیکن ایک فاش غلطی کو بر سبیل تمثیل پیش کر بیٹھے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"رسول اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق موجودہ سودی بینکاری کا فوری خاتمہ ضروری ہے، جس کے جگہ لینے کے لئے فوری طور پر نافذ العمل بلاسود بینکاری نظام درکار ہے، جس میں وہ سب کام بلاسود انجام دیئے جا سکیں، جو موجودہ نظام میں سود کے ذریعے انجام دیئے جاتے ہیں، مثلاً قرضوں کا اجراء، ہنڈیوں کا بھنانا، لیٹر آف کریڈٹ کھولنا، مطلوبہ نظام TMCL یا قرض متبادل پر مبنی بلاسود بینکاری نظام ہے. اسمیں فریقین کے درمیان بیک وقت دو ایسے بلاسود قرضوں کا تبادلہ ہوتا ہے، جن کی رقم اور مدت کا حاصل ضرب برابر ہو مثلاً کسی تاجر کو اگر دس لاکھ روپیہ کا قرض ایک سال کے لئے درکار ہے تو وہ بینک کو ایک لاکھ روپے کا قرض دس سال کے لئے دے کر بینک کو ایک لاکھ روپے کا قرض ایک سال کے لئے دے کر بینک سے مطلوبہ قرض لے سکتا ہے، تاجر بینک کو دس لاکھ روپے ایک سال بعد واپس کرے گا، اور بینک تاجر کو ایک لاکھ روپے اس سال میں واپس کرے گا. بینک تاجر سے لئے ہوئے قرض کو لمبے عرصے کے لئے کاروبار میں لگا کر نفع کمائے گا. اُس طرح تاجر اور بینک ایک دوسرے کو بلاسود قرض دے کر ایک دوسرے کی ضرورت پورا کرنے کے علاوہ سود ختم کرنے کا ذریعہ بننے اور حدیثِ قدسی پر عمل کرنے کا اجر و ثواب بھی حاصل کریں گے. (انشاء اللہ) یہ نظام فوری طور پر موجودہ نظام کی جگہ لے سکتا ہے.(۲)

ہمیں کالم نگار کے محقق ہونے پر کوئی شک نہیں، لیکن یہاں جو تاویل پیش کی گئی ہے، وہ تین معنی میں قطعاً اسلامی روح سے خالی ہے.

۱- پہلا یہ کہ اس تمثیل سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ 'قرضہ حاصل کرنے والا محض سرمایہ دار ہی ہے، جسے اپنے سرمایہ کو چار چاند لگانے کے لئے بلاسودی قرضہ حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی، اور اگر وہ پہلے قرضہ بینک کو قرضہ نہ دے سکے گا تو بینک کسی حالت میں بھی اُسے قرضہ نہیں دے گا'.

یہ تمثیل بظاہر سرمایہ دارانہ نظام کے سکّہ کا دوسرا رُخ ہے. جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بنتی جسکی دلیل میں ہم نبی کریم ﷺ کا وہی ارشاد نقل کریں گے کہ : **كل قرض جرّ منفعة فهو ربوا** -(۳) ترجمہ: یعنی قرض پر لیا گیا اضافہ ربوا ہے.

۲- دوسرا یہ کہ قرض لینے اور دینے کی دونوں حالتوں میں جن شرائط کا استعمال قرض کے لین دین کا باعث بن رہا ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرض لینے کے لئے قرض دینے کی شرط کو ہر حال میں پورا کیا جائے گا، یہاں رقوم کی کمی بیشی زیرِ بحث نہیں. بات صرف شرط کی جو درجہ ذیل حدیث کی روشنی میں قطعاً اسکو علامہ جصاص نے یوں بیان کیا ہے کہ :

---

(۱) خان، عبدالوحید، روزنامہ قومی اخبار، کراچی، جمعہ ۲۳ جنوری ۲۰۰۹ء/ص:۴

(۲) ایضاً

(۳) اسعدی، محمد عبید اللہ مولانا، سود کیا ہے؟ ادارۃ القرآن، کراچی، جولائی ۲۰۰۲ء/ص:۳۱ مزید ملاحظہ کریں: عثمانی، مفتی محمد شفیع۔ مسئلہ سود، دار الاشاعت، کراچی، س ن/ص:۱۵، ۱۳

"هو القرض المشروط فيه الاجل و زيادة مال على المستقرض"۔ (۱)

ترجمہ: ایسا قرض جو کسی معیاد کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ مقروض اسکو اصل مال میں اضافہ کے ساتھ ادا کرے گا۔

یہاں یہ بات انتہائی قابلِ وضاحت ہے کہ قرض کو معیاد کی شرط کے ساتھ اگر جوڑا جائے تو یہ بعوذ ظلم، سودمندی کے حصول پر از خود سود کے مترادف بڑا ذریعہ بن جاتا ہے، لہذا درج بالا تمثیل میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ قرض پر ہر طرح کی شرط سے حاصل ہونے والا منافع بھی سود کے حکم میں شامل ہوتا رہے گا۔ یہاں ایک اور مثال بیع الحصاۃ کی دی جاسکتی ہے؛ جسکا ذکر پہلے آچکا ہے، اور وہ یہ کہ 'مشتری یعنی خریدار جس شئے پر کنکری رکھ دیتا ہے تو بیع لازم ہوجاتی اور فریقین میں سے کسی کو رد cancellation کا اختیار نہ ہوتا'۔ (۲) تو اس مسئلہ میں قرض مانگنے والا ایک مشتری کی حیثیت سے بینک کے پاس آتا ہے، اور وہ بینک کو کنکری کی مانند صرف ایک لاکھ روپے گروی یا قرض کے طور پر رکھواتا ہے، جسکی معیاد تقریباً دس برس ہے، جبکہ اُس شخص کے لئے بینک پر فرض ہوگیا کہ وہ جتنا زیادہ سے زیادہ قرضہ مانگے گا بینک ہر حال میں اُسے دے گا۔ چنانچہ تمام صورتوں سے درجہ بالا حاصل شدہ قرضہ سود کے عوض ہی قائم ہوگا، گو ہم اُسے سود تصوّر نہ کریں، جیسا کہ عصری تعلیماتِ معیشت نے ہمیں سادہ اور پیچیدہ یعنی Simple or Compound Interest کے جھانسے میں جکڑ رکھا ہے، اور آج کے مسلمان دین سے دوری کے باعث سود حرام سے اجتناب کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ حدیث روایت ہوئی: "عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لا يسم المسلم على سوم المسلم"۔ (۳) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے نرخ پر نرخ نہ کرے۔

چنانچہ درجِ بالا مسئلہ میں صاف ظاہر ہے کہ ایک شخص نے بینک سے سودے پر سودا کیا لہذا ایسا کرنا خواہ وہ قرض کے حصول ہی کے لئے کیوں نہ ہو شریعتِ اسلامی اسکی اجازت نہیں دیتی لہذا یہ معاملہ قطعاً حرام کے زمرے میں شامل ہوجائے گا۔ چنانچہ اب ہمیں دیکھنا یہ کہ درجِ بالا صورتِ حال کا اسلامی نقطۂ نظر سے کیا حل ہونا چاہیے؟

بلاسودی بینکاری قرض کے لین دین کے اسلامی محرکات

بینکاری کی ابتدا پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدّظلہ العالی فرماتے ہیں کہ: "لوگ اپنی امانتیں صرّافوں کے پاس بطور امانت رکھ دیتے تھے، اور سنار اسکی رسید لکھ دیتے تھے، پھر رفتہ رفتہ ان رسیدوں سے ہی معاملات شروع ہو گئے، لوگ سونا واپس لینے کے لئے کم آتے تھے، تو یہ صورتحال دیکھ کر صرّافوں نے سونا قرض دینا شروع کردیا، پھر جب یہ دیکھا کہ لوگ عموماً رسیدوں سے ہی معاملات کرتے ہیں تو صرّافوں نے بھی قرض خواہوں کو سونے کی بجائے رسیدیں دینی شروع کردیں۔ اسطرح بینک کی صورت پیدا ہوئی بعد میں اسی کو ایک منظم ادارے کی شکل دیدی گئی"۔ (۴) یہاں یہ بات حمیتِ اسلامی کے نقطۂ نگاہ سے عرض کی جارہی ہے کہ غیر سودی نظامِ بینکاری میں اوّل درجہ کی احتیاط تو یہ ہونی چاہیے کہ لفظِ بینک کی اصطلاح ہی کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، خواہ اُسے کوئی بھی نام دیا جائے لیکن مناسب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بیت المال کی اصطلاح بینکاری کے اعتبار سے مسلم اقوام کے لئے سب سے زیادہ موزوں اصطلاح معلوم ہوتی ہے؛ قصہ مختصر یہ کہ لوگوں میں لفظِ اسلام کے پُر مغز معنی سے ہٹانے اور سود کے ستر خفیہ خانوں سے دھوکا دینے کا جو رواج آج چل پڑا ہے، اسلامی شریعت کو مسخ کرنے کے مترادف ہے؛ اس لئے اسلامی بینکوں سے ہماری استدعاء ہے کہ خدارا وہ لوگوں سے پیسہ حاصل کرنے اور قرض کے لین دین میں انتہائی تقویٰ برداری سے کام لیں۔

---

(۱) امام جصاص الحنفی، ابو بکر احمد بن علی الرازی علامہ، احکام القرآن، مترجم عبدالقیوم مولانا، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد دوم/ص:۴۲۱

(۲) صحیح مسلم شریف، مرتبہ عزیز الرحمان، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، جلد ۲/ص:۴۸۰

(۳) ایضاً/ص:۴۸۲

(۴) عثمانی، محمد تقی، جسٹس ڈاکٹر، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، مارچ ۱۹۹۹ء/ص:۱۱۵

لہذا اسلامی یا مکمل طور سے غیر سودی نظام بینکاری میں ہر بینک کو اُسکی امانتوں کا اکثر حصّہ غیر سودی قرض کی صورت میں حاصل ہوگا .اسلیے کہ جدید بینکوں کا تجربہ یہ ہے کہ عندالطلب کھاتہ میں جمع کی جانے والی رقمیں بحیثیت مجموعی طویل المعیاد امانتوں Fixed deposits کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں، عموماً اوّل الذکر امانتوں کا چالیس فی صد ہوتی ہیں ،ان ساٹھ فیصد رقوم کا ایک حصّہ مذ محفوظ reserve میں رکھ کر باقی تمام سرمائے کو بینک کے نفع بخش کاموں میں لگایا جاسکتا ہے .مرکزی بینک عام بینکوں کو اس عظیم سہولت سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت اسی صورت میں دے گا جب وہ خود قصیر المعیاد shortterm قرضے بلاسود جاری کرنے پر رضامند ہوں.(۱) اب یہاں سوال پھر یہ پیدا ہوتا ہے کہ حُرمتِ سود کے ذریعے غیر سودی بینک چلانے کے بنیادی کیا اصول ہونے چاہئیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ صرف دو بنیادی معاملات کو اگر پہلے ہی طے کرلیا جائے تو اسلامی بینک کو مؤثر انداز سے بلاسودی بینک چلانے میں آسانیاں پیدا ہوسکتی ہیں:

۱......بینک کو قرض دینے والے کو والے جنہیں بینک صارفین client بھی کہتے ہیں ،کو چاہیے کہ وہ یہ تعیّن پہلے کرلے کہ آیا وہ یہ روپیہ کاروبار کے نفع میں خود حصّہ دار بننے کے لئے دیے رہا ہے اور اس روپیہ کی حفاظت کرنا یا اُسکے ذریعے کسی کو امداد کرنا چاہتا ہے .اگر اسکا مقصد یہ ہے کہ وہ روپیہ دے کر کاروبار کے نفع سے مستفید ہو تو اُسے 'شرکت' یا 'مضاربت' کے طریقوں پر عمل کرنا پڑے گا ،یعنی اُسے کاروبار کے نفع ونقصان کی ذمّے داری بھی اُٹھانی پڑے گی .کاروبار کو نفع ہوا تو وہ نفع میں شریک ہوگا ،اور اگر خسارہ ہوا تو اُسے خسارہ میں بھی حصّے دار ہونا پڑے گا.(۲)

۲......دوسری صورت یہ ہونی چاہئے کہ اگر وہ محض روپیہ کی حفاظت چاہتا ہے یا اُسکے ذریعے کسی کی امداد پیش نظر ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس امداد کو امدادی سمجھے اور نفع کے ہر مطالبے سے دست بردار ہوجائے .وہ صرف اتنے ہی روپے کی واپسی کا مستحق ہوگا ،جتنے اس نے قرض دیے تھے .اسلام کی نظر میں اس ناانصافی کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے "سود" کی ایک شرح معیّن کر کے نقصان کا سارا بوجھ مقروض پر ڈال دے ،لہذا موجودہ دنیا میں اسلامی احکام کے تحت شغلِ سرمایہ کی عموماً یہی دو صورتیں ہونگی: شرکت اور مضاربت ،اور یہ دونوں صورتیں تقسیم دولت کی اس غیر منصفانہ ناہمواری سے خالی ہیں .ان صورتوں میں نقصان ہوتا ہے تو فریقین کو ہوتا ہے اور نفع ہوتا ہے تو دونوں فریق متناسب طریقے سے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں.(۳)

اسلام نے سود کو ممنوع قرار دے کر ان تمام خرابیوں کی بنیاد منہدم کردی ہے .اسلامی نظام میں ہر روپیہ لگانے والا کاروبار اور اسکی پالیسی میں شریک ہوتا ہے .نفع ونقصان کی ذمّے داریاں بھی اٹھاتا ہے ،اور اسطرح کسی فردِ واحد کی کاروباری مرضی بے لگام نہیں ہو پاتی .نتیجہ یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشرے کے افراد میں اس طرح پھیلتی ہے کہ اس سے کسی شخص پر ظلم نہیں ہوتا.(۴) یہی وجہ ہے کہ اسکے برعکس نظامہائے معیشت میں زر ظلم ہی ظلم نظر آتا ہے ،جیسا کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں ارتکاز دولت کی بہت بڑی وجہ 'سود' ہے ،اسی وجہ سے مٹھی بھر سرمایہ دار نہ صرف یہ کہ دولت کے بہت بڑے خزانے پر قابض ہوجاتے ہیں بلکہ اسی کے ذریعے وہ اپنی اجارہ داریاں قائم کرتے ہیں .اور پورا بازار اُنکے رحم وکرم پر ہوتا ہے ،اسکے نتیجے میں 'رسد اشیاء' اور 'قیمتوں' کا نظام بھی قدرتی رہنے کے بجائے مصنوعی ہوجاتا ہے .اور معیشت واخلاق سے لے کر ملکی سیاست تک زندگی کا کوئی گوشہ اسکے اثرات سے محفوظ نہیں رہتا.(۵)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،دانش گاہ پنجاب ،لاہور-۱۹۷۳ء، جلد۱۰/ص:۱۸۰

(۲) ایضاً/ص:۱۸۱

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً/۱۸۲

(۵) ایضاً/ص:۱۸۱

خلاصہ بحث

آخیر میں اس فصل کی جملہ بحث کے تمتہ پر سود کے مابعد الاثرات کا جائزہ پیش کر رہے ہیں؛

۱- دنیا میں انسانوں کے پاس دو قیمتی اشیاء ایسی ہیں جو دراصل اللہ تعالی کی امانت ہیں. جسمیں ایک انسانی جان اور دوسرا اُسکا مال. یہ بات درست ہے کہ مال انسانی جان کی حفاظت میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، لیکن اس مال کے تحفظ کے دو طریقے جو اسلام نے دیئے ہیں، انمیں ایک طریقہ اس مال سے تجارت کا ہے اور دوسرا اس سے غرباء و مساکین کی حاجت روائی کا. جسکے لئے اسلام کا کھلے الفاظ میں اعلان ہو چکا ہے کہ لوگوں پر زکوۃ فرض کی جا چکی ہے، لہذا صدقہ، خیرات، اور زکواۃ کی مد کے علاوہ قرض حسنہ بھی ایک مکمل جامد نظام خیر و برکت ہے. جس کے ذریعے نہ صرف انسان کا مال محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ، وہ پاکیزہ بھی رہتا ہے. اور اسکے سمجھنے کے لئے اسلامی فلسفہ 'خیر وشر' کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے. لیکن یہاں مختصراً اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ مال خواہ جتنا بھی ہو، لہذا اُس سے جو فوائد انسان اٹھانا چاہتا ہے تو اُسمیں 'محنت' و 'خطرہ' کا پہلو نمایاں ترین ہے کہ اپنے مال کو ان دونوں معملات سے گزارے بغیر حاصل شدہ منافع مشکوک و حرام ہونے کا واضح راستہ کھل جاتا ہے.

۲- دنیاوی معاشی نظام خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام Capitalism جس کو عربی میں 'الراسمالیۃ' دوسرا اشتراکی نظام Socialism جس کو عربی میں 'الاشتراکیۃ' کہتے ہیں، اسی کی انتہائی صورت اشتمالیت Communism ہے جسے عربی میں 'الشیوعیۃ' کہا جاتا ہے. دنیا میں (آج) جو کچھ کاروبار یا معاملات ہو رہے ہیں وہ انہی (پہلے) دو نظاموں کے ماتحت ہو رہے ہیں.(۱) ان تمام نظاموں کا عملی اطلاق انسانیت پر سرمائے کی فوقیت کو بڑھانا ہے. اور یہی وجہ انسانیت کی اخلاقی گراوٹ کا باعث بن جاتی ہے کہ انسان 'لالچ'، 'حرص' و 'طمع' کا شکار ہو کر مال کو دبانے Stagnent کر کے بغیر محنت کئے مال پر مال کمانے کا جذبہ اختیار کر بیٹھتا ہے.

۳- انسانوں کا یہ سوچنا ہی دراصل یہودی ذھنیت کی پیداوار ہے، جنہوں نے سرمایہ کو منڈی میں پہنچانے کے بجائے انسانوں کو گروی رکھنے کے اسباب میں استعمال شروع کر دیا، لہذا یہود نے مارکیٹوں کی پیداوار میں سرمایہ داروں کی دلچسپیاں ختم کر کے، پیسہ سے پیسہ بنانے کا رواج دنیا میں عام کر کے مارکیٹوں میں کساد بازاری Market Decline کو بیج بو دیا، جسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار نے اپنا روپیہ بازار سے کھینچ لیا اور بازار میں سرمایہ کی کمی Scarcity of Capital نے پیداواری عمل کی گراوٹ Decline in the Production Process کو جنم دیا. اور پھر یہ بات بھی کسی عجوبہ سے خالی نہیں کہ ماسوائے 'سودی نظام' کے خواہ وہ کسی بھی نظام معیشت کا حصہ ہو، دنیا کے ہر کاروبار تجارت میں خطرات کے عوامل Risk Factor کا پایا جانا ضروری امر ہے. لیکن یہاں بھی اگر خطرہ کی کسی کھٹنی کا شمار کیا جا سکتا ہو تو وہ صرف یہ ہے کہ سود خور کی 'خودغرضی' مقروض کی جانب منتقل ہو جاتی ہے. اور وہ اسطرح کہ مقروض کے خطرات دوہرے ہو جاتے ہیں، ایک یہ کہ وہ جو تجارت کرتا ہے اُسمیں نفع نقصان کا خطرہ اور دوسرا یہ کہ اُسکو ساہوکار کو قرض کے عوض دی جانے والی سودی رقم کا ہر حال میں ادائیگی کا خطرہ. چنانچہ ایسے ماحول میں ساہوکار خواہ بینک کی شکل میں ہو یا کسی کمپنی اور انسانی کی صورت میں ہو، اطمینان سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا اپنی رقوم پر حاصل ہونے والے سود منافع کا منتظر رہتا ہے.

۴- جس کے باعث بازاروں میں دوسرا انتہائی بُرا اثر یہ پڑتا ہے کہ سود میں جکڑے ہوئے صنعتی مالکان Mill Owners یا تجار Businessman کے خطرات کا معیار دوہرا ہونے کی صورت میں، انکے لئے یہ امر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مال کی قیمت میں شرح منافع کے ساتھ شرح سود کو زائد منافع کی مد میں حاصل کرے، لہذا ایسی صورت میں بازاروں میں تمام اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافہ ایک لازمی امر ہو جاتا ہے.

---

(۱) عثمانی، محمد تقی جسٹس مفتی، 'اسلام اور جدید معیشت و تجارت'، ادارۃ المعارف، کراچی، مارچ ۱۹۹۹ء/ص:۱۹

چنانچہ لفظ مہنگائی خالصتاً ایک فردِ واحد کی زیادتی کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ پورے معاشرے پر نظامِ سود کے بداثرات کا مرتب ہونا، گویا قوم پر ایک عذاب کا مسلّط ہوجانا ہوتا ہے، اسی لئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: آخیر زمانہ ایسا آرہا ہے جبکہ سود کا غبار ہر شخص کو پہنچ کر رہے گا۔

۵- اور ان سب باتوں کا مجموعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود مزدوروں کی محنت میں زیادتی اور آمدن میں کمی واقع ہونے لگتی ہے، جو مزدوروں میں کمی کا باعث بن کر سرمایہ دار کی پیداواری صلاحیت میں کمی کا باعث بن جاتا ہے، اسطرح صرف سودی نظام سے پورے معاشرے میں سراسیمگی کی جو کیفیت پھیل جاتی ہے، پورے معاشرے کا امن وسکون برباد کر بیٹھتی ہے۔ اور ادھر ساہوکار اپنی دولت سمیٹ کر لوگوں کے زندہ مال کو مردہ مال میں تبدیل کرنے کا ایک سلسلہ دنیا میں جاری وساری کردیتا ہے۔

۶- یہودیت اور نصرانیت کے بارے میں جتنی معلومات اس باب کی فصلِ اوّل میں دی جاچکی ہیں، انکا حاصل یہ ہے کہ دونوں مذاہب جو کہ اسلام کی نظر میں سے اہلِ کتاب ہیں، کی کتبِ مقدسہ میں گو کہ منسوخ شدہ آیات باعتبارِ مسلم نہ تو تصدیق کئے جانے کے لئے ہیں، اور نہ ہی جھٹلایا جانے کے لئے؛ جیسا کہ ہم پہلے بھی یہ حدیث بیان کرچکے ہیں کہ: 'نہ تصدیق کرو، نہ جھٹلاؤ'، لیکن اصل مسئلہ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گو کہ عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ جدید میں انتہاء درجہ کی ایسی تبدیلیاں کی جاچکی ہیں جن سے اِن کتب کی اپنی روحانیت بہرحال مسخ ہوچکی ہیں، مثلاً یہ بات قرآنِ کریم سمیت دنیا کے تمام تہذیب وادب کی کتب میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ وہ اپنے پیروؤں پر تہمتِ زنا وقتل لگاتی ہوں یا انتہائی نازیبا زبانوں میں انکی کردارکشی کرتی ہوں، اور خصوصاً جہاں انبیاء علیہم السلام کا ذکرِ خیر آنا ہو وہ اس بات کے تصوّر سے بھی خالی ہے کہ نعوذ باللہ جیسا کہ ان مقدس کتب کے پیراؤں میں بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال ہمیں اس سے قطعاً بحث نہیں، کہ وہ تہمتیں کسی نوعیت کی ہیں؛ البتہ یہ بات ازخود پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جن لوگوں مثلاً پال Paul یا لوتھر Luther وغیرہ نے جو کچھ اپنے قلم سے اُن کتب میں تحریفات کی ہیں؛ وہ شاید رباہ کے پہلوجات میں تبدیلی کرنے سے چُوک گئے ہوں؛ یا یہاں بھی ایک بڑی مشیّت یہ محسوس ہوتی ہے کہ اس بات کا علی الاعلان ذکر کردینا اُنکے نزدیک اپنے مذہب کو روحانی پاکیزگی کا کوئی ثبوت فراہم کرنا چاہتے ہوں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ بہرحال رباہ جیسے مقدس کتب میں کی انگلش تراجم میں "Usury" اور اُسکے ہم پلّہ لفظ سود یعنی "Interest" سے ظاہر کیا گیا ہے، جبکہ وہا رباہ سے مراد صرف جاہلیت کے دور کے سودی نظام کو نہیں بلکہ مجموعی نظام سود کو کہا گیا ہے؛ چنانچہ ہم نے اس باب کے تعارف میں جہاں Dictionaries سے تراجم پیش کرکے سود اور رباہ InterestandUsury کے تمام پہلوؤں کو واضح کرنے کی اور انمیں تمام پریشان کن اشکال کو حل کرنے کی سعی کی ہے؛ اس سے تمام کتبِ مقدسہ کے مطالعہ اور خصوصاً قرآنِ کریم کے تراجم کے مطالعہ کی بہت سی پیچیدگیوں کا حل نکل آیا ہے۔

۷- بہرحال اس تحقیق سے یہ بات تو طے ہوگئی کہ اہلِ کتاب اپنی مقدس کتب میں انتہائی سنگین تبدیلیوں کے باوجود رباہ کے حرام ہونے کے تمام تر احکامات سے پہلوتہی نہیں کرسکتے کیونکہ یہ کتب بہرحال اُنکے لئے کتبِ سماوی کا درجہ رکھتی ہیں۔ لہٰذا اسلام کی جانب سے یہ پیغام انکی کوتاہ دمی کے لئے ایک چراغِ راہ ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر وہ مسلم ملّۃ کے ساتھ ملکر اپنے تئیں اسلام کے احکاماتِ حُرمتِ سود، جو کہ تمام کتبِ سماوی میں یکساں ہیں، لہٰذا وہ سود کے حرام ہونے کو تسلیم کرلیں اور پھر مسلم ملّۃ کے ساتھ ملکر اس جدوجہد میں شریک ہوجائیں کہ اسلام کے بتلائے ہوئے اصولِ تجارت، اور سودی نظاموں سے بچنے کے راستے جو اسلام نے بتلائے ہیں مثلاً: رباء النسیہ اور رباء الفضل کے اصولوں کو اپنی تجارت کی بنیاد بنا کردنیا میں ایک انقلابی راستہ سے بلاسودی تجارت اور بلاسودی بینکاری کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اور ایسی مجموعی کیفیت میں نہ صرف تمام مذاہب میں ہم آہنگی کا دوردورہ ہوجائے گا بلکہ امن وآشتی کی راہیں اس حد تک ہموار ہوجائیں گی کہ دنیا سے سود کی نحوست ختم اور تجارت کی برکات انسانوں کے لئے باعثِ رحمت بن جائیں گی۔

✿✿✿

چوتھا باب

ملکیت کا تصوّر آسمانی مذاہب
اور اسلام کی روشنی میں

ملکیت کا تصور آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

تعارف

حقِ ملکیت کا تعین معاشیات کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ مختلف معاشی نظاموں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اگر ان کا وقتِ نظر سے تجزیہ کیا جائے اور انکے پیچھے کارفرما اسباب وعوامل کا پتہ لگانے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکی بنیادی وجہ حقِ ملکیت کے سلسلہ میں ان کے نقطہ ہائے نظر کا اختلاف ہے۔(۱) .

جیسا کہ ہم موجودہ نظام معیشت کی خامیوں پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ کیمونزم اور سوشلزم کا فرقہ فقر وفاقہ کے مسئلے اور اقتصادی خرابیوں کا یہ حل پیش کرتے ہیں کہ ساری قوم کی آزادی سلب کر کے اُسے ایک ایسی جابر وظالم ڈکٹیٹر شپ کے چنگل میں دے دیا جائے جو اُن کے رزق اور دیگر ضروریاتِ زندگی پر پوری طرح قابض ہو کہ اور کسی کے لئے اس بات کا موقع نہ چھوڑے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی کام کر کے دولت کمائے اور اپنے حسبِ منشاء اِس میں تصرّف کر سکے. بالفاظِ دیگر اسکا مطلب یہ ہے کہ سارے باشندگانِ ملک کو ایک ہی رشتہ غلامی میں منسلک کر دیا جائے.اور قوم کے لئے لفظ ''نہیں'' کہنا تو درکنار وہ حاکم گروہ کے کسی ناجائز حکم پر ''کیوں'' کہنے سے بھی عاجز ہوں، وہ اسکی بات کاٹ بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ اُس (حاکم) کے قبضے میں اُن کا اور اُنکی اولاد کا رزق ہو اور اُنکے اپنے قبضے میں کچھ بھی نہ ہو.اور باوجود اسکے کہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ قوم کی آزادی سلب کر کے اُن پر عرصہ حیات تنگ کر دیتے ہیں، اور لوگوں کی املاک اور پیداوار کے وسائل پر قبضہ کر لیتے ہیں. وہ فقر وفاقہ کے مسئلے کو حل نہیں کر سکتے.(۲)

حتیٰ کہ مارکسیت Marxism اپنی توجہ کا مرکز معاشرے کے اُن غریب، نادار اور عاجز لوگوں کو نہیں بناتی جو در حقیقت نگہداشت اور مدد کے محتاج ہیں وہ تو اپنی ساری توجہ پرولتاری طبقہ یعنی مزدوروں کسانوں پر مرکوز کر دیتی ہے تا کہ سوسائٹی کے نظام کو بدلنے اور دوسرے تمام طبقوں کو ختم کرنے کے لئے انہیں اپنا آلہءِ کار بنا سکے.مگر مارکسی سوسائٹی جس میں ہر فرد کو اُس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جاتا ہے، اسمیں ناداروں، بیواؤں، بوڑھوں اور بیماروں کو کون پُوچھے گا؟ کیونکہ مارکسیت کا سارا فلسفہ اس اصول کے گرد گھومتا ہے کہ **'جو کام نہیں کرتا وہ کھائے بھی نہیں'**.(۳) مارکس کے پیش کردہ سوشلزم Marxian Socialism کو جب بینسن نے نافذ کیا تو اس نظام کا بیڑا غرق کر دیا گیا.سوشلزم میں سرمایہ دارانہ نظام Capitalism کو ریاست کی ضد کے طور پر پیش کیا گیا تھا لیکن جب عملی طور پر اسکا اطلاق ہوا تو معلوم ہوا کہ اسمیں فرد کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا گیا اور تمام اختیارات حکومت کو دے دیئے گئے. فرد سوشلزم کی مشین میں ایک غیر اہم پُرزہ بن کر رہ گیا.افراد کی معاشی، نجی اور معاشرتی آزادی سلب کر لی گئی اور اُسے (فرد کو) بھی جنس کی طرح حکومت کی ملکیت میں دے دیا گیا.اس نظام میں فرد کو نہ تو پیداوار کرنے کی آزادی تھی اور نہ ہی وہ اختیار کرنے کے لئے آزاد رہا اور نہ ہی تقسیم دولت کے نجی حقوق حاصل کر سکا.

---

(۱) علوم فی القرآن-تحقیقی مقالات-اقبال، رانا-قرآنی تصور ملکیت، اصلاحی، عبدالعظیم، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار-لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۱۶۵

(۲) مترجم: صدیقی، عبدالحمید، یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ، البدر پبلی کیشنز، لاہور، فروری ۱۹۷۵ء/ص:۳۶-۳۷

(۳) ایضاً/ص:۳۸

سوشلزم میں کسی فرد کو انفرادی حیثیت میں ملکیت بنانے اور رکھنے کی آزادی نہیں اور تقسیم دولت صرف اُجرت کی شکل میں وجود میں آتی ہے. دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوشلزم، سرمایادارانہ نظام سے بھی زیادہ ظالمانہ اور بدترین نظام ہے. کیوں کہ اسمیں تمام سرمایہ دار ملکر ایک گروہ تشکیل دے سکتے ہیں جسے حکومت کا نام دے دیا جاتا ہے. گویا یہ گروہی سرمایہ داری ہوتی ہے.(۱) اسلام میں تقسیم دولت کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے، اُس پر بحث دوسری فصل میں آ ئیگی، لیکن اُس سے پہلے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ سرمایہ داری کا پس منظر چونکہ نظری یا عملی طور پر مادّیت Materialistic ہے. اس لئے اس کے نزدیک انسان کو اپنی دولت پر آزاد اور خود مختار ملکیت حاصل ہے وہ اسکو جس طرح چاہے صرف کرسکتا ہے، لیکن قرآن کریم نے قوم شعیب علیہ السّلام کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے اس نظریئے کا مذمت کے پیرائے میں ذکر کیا ہے، وہ لوگ کہا کرتے تھے:(۲)

اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا او ان نفعل فی اموالنا مانشآء ط (۳)

ترجمہ: کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ داداؤں کے معبودوں کو چھوڑ دین، یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف کرنا ترک کردیں.

وہ لوگ چونکہ 'اموال' کو حقیقتاً 'اپنا' اموالنا سمجھتے تھے، یہی فکر سرمایہ داری کی روح ہے. قرآنِ کریم نے سورۃ نور میں اپنے اموال ''اموالنا'' کے لفظ کو ''مال اللہ'' یعنی اللہ کا مال، سے بدل کر سرمایہ دارانہ فکر کی اسی بنیاد پر ضرب لگائی ہے، مگر اسکے ساتھ ہی 'الذی اتاکم' یعنی 'جو تمہیں دیا ہے' کی قید لگا کر اشتراکیت کی بھی جڑ کاٹ دی ہے جو سرے سے انسان کی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے. اب اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان واضح خطِ امتیاز Line of Determination کھینچا جاسکتا ہے کہ :

سرمایہ داری ------ آزاد اور خود انفرادی ملکیت کا قائل ہے.

اشتراکیت --------- انفرادی ملکیت کا سرے سے انکار کرتی ہے.

اور ''**حق**'' ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے، جسمیں :

اسلام ------------ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، مگر یہ ملکیت آزاد اور خود مختار نہیں جس سے ''فساد فی الارض'' پھیل سکے.(۴)

چنانچہ اسلام نے دولت وملکیت کا جو اصول انسانیت کو دیا ہے وہ عین فطرتِ انسانی ہے، کیونکہ دولت اصلا اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہی اُسکا پیدا کرنے والا ہے اور اُسی نے انسان کو اُس پر ملکیت کے حقوق عطا کئے ہیں. انسان کو اسکے کسب وعمل کا جو بھی صلہ ملتا ہے وہ اُسکا مالک ضرور ہوجاتا ہے، لیکن چونکہ کسب وعمل کی تمام تر تخلیق پھر توفیق اللہ ہی دیتا ہے، اور دولت کی تخلیق بھی اُسی نے کی ہے، اس لئے انسان اپنی ملکیت کے استعمال میں قطعی طور پر خود مختار نہیں ہے. بلکہ اللہ کے احکام کا پابند ہے، لہذا جس جگہ خرچ کرنے کا وہ حکم دے دے، انسان کے لئے وہاں خرچ

---

(۱) صدیقی، سعید احمد، پروفیسر، معاشی نظریات، کامرس پبلیکیشنز، کراچی، اگست ۲۰۰۵ء/ص:۳۶۳

(۲) شفیع، مولانا مفتی محمد، اسلام کا نظام تقسیم دولت، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، نومبر 1973ء/ص:۱۳-۱۴

(۳) قرآن کریم، سورۃ ھود/۱۱:۸۷

(۴) شفیع، مولانا مفتی محمد، اسلام کا نظام تقسیم دولت، ایضا/ص:۱۳-۱۴

کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی بنیادی نظریئے سے عمل پیدائش کے علاوہ ''استحقاق دولت'' کا ایک دوسرا مد خود بخود نکل آتا ہے، یعنی ہر وہ شخص جو اسلامی نقطہ نظر سے دولت کا مستحق ہے، جس تک دولت کا پہنچانا اللہ تعالیٰ نے دولت کے اوّلین مالکوں کے ذمّے فرض قرار دیا ہے۔(۱) جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا : ''والذین فی اموالهم حق" معلوم o للسائل والمحروم o" (۲)

ترجمہ: اور جن کا مالوں میں حصّہ ہے اُن لوگوں کا جو سوال کرتے ہیں، اور سوال کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

اس آیت میں محروم طبقہ اُن لوگوں کا بتلایا گیا ہے، جو سفید پوش ہوتے ہیں اور اپنی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کے ڈر سے اپنی غربت کا حال کسی کو نہیں کہتے، لہٰذا اسلام نے اُن لوگوں کو جنکے پاس مال و دولت بھی کچھ ہے، حکم دیا ہے کہ وہ ایسے حقداروں کو تلاش کر کے اُنکا حق دیں نہ کہ انہیں یہ موقع مل سکے کہ وہ ایک دن بحالتِ مجبوری مانگ بیٹھیں جو کسی بھی حالت میں اللہ کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل نہیں۔ اسی طرح جب اشتراکیت Socialism و اشتمالیت Communism میں لوگوں کی جائیدادوں کو ریاستی اختیارات سے باندھ دیا جاتا ہے تو وہاں ناانصافی کا ایسا رواج قائم ہو جاتا ہے جسمیں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہونے کے حالات ناگزیر ہو جاتے ہیں، تب ہی تو جوزف میزینی نے اس نظام کی اصل حقیقت اپنے مذہبی حلقہ نصاری کو خوب جتلائی ہے، وہ کہتے ہیں:

''پیداوار کا ہر ایک عنصر مثلاً اراضی، سرمایہ (منقولہ خواہ غیر منقولہ) اور محنت کے آلات وغیرہ ریاست کی جائیداد ہو، اور ریاست کی طرف سے ہر ایک شخص کی محنت کی مقدار اور معاوضہ بعض کی رائے میں بالکل مساوی طور پر اور بعض کے نزدیک ہر ایک شخص کی حاجات کے مطابق مقرر کیا جائے، اس طریق سے زندگی بسر کرنا اگر ممکن بھی ہو تو وہ انسان کی زندگی نہ ہوگی بلکہ چمگادڑ کی زندگی ہوگی۔'' (۳)

درجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام نے جو کچھ نظام معیشت دنیا کو دیا ہے اُسمیں مال و دولت کے فسادات سے انسانیت کو بچایا ہے بلکہ انسانی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہونے دی۔ بلکہ جائز راستوں سے مال یا اپنا حق ملکیت حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں آیا کہ:

''وابتغ فیمآ اتٰک الله الدّارالآخرة ولا تنس نصیبک من الدّنیا o" (۴)

ترجمہ: اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اُسمیں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیاوی حصّہ (کو حاصل کرنا) بھی نہ بھول۔

گویا اسلام صرف آخرت کی فکر کو حاصل کرنے کا ابہامی تصوّر hypothesis میں رکھ کر لوگوں کو اس دنیا میں تکلیف میں مبتلا نہیں رکھتا بلکہ اُن کے اس دنیاوی حصّہ پر انہیں پوری تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنی دنیا سے اپنا حصّہ لینا محض تقویٰ یا انکساری کی بنیاد پر نہ بھولے نہ چھوڑے۔ لہٰذا یہ ہی وہ تصوّر اسلام میں ملکیت کی بنیاد ہے۔ اس سے پیشتر کہ اسلامی تصوّرِ ملکیت پر تفصیلی بحث کی جائے ہمیں فصل اوّل میں یہودیت و نصرانیت کے تصوّرِ ملکیت کا جائزہ لینا ہوگا، جسکے باعث اسلامی نقطہ نگاہ کا تقابل کرنے میں آسانی میسّر آ سکے گی۔

---

(۱) محمد شفیع، مولانا مفتی، اسلام کا نظام تقسیم دولت، ایضاً/ص: ۴۴

(۲) القرآن: سورة المعارج / ۷۰: ۲۴-۲۵

(۳) جوزف میزینی، فرائض انسان، خادم تعلیم پنجاب، لاہور ۱۹۰۰ء/ص: ۱۴۴ – یہ کتاب ترجمہ ہے Duties of Man کا۔

(۴) قرآنِ کریم: سورة القصص/ ۲۸: ۷۷

پہلی فصل : ملکیت کا تصور آسمانی مذاہب کی روشنی میں

یہودیت میں ملکیت کا تصور :

مسندِ احمد بن حنبلؒ اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں جس کے راوی عبداللہؓ بن سلمہ ہیں، مذکور ہے کہ یہود نے رسولِ اکرم ﷺ سے "تسع آیات" (نوں نشانیوں) کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا؛ وہ احکام یہ ہیں: [1] شرک نہ کرو؛ [2] چوری نہ کرو؛ [3] زنا نہ کرو؛ [4] ناحق خون نہ کرو؛ [5] جادو نہ کرو؛ [6] سود مت کھاؤ؛ [7] بیگناہ کو مت پکڑواؤ کہ اُسے حاکم سے قتل کرواؤ؛ [8] عفیف (پاکدامن) عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ؛ [9] جہاد میں سے مت بھاگو- نوں {9} احکام تو یہ ہیں جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں؛ جبکہ [10] دسواں حکم (اے یہود!) (یہ حکم علیحدہ سے مخصوص زمرہ میں بیان کیا گیا ہے) تمہارے لئے مخصوص تھا کہ سبت (ہفتہ) کے دن حد سے نہ گزرو. یہود نے یہ سُن کر آپ ﷺ کی تصدیق کی.

اس حدیث میں نکارت ہے جو غالباً اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی، حافظ عمادالدین ابن کثیر نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے اُن کا خیال ہے کہ یہود نے شاید "تسع آیات" (۹ آیات) کی نسبت نہیں بلکہ اُن دس احکام کی نسبت سوال کیا ہوگا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے، چنانچہ اس حدیث میں دس [10] ہی چیزیں مذکور ہیں.(۱)

قرآن کریم نے جن آیات میں اس حدیث کی تصدیق کی ہے، وہ من وعن ایسی ہی ترتیب ہے، لیکن اسکے علاوہ اُن آیات نے یہود کے مذہب کی دینی پابندیوں کا جو عقدہ کھولا ہے، وہ شاید فی زمانہ یہود کی اپنی اصولی کتب سے ثابت کرنا نہ ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے؛ لہذا پہلے قرآن کریم کی درجہ ذیل آیات کو ملاحظہ کر لینے کے بعد ہی ہم یہود کی جانب سے ملکیت کے تصورات کا صحیح اندازہ لگا سکیں گے :

واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ قف وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتمی والمسکین وقولوا للناس حسنا واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ط ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم معرضون ٥ واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دمآء کم ولا تخرجون انفسکم من دیار کم ثم اقررتم وانتم تشھدون ٥ ثم انتم ھؤلآء تقتلون انفسکم وتخرجون فریقا منکم من دیارھم ز تظھرون علیھم بالاثم والعدوان ط وان یاتو کم اسری تفدوھم وھو محرم علیکم اخراجھم ط افتومنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض ج فما جزآؤ من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ج ویوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب ط وما اللہ بغافل عما تعملون ٥(۲)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے، اور حسن سلوک سے پیش آنا اپنے ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا، اور نماز قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رہنا پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے چند کے، اور تم ہی ہو گردن کش. اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ بہانا، اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے مت نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم اسکے گواہ ہو، پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اپنے ہی ایک گروہ کو اُن کے وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور اُنکے مقابلہ میں گناہ وظلم کے ساتھ (انکے مخالفین کی) مدد بھی کرتے ہو. اور اگر وہ تم تک اسیر ہو کر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ انکا (وطن) سے نکالنا ہی تم پر حرام تھا. تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک حصہ سے انکار کرتے ہو، پس تم میں سے جو ایسا کرے اسکی سزا کیا ہے بجز دنیاوی زندگی میں رسوائی کے، اور قیامت کے دن میں یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے جائیں گے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں.

درجہ بالا آیات میں لفظِ میثاق سے مرادُ عہدُ ہے اور اس سے مراد اُنکے پیغمبروں کے واسطہ سے عہد ہے، جب اسکا تعلق خدا تعالی سے

(۱) الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر. مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ- یہودیت- تاج کتب خانہ محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور- جولائی ۱۹۸۹ء/ ص-۹۳

(۲) القرآن: البقرۃ/۲: ۸۳-۸۵

ہوتا ہے، محاورۃ توریت میں ' حُکم' کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً (۱) 'اور اُس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حُکم بھی اُس نے تمہیں دیا یعنی دس احکام (۲) اسکے بعد 'لا تعبدون الا اللہ' والی بات سے توریت کو پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ توریت اثباتِ توحید و ممانعتِ شرک سے بھری پڑی ہے۔ اور قرآن وحدیث سے جو باتیں ثابت ہیں وہ وہی ہیں جنکا انکار کرنا آج بھی یہود و نصاری کے بس کی بات نہیں۔

اب اگر ہم پہلے باب کی فصلِ اوّل میں یہودیوں کو دیئے گئے احکام عشرۃ کا اجمالی ملاحظہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ شق نمبر ۹ اور ۱۰ کا تعلق محض معاشرتی اعتبار سے ملکیت کے زمرے کو واضح کرنے کے لئے ہیں مختص ہیں: جیسا کہ کہا گیا:

احکامِ عشرۃ سے ملکیت کا تصوّر:

۱- تا ۸ [حذف کردیے گئے............ جنکی تفصیل باب اوّل میں آچکی ہے]۔

۹- تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۱۰- تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اسکے غلام اور اُسکی لونڈی اور اسکے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔ (۳)

درجہ بالا دو شقیں یہ بتلا رہی ہیں کہ دنیاوی اعتبار سے جھوٹی گواہی یا تو کسی شئے پر ملکیت حاصل کرنے کی خاطر ہوتی ہے، یا پھر کسی واقع کی نسبت انسان اپنی مظلومیت کے اظہار کیلئے کرتا ہے۔ اور اسی طرح آخری حکم نامہ میں تو نویں حکم نامے کی بات کی تصدیق نظر آتی ہے کہ ملکیت میں انسان سب سے پہلے اپنے مقربین ہی کی اشیاء پر قبضہ کی ناپاک کوشش کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا تعین کیسے ہوسکتا ہے کہ یہود کے ابتدائی زمانہ سے پہلے بھی کوئی قانون منضبط Written Law تھا یہ نہیں، تاریخ قانون ہمیں پتہ دیتی ہے کہ دنیا کے سب سے زیدہ مشہور و معروف نظام قانونی کا آغاز بسطرح ایک مجموعۂ قانون سے ہوا تھا، اسی طرح اسکا انجام بھی ایک ہی مجموعۂ قانون پر ہوا۔ قانون روما کے مفسرین نے، اسکی تاریخ بیان کرنے میں 'متواتر' ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کا یہ مفہوم ہے کہ: اُن کا تمام نظامِ قانونی، عدالت ارکان عشرہ کی بارہ الواح Twelve Decemviral Tables یعنی قانون منضبطہ یا تحریری Written Law پر مبنی ہے؛ باستثناء پر ایک خاص صورت کے، اُن بارہ الواح سے پہلے کا کوئی آئین، روما میں قابل تسلیم نہیں سمجھا جاتا تھا نظریہ یہ ہے کہ: روما کا قانونی نظام، 'مجموعہ قوانین سے' اور انگلستان کا 'نظام قانونی' قدیم زبانی روایات سے پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ خاص وجہ ہے جس نے ہمارے نظامِ قانونی کی نشونما کو، روما کے نظام قانون کی نشونما سے مختلف اور جُدا کردیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے کوئی نظریہ بھی واقعاتِ حقیقی کے مطابق نہ تھا، مگر ہر ایک سے 'مہتم بالشان' نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ (۴) اس بات کی تحقیق میں مصنف سرہنری سمز مین جانبداری سے کام لیتے ہوئے قوانین کے آغاز و اطلاق کو انتہائی تنگ نظری سے جتلاتے ہیں کہ: 'یہ امر یقینی ہے کہ انسان کی ابتدائی حالت میں نہ کسی قسم کے وضع قانون اور نہ کسی علیحدہ واضع قانون کا تصوّر کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں قانون کو رواج کا مرتبہ بھی حاصل نہیں ہوتا تھا؛ وہ صرف ایک عادت ہوتی تھی، یا بقول فرانسیسوں کے اُسکا وجود 'ہوائی' سمجھا جاتا تھا'۔ (۵)

---

(۱) دریا آبادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی۔ تاج کمپنی/ص:۳۳

(۲) پُرانہ عہد نامہ: استثناء ۴:۱۳

(۳) ایضاً

(۴) تصنیف: سرہنری سمز مین، قدیم قانون، ترجمہ، مولوی مسعود علی، مطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۳۳ء/ص:۱-۲

(۵) ایضاً/ص:۶

لیکن اسکی وضاحت جامعہ عثمانیہ کے ناظر مذہبی امور نے ٹھیک طور پر کردی کہ: ''یہ امر یقینی اُس مذہبی مسلمہ کے صریح منافی ہے جو انسان کی ابتدائی حالت' ہی سے سلسلہ بعثت انبیاء علیہم السلام ونزول شرائع' قوانین الٰہی' کا معتقد ہے، قانون کے ارتقائی تدریجی کی نسبت آپ جو چاہیں کہیں، لیکن اس کی بناء پر اہل مذہب اپنی منزل من اللہ شریعتوں کے' وجود' کو 'ہوائی' نہیں سمجھ سکتے''.(۱)

اہل یہود کے یہاں سب سے پہلی ملکیت انکے مذہب کا دوسرے مذاہب پر اجارہ قائم کرنا ہے :

اہل یہود نے تو ملکیت کے حصول میں سب سے پہلے درجہ پر مذہب ہی کی اصطلاح کو استعمال کیا اور بضد ہوئے، حتی کہ اُس تاریخ کا سہارا لیکر جسکے بارے میں خود اثبات کرتے ہیں کہ وہ جب سے رقم کی گئی ہے اُسمیں انکے عہد نامہ قدیم میں اُسی وقت سے تبدیلیاں کردی گئی تھیں، دیکھئے:

Since the date at which the oldest books of the Old Testament were written, the Jew's religion has under gone changes that, cumulatively, have been revolutionary, and the texts have been edited and re-edited, to make them conform to the thesis that the changes have not been innovations but have been reversions to a pristine faith and practice. Thus the scriptures, in the form in which we now have them, give a piture of Judah and Israel themselves and, *a fortiori*, of their neighbours, that is not true to life. (2)

ترجمہ: اُس وقت سے جب سے پرانے عہدنامہ کی قدیم ترین کتب لکھی گئی تھیں، اُسی وقت سے مذہب یہودیت تحریفات کے زیر اثر آچکا تھا، خواہ وہ تحریفات ارتقائی ہوں یا انقلابی، لیکن اصل متن میں تحریف کی گئی تھی یا انہیں دوبارہ لکھا گیا تھا، جس کی تصدیق ان مقالاجات کی جاسکتی ہے جسمیں یہ کہا گیا تھا کہ وہ کسی قسم کی اختراعی تبدیلیاں نہیں ہیں بلکہ وہ پرستائین اعمال ویقین کا دوسرا رخ بنایا گیا تھا لہذا وہ صحیفے جو آج ہمیں دستیاب ہیں، یہودا، اسرائیل اور انکے متعلقین ہی کی تصورات دکھلاتی ہیں جو دراصل سچا ہونے کی حقیقت سے عاری ہیں.

یہود کا اسلام کو بیٹی کہنا :

اور اس بات سے کہیں زیادہ بڑا ظلم جو یہود نے کیا وہ یہ کہ ''اسلام کو نصرانیت سمیت اپنی بیٹی کہا'':

Today, these Jewish theses are tenable only by orthodox adherents of the Jewish religion or of one of its two daughter religions, Christianity and Islam. (3)

ترجمہ: آج کی یہ یہودی تھیوری ماسوائے اُن بنیاد پرست یہودیوں کے یا پھر یہودی مذہب کی بیٹیوں یعنی نصرانیت اور اسلام کے کوئی یقین نہیں کرتا.

جسمیں ماسوائے اُنکے اپنے مذہب کی برتری جتلانے کے اور کوئی غرض شامل نہیں. لیکن شاید انہیں اس بات کی خوش فہمی ہو چلی ہے، کہ اسلام کے ماننے والوں کی تذلیل کرکے وہ حقیقت سے منہ نہیں موڑ سکتے. لہذا عوام الناس کو بہکانے سے انہیں کچھ نہ ملے گا. چنانچہ آج کے دور میں میڈیا پر آنے والے چند اپنے آپ کو بڑا اسکالر کہنے والوں نے بھی محمد ﷺ کے اسلام کو محض یہود و نصاری کے دین سے لیا گیا تہذیبی وثقافتی ورثہ کہا، جسکا جواب اس خادم نے خوب تسلی بخش طور پر اپنے ایک مقالہ میں دے دیا تھا، لیکن یہاں اُسکا اقتباس پیش کیا جارہا ہے:

واٹ منٹگمری، ایک مستشرق پروفیسر ہیں جنھوں نے اپنے مذہب کی محبت میں اسلام کے خلاف جو کچھ کہا، اُسکی صرف ایک مثال یہ ہے کہ

---

(1) عمادی، ناظر، ح، مذہبی جامعہ عثمانیہ/ص:٦

(2) Toynbee, Arnold, 'Mankind and Mother Earth' Oxford University Press, NY, 1976/P-126

(3) Ibid

انہوں نے اسلام کو ہی یہود و نصاری کے مذاہب سے لئے گئے تہذیب وثقافت کی نقل قرار دیا ہے:

"The assertion must not be pressed too far, however, since Islam could be regarded as merely a modification of the Judaeo-Christian tradition".(1)

ترجمہ: اگر ہم زیادہ گہرائی میں نہ بھی جائیں تو ہمارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ اسلام اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ یہود و نصاری کی تہذیب وتمدن سے لیا گیا ایک مذہب ہے۔

افسوس کا مقام یہ نہیں کہ واٹ منٹگمری، یہ الفاظ دینِ اسلام جیسے صاف ستھرے مذہب کے بارے میں کہہ رہا ہے، بلکہ صدمہ تو صرف یہ ہے کہ آج ہمارے ذرائع ابلاغ media communication پر آنے والے بعض مسلم اسکالرنے بھی یہ ہی رٹ لگانی شروع کردی ہے؛ جسکا مؤثر ترین جواب یہ ہے کہ:

'کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراھیم علیہ السّلام کے دو بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور حضرت اسحاق علیہ السّلام سے مذاہب اہل کتاب کا جاری وساری ہونا تاریخی اعتبار سے ثابت ہے: جسمیں حضرت اسحاق علیہ السّلام کی نسل سے انبیاء علیہم السّلام کی ایک لمبی فہرست موجود ہے، اور جسکی شریعت میں حضرت موسیٰ وھارون علیہم السّلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر بنی اسرائیل کی آخری شریعت اُتری. اور تاریخ گواہ ہے کہ شریعتِ موسوی یا عیسوی ، ان دونوں شرائع کے ماننے والوں میں آج تک آپس میں نہیں بنی، اور چلے ہیں امتِ مسلمہ کے پیغمبر علیہم السّلام پر یہ الزام لگانے کہ آپ ﷺ نے معاذ اللہ یہود و نصاری کی تہذیب وتمدّن کو لیکر ایک نیا مذہب اسلام بنایا تھا. جبکہ اسماعیل علیہ السّلام سے ماسوائے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اور کسی نبی کے ہونے کی اطلاع دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی' . چنانچہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے درج ذیل نسبی چارٹ جو محمد ﷺ کے بارے میں نیٹ پر بھی موجود ہے: (۲)
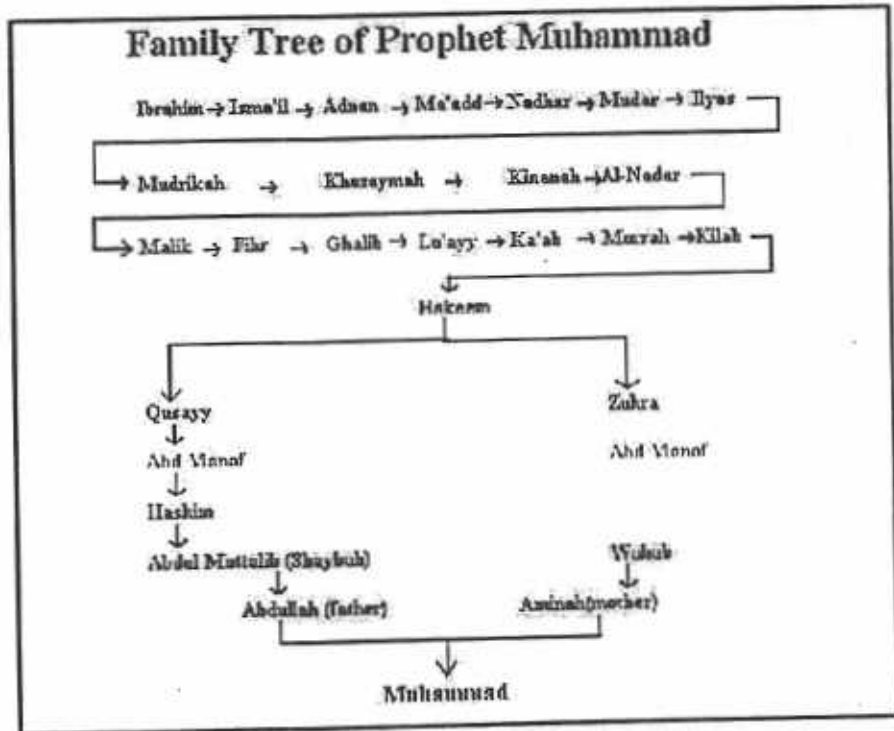
(1) Watt, Montgomary W, Islam and the Integrtion of Society, Routiege & Kegan Paul, London, 1961/page-31

(2) www.google/image/IbrahimtolastProhet (eccessed on 2 january, 2008)

اب ملاحظہ کیجیے حضرت محمد ﷺ اور بنی اسرائیل کے پیغمبران علیہم السلام کے درمیان مابین نسلی دوریوں کا فرق:(۱)
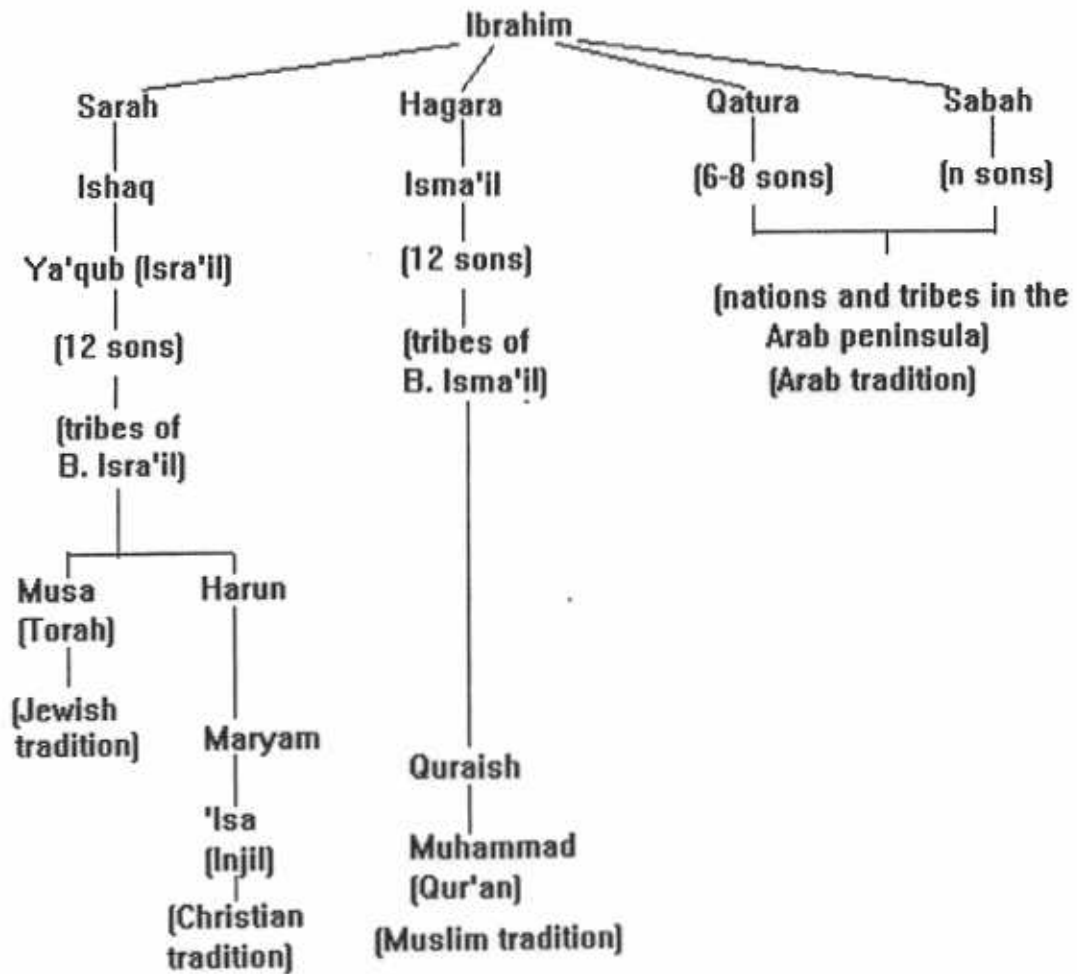
درجِ بالا چارٹ نے واضح کردیا ہے کہ اسلام کا کسی دوسرے مذہبی تہذیب وتمدّن سے کوئی واسطہ نہی رہا، لہٰذا اہلِ یہود کی مذہبی ملکیت کا معاملہ تاریخ کے اُس باب پر بالکل ہی بند ہو چکا تھا جب آخری نبی علیہ السلام کے دور کا ۶۱۷ء میں آغاز ہوا۔ لہٰذا اسلام پر اب کسی بھی نسلی یا مذہبی گروہ کی کسی بھی قسم کی اجارہ داری کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تاریخ نے جن تلخ حقیقتوں کو قلمبند کیا ہے، وہ نا قابلِ بیان ہیں، کہ جب سلاطین روم کے عروج کا زمانہ تھا، ان ہی میں ٹائیٹس Titus نامی بادشاہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا اور نہ صرف بیت المقدس میں یہود کے عبادت خانے اُجاڑے بلکہ خوب توڑ پھوڑ کی اور توراۃ تک کو جلا ڈالا اور اپنے دورِ اقتدار میں مسجد بیت المقدس میں آنے اور خدا کی عبادت سے یہودیوں کو روک دیا۔ بنزولِ قرآن کے ایام میں اس واقعہ کی تذکیر سے یہود کو بڑی سبکی ہوتی، جب مسیحی انہیں منہ چڑاتے اور اس واقعہ کو خود اپنی بڑائی اور

(۱) ششماہی علوم الاسلامیہ انٹرنیشنل، ناشر: ثانی، صلاح الدین، ڈاکٹر پروفیسر، سیرت النبی ﷺ نمبر، جلد ۲، شمارہ نمبر ۲، کراچی، فروری تا اگست ۲۰۰۸ء، ص: ۱۳۰- بحوالہ: www.google/image/IbrahimtolastProhet

کا سبب بتاتے، حالانکہ رومی سلطنت کے اس فعلِ خبیث سے عیسائیوں کو خوش ہونے کی کوئی شرعی وجہ نہیں تھی لیکن محض یہود کی ضد سے وہ تالیاں پیٹ کر مسرّت کا اظہار کرتے، قرآنِ کریم نے اُن ہی واقعات کو یاد دلا کر انہیں شرم دلائی اور ظالم کہا ہے:(۱)

ومن اظلم ممن منع مسجد الله ان یذکرفیھا اسمه وسعی فی خرابھا ط اُولئک ما کان لھم ان ید خلوھا الا خآئفین ط لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرة عذاب عظیم ○ (۲)

ترجمہ: اس بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے، جس نے اللہ کی مسجدوں میں اُسکا نام لینے سے منع کیا اور مسجدیں اُجاڑنے کے لئے دوڑا ہو، ایسے لوگوں کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے؛ ان لوگوں کو دنیا میں بھی ذلّت ملے گی اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ہم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدّث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ ''موضوع القرآن'' سے جوں کا توں ذیل میں درج کرتے ہیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو، حضرت فرماتے ہیں:-

'انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے دشمنی کی اور ہم نے اُن کو مانا۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب نصاریٰ نے غلبہ پایا تو مسجد بیت المقدس کو ویران کیا۔ اور یہود کی مسجدیں اُجاڑیں، یہود کی ضد سے، یہ کیا انصاف ہے کہ آدمیوں کی ضد سے اللہ کی مسجدیں ویران کریں اور فرماتا ہے کہ یہ بھی لائق نہیں کہ یہ لوگ اس ملک میں حاکم بن کر رہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے وہ ملکِ شام مسلمانوں کے ہاتھ لگایا' (۳)

ایسے موقع پر مسیحی عوام کو اپنی طرف راغب کر کے یہود کو مزید احساسِ کمتری کا شکار بنا جا سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہود کی طرف داری کی بلکہ اُن کے خلاف پرچار کرنے والے عیسائیوں کو کہہ دیا کہ تمہیں بیت المقدس میں حاکم و متولی ہو کر داخلے کا حق ہی کب تھا؟ تمہیں اور ایسے تمام لوگوں کو جو اللہ کے گھر کی بے ادبی اپنے دورِ اقتدار میں کر چکے ہوں، ڈرتے ڈرتے مسجد میں عبادت کر کے چُپ چاپ چلتے بننا چاہیئے۔ تولیت اور حاکیت کیسی؟ اُنکے اقتدار اور تولیت کے حقوق کو ساقط قرار دے کر انہیں بھی اللہ کے گھر میں ذکر اللہ کی اجازت دے دی اُسے کہتے ہیں کھرا کھرا انصاف، کہ کہیں بھی ظاہر تو کیا مخفی اشارہ تک عدل کے خلاف نہ مل پایا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار اور تولیت اقتدار اور تولیتِ مسجد اقصیٰ میں کبھی بھی یہود و نصاریٰ کو اس عبادت گاہ میں آنے سے نہیں روکا۔ (۴) لیکن دیکھنا یہ کہ ہے اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک تاریخ کچھ اس طرح سے رقم ہوئی کہ یہود نے بدلہ لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، حتیٰ کہ:

'یہ سطور ۱۹۶۹ء میں لکھی جا رہی ہیں، جون ۱۹۶۷ء میں یہود نے حملہ آور ہو کر رومی شہنشاہ ٹائٹس Titus سے بھی پچاس گنا زیادہ ظالم بن کر بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ جما لیا، اس ظلم کو سوگنا کرنے کے لئے اگست ۱۹۶۹ء میں مسجدِ اقصیٰ میں آگ لگا دی گئی۔(۵) یہ صرف مسلمانوں کی ضد میں اور رومیوں کی پیروی میں انہوں نے اُسی عبادت گاہ کو آگ لگا دی جس کے لئے مسلمانوں نے رومیوں کے خلاف یہود کے عبادت گاہیں تباہ کرنے پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے تھے، لیکن کسی کو کیا پتا کہ جو قوم خود غرضی میں اس حد تک آگے بڑھ جائے کے وہ کم و بیش اپنے اور مسلمانوں اور رومیوں کے مشترکہ 'ربّ واحد' کے سامنے شرمندگی محسوس نہ کی تو وہ کسی اور کے سامنے اپنی ناک کیونکر کٹوا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود عیسائیت سے ازلی عداوت کے یہود آج کے دور میں پیسہ کی دوڑ میں مسلمانوں کے خلاف یک جا ہو بیٹھے ہیں، جسے حدیث پاک کے ان الفاظ کی تعبیر کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے:

''الکفر ملّت واحدۃ'' یعنی تمام کفر مسلمانوں کے خلاف یکجا ہیں، اے کاش ہم مسلمانوں کی سمجھ میں اتنی سی بات آ جائے۔ (آمین)

---

(۱) پاریکھ، عبدالکریم مولانا، قومِ یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں، مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد کراچی، س ن/ص: ۱۷۳

(۲) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۲: ۱۱۴

(۳) پاریکھ، عبدالکریم مولانا، قومِ یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں، مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد کراچی، س ن/ص: ۱۷۳-۱۷۴

(۴) ایضاً/ص: ۱۷۵

(۵) ایضاً

ملکیت وو راثت کا موضوع بنی اسرائیل کی قدیم تاریخ سے وابسطہ ہے :

اہل یہود کے یہاں ملکیت اور وراثت و میراث کا معاملہ انکے ملکوں میں دربدر پھرنے کی قدیم ترین تاریخ سے وابسطہ ہے. چنانچہ بنی اسرائیل پر حضرت موسی علیہ السلام کی وجہ سے فرعون اور مصریوں کی قہر سامانیاں بڑھنے لگیں، مختلف حیلوں، ہتھکنڈوں سے فرعون نے اپنا اقتدار قائم رکھنے کی کوشش کی. مصری بڑے دولت مند تھے. بڑے بڑے ساہو کار تھے، اور یہی سبب فرعونوں کی دولت کا بھی تھا جسکا تذکرہ آج بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے ایسے سماج میں دولت ہی عظمت کا معیار ہوتی ہے. لہذا فرعون نے بنی اسرائیل اور گمراہ مصریوں سے کہا کہ اگر موسی علیہ السلام کا رب سچا ہے تو آسمان سے سونا چاندی اور کنگن کیوں نہیں برساتا. لہذا مصری اور بنی اسرائیل فرعون کے اس جاہ وحشمت کے آگے مرعوب ہوگئے. یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ سونا چاندی اس دور میں یعنی بارھویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ مبادلے کی کرنسی کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور مصریوں کی ہندوستان اور اٹلی سے تجارت کے شواہد بھی ملے ہیں. اس دور میں زر و جواہر اور سیم وزر کی فروانی کے متعلق قارون کا واقعہ بھی مقدس کتابوں میں ملتا ہے. جس کی خزانے کی کنجیاں مزدوروں کی ایک جماعت اٹھاتی تھی. وہ ہر شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، مگر ہر نگاہ اُس پر رشک کرتی تھی، لہذا بنی اسرائیل خواہش کرتے "اے کاش یہ دولت وثروت اور عظمت وشوکت ہم کو بھی نصیب ہوتی". غرض بنی اسرائیل پر جب مظالم حد سے بڑھ گئے اور فرعون کی ریاست متشدد کاروائیوں پر اُتر آئی تو حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے اور اپنے باپ دادا کی سرزمین پر جانے کا کہا، یہ چھ لاکھ لوگ خشکی کے راستے جانے کی بجائے بحیرۂ احمر (قلزم) کے راستے گئے غالباً فرعون کی جُل دینا مقصود تھا. فرعون نے فوج کے ساتھ بنی اسرائیل کو جالیا اور پھر انکے منہ سے جو تاریخی کلمات نکلے وہ آج بھی تمام غلام قوموں پر صادق آتے ہیں: (۱)

"کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو (موسی) ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تم کو مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا." (۲)

الغرض بنی اسرائیل نے بالآخر کئی دہائیوں کی اذیتوں کے سہنے کے بعد کنعان پر بزور شمشیر قبضہ کرلیا. لیکن کتاب استثنا اور مقدس و دیگر تاریخی حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کنعان میں داخل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل میں طبقات پیدا ہوگئے تھے اور زمین کی قبائلی ملکیت سے قطع نظر ذاتی ملکیت کا رواج بھی شروع ہو چکا تھا. اس لئے موسوی شریعت کے احکامات میں جابجا اس طبقاتی کشمکش اور معاشی تفاوت کو ختم کرنے کی کوششیں نظر آتی ہیں. لیکن بنی اسرائیل زراعت کو چھوڑ کر دوبارہ گلہ بانی کی طرف چلے گئے اور اسکی معاشی اخلاقیات اپنالیں. اور قبائلی سادگی کی طرف لوٹنے کی کوشش کرنے لگے. دریائے اردن کے کنارے کنعان میں بس گئے اور موسوی شریعت چھوڑ گئے. موسوی شریعت میں قبائلی طرز زندگی کے موافق دولت کی مشترکہ ملکیت تھی، اللہ تعالی کی نعمتوں 'من و سلوی' کو برابر تقسیم کیا جاتا تھا، ہر سات سال بعد قرض دار کو چھوڑ دیا جاتا تھا. ہر سات سال بعد قرض دار کو چھوڑ دیا جاتا تھا، غلام کو سات سال بعد آزاد کردیا جاتا تھا، گھوڑے بڑھانے کی اجازت نہ تھا، بہت سی بیویاں رکھنے اور سونا چاندی جمع کرنے کی ممانعت تھی، کسی اسرائیلی کو سود پر روپیہ نہ دیا جاتا تھا، اور دن ڈوبنے سے پہلے مزدور کو اُسکی اُجرت دے دینے کا حکم تھا. لیکن بنی اسرائیل کے معاشرے کا ارتقا اب گلہ بانی اور قبیلوں سے زرعی انقلاب کی طرف تھا. لہذا بنی اسرائیل کے سرداروں نے دولت جائیداد اور تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرلیا اور غریب

(۱) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت' دار الشعور، ۳۷ مزنگ روڈ، چوک اے جی آفس لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص: ۳۶

(۲) عہد نامہ قدیم، خروج، باب ۱۴، آیات ۱۱، ۱۲

اسرائیلیوں کی زندگی کنعان میں بدتر ہوتی گئی قبائلی زندگی کی مساوات ختم ہوگئی .ان معاشی اخلاقیات کی مذمت مذہبی پیشواؤں نے شروع کی اور دولت مندوں پر خدا کا قہر نازل ہونے کا کہا اور انکو کہا کہ وہ صدقہ اور خیرات کریں اور غریبوں کا خیال رکھیں لیکن یہ سارے یہودی پیشوا ذاتی ملکیت کے اصول کے خلاف نہ تھے .یہ محض دولت کے خاص حد سے بڑھنے سے پیدا ہونے والی اخلاقی برائیوں کے خلاف تھے .وہ بادشاہ کے خلاف ہونے کے بجائے بادشاہ کو نیک کرنا چاہتے تھے .وہ تجارت کے خلاف بھی نہیں تھے بلکہ چاہتے تھے کہ تاجر اپنی تجارت میں دیانت داری سے کام لیں اور انکو کہتے تھے کہ اپنی دولت میں سے غریبوں کو بھی حصہ دو غرض تجارت اور دولت وزر کے خلاف عمومی مخالفت نہ سہی لیکن دانشوروں اور فلسفیوں کے افکار میں اسکے خلاف نفرت اور حقارت ملتی ہے .(۱) یوں موسوی شریعت رفتہ رفتہ قبائلی مساوات سے زرعی وتجارتی سماج کی اخلاقیات کی ذاتی ملکیت اور مفاد پرستی کے قالب میں ڈھلنے لگی .(۲) وہ سمجھتے تھے کہ اسکی وجہ دولت مند طبقے کا موسوی شریعت کے 'صراطِ مستقیم' سے ہٹ جانا ہے .انکے خیال میں دولت مند لوگ 'طاؤس و رباب' کی محفلوں میں کھوئے ہوئے تھے اور غریبوں پر ظلم ڈھا رہے تھے .(۳)

عہد نامہ قدیم میں بنی اسرائیل پر ملکیت ومیراث کے احکامات کا جائزہ :

''اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بائبل کے پہلے حصہ عہد نامہ قدیم میں اسرائیلی روایات سے ملکیت ومیراث پر کس نوعیت کی بحث کی گئی ہے .

سو وہیں پہاڑ کے سامنے اسرائیلیوں کے ڈیرے لگے اور موسیٰ اس پر چڑھکر خدا کے پاس گیا اور خداوند نے اُسے پہاڑ پر سے پکار کر کہا کہ تو یعقوب کے خاندان سے یوں کہہ اور بنی اسرائیل کو یہ سنادے کہ تم نے دیکھا کہ میں نے مصریوں سے کیا کیا کیا اور تمکو گویا عقاب کے پروں پر بیٹھا کر اپنے پاس لے آیا سو اب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہروگے کیونکہ ساری زمین میری ہے.''(۴)

جس طرح اسلام میں کائنات کی تمام اشیاء اللہ کی ملکیت متصور ہیں، بالکل اسی طرح یہاں اس درج بالا آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیلیوں کے اور موسیٰ کے مشترکہ خدا نے ساری زمین اور انسانوں کو بلا تخصیصِ جنس اپنی ملکیت کہا ہے، اور یہ بھی پھر ان کے مہربان نبی موسیٰؑ کی دعاء کے طفیل یہ منزل انہیں حاصل ہوئی تھی:

''تب موسیٰؑ نے جلدی سے سر جُھکا کر سجدہ کیا اور کہا..............یہ قوم گردن کش ہے اور تو ہمارے گناہ اور خطا کو معاف کر اور ہمکو اپنی میراث کر لے''.(۵)

موسیٰؑ نے ان سے کہا...''خداوند نے تمکو چنا .... تا کہ تم اُسکی میراث ٹھہرو''.(۶)

موسیٰؑ نے ان سے کہا...''خداوند نے تمکو قادس برنیع سے یہ کہہ کر روانہ کیا کہ جاؤ اور اُس ملک پر جو میں نے تمکو دیا ہے قبضہ کرو تو اُس وقت بھی تم نے خداوند اپنے خدا کے حکم کو عدول کیا اور اُس پر ایمان نہ لائے اور اُسکی بات نہ مانی. ''.(۷)

یہاں سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اہل یہود میں کسل بازی سست روی کتنی حد تک پروان چڑھ چکی تھی کہ اپنے پیغمبر کی ہدایت کے باوجود یہ اپنے خدا کی حکم عدولی میں لگے رہے .حتیٰ کہ بعد میں یہ ہوا کہ جب کوئی راہب یہودیوں کو کسی قسم کا خطبہ خصوصا کاروباری نوعیت کا کوئی واعظ دیتا تو اکثر

---

(۱) عظیم ،سید' تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت' لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص:۲۸

(۲) ایضا

(۳) ایضا

(۴) عہد نامہ قدیم/ خروج: ۱۹:۳-۵

(۵) ایضا/ ۳۴:۹-۱۰

(۶) ایضا/ استثنا ۴:۲۰

(۷) ایضا/ ۹:۲۳

ایسا ہوتا تھا کہ جب کاروباری لوگوں کو یہ پتہ چل جاتا تھا کہ اُن کا پادری اپنے خطبہ میں کاروباری دنیا پر عیسائی اخلاقیات عائد کرنا چاہتا ہے تو وہ اُس پادری کو پھٹکار دیا کرتے تھے. یہودیوں کی مخصوص مذہبی مجلس کا مدتوں یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے راہب سے اُس خطبہ کہ مسوّدہ پہلے ہی سے طلب کر لیتے تھے، جو اُس کو مذہبی اجتماع میں پیش کرنا ہوتا تھا تا کہ وہ کاروباری یہودی لوگ جو مخصوص مذہبی مجلس کے رُکن تھے. اس بات کا یقین کر لیں کہ راہب نے اپنے خطبہ میں کاروباری اخلاقیات کے سر پر یہودی مذہب کے اخلاقیات تو نہیں منڈھ دیئے اور اس بات کا یقین کر لینے کے بعد یہ کاروباری لوگ مذہبی اجتماع میں جا کر شرکت کرتے تھے.(۱) اور یوں بھی بقول عہد نامہ قدیم کے جب موسیٰ بنی اسرائیل کو پیشن گوئی کرتے ہیں کہ جہاں جہاں اُن کا تلوا ٹکے گا وہ جگہ اُن کی ہوگی، یعنی بیابان اور لبنان سے لیکر دریائے فرات سے مغرب کے سمندر تک.(۲)

All the ground that you march over will be yours. Your territory will extend from the desert in the south to the Lebanon Mountains in the north, and from the River Euprates in the east to the Medterranean Sea in the West.(3)

ترجمہ: جہاں جہاں تمہارے پاؤں کا تلوا ٹکے وہ جگہ تمہاری ہو جائیگی یعنی بیابان اور لبنان سے اور دریائے فرات سے مغرب کے سمندر تک تمہاری سرحد ہوگی.

مگر یہ پیشن گوئی آج تک پوری نہ ہو سکی، یہودی نہ عیسائی کوئی بھی ان سرحدوں تک حکومت نہ کر سکا.(۴) لیکن اس آیت کا سب سے بڑا اثر جو دنیا میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہود آج بھی پوری دنیا پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے کی خاطر مختلف حربوں سے دنیا کو بے چین کئے رکھتے ہیں، اور زمین پر محض فساد مچانے والے طریقے اختیار کیے رکھتے ہیں، حتیٰ کہ Modernity جدیدیت کے نام پر اب جو کھیل کھیلا جا رہا ہے وہ نصارانیت سمیت تمام مذاہب کے لئے انتہائی سخت ہے،

The question of what has happened to religion with the emergence of the modern world is a difficult one to answer.(5) Until the 1960s religious people, especially Catholics, saw the modern world as essentially hostile to Christian faith and life. John XXIII was the first pope to stope deploring the modern world and, instead, to speak positively of its achievement. The common Christian view was that the modern world in its beginnings in the Enlightenment and the French Revolution was built on a rejection of both the truth of the Christian faith and the authority of the Christian churches. Modernity meant secularism, which in turn meant the exclusion of religion from the public life and decision-making process of society.No wonder the modern world dand Christianity were in oppoisition.(6)

یعنی عیسائیت کو اپنے مذہب کے تحفظات کا جو خیال آیا ہے وہ بے جا نہیں، لیکن یہاں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ جس جدیدیت کو مسلمانوں نے بخوشی قبول کیا ہے، اس پر ماسوائے آنسو بہانے کہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا. البتہ آگے آنے والا اقتباس ظاہر کر رہا ہے کہ یہودیت کی کوششیں اپنے لئے مملکت اور سرحدیں تلاش کرتے رہنا اب تک جاری و ساری ہے:

(۱) جعفری، سید سعید احمد، نفسیات المذاہب، آغاز پرنٹرز، کراچی، مارچ ۱۹۷۹ء، ص: ۱۰۸

(۲) جمیل، سہیل، بائبل مقدس (ابتداء سے انتہا تک) قدیم اور جدید عہد نامہ، کراچی، پاکستان PY-2005-BIU س ن/ص: ۹۵

(3) Good News Bible, United Bible Societies,London, 1980/Page-183 (Deut/11/24)

(۴) جمیل، سہیل، بائبل مقدس (ابتداء سے انتہا تک) قدیم اور جدید عہد نامہ، /ص: ۹۵

(5) Davis, Charles, Religion and the making of Society, Cambridge University Press, 1994/page-39

(6) Ibid

In announcing his road map to peace in the Middle East, President Bush described Israeli Prime Minister Ariel Sharon as a "man of peace." Baruch Kimmerling, professor of sociology at Hebrew University in Jerusalem -- now working in "temporary refuge" at the University of Toronto -- would emphatically disagree. The Sharon that Kimmerling describes, with ample documentation, has all his life been a ruthless man of war who glories in his reputation as such. This policy may also, but not necessarily include the partial or complete ethnic cleansing from the territory known as the Land of Israel." Kimmerling has been denounced as a "self-hating Jew" (a charge also leveled at Marc Ellis), but he regards himself as an "Israeli patriot." He sees his quarrel with Sharon and the Israelis who overwhelmingly elected him as a fight for the "soul, fate and well-being of Israel and all its citizens, Jews and Arabs." It is hard to determine whether Kimmerling is a religious or secular Israeli. There can be no doubt as to the deeply theological intentions of Marc Ellis and Gary M. Burge, though their respective theologies and their primary audiences differ markedly.

Burge, who teaches New Testament at Wheaton College in Illinois, underwent a radical theological conversion on the way to writing Whose Land? Whose Promise? In 1991, buying into the apocalyptic speculations of Hal Lindsey and others, Burge, together with many other evangelicals, was enthusiastic at the outset of the Persian Gulf u Victory by the U.S. and its coalition, they thought, would further the interests of Israel. And the Second Coming of Jesus awaited the total restoration of the nation of Israel. Thus, if war means that the second coming of Jesus is approaching, then let the fighting begin! If war means that the eschatological clock will tick a little faster, so be it." Burge begins by outlining the geography and history of Israel and Palestine from the biblical period to the present. His narrative becomes more polemical as he comes to Zionism, which he says intended the ethnic cleansing of Palestinians "from the beginning." Burge, like the other authors reviewed here, recounts the atrocity carried out by Jewish terrorists at the Arab village of DeirYassin just prior to the declaration of the Israeli state in 1948. Over 250 people were slaughtered, and Israeli propaganda spread the news of DeirYassin to other Arab villages as a warning against resistance.Burge is not insensitive to the fact that Israeli evil has been matched by Palestinian evil or that the state of Israel has fought five wars in the promotion of its security. He does not wish to see Israel destroyed. His very powerful survey of events, which admittedly stresses Israeli atrocities, is designed to show how the American media falsely place all the blame for the tragedy unfolding in Israel/Palestine on Arab terrorism. If it were true that all the evil were on one side, then any appeal to fairness might be seen as making a pact with the devil. Burge considers the scriptural basis for Zionism. Didn't God give the land to the Jews? How, Christian Zionists have argued, can one be faithful to scripture and not side with the Zionist takeover of Palestine? As one Christian Zionist has claimed. "God is a biblical Zionist"

Burge fully acknowledges that God has granted Israel the gift of the land. However, citing a number of proof texts, he argues that the gift is conditional on Israel's righteousness, one vital test of which is Israel's treatment of non-Israelites living in the promised land. When an alien resides with you in your land, you shall not oppress the alien, ... you shall love the alien as yourself (Lev. 19:33-34). Further, in the ultimate sense of ownership Israel is a tenant, not an owner: "The land is mine -- with me you are but aliens and tenants" (Lev. 25:23). Behind the blessing of the land there is the grave warning that without righteousness "the land will vomit you out for defiling it, as it vomited out the nation that was before you. (Lev. 18:28). (1)

(1) Property Rights by Ronald Goetz/Dr. Goetz, a Century editor at large, holds the Niebuhr distinguished chair of theology and ethics at Elmhurst College in Elmhurst, Illinois. This article appeared in The Christian Century, December 13, 2003, pp. 34-37. Copyright by The Christian Century Foundation; used by permission. Current articles and subscription information can be found at http://www.religion-online.org/www.christiancentury.org. . This material was prepared for Religion Online by Ted and Winnie Brock.Whose Land? Whose Promise? What Christians Are Not Being Told About Israel and the Palestinians. By Gay M. Burge, Pilgrim Press, 286 pp. http://www.religion-online.org/www.christiancentury.org. accessed on July 05, 2008

یہودیت میں عیسائیت کی کسی بھی جائیداد پر قبضہ جائز تصوّر کیا جاتا ہے :

Lost Property of Christians Must Not Be Returned to Them:
In Choschen Ham(266,1) it says: " A Jew may keep anything he finds hich belongs to the Akum, for it is written : Return to thy brethren what is lost (Deuter.XXII,3). For he who returns lost property {to Christians} sins against the Law by increasing the power of the transgressors of the Law. It is praiseworthy, however, to return lost property if it is done to honor the name of God, namely, if by so doing Christians will priase the Jews and look upon them as honorable people".(1)
Christians may be defrauded:
In Babha Kama (113b) it says: "It is permitted to deceive a Goi".(2)

یہاں طالمود سے مراد یہود کے وہ علمی، ادبی اور دینی ذخیرہ ہے جسے عام یہودی، تورات کی طرح منزل من اللہ جانتے ہیں اور اُسے اسی طرح معتبر جانتے ہیں جس طرح تورات کو اس لئے اُنکے عقیدہ کے مطابق تورات وحی مکتوب تھی اور طالمود زبانی وحی۔(۳) جسکی تفصیل پہلے باب میں آچکی ہے۔ یہاں اہم نقطہ بحث یہ ہے کہ، جیسا کہ پہلے پیراگراف میں بتلایا گیا ہے کہ، یہود کے یہاں عیسائیت کی کسی بھی قسم کی جائیداد پر قبضہ کرنا، اسی طالمود میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ جس پر پوپ جسٹنین نے ۵۵۳ء میں اُسے خلاف قانون قرار دیدیا۔ ۱۲۰۰ء تک اس حکم کے باوجود یہودی طالمود پڑھتے اور اس پر عمل کرتے رہے، اور مسیحی چرچ خاموش تماشائی بنا اُسے دیکھتا رہا۔ ۱۲۳۹ء میں ایک فرانسیسی یہودی نکلسن دائنین نے عیسائی مذہب قبول کرلیا اور طالمود کے وہ ابواب پوپ گریگری نہم کے حضور پیش کئے، جن میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ پر کیچڑ اُچھالا گیا تھا اُس نے جمراکے وہ جملے بھی پوپ کو سنائے جو عیسائیت کے تنقیدی حملوں کے جواب میں لکھے گئے تھے اور جن میں عیساویت کو "حق وصداقت سے محروم" قرار دیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ "طالمود" کی رُو سے کسی بھی غیر یہودی کو دھوکہ دینا جائز اور عیسائی کو قتل کرنا نیکی کا کام ہے۔ کسی غیر یہودی سے عہد معاہدہ کر کے ضرورت کے مطابق توڑ دینے کی اجازت ہے۔ کوئی غیر یہودی اگر یہود کے قوانین کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرے تو اُسے قتل کر دینا چاہئے۔ پوپ نے اس پر حکم دیا کہ 'طالمود' کی تمام جلدیں جمع کر کے رانیکی یا فرانسسکن رہبوں کے حوالے کر دی جائیں اور اگر یہ الزامات ثابت ہوں تو انہیں جلا دیا جائے۔ فرانس میں لوئی نہم نے حکم دیا کہ طالمود کی تمام جلدیں اکٹھی کر کے دربار میں پیش کی جائیں اور یہودی علماء اپنے نمائندے اس عدالت میں بھیج کر اپنی بیگناہی پر جرح کیں۔ تین دن کی عدالتی تحقیقات کے بعد الزامات ثابت ہوگئے، اور ۱۲۴۰ء میں طالمود کی تمام جلدیں جلانے کا حکم دیا گیا۔ ایک آرچ بشپ نے اُن کتابوں کو محفوظ کرنے کی درخواست کی جو منظور کرلی گئی لیکن وہ چند دن بعد وفات پا گیا، جو سارے فرانس میں "غضب الٰہی" سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ لوئی کے حکم سے طالمود کے تمام نسخے اکٹھے کئے گئے اور اُن سے لدی ہوئی ۲۴ گاڑیاں پیرس میں جمع کر کے نذرِ آتش کر دی گئیں۔ تالمود کا یہی حشر اسپین میں ۱۲۶۳ء میں ہوا۔(۴) اس سے معلوم ہوا کہ یہودیت وعیسائیت میں ازلی دشمنی موجود ہے۔ اور وہ تو بس مسلمانوں کے خلاف اکٹھا ہوجاتے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے مذہب نے ہمیشہ اُنکی قدردانی محض اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب کے ماننے والوں یعنی اہل کتاب کی حیثیت سے کی، لیکن اگر یہ پھر بھی اسلام جیسے امن و آشتی کے پیغام کو اپنا ہمدرد نہ سمجھیں تو یہ خود ہی ظالم ہیں۔

(1) Pranaitis, Rev. I. B., The Talmud Unmaksed, The secret Rabbinical Teachings concerning Christians; Translation of the author's Latin Text, Imprimatur,St. Petersburg, Kozlowsky, Printed at the Imperial Academy of Sciences, (Vas. Ostr., 9 Line No:12); April 13, 1892/Page-72

(2) Ibid

(۳) الازہری، قاضی مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ "یہودیت"، تاج کتب خانہ محلّہ جنگی، قصہ خوانی، پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۴۳

(۴) ایضاً/ص:۴۰

یہودی شریعت میں عورت کی حیثیت:

یہود جو اپنی پوری تاریخ میں اخلاقی انحطاط کے ساتھ حرص وطمع کے لیے ہمیشہ سے مشہور چلے آرہے ہیں. ظاہر ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ انصاف کیسے کر سکتے تھے، جب کہ عورت پر کسی مالی نفع کے بجائے اس پر خرچ ہی کیا جاتا ہو. اس لیے ان کے ہاں بیٹیوں کا درجہ بیٹوں سے کم بلکہ نوکر چاکر سے بھی بدتر تھا، بھائیوں کی موجودگی میں اسے میراث کا حق نہ تھا حتیٰ کہ باپ اس کو فروخت بھی کر سکتا تھا.(۱) یہودیوں کی مستند "جیوش انسائیکلوپیڈیا" میں ہے کہ معصیت اوّل چوں کہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی. لہذا اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اسکا حاکم، اُسکا مالک ہوتا ہے، اور وہ اُسکی مملوکہ.(۲) اسکے علاوہ یہود کے یہاں ایک گڑھا ہوا مسئلہ "الیباما والجاموس" کے نام سے مشہور ہے، جس کو وہ تورات کی طرف منسوب کرتے ہیں.(۳) جس میں ذکر کچھ اسطرح کا ہے کہ ایک جگہ دو بھائی مقیم ہوں اور انمیں سے ایک انتقال کر جائے اور اُسکی کوئی اولاد نہ ہو تو میت کی بیوہ غیر کے ہاتھ نہیں دی جائے گی بلکہ اسکا دیور خود اس سے شادی کریگا اور اس سے جو پہلا بچہ پیدا ہوگا وہ بے اولاد مرنے والے بھائی کی طرف منسوب کیا جائے گا. اور اگ اسکے دیور نے شادی سے انکار کر دیا تو وہ عورت اپنے قوم کے سرداروں کے پاس شکایت لے کر جائے گی اور یہ کہے گی کہ میرے دیور نے اپنے بھائی کا نام بنی اسرائیل میں باقی رکھنے سے انکار کر دیا، اور میرا نکاح نہیں لوٹایا، پھر قوم کے سردار اسکو حاضر کریں گے اور اسکو روک کر یہ کہیں گے کہ تم اس بات کا اقرار کر کہ میں نے اس نکاح نہیں کرنا چاہا، پھر عورت اسکے پاؤں سے جوتا نکالے گی، اسکو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسکے چہرے پر تھوکے گی، اور یہ کہے گی کہ جو اپنے بھائی کا گھر نہیں آباد کرے گا، اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا اس طرح وہ شخص مخلوع النعل (جس کا جوتا نکالا گیا ہو) کے لقب سے پکارا جائیگا.(۴) اب اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہودی شریعت میں مذہبی اعتبار سے عورت کی وقعت کیا ہے.

اسی طرح یونان کی قدیم تہذیب میں باپ خاندان کا مذہبی اور قانونی سربراہ تھا اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ اپنی بیٹیوں کو فروخت کر دے، اسی طرح بھائی کو بھی یہ حق حاصل تھا کہ وہ بہنوں کو فروخت کر سکتا تھا. قدیم یونانی تہذیب میں باپ کے انتقال کے بعد جائیداد کا وارث نرینہ اولاد ہوتی، عورت کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا. یونانی جو تہذیب قدیم میں سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ تصور کیے جاتے تھے. بیوی کو محض ایک اثاثہ مجھتے تھے جسے خرید و فرخت کیا جاسکتا تھا، بلکہ وصیتاً منتقل بھی کیا جاسکتا تھا.(۵) میسوپوٹیمی (جدید عراق کے جنوبی نصف) تہذیب کئی ہزار سال پر محیط ہے اور اسمیں سمیری، عکاوی، بابلی، آشوری تہذیبوں اور آبادیوں کے ایک پورے سلسلہ کا عروج وزوال شامل ہے، "حمورابی" ۲۵ے۱ء قبل مسیح نے مردوں کو عورت کے رہن رکھنے پر تین سال تک اختیار دے رکھا تھا. بعد کے آشوری قانون ۱۲۰۰ قبل مسیح نے عورتوں کو جو رہن رکھی جاتی تھی، مارنے پیٹنے، اُن کے کان چھیدنے یا مروڑنے کی اجازت بھی دی تھی.(۶)

---

(۱) محسن انسانیت اور انسانی حقوق: محمد ثانی بحوالہ سابقہ، ص: ۲۳۰ بحوالہ: کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظام کفالت، ایک تحقیق جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳ء/ص: ۲۳۱

(۲) لکھنوی، جسٹس تنزیل خان، مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ۱۹۸۹ء/ص: ۱۸۸-۱۸۹/ بحوالہ ایضا

(۳) مترجم، زبیر احمد سلفی، الجوزیہ، امام ابن القیم، یہود ونصاریٰ تاریخ کے آئینہ میں، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور ۱۹۹۳ء/ص: ۲۹۸

(۴) ایضا

(۵) امیر علی، سید، روح اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۳ء/ص: ۳۵۹ بحوالہ: کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظام کفالت، ایک تحقیق جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳ء/ص: ۲۲۸

(۶) مترجم، خلیل احمد، لیلی احمد، عورت جنسی تفریق اور اسلام، مطبوعہ مشعل، لاہور ۱۹۹۵ء/ص: ۲۷، بحوالہ ایضا/ص: ۲۳۹

عیسائیت میں ملکیت کا تصوّر :

ڈاکٹر فاربیم آگے لکھتے ہیں کہ مالی پاور حاصل کرنے کے لئے دنیا کی اقوام کے مابین کس قدر کش مکش پائی جاتی ہے! اور غیر اہم قطعہء اراضی کی خاطر کتنی جنگیں لڑی جاتی ہیں، جن میں ہزاروں لوگ مارے جاتے اور زخمی ہوتی ہیں، محض اس لئے کہ ایک قوم کی جغرافیائی حدود میں چند فیصد وسعت آجائے۔ اور انفرادی سطح پر صرف دولت کی ہر روز کتنی خاندانی رقابتیں جنم لیتی ہیں، کتنی خوں ریزی ہوتی ہے، کتنے تصادم ہوتے اور کس قدر تُو تُو میں میں ہوتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں المسیح کا فرمان ہے کہ (۱) ''ہم دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتے'' (۲) لازم ہے کہ اوّلیت خُدا کو ملے۔ یہ نہیں کہ روپیہ پیسہ، مال و دولت اور جائیداد بذاتہ بُری چیزیں ہیں۔ یسوع المسیح کی تعلیمات میں یونانی فلسفے کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ یہ فلسفہ دعوی کرتا ہے کہ غیر مادّی یعنی 'روحانی چیزیں زمینی یعنی طبعی اشیاء سے 'برتر' ہیں۔ نہیں! المسیح نے فرمایا کہ دولت اس لئے لعنت بن سکتی ہے کیونکہ یہ دلوں کو بڑی آسانی کے ساتھ اپنی گرفت میں لے سکتی اور انسان کو مال و زر کی مزید خود غرضانہ ہوس کی طرف لے جاسکتی ہے، اگر خُدا کی بادشاہی کو اوّلیت و افضلیت مل جائے تو ہماری زندگی میں باقی چیزیں خود ہی اپنے اپنے صحیح مقام پر آنے لگیں گی۔ (۳)

درجہ بالا پیرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکیت کے تصوّر میں عیسائیت اسلام کے بین بین ہے، اور وہ اسطرح کہ ایک تمام دنیا کی سرزمین کو ایک اللہ تعالی کی ملکیت تصوّر کرنے کے بعد انسانیت کے حوالہء ملکیت میں کی جاتی ہیں، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ اسلام میں روپیہ پیسہ، مال و دولت اور جائیداد بذاتہ بُری چیزیں نہیں ہیں، بلکہ اسکے مستعمل کے استعمال پر منحصر ہیں کہ وہ باوجود حلال راستوں مثلاً میراث وغیرہ سے حاصل شدہ مال کو ناجائز راستوں پر خرچ کردے گا تو یہی مال و دولت اُس کے لئے وبالِ جان بن جائے گا اور اگر وہ انہیں اپنے گھر سے شروع کرکے اپنے مسلمان بھائیوں کی فلاح و بہبود پر صدقہ و نفاق فی سبیل اللہ کردے گا تو یہ عمل اُس کے لئے جہنّم سے نجات کا راستہ اور جنت الفردوس میں بہتری مسکن حاصل ہونے کا باعث بن جائے گا لہذا اب دیکھتے ہیں کہ بقیہ عیسائیت میں اور کون سے ایسے پہلو جات ہیں جو شخصی ملکیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کی بیخ کنی کرتے ہوں:

بائبل مقدس بتاتی ہے کہ پیسے کے معاملے کے دو بڑے نمایاں حصے ہیں؛ ایک وہ جس کا تعلق خدا سے ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پیسے کے معاملے میں اُلجھاؤ اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان دونوں حصوں کو صفائی سے سمجھ نہیں پاتے۔ خدا کا حصّہ قناعت پسندی کی بنیاد ہے کلام میں خدا اپنے لئے ۲۵۰ سے زیادہ نام پیش کرتا ہے۔ پیسے کے سلسلہ میں جو نام خدا کے حصے کو سب سے بہتر طریقے سے بیان کرتا ہے وہ ''سردار'' ہے۔ زیرِ غور باب اس کتاب کا سب سے اہم حصہ ہے کیونکہ خدا کے بارے میں ہمارا نظریہ ہمارے طرزِ زندگی کا تعین کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے بچّوں اور املاک کی تباہی کے باوجود خدا کی پرستش کرتا ہے وہ خداوند کو جانتا تھا اور یہ بھی کہ وہ اُس کی کل املاک کا مالک ہے۔ اسی طرح موسیٰ نے بھی مصر کے مال و دولت کو ٹھکرا دیا اور خدا کے لوگوں کے ساتھ دُکھ اٹھانا پسند کیا۔ ایوب اور موسیٰ دونوں خداوند کو جانتے تھے، اور انہوں نے اُس کے بطور سردار کردار کو قبول کیا۔ (۴)

---

(۱) فاربیم، بی ڈاکٹر، المسیح کی حیات و تعلیمات، مترجم، عامر، یونس، ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۱۹۹۹ء/ص: ۹۱

(۲) لوقا/۱۶: ۱۳

(۳) فاربیم، بی ڈاکٹر، المسیح کی حیات و تعلیمات، مترجم، عامر، یونس، ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۱۹۹۹ء/ص: ۹۱

(۴) ترجمہ: وکلف اے، سنگھ ڈیٹن، ہاورڈ 'آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر: ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور۔ ۲۰۰۲ء/ص: ۱۵

اہل یہود کی طرح عیسائیوں کے یہاں بھی دیگر مذاہب کو اپنی مشترکہ میراث قرار دیا گیا ہے :

اہل یہود کے طریقوں پر چلتے ہوئے اہلِ کلیساء یعنی عیسائیوں نے بھی دنیا کے تمام مذاہب کو عیسائیت کی مشترکہ میراث قرار دینے کی بے باک کوششیں کی ہیں، جن کی فقید المثال تاریخ وہ ہے جب ۱۰۵۴ء میں کلیسائے مسیحی ٹوٹ کر دو گروہوں میں بٹ گیا تھا، ایک گروہ مشرقی یورپ، مصر و شام شامل تھے اور قسطنطنیہ اُنکا مرکز تھا. دوسرا گروہ یعنی رومن کیتھولک مغربی یورپ پر حاوی اور روما اسکا صدر مقام تھا. اس وقت سے مشرقی کلیساء الگ رہا. پانچسو سال بعد مغربی یورپ میں اصلاحِ مذہب کی تحریک نے پاپائی کلیساء سے جھگڑا کیا. احتجاجی (پروٹسٹنٹ) فرقے جرمنی، فرانس، ہالینڈ اور برطانیہ میں نمودار ہوئے. بعض پروٹسٹنٹ حضرات مسیحیت کا لُبِ لُباب وحی و مکاشفات اور ایک اُخروی زندگی کے عقائد کو سمجھتے ہیں. مگر دوسروں کے نزدیک یہ اس عہد کی جس میں توراۃ و انجیل کی یہ عبارات لکھی گئیں، ذہنیت کی مظہر ہیں. فرقہ اساسیہ Fundamentalist ان عقائد کو لازمی جانتا ہے. جدید خیل والے ایسا نہیں سمجھتے، سینٹ پال نے جس تاریخ کورنتھ کے گرجا والوں کو خط لکھا، اس تاریخ سے آج تک مغربی اور مشرقی کلیساؤں کو ملانے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں. اُن کوششوں میں رومن کیتھولک فرقے نے کوئی حصہ نہیں لیا، کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسیحیت میں وحد پیدا کرنے کا طریقہ پاپائے روما کی اطاعت ہے. مذکورہ بالا کوششوں کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مختلف فرقوں کے دینی مسلک میں اشتراک اور معاشرتی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی مشترکہ تدبیر کی جائے. (مصنف کہتا ہے) کہ ہم امید کرتے ہیں کہ اتحاد کی اس تحریک کو دنیا کے تمام زندہ مذاہب تک توسیع کردی جائے گی. ایک عالمی تہذیب مذاہب کے اشتراکِ عمل کی بنیاد پر تیار ہوسکتی ہے. اسی سے زندگی میں خُدا کی فعالیت کے بارے میں ہماری نظر وسیع ہوگی. تنگ نظری اور تشدّد سے رہائی ملے گی. تمام مذاہب ہماری مشترکہ میراث ہوں گے اور اس میراث کو ہم ضائع نہیں کریں گے.(۱)

درجہ بالا پیراگراف بتلا رہا ہے کہ عیسائیت کے علمبرداروں نے دنیا بھر کے مذاہب کو اپنی مٹھی میں لینے کی صد نہیں بلکہ ہزار سالہ پلاننگ کر رکھی ہے، تب ہی تو اُنکی یہ جرأت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے پاکستان جیسے نظریاتی مملکت پر بھی اپنے مذہبی آزادی کے حق کو اس حد تک جتلایا کہ وہ ملک پاکستان کے وزیر اعظم یا صدر بننے کے خواب دیکھنے لگے ہیں، دیکھئے درج ذیل تحریر خود اُن ہی کی زبانی:

Constitutional and Political Rights:
We are discriminated against in Pakistan on the basis of Religion and are depreived of high civil posts. If we are equal citizens why can't a member of the minority community become the president or prime minister of Pakistan? Th present Constitution doest not even leave room for a Christian to be considered a candidate for that highest post.(2)

---

(۱) ترجمہ: فرید آبادی، سید ہاشمی ، بنجمن براؤن، مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا، شیش محل کتاب گھر، لاہور نمبر ۲، مئی ۱۹۶۲ء/ص: ۱۰۳
Banjemen Brown, Translation of "The East and West Must Meet" A symposium, 1959, Michiagan State University Press.

(2) Channan Op FR James , Christian =Muslim Dialogue in Pakistan , Dominican Vice-Province, Ibn-e-Mariam Pakistan, National Commission for Christain-Muslim Relations, Pakistan, Publisher:Qaumi Advertising, Mool Chand Street Nila Gumbad, Lahore, Pakistan, 1995/Page-145

درجہ بالا حالات کے پیش نظر آئندہ آنے والی دنیا میں عیسائیت کا عروج کس حد تک وجود پا سکے گا، اسکے لئے ایک اور تحریری ثبوت ہمارے نزدیک مسلمانوں کے منہ پر مسیحیت کا زبردست طمانچہ ہے، جو دراصل آج کے اس پُرفتن دور میں مکمل ہوتا نظر آ رہا ہے:

Considerably less florid than much of the 19th century literature, and presaging 20th century missionary relfection on the nature of the task, is the commntary of a missionary to eastern Turkey, C.H. Wheeler. The object of the missionary enterprise should not be a wholesale transfer of the western way of life to Muslim lands, but the introduction of the gospel only as the means for the regeneration of all nations. The missionary must attend only to the "planting" of the Christian church whose members will work for Christ. Voices such as Wheeler's , however, warning against the transplanting of western culture in the missionary effort, were rare at this time. Henry Harris Jessup of the American Presbyterian Mission in Beirut, for example in 1879 herals " the remarkable interposition of the divine providence" in raising up what he calls the two great branches of the Anglo-Saxon Chritian family. England and America, he says, have the political, religious and educational resources for leading "Mohammedans to Christ. Historical realities such as the Christianization of the Saxons in Britain at the same time as the Mohammedan religion arose were part of the divine plan whose fulfilment will come with the march of Western Christian civilization and culture in to the heart of Islam. (1)

یہ ہیں وہ تدابیر جن کے ذریعے مسیحیت براہ راست اسلام پر قابض ہونے کی مکمل سازش کئے بیٹھی ہے، جبکہ مسلم مردوں کی غیرت کو یہ تحریر جھنجوڑ رہی ہے کہ خُدارا رزق کا جو وعدہ تم سے کیا جا چکا ہے، وہ ہمارے اور تمام لوگوں کے درمیان عین الیقین کی مد میں پورا ہو کر رہے گا پھر بھی ہم کیوں سہارا ڈھونڈ رہے ہیں، اور درجہ بالا پیراگرف کی آخری تین لائینیں تو یہ بتلا رہی ہیں، کہ آج میڈیا پر ہونے والے بظاہر پھیلنے والے اسلامی پروپیگینڈے دراصل عیسائیت کے مشن ہی کا حصہ ہیں، جو اس بات کا اشارہ کر رہی ہیں کہ جو حضرات مغربی لباس پہن کر، اور خصوصاً عیسائیوں یا دیگر مذاہب کے مندوبین کو عوام الناس کے سامنے پہلے اسلام کے غلط ہونے کو ثابت کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں، جس سے انکا اسلام کے لئے کتنا خلوص ہے، کا پتہ چلتا ہے اب رہی یہ بات کہ اسلام سے بین المذاہب کلمات کس طرح ممکن ہو سکتے ہیں، تو ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ یہ معاملات Intelectual Forum یعنی بین علماء ہونے تو بہتر ہیں، لیکن انہیں عوام الناس میں عام نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ہمارے فقہائے اکرام کے نزدیک "العوام کالانعام" یعنی عوام الناس نرے بھیڑ بکریوں کے برابر ہیں، کیونکہ وہ ادیان میں اپنی جذباتی رائے زنی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے، تب ہی تو علماء و فقہاء کے ایک خاص طبقے کی ضرورت ہر مذہب میں ہوتی ہے

(1) Edited by:John L. Esposito and Ansari, Zafar Ishaq, "Muslims and the West: Encounter and Dialogue", Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, and Center for Muslim-Christian understanding , Georgetown University, Washington, D.C., 2002/Page-151

عیسائیت میں ملکیت کے ساتھ قناعت پسندی کی اہمیت کو بھی اُجاگر کیا جاتا ہے:

داؤد کی زندگی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اُسے بادشاہ بننے کے لئے ضروری چیزیں ایک ہی بار نہیں دے دی تھیں۔وہ داؤد کو ضرورت کے مطابق عین وقت پر ملیں بعض اوقات خدا نے میری خدمت میں بھی کچھ چیزیں روک لیں۔جب ایسا ہوتا تو میں بڑا شش و پنج میں پڑ جاتا۔ لیکن بعد میں مجھے علم ہوا کہ اگر وہ مجھے جلد مل جاتیں تو میں انہیں دانش مندی سے استعمال نہ کرتا۔(۱) مزید یہ کہ مصنف موصوف نے معاملاتِ دنیاوی (کاروباری) وغیرہ کے لئے خدا سے انسانوں کے نہ صرف تعلقات کی اہمیت پر زور دیا ہے بلکہ قناعت پسندی اور ملکیتِ انسانی کا تعلق بھی خدا کی رضا جوئی میں بتلایا ہے آگے چلکر انہوں نے ملکیت کے تصور کی خاص تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بائبل بڑی صفائی سے بتاتی ہے کہ ہر ایک شئے کا تنہا مالک خدا ہے:'زمین اور اُس کی معموری خداوند ہی کی ہے'(۲) اور یہاں تک کہ خدا کو خاص خاص چیزوں کا نام لے کر مالک بتایا گیا ہے۔(۳) میں اُسے زمین کا مالک کہا گیا ہے:'زمین ہمیشہ کے لئے بیچی نہ جائے کیونکہ زمین میری ہے'اسی طرح (۴) حجی/۸:۲ میں خدا ظاہر کرتا ہے کہ'چاندی میری ہے اور سونا میرا ہے' پھر زبور میں خداوند ہمیں بتاتا ہے کہ'جنگل کا ایک ایک جانور اور ہزاروں پہاڑوں کے چوپائے میرے ہی ہیں'(۵) ہر ایک شئے کا خالق خدا ہے اور اُس نے اپنا یہ حق اپنی مخلوق کو کبھی منتقل نہیں کیا کلسیوں ۱:۱۷ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ'.....اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں'اُس وقت بھی خداوند ہی ہے جو اپنی قدرت سے سب چیزوں کو قائم رکھے ہوئے ہے۔یہ اقرار کہ خدا ہر شئے کا مالک ہے،یسوع مسیح کا ہمارے پیسے اور املاک کا مال بننے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔اگر ہم مسیح کے سچے پیروکار بننا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم اپنی املاک کا حقِ ملکیت خداوند کو دے دیں'اسی طرح تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا'(۶) یہ بات میں اپنے تجربے سے کہہ سکتا ہوں کہ بعض اوقات خدا ہمیں آزمانے کے لئے ہمیں اپنی سب سے عزیز شئے دست بردار ہونے کو کہتا ہے۔کسی کا قول ہے کہ'جب ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ہماری ہر شئے کا مالک خدا ہے تو پیسہ خرچ کرنے کا ہر ایک فیصلہ روحانی فیصلہ بن جاتا ہے۔یہ سوچنا کہیں آسان ہے کہ ہماری املاک اور ہمارا پیسہ جو ہم کماتے ہیں وہ ہماری قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ہمارے لئے اس بات کا یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ میں اس کا مالک نہیں ہوں۔ماڈرن آدمی کہتا ہے کہ'میں اپنی قسمت کا مالک ہوں'اور ظاہر ہے کہ ہماری تہذیب میں ملکیت کا یہ خیال بڑا رچا بسا ہے۔ملکیت سے دست برداری آسان نہیں اور نہ یہ ایک مرتبہ کا معاملہ ہے۔ہمیں بار بار یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ ہماری ہر ایک شئے کا مالک خدا ہے۔(۷)'سب کچھ جو آسمان اور زمین میں ہے تیرا ہے۔اے خداوند،بادشاہی تیری ہے اور تو ہی بہ حیثیت سردار سبھوں سے ممتاز ہے۔اور دولت اور عزت تیری طرف سے آتی ہیں اور تو سبھوں پر حکومت کرتا ہے اور تیرے ہاتھ میں قدرت اور توانائی ہیں اور سرفراز کرنا اور سبھوں کو زور بخشنا تیرے ہاتھ میں ہے'(۸) خداوند مشکل ترین حالات کو بھی کنٹرول کرتا ہے،'میں ہی خداوند ہوں،میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں۔میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں'(۹)

---

(۱) ڈیٹن ہاورڈ ترجمہ:نوکلف اے،سنگھ۔ آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر:ایم آئی کے،۳۶ فیروز پور روڈ،لاہور۔ ۲۰۰۲ء/ص:۲۵

(۲) زبور/۲۴:۱

(۳) احبار/۲۵:۲۳

(۴) حجی/۸:۲

(۵) زبور/۵۰:۱۰

(۶) لوقا/۱۴:۳۳

(۷) ڈیٹن ہاورڈ ترجمہ:نوکلف اے،سنگھ۔ آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر:ایم آئی کے،۳۶ فیروز پور روڈ،لاہور۔ ۲۰۰۲ء/ص:۱۷-۱۸

(۸) تواریخ/۲۹:۱۱،۱۲

عیسائیت میں انفرادی ملکیت کے تصور میں ازدواجی تعلقات کی اہمیت:

عیسائیت میں نکاح کے موضوع کو خدا کی مرضی کے ساتھ جوڑا گیا ہے، جیسا کہ ان کی کتب میں برائے ہدایت یہ لکھا ہے کہ 'ہم نے دیکھا ہے کہ آپ ازدواجی بندھن کے لئے خدا کی مرضی یہ ہے کہ وہ مستقل ہو'(۱) جیسا کہ عہد نامہ جدید میں آیا ہے کہ 'خدا نے کہا- اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں ایک جسم ہوں گے'(۲) چنانچہ نکاح کی حیثیت یہ مقرر کی گئی ہے کہ 'شادی ایک ہی مرد کے ایک ہی عورت کے ساتھ ایک خاص لاثانی رشتے کا نام ہے'(۳) یہاں لفظِ 'لاثانی رشتہ' سے مراد یقیناً، عورت پر مرد کا مالکانہ حق ثابت ہوتا جیسا کہ آگے مصنف لکھتے ہیں: اب اس ازدواجی زندگی کا دوسرا رخ انکی املاک کا جانچنا اور قبضہ یعنی ملکیت میں رکھنا بھی اہم جانا جاتا ہے' اپنی ہر ایک املاک کی فہرست بنائیں مثلاً، مکان، کار، فرنیچر وغیرہ؛ پھر اندازہ لگائیں کہ آپ کون سے شئے فروخت کر سکتے ہیں.(۴) 'آپ کا اپنی چیزوں کے بارے میں روّیہ آپ کے قرض اُتارنے کی کامیابی کا تعین کر دے گا. اپنی چیز کو فروخت کرتے وقت یہ نہ سوچیں کہ آپ کو کتنا نقصان ہوگا یا آپ نے اُسے کتنے میں خریدا تھا، یہ سوچیں کہ آپ کو کیا حاصل ہوگا، جس سے آپ اپنا قرض کم کر سکتے ہیں'.(۵) 'جب آپ اپنے قرضوں پر واجب الادا سُود کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کتنی بھاری قیمت ادا کر رہے ہیں. نیز آپ کو قرض کی ادائیگی کی ترجیحات قائم کرنے میں بھی مدد ملے گی'.(۶) تو گویا ان کے یہاں میاں بیوی کے مشترکہ مال کو قرض اتارنے میں بحر حال ایک بہتر ذریعہ سمجھا جاتا ہے. اور اسی زمرے میں مال و دولت کی نفی محض خدا سے پیار کی علامت بھی بتلائی گئی ہے، جیسا کہ کہا گیا- 'مال و دولت کو خُدا سے زیادہ پیار کرنے والا شخص خُدا سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا،......یسوع مسیح نے ایک دولت مند سے کہا: "اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال اسباب بیچ کر غریبوں کو دے، تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا، اور آ کر میرے پیچھے ہولے، مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا، کیونکہ بڑا مالدار تھا." (۷) اگر دولت غریبوں اور محتاجوں کی بھلائی کے لئے خرچ کی جائے تو ایسے دولت مندوں کو آسمان پر خزانہ ملے گا، تاہم ہمارے......یسوع مسیح نے تنگ دستی، غربت اور بے کسی کی حمایت نہیں کی، نہ آدمی کی تمدنی اور مجلسی اور معاشی زندگی پر کوئی روک لگائی ہے نہ کبھی گداگری کی تائید کی، نہ دولت مندی کی حمایت کی بلکہ فرمایا کہ: "دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے".(۸) "تاہم وہ اپنے ایماندار تابعین سے یہ توقع کرتا ہے کہ اُن کی پاکیزہ زندگی زمین کا نمک اور دنیا کا ایسا نور بن جائیں جو تاریک جگہوں میں چمکیں اور لوگ اُن کے نیک کاموں کو دیکھ کر خدا کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں".(۹) صوفی کے تصوّف سے لوگوں کو فیض رسانی کا مقصد ہے، تاکہ صوفی ہر طرح کے لالچ، خودغرضی، تکبّر اور خودی کو ترک کر دے، اور فقیر، درویش، صوفی سب عاجزی، انکساری اور دل کی غریبی اور مفلسی کی زندگی اختیار کریں، چنانچہ اُن کو فقیری اور درویشی اور صوفی کے نام سے خوشی حاصل ہوتی ہے.(۱۰)

لیکن یہاں ہمیں تاریخی اعتبار سے اس بات پر اعتراض ہے کہ عیسائیت میں عورت کے متعلق یہ غلط نظریہ قائم کر لیا گیا ہے، کہ عورت آدمؑ کو

---

(۱) ترجمہ: وکلف اے سنگھ، ایوون وارن 'ازدواجی زندگی کا آغاز' ناشر ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، س ۲۰۰۱ء/ص:۱۹

(۲) متی-۱۹:۵/بحوالہ، ایضاً/ص:۲۰

(۳) ایوون وارن، ترجمہ: وکلف اے سنگھ 'ازدواجی زندگی کا آغاز' ناشر ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، س ۲۰۰۱ء/ص:۲۰

(۴) ہاورڈ ڈیٹن، ترجمہ: وکلف اے سنگھ، 'آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، س ۲۰۰۲ء/ص:۵۰

(۵) ایضاً (۶) ایضاً/ص:۵۱

(۷) انجیل متی/۱۹:۲۱-۲۲/بحوالہ، خاں، برکت اے، تعارف ناصرہ، کے ایل ڈاکٹر، فلسفہ وحدت الوجود، بیت القدس، پوسٹ بکس 2465، اسلام آباد، اگست س ۲۰۰۳ء/ص:۵۸

(۸) ایضاً/متی ۱۹:۲۳

(۹) ایضاً/متی ۵:۱۳-۱۶

(۱۰) خاں، برکت اے، تعارف ناصرہ، کے ایل ڈاکٹر، فلسفہ وحدت الوجود، بیت القدس، پوسٹ بکس 2465، اسلام آباد، اگست س ۲۰۰۳ء/ص:۵۹

جنّت سے نکالنے کی ذمہ دار ہے، اس بناء پر عیسائیت میں عورت کو گناہ گار اور بدی کی جڑ قرار دیا گیا۔(۱)

'اور خُداوند خُدا، اس پسلی سے جو اُس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اُسے آدم کے پاس لایا'۔(۲)

'آدم نے کہا جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اُس نے مجھے اُس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا جب خُدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ عورت نے کہا مجھکو سانپ نے بہکایا تھا۔۔۔۔ پھر خُدا نے عورت سے کہا۔۔۔ کہ میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤنگا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کریگا'۔(۳)

گویا عورت کو مرد کی ملکیت میں جنّت میں ہی دے دیا گیا تھا، لہٰذا نکاح میں ملکیت میں آنے پر اعتراض کرنے والوں کے لئے یہ باب برائے بحث ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے اگر وہ سمجھیں، کیونکہ آگے انکا خُداوند کہتا ہے کہ:

'میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چُپ چاپ رہے۔ کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اُسکے بعد حوّا اور آدم نے فریب نہیں کھایا، بلکہ عورت نے فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی لیکن اولاد ہونے سے نجات پائے گی بشرطیکہ وہ ایمان اور محبت اور پاکیزگی میں پرہیزگاری کے ساتھ قائم رہیں۔'(۴)

اب یہاں سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ روحانی تعلیماتِ مسیح کھلے لفظوں میں اپنے پیروکاروں کو میانہ روی کا درس دے رہی ہیں، لہٰذا وہ کونسے عوامل ہیں جن کے باعث عیسائیت کو ماننے والے بھی اپنی روش چھوڑ بیٹھے ہیں؟ ہمیں اس سلسلہ میں صرف ایک یہ بات عرض کر دینی ضروری محسوس ہوتی کہ تاریخ کا وہ حصہ جو دنیا میں اقتصادی ارتقاء لیکر آیا تھا وہ محض چند صد پہلے کا ہے، لیکن چونکہ ایسی کوئی تاریخ مکمّل و جامع طور پر دستیاب نہیں جس میں اقتصادیات کے عوامل کو قلمبند کرنے والوں نے مذہبی نقطہ نگاہ کا بھی خیال رکھا ہو، لہٰذا وقت گزرتے گزرتے عیسائیت نے ۱۷ صدیاں گزار دیں لیکن اگر کوئی تاریخی واقعہ سامنے آیا تو ایسا کہ اُس نے پوری دنیا کو اپنے مفروضے میں جکڑ لیا، جسکے لیئے اس میں کوئی شک نہیں کے اُن لوگوں کی محنت اپنی قوم کے ساتھ بالکل پُر خلوص تھی، جسکے باعث انکے مفرضات پوری دنیا کے آگے مثلِ کمال ثابت ہوئے، لہٰذا مسلم احکامات کی اشاعت اور اسلامی سلطنتوں کا مسلسل زوال اس تمام عمل میں کارگر رہا کہ پوری دنیا میں اگر مذہب سے ہٹ کر معاشی نظام پر کسی طبقہ نے کام کیا تو وہ محظ لامذہب نہیں تھا، بلکہ اُس نے مذہب کو اچھی طرح جانچ کر مذہبی لوگوں کے مزاج کو سمجھ لیا تھا، پس اُس نے اقتصادی نظریات پر مذاہب کی گرفت کو کمزور پا کر یہ فائدہ حاصل کیا کہ آج پوری دنیا مسلم ہو یا غیر مسلم تمام کے معاشی عوامل کا دارومدار محض کارل مارکس کے مفروضہ پر عمل پیرا ہونے ہی کا محتاج بن کر رہ گیا، اور ان مفروضات کی شروعات اسطرح ہوتی ہیں کہ 'تاریخی واقعات کی تشکیل میں معاشی اسباب محرکات کی فیصلہ کن کارفرمائی کے مارکسی نظریہ کو تاریخ کی مادّی تعبیر Materialistic Interpretation of History کہا جاتا ہے۔ مارکس کا خیال ہے کہ تاریخ کی تمام اہم اور بڑی جنگیں Wars چاہے مذہبی، اخلاقی تصوّرات یا سیاسی نظریات کے نام پر لڑی گئی ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُنکا اصلی محرّک اور حقیقی غرض وغایت 'مادّی تقاضے' اور 'معاشی ضروریات' ہی ہوتے ہیں۔ اور چاہے خود لڑنے والوں کو اسکا شعور نہ ہو، لیکن انکے 'لاشعور' un-conscious میں معاشی تقاضے ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان مذہب وسیاست کے پردے میں اپنی مادی ضروریات اور معاشی احتیاجات Economic Wants کی تحصیل وتکمیل کرتا ہے۔ اپنی کتاب 'مقدّس خاندان' 'HolyFamily' میں جو سنہ ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی تھی، مارکس کے اس نظریہ کی ابتدائی شکل ملتی ہے'(۵) لیکن اس حقیقت سے

(۱) کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظام کفالت، ایک تحقیقی جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳ء/ص:۲۳۱

(۲) عہد نامہ قدیم، پیدائش/۲:۲۲

(۳) عہد نامہ قدیم، پیدائش/۳:۱۲-۱۷

(۴) عہد نامہ جدید، ا تمتھیس/۲:۱۲-۱۵

(۵) ماہانہ 'معاشیات' کراچی، جلد ۵، شمارہ نمبر ۱۰، اکتوبر ۱۹۵۱ء /ص:۵۰۱

سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا کا ہر نظامِ معیشت دراصل 'تصورِ ملکیت' Concept of Ownership ہی پر قائم ہے. تصورِ ملکیت سے اسکے اساسی اصول اور تفصیلات و جزئیات متعین ہوتی ہیں اور اسی سے اسکے نفاذ کی اثر انگیزی اور نتیجہ خیزی محقق ہوتی ہے. لہٰذا تصور ملکیت کسی بھی نظام معیشت کی تشکیل میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے.(۱) اس تصورِ ملکیت سے جو نظام معیشت تشکیل پائے گا اسکی خاصیت مطالبہ حقوق Demand of Rights ہوگی. جس کا لازمی نتیجہ انفرادی اور اجتماعی حقوق کے درمیان تصادم ہے. اس سے طبقاتی بغاوت اور منافرت میں بھی اضافہ ہوگا اور ملکی پیداوار بھی بہرصورت متاثر ہوگی. حقوق اور مفادات کے اس تصادم کو آج تک دونوں نظام ہائے معیشت میں سے کوئی بھی رفع نہ کرسکا.(۲) جنہیں ہم اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت Socialistic and Capatalistic Systems of Economy کے طور پر جانتے ہیں. چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت نظامِ معیشت دہندہ بنی نوع انسان کو اقتصاد و معیشت کے وہ عظیم انقلابی تصورات اور عملی اصول و ضوابط عطاء فرمائے جس سے بہتر کوئی تصور، فکر یا فلسفہ معرض وجود میں نہیں آ سکتا.(۳) لہٰذا اب یہاں سے اسلامی اصولوں کو عام کئے جانے کا مسئلہ وجود پاتا ہے کہ ہم میں سے ہر ذی شعور اور علم کے طالب کو اس علم میں جو کہ مسلم امۃ کی بقاء حیات و دوام کی جزاء و سزا کے درمیان واضح لکیر ہے، پر نہ صرف خود عمل پیرا ہوں بلکہ دنیا میں اسکو تمام مذاہب کے روحانی فلسفوں سے بالاتر لانے کی سعی کریں، تاکہ مسلم امۃ بالخصوص اور تمام دنیا بالعموم اشتراکی و سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے جان چھڑا سکیں. پس اسلام میں تصورِ ملکیت کا جائزہ لینے سے پیشتر تاریخ کے درجہ ذیل حالات کو بلا تبصرہ ایک نظر ڈال لی جائے تو اسلامی تصورات کی بہتر انداز سے شناسائی ممکن ہو سکے گی.

---

(۱) القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، اقتصادیات اسلام (بنیادی تصورات)، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، اشاعت دوم، نومبر ۲۰۰۴ء/ص:۳۵۴

(۲) ایضاً/ص:۳۵۵

(۳) ایضاً

Economic historians have a rich literature applying economic theory to topics like unemployment, income, trade, and development. These are appealing subjects since they allow the usual statistical analysis of historical data. Researchers are less willing to explore, and journals are less willing to publish, application of economic theory to the history of changes in social institutions. This hesitance is understandable. Social institutions more often must be analyzed without using statistical tools, relying instead on "casual" empirical evidence, examples, and stylized facts. A few researchers do choose as a subject the history of social institutions. As an example, Olson (1982) models several historical trends including the emergence of India's caste system. Posner (1980) uses economic theory to explain the role of the extended family in primitive society. One result of the work by authors like Posner and Olson is to extend the boundaries of what is considered an appropriate subject for economics research. Indeed, a compelling characteristic of this new research in particular and of economic theory in general is its ability to explain a wide variety of human behavior. In this spirit, the following essay reviews an economic theory of religion and uses the theory to explain changes in attitudes toward hell, heaven, and divine retribution in Western Assistant Professor of Economics, University of Michigan-Dearborn, Dearborn, Michigan, 48128. I gratefully acknowledge the contribution of Elaine Clark, whose seminar on medieval history research inspired this paper. Thanks also to Douglass North, Paul Heyne, Richard Roehl, Gerry Moran, and referees for helpful comments. (1)

ترجمہ:

مؤرخین معاشیات کے یہاں بیروزگاری، آمدن، تجارت اور ترقیات سے متعلق کثیر مواد برائے بحث موجود ہے۔ یہ موضوعات انہیں شماریاتی پہلوجات کے جانچنے میں انتہائی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن تاریخی نقطۂ نظر سے ان مضامین کو نہ تو محققین بیان کرنے کو تیار ہیں اور نہ ہی رسائل تحقیق اسکی اشاعت کرنے میں سنجیدہ۔ اس تامل کا شکار ہونے والے وہ عمرانیاتی ادارے ہیں جنہیں اپنے مشاہدات میں بجائے پیچیدہ شماریاتی نقش ونگار قائم کرنے کے صرف تاریخی پہلوجات پر زور دینا چاہئے تھا۔ جیسا کہ ایک محقق باقاعدہ اپنی تحقیق کے لئے عمرانیات کے موضوع کو چنتا ہے۔ اسکی بہترین مثال اوسلن (1982) اور پاسنر (1980) نے اپنی تحقیقات میں جس بہتر سوچ کا اضافہ کیا ہے، جسمیں انسانی فطرت کو معاشیات کے قالب میں ڈھال کر بہت قریب سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ اسی پیرائے میں انکے مضامین نے معاشیاتی مطالعہ کی وسعت کو مذہبی نقطۂ نگاہ سے وسعت عطاء کی ہے جسمیں محض تبدیلی کی وجوہات میں جنت ودوزخ کے تصورات پر مغربی محقق معاشیات کے پروفیسر ایلین کلارک کے کام کا احاطہ کیا گیا ہے۔

---

(1) Religion, Afterlife, and Property Rights in the High Middle Ages. . . . . Brooks B. Hull 3
Vol. 12, No. 1 Spring 1989 / Studies in Economic Analysis

Coincident with the emergence of its centralized organization and particularly beginning in the eleventh century, the Catholic Church's temporal power increased significantly. Pope Leo III had recognized the power of an existing king as early as 800 A.D. by crowning Emperor Charlemagne. But by the beginning of the eleventh century, the church began extending this notion and asserting increased papal authority over heads of temporal kingdoms.

An important Papal assertion of temporal authority came in 1076 A.D. when Pope Gregory VII excommunicated the German King Henry IV. At issue was Henry's attempt to invest a bishop, the papacy having recently begun claiming the sole right to do so. Henry withdrew the bishop's nomination and bowed to papal authority, even crossing the Alps alone in the middle of winter to submit to Gregory. Despite Henry's later victory in the dispute, the mere fact that the Pope could seriously threaten temporal authority made this a critical event in the evolution of church power.

Papal temporal authority continued increasing in the twelfth century. Two crusades were launched. Gothic art and architecture, much of it religiously inspired, highlighted the middle of the century. (1)

ترجمہ:

گیارھویں صدی کے اس دور میں کلیساء کی مرکزیت کو مان لینے کے بعد نہ صرف کیتھولک فرقہ کے چرچ (کلیساء) کو مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ اسکی ضمنی طاقتوں میں واضح اضافہ ہوا اسکے برعکس نویں صدی میں ایک پاپ لیوتھری نے اس وقت کے بادشاہ کی تمام صوابدیدی قوت مان لیا تھا لیکن اس گیارھویں صدی کے شروع میں کلیساء کی طاقت کو پاپ کے احکامات کے ذریعہ اس وقت کی بادشاہت پر ثابت کرنا شروع کردیا اس کے نتیجہ میں سنہ دس سو چھہتر عیسوی میں جب پاپ گریجوری سات جرمن بادشاہ ھنری فور کو معذول کیا، تو اس وقت کے پاپائیت نے اپنے اس اقدام کو اپنا حق تسلیم کرانے کی پوری کوشش کی. بادشاہ ھنری نہ صرف پادری کو اپنی جگہ دینے پر تیار ہوا بلکہ سجدہ تعظیم بھی عطاء کی. جس کے نتیجے میں پاپ کے مکمل اختیارات کو باقاعدہ حکمرانوں کے اختیارات سے بالا کرنے کی کوشش شروع کردی.

An economic theory of religion explains this change and explains other church activities during the High Middle Ages. The economic theory of religion and the church is treated in detail elsewhere (Bold and Hull, 1985) and so is only reviewed here. <u>A church is modeled as a profit maximizing firm. Although a church might be defined legally as a non-profit organization, the assumption of profit maximization is still appropriate</u>. (2)

ترجمہ:

ایک مذہبی معاشی تعلیم کے زمرے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ "کلیساء کو منافع بخش ادارہ قرار دیا گیا ہے" البتہ کلیساء کی عزت رکھنے کی خاطر اسے قانونی طور پر غیر منافع بخش ادارہ کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا ہے لیکن اسکی منافع بخشی کی صلاحیت برقرار رکھی گئی.

(1) Religion, Afterlife, and Property Rights in the High Middle Ages. . . . . Brooks B. Hull 3 Vol. 12, No. 1 Spring 1989 /Studies in Economic Analysis

(2) ibid

دوسری فصل: ملکیت کا تصوّر اسلام کی روشنی میں

اسلام ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ اسمیں انسان کے ایک فطری جذبہ کی تسکین کا سامان ہے، اور اس میں معاشرتی پیش رفت اور اقتصادی ترقی کا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز یہ تمدّنی اور سیاسی آزادی کے بقا کی مادّی ضمانت ہے. اس نے ذاتی ملکیت کو کچھ حدود و قیود کا ضرور پابند بنایا ہے، مگر وہ عام طور پر ذاتی ملکیت کے اُصول کو استحسان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مختلف قوانین و احکام کے ذریعے اُسکی حفاظت کرتا ہے اور اُسکی حفاظت کرتا ہے، اور اسکی اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے. ذاتی ملکیت کے اصول میں کوئی خرابی نہیں بلکہ خرابی تو اُن لوگوں کے اپنے اندر ہے جو اپنی ذاتی ملکیت کو بڑھانے کے لئے دوسرے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں. اگر وہ لوگ ظلم و جور سے باز آجائیں تو یہی دولت اُنکے ہاتھوں میں خیر و اصلاح کا ایک ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے. جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ 'نعم المال الصالحُ للرّجلِ الصّالح' ترجمہ: وہ حلال طریقے سے کمایا ہوا مال کتنا اچھا ہے جو کسی نیک آدمی کے پاس ہو. (۱)

اسلام کے تصوّرِ ملکیت کے لحاظ سے بہت سے انسانی افعال جرائم شنیعہ میں شمار ہوتے ہیں اور اُن جرائم پر گرفت کرنے کے لئے اس کے فوجداری ضابطے میں ایک مستقل سلسلہ قانون شامل ہے. وہ املاک کے استعمال، اُن سے استفادہ اور اُنکے تحفظ کے لئے کچھ حقوق از روئے قانون مقرر کرتا ہے. اور سوسائٹی کو اُن حقوق کی نگہداشت کا ذمہ دار بناتا ہے. پھر یہ اسلام کا مخصوص تصوّرِ ملکیت ہی ہے جس کے تحت بیع و شراء کا ضابطہ ایک خاص شکل اختیار کرتا ہے. پھر یہ اس تصوّرِ ملکیت سے قانونِ وراثت کی تشکیل ہوئی ہے اور عین یہی تصوّرِ ملکیت ہے جو زکوٰۃ وعُشر اور اجتماعی مالیات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک سسٹم وجود میں لاتا ہے. اسی تصوّرِ ملکیت کے تحت فرد اور ریاست کے باہمی معاملات کی حدبندیاں ہوتی ہیں جو اسٹیٹ کو فرد پر ناجائز تصرّف کرنے سے روکتی ہے. چنانچہ اسلام کے قانونِ ملکیت کے تمام بنیادی اصولوں کی وضاحت کے لئے نصوص قطعیہ موجود ہیں اور پھر ان اصولوں سے استنباط کردہ فقہی ضوابط اور قانونی نظائر کا ایک گراں بہا ذخیرہ موجود ہے. (۲)

معاشرے کی جو تنظیم شریعت اسلامی کے پیش نظر ہے وہ افراد کے باہمی تعلقات تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اسمیں انسان کا اپنے خالق سے تعلق فرد اور معاشرے کے اخلاقی پہلو بھی نظر آتے ہیں. یہ نظم اور دیگر ذمہ داریا جو شریعت عائد کرتی ہے، انمیں انسان کا اپنا مفاد اور اسکی اپنی مصلحت ہوتی ہے، یہاں تک کہ عبادات بھی انسان کی اپنی بھلائی کے لئے فرض کی گئی ہیں. اللہ ربّ العزّت تو ہر چیز سے بے نیاز ہے، کوئی اسکی عبادت کرے یا نہ کرے، اسکی بادشاہت میں فرق نہیں پڑتا، چنانچہ جن مصلحتوں کو شریعت نے پیش نظر رکھا ہے، ان میں سے بعض کا تعلق فرد کی ذات سے ہے، اور بعض کا تعلق معاشرے سے ہے، فقہاء معاشرے کے حقوق کو بطور تعظیم، اللہ کے حقوق سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ شخصی حق بھی درحقیقت اللہ ہی کا حق ہے، کیونکہ اسمیں حق اللہ (حقوقِ اللہ) کی جہت بھی موجود ہے. اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگر اللہ چاہتا تو بندے کو بالکل ہی حق نہ دیتا. (۳) فرد کے حقوق بھی دراصل اللہ کے دیئے ہوئے حقوق ہیں. جب معاشرے کے عمومی مفاد سے شخصی مفاد ٹکرا رہا ہو تو ایسی صورت میں معاشرے کے مفاد کو ترجیح حاصل ہوتی ہے،

---

(۱) مترجم: صدیقی، عبدالحمید، یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ، البدر پبلی کیشنز، لاہور، فروری ۱۹۷۸ء/ص: ۳۵

(۲) صدیقی، نعیم۔ اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، اشاعت بار دوم، جون ۱۹۶۹ء/ص: ۸-۹

(۳) ایضاً بحوالہ: الشاطبی/ الموافقات/ ج ۲، ص ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۷۷، ۳۷۸،

کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ یتحمل لضرر لخاص للدفع لضرر لعام ' یعنی ضررِ عام سے بچنے کے لئے خاص کو برداشت کیا جائے گا اس قائدے کی رو سے اُن تفصیلات کے مطابق اختیار کیا جائے گا، جو علماء نے بیان کی ہیں۔(۱) یہی وجہ ہے کہ اسلام کا شخصی ملکیت کے تصور دورِ جدید کے لبرل Liberal معاشروں کے تصورات سے قطعی مختلف ہے، کیونکہ اسلام میں شخصی ملکیت کے تصور کو اسلام کے عمومی مقاصد کے حصول کے ساتھ مقید اور مشروط کر دیا گیا ہے، اسکے ساتھ مالک پر اجتماعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اُسے مقاصد شریعہ کے حصول کا مکلف ٹھہرایا جاتا ہے در اصل یہ نقطہ حضرتِ انسان کے زمین پر خلیفہ ہونے کے اصول کا طبعی نتیجہ ہے اس لئے مالک جب اپنی ملکیت میں موجود اشیاء کو استعمال کریگا اور وہ ان میں کسی قسم کا تصرف کرے گا تو اس موقع پر یہ اصول موثر اور کارآمد ثابت ہوگا اس لئے مالک اپنے حقوق کو محض شخصی اور ذاتی فائدہ کے لئے استعمال نہیں کر سکتا، بلکہ اسے مقاصد شریعہ کو پیش نظر رکھنا ہوگا یا کم از کم ان حقوق کے استعمال میں مقاصدِ شرعیہ کی پابندی کرے گا(۲)

اسلام میں ملکیت کا اصلی حقدار کون ہے:

مذہب اسلام میں لفظ ملکیت کا تصور آتے ہی اس بات کا احساس دلایا گیا ہے کہ پوری کائنات کا حقیقی اور مطلق احسان مالک اور تمام ملکیتوں کا اول ترین اور حقیقی حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے اسلامی تعلیمات کے مطابق اس موضوع پر قرآن کریم کی درج ذیل آیات کی ایک لمبی فہرست ملکیت کے اصلی حقدار کا حقیقی تصور طاری ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

<u>(الف) جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب کچھ اُسی کا ہے!</u>

ولله ما فی السّموات ومافی الارض ۓ والی الله ترجع الامور ٥ (۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

ولله ما فی السّموات ومافی الارض ۓ ویغفر لمن یشآء ویعذب من یشاء ط والله غفور رحیم ٥ (۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے، اور وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے۔

ولله ما فی السّموات ومافی الارض ۓ وکان الله بکل شئی محیطا ٥ (۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر محیط ہے۔

ولله ما فی السّموات ومافی الارض ۓ ولقد وصّینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا الله ۓ وان تکفروا فان لله ما فی السموات ومافی الارض ۓ وکان الله غنیا حمیدا ٥ (۶)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اور واقعی ہم نے اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ بہت بے نیاز ہے اور تعریف کیا گیا ہے۔

ولله ما فی السّموات ومافی الارض ۓ وکفی بالله وکیلا ٥ (۷)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کارساز و کافی ہے۔

---

(۱) صدیقی، نعیم-اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، اشاعت باردوم، جون ۱۹۶۹ء/ص:۸-۹ بحوالہ: الشاطبیؒ/الموافقات/ج۲،ص۳۱۵،۳۶۲،۳۷۸

(۲) ثانی صلاح الدین، خدمتِ خلق ورفاہ عامہ کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں، ثانی، صلاح الدین، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام، پاکستان، علامہ شبیر احمد عثمانی، مارچ ۲۰۰۵ء/ص:۱۶

(۳) قرآن کریم، سورۃ آل عمران/۳:۱۰۹

(۴) ایضا/۳:۱۲۹

(۵) قرآن کریم، سورۃ النساء/۴:۱۲۶

(۶) ایضا/۴:۱۳۱

(۷) ایضا/۴:۱۳۲

وللہ ما فی السّموات ومافی الارض لیجزی اللذین اساء وا بما عملوا ویجزی اللذین احسنوا بالحسنی ٥ (۱)

ترجمہ: اوراللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جوکچھ زمین اور آسمانوں میں ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ بُرے کام کرنے والوں کوانکے اعمال بدکابدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کواچھابدلہ عنایت فرمائے۔

(ب) جوکچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب کچھ اُسی کی ملکیت میں ہے!

وللہ ملک السّموات و الارض ، واللہ علی کل شئی قدیر ٥ (۲)

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، اوراللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔

وللہ ملک السّموات و الارض ومابینھما ، یخلق ما یشآء ، واللہ علی کل شئی قدیر ٥ (۳)

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، اوراللہ تعالیٰ ہر شئے پر محیط ہے۔

وللہ ملک السّموات و الارض وما بینھما ، والیہ المصیر ٥ (۴)

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، اوراسی کی طرف لوٹنا ہے۔

وللہ ملک السّموات و الارض ، ویوم تقوم السّاعۃ یومئذ یخسر المبطلون ٥ (۵)

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل بڑے خسارے میں مبتلا ہونگے۔

وللہ ملک السّموات و الارض ، یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء ، وکان اللہ غفورا رحیما ٥ (۶)

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

وللہ میراث السّموات و الارض ، واللہ بما تعملون خبیر ٥ (۷)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔

اب یہاں آخری آیت میں میراث سے مراد یہ ہے کہ یہ تقسیم دولت اور گردشِ دولت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، جس کے ذریعے کسی بھی معاشرے میں معاشی عدل قائم کرنے میں مدد ملتی ہے، (۸) چنانچہ اللہ تعالیٰ کی میراث وملکیت سے یہاں یہ مراد ہے وہ کہ بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کے منصفانہ نظام تقسیم دولت وملکیت سے مستفیض ہوتے رہیں گے، اور پھر کسی بھی ملکیت میں اپنی اجارہ داری قائم کرتے وقت اُسکے مرتبت عالی اور اپنی نفسی کمزوریوں کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے، صرف اُس ملکیت پر اپنا حق جتائیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے واسطے سے اُنپر حلال کیا گیا ہو نہ کہ انہیں لوگوں کے حقوق میں بلاجواز تصرّف حاصل کر کے اپنی اُخروی زندگی میں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے، مزید اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو کسی کا مال چوربازاری، دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل کرنے پر کوئی حجت قائم نہیں کی جاسکتی کہ چونکہ یہ مال اللہ کا ہے اس لئے اِسے کوئی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ معاملہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص بادشاہ ہو یا فقیر، تنگ دست ہو یا امیر، ہرایک کو مال کے حاصل کرنے میں اسلامی تعلیمات کے عین مطابق مال حاصل کرنے کے جائز راستوں کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اور نہ صرف مال کے حصول میں یہ راستہ بتلایا گیا ہے، بلکہ اُسکے کل وقتی تصرّف اور صرف پر بھی یہی قانون لاگو ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام دیگر مذاہب آسمانی کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ وحدہ لاشریک کو ایک منطقی خُدا

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ النجم/ ۳۱:۵۳

(۲) قرآن کریم، سورۃ آل عمران/۱۸۹:۳

(۳) قرآن کریم، سورۃ المائدۃ/ ۱۷:۵

(۴) قرآن کریم، سورۃ المائدۃ/۱۸:۵ مزید دیکھئے سورۃ النور / ۴۲:۲۴

(۵) قرآن کریم، سورۃ الجاثیۃ/۴۵: ۲۷

(۶) قرآن کریم، سورۃ الفتح/ ۴۸ :۱۴

(۷) قرآن کریم، سورۃ آل عمران/۱۸۰:۳

Hypothetical God نہیں سمجھتا بلکہ انسان بذاتِ خود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تصرّف Control میں سمجھتا ہے، چنانچہ انسان کو کسی چیز کی ملکیت عطاء کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو اس سلسلہ میں حدود و قیود متعین کرنے کا اختیار ہے. قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جو صورت حال اُبھرتی ہے وہ یہ کہ انسان کو اشیاء میں کسی تصرّف کا حق بربنائے خلافت و امانت حاصل ہے. ملکیت کا حصول خلافت ارضی کا ذکر قرآنِ مجید میں اس طرح آیا ہے: (۱)

واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ط (۲)

ترجمہ: ''اور (ذرا یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں.

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ: کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف ۔ منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب ۔ بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں (۳)

اسلام میں ملکیت کی اصل بناء کیا ہے؟

موجودہ زمانے میں ایک بحث چل رہی ہے کہ ملکیت کی اصل بناء کیا ہے؟ سرمایہ یا محنت؟ سرمایہ دارانہ نظام Capitalism میں سرمائے کو ملکیت کی اساس قرار دیا جاتا ہے، جبکہ سوشلسٹ سوسائٹی میں محنت کو ملکیت کی اساس قرار دیا جاتا ہے. اسلام نے ان دونوں کی نفی کی ہے. اس ارشادِ ربانی کو دیکھئے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ تمہاری ملکیت کی اساس اور بنیاد ہماری عطاء ہے. یعنی یہ امانت ہے.

در حقیقت مالک ہر شئے خدا است ۔ ایں امانت چند روزہ نزد ماست ۔

یعنی ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اُس نے یہ سب چیزیں چند روز کے لئے بطور امانت ہمیں دی ہیں. یہی بات جب قرآنِ کریم کی جانب سے ہمیں ملتی ہے تو اسکا رخ براہِ راست خالق و مالک کی جانب ہو جاتا ہے. (۴)

ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون ٥ نزلا من غفور رحیم٥ (۵)

ترجمہ: جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا اور جس چیز کو تم طلب کرو گے، وہ تمہارے سامنے موجود ہوگی. اس لئے کہ تم اپنے پروردگار کی مہمانی میں ہو گے. یہ اُسکی طرف سے مہمانی ہے.

اسلامی تعلیمات، عقائد اور عبادات انسان کو اس بات کے لئے تیار کرتے ہیں کہ وہ ہر ملکیت کے حصول، تمتع اور تصرف سے متعلق ہدایاتِ ربانی کو تسلیم کرے اور اس سلسلہ میں وارد تمام تر پابندیوں کو قبول کرے. مؤمن کے لئے یہ ایک بالکل فطری بات ہے کہ وہ اپنی دولت سے متعلق مالکِ حقیقی جل شانہ کی ہدایت و رضامندی کو ہر آن ملحوظ رکھے، وہ قارون کی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ (۶)

قال انمآ اوتیتہ علی علم عندی ط ٥ (۷) ترجمہ: (قارون نے کہا) یہ (دولت و ثروت) میرے اپنے علم کی بناء پر مجھے حاصل ہوئی ہے.

---

(۱) علوم فی القرآن۔ تحقیقی مقالات۔ اقبال، رانا۔ قرآنی تصورِ ملکیت، اصلاحی، عبدالعظیم، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار۔ لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۱۲۶

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ البقرۃ /۲:۳۰

(۳) چغتائی، محمد اشفاق، شعلۂ نوا، مدیر، سلیمان طاہر، ماہنامہ الفجر، کراچی، جلد ۵، شمارہ ۸، اپریل ۱۹۹۳ء/ص:۲۸

(۴) ملک، غلام مرتضیٰ ڈاکٹر، سورۃ یسین کی منتخب آیات کی تفسیر، المیزان سہ ماہی، جنوری تا مارچ 1999ء، اسلام آباد/ص:۱۱

(۵) قرآنِ کریم، سورۃ یسین/ ۳۱-۳۲

(۶) علوم فی القرآن۔ تحقیقی مقالات۔ اقبال، رانا۔ قرآنی تصورِ ملکیت، اصلاحی، عبدالعظیم، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار۔ لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۱۲۶

(۷) قرآنِ کریم، سورۃ القصص/ ۲۸:۷۸

اور یہ بات اُس نے کیونکر کہی تھی، اس آیت سے پیشتر آیت میں اسکی وضاحت آچکی ہے کہ:

ان قارون کان من قوم موسی فبغی علیھم ص و اٰتینه من الکنوز ما ان مفاتحه لتنوٓا بالعصبة اولی القوة ق اذ قال له قومه لا تفرح ان الله لا یحب الفرحین o (۱)

ترجمہ: "قارون تھا تو قوم موسیٰ ہی سے، لیکن اُن پر ظلم کرنے لگا تھا، ہم نے اُسے خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بہ مشکل اُسکی کنجیاں اٹھا سکتے تھے۔ ایک بار اُسکی قوم نے اُس سے کہا کہ اِترا مت اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ہے۔"

اور نہ ہی وہ قوم شعیب کی طرح یہ احتجاج کر سکتا ہے کہ (۲)

قالوا یشعیب اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد اٰبآؤنآ او ان نفعل فی اموالنا ما نشؤا ط انک لانت الحلیم الرشید o

ترجمہ: "اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آئے ہیں، یا ہم اپنے مالوں میں من مانی کرنے سے باز آجائیں"۔ (۳)

اسلام حقوق ملکیت کا سب سے متوازن نظام پیش کرتا ہے:

ملکیت کے تصور کی جنگ محض کوئی مفروضہ نہیں بلکہ منطقی اعتبار سے یہ معیشت کے اصول مرتب کرنے کی خاطر اہم ترین عنصر element ہے جواز خود انفرادی ہو یا اجتماعی ہر اُس دولت کی نگہبانی کرتا ہے، جسے انسان نے قدرت کی عطاء، جیسے میراث وغیرہ یا پھر اپنی ہنرمندانہ کاوشوں سے جنہیں محنت کا لقب دیا جاتا ہے، حاصل کیا اور جو بعد میں انسان ہی کی پرورش میں خاطر خواہ ایک خادم کی طرح سے کام میں آتی ہے۔ لہذا دیکھنا یہ ہے کہ کیا انسان کی ملکیت، اللہ تعالیٰ کی ملکیتوں کے بالمقابل کیا حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں اس بات کے جاننے کی ضرورت محض اسلئے پڑی ہے کہ ہم یہ جان سکیں کہ ایک فرد کا حقِ ملکیت دوسرے فرد انسانی یا ریاست کے مدِ مقابل کیا حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کے جاننے کے لئے ہمیں سب سے پہلے مراتب کا جاننا ضروری ہو جائے گا لہذا جہاں تک اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انسان کے مقام اور مرتبے کا تعلق ہے، وہ بالکل متعیّن ہے۔ آدمی اللہ تعالیٰ کا عبدِ مملوک اور اسکا نائب و پیش کار ہے۔ اور خود اسکے دل و دماغ سے لیکر زمین و آسمان اور ضروریاتِ زندگی ہر چیز تک جو کچھ بھی موجودات ہیں سب کی سب اللہ تعالیٰ کی ملک اور (انسان کے) استفادہ کے لئے اُسکی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے سامنے تو انسان کی مالکانہ حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتی کہ ایک عبدِ صالح: جو ہر وقت یہ احساس کرے کہ وہ اپنی املاک کا مالک نہیں، "امین" Trustee ہے۔ اور صرف اُن املاک پر اکتفاء کرے جو قانونِ الٰہی کی رو سے جائز ہوں اور کسی ایسی چیز میں تصرّف نہ کرے جس پر الٰہی ضابطے کی رو سے اسکا جائز حق قائم نہ ہوتا ہو۔ اپنی املاک کو صرف اُن مقاصد کے لئے اور صرف اُن طریقوں سے استعمال کرے جو قانونِ الٰہی کی رو سے جائز قرار پاتے ہوں۔ (۴)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا سب سے بڑا انسان پر یہ حق ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ کو اُسی کے بتلائے ہوئے طریقے پر پہچان نہ صرف خود کرے بلکہ تمام عالم میں کرائے۔ اور یہ بھی حق ہے کہ اغیار کے طریقوں میں اللہ کی ذات کا تعارف نہ کرائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذات جو "اللہ" ہے، یہ عربی زبان میں وہ واحد لفظ ہے جسکے کوئی معنی نہیں بنتے، اور اسکے مدّ مقابل جو حروفِ مقطعات ہیں انکے معنی کے بارے میں اللہ کے

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ القصص/ ۲۸:۷۶

(۲) علوم فی القرآن۔ تحقیقی مقالات۔ اقبال، رانا۔ قرآنی تصورِ ملکیت، اصلاحی، عبدالعظیم، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار۔ لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص: ۱۶۵

(۳) قرآن کریم، سورۃ الھود/ ۱۱:۸۷

(۴) صدیقی، نعیم، اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، جون ۱۹۶۹ء/ص: ۱۵-۱۶

نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اُنکا جاننے والا ماسوائے اللہ کے اور کوئی نہیں''. لہذا اللہ تعالیٰ کے اس اسم ذات کا پہلا حق یہ ہے کہ نہ تو کسی اور زبان میں اسکا ترجمہ کیا جائے، اور نہ ہی کوئی لفظ مثلاً 'خدا' ، 'بھگوان' ، 'رام' ، God یا Lord وغیرہ سے نہ تو تبادل کیا جائے اور نہ ہی انکا ترجمہ کیا جائے اور ساتھ ہی، فی زمانہ جونئی تخریب دیکھنے میں نظر آ رہی ہے اور بہت تیزی سے پھیل رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ ذات سمیت، قرآن و دیگر اسلامی تقدّسات کا کسی بھی زبان میں transliteration کیا جارہا ہے، جیسے لفظ 'اللہ' کو انگلش میں 'Allah' لکھا جارہا ہے، چنانچہ یہ ایک شیطانی حربہ سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ آنے والے مستقبل میں آنے والی نوجوان نسل لفظِ اللہ کی روحانیت وچاشنی ہی سے محروم رہ جائے گی اور یوں اغیار کی چالوں کو کوئی مسلم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا. اللہ تعالیٰ ہمیں اسکا حق ادا کرنے کی سعادت بخشے، آمین!

انسان میں ملکیت کا احساس کب بیدار ہوتا ہے :

انسان کے اندر ''انا'' کا جو طبعی احساس پایا جاتا ہے، ملکیت کی ساری اہمیت اسی کے محور پر گردش کرتی ہے. جیسا کہ ایک بچہ جونہی یہ محسوس کرتا ہے کہ اسکا ایک مستقل وجود ہے. وہ کچھ آلات واعضاء ایسے رکھتا ہے، جن پر اُسی کا اپنا ارادہ حُکمران ہے تو اس احساس سے ملکیت کا شعور جنم لیتا ہے. اور پھر یہ برابر نشونما پاتا چلا جاتا ہے. جو چیز آدمی میں ''میں''، ''تم'' اور ''وہ'' کا امتیاز پیدا کرتی ہے، وہی اس میں ''میرا''، ''تمہارا'' اور ''اُسکا'' کا امتیاز بھی پیدا کردیتی ہے، ایک آدمی جس طرح بے بس ہے کہ ''میں'' اور ''تم'' کو الگ الگ پہچانے، اسی طرح وہ بالکل غیر اختیاری طور پر ''میرا'' اور ''تمہارا'' کے درمیان بھی خطِ فاصل کھینچتا ہے. پھر اسمیں ''میں'' اور ''میرا'' کی حس ''میری محنت'' اور ''میری کوشش''، ''میری کمائی'' وغیرہ کے تصوّرات کو وجود دیتی ہے. اور ان سارے تصوّرات سے ''میری ملکیت'' کا جامع شعور نمودار ہوتا ہے.(۱) دراصل ملکیت کے جذبہ کی جڑیں آزادی اور جذبہ اختیار سے سیراب ہوتی ہیں، آدمی اس بات کا طبعاً ضرورت مند ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ممکن حدود میں آزاد اور دوسروں کی مداخلت سے محفوظ ہو.(۲) لہذا ان حقوق ملکیت کو جائز حدود میں اسلام نے ہر دوسرے نظامِ زندگی کے مقابلے میں زیادہ وسعت اور فراخی کے ساتھ کام کیا ہے اور اُنکی حفاظت کی گارنٹی دی ہے.(۳) چنانچہ نبی پاک ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں اس گارنٹی کو قطعیت کے ساتھ بطورآخری وصیّت کے بیان کیا ہے کہ: ''تمہاری جانیں اور تمہارے اموال واملاک ایک دوسرے پر اُسی طرح حرام کردیئے گئے ہیں جس طرح تمہارا یہ حُرمت والا شہر (مکہ) ہے''.(۴)

''قال فان دمائکم و اموالکم واعراضکم و ابشارکم علیکم حرام، کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا ، الی یوم تلقونه''-(۵)

اس گارنٹی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا کی تکوینی اور اساسی ملکیت کی نفی کی جارہی ہے، بلکہ یہ انسان کی امانتی ملکیّت ہی کے تحفظ کا سامان ہے، 'امانتی ملکیت' کا تصور اسلام میں اتنا بودا نہیں ہے کہ کوئی فرد، جماعت اور پارٹی، حُکمران اور لیڈر، وزارت اور اسمبلی سے اُٹھے اور انسانی ملکیتوں کو یہ کہہ کر کالعدم قرار دیدے کہ ملکیت حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ہے، انسانوں کو کیا حق کہ وہ امانتی ملکیت پر اجارہ جمالیں، اگر کوئی طاقت ایسا کرتی ہے تو وہ گویا خُدا کے مقرّر کردہ امانت داروں کو اُنکی جگہ سے ہٹاتی بھی ہے اور خود کو اٹھا کر خُدائی دعویداری کے مقام پر بھی جا پہنچاتی ہے اس استدلال سے تو خُدا کی امانتی ملکیت پر خطِ تنسیخ پھر جاتا ہے.(۶)

---

(۱) صدیقی، نعیم، اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغِ راہ، کراچی، جون ۱۹۶۹ء/ص:۱۹

(۲) ایضاً/ص:۲۰

(۳) ایضاً/ص:۲۱

(۴) ایضاً/دیکھیے حاشیہ ص:۲۱

(۵) نثار احمد، ڈاکٹر، خطبہ حجۃ الوداع، بیت الحکمت، لاہور ۲۰۰۵ء ، دفعات خطبہ نمبر۳-۷/ص:۱۷۶

(۶) صدیقی، نعیم، اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغِ راہ، کراچی، جون ۱۹۶۹ء/ص:۲۲

اسلام میں ملکیت کی اہمیت و اقسام:

ملکیت لفظِ مِلک سے مشتق لفظ ہے، جسکے معنی قبضہ، ملکیت یعنی کسی شئے کا مالک اور قابض ہونا ہے۔(۱) ملکیت باعتبار محل یعنی جس پر ملک واقع ہو تین طرح پر تقسیم کی جاتی ہے یعنی ملکیت عین، ملکیت منفعت اور ملکیت دین۔

۱- ملکیت عین کا تعیّن:

جسے ملک رقبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس شئے کی ذات اور اس کا مادہ مملوک ہو جیسے سامان اور جانور وغیرہ۔ جیسے اموال منقولہ کی ملکیت اور جیسے زمین، گھر اور دوکانیں وغیرہ، جیسے جائیداد یعنی اموال غیر منقولہ کی ملکیت۔ (۲) واضح رہے کہ وہی "عین شئے" ملکیت کو قبول کرتی ہے جس سے حاصل ہونے والی منفعت کو شریعت نے حرام قرار نہ دیا ہو۔ اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ جس شئے کو مال شمار نہیں کیا جاتا اس کی منفعت بھی نہیں ہے جیسے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض۔ اسی طرح وہ اشیاء جن کی منفعت تو ہے مگر شریعت نے ان کی منفعت کو حرام قرار دیدیا ہے، مثلاً مسلمانوں کے حق میں مردار، خمر، خنزیر۔ ان اشیاء کا نہ کوئی مسلمان مالک ہوتا ہے اور نہ یہ ملکیت کو قبول کرتی ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله حرم بيع الخمر و الميتة والخنزير والاصنام فقيل يا رسول الله أرأيت شحوم الميتة فانه يطلى بها السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس فقال لا، هو حرام، قال رسول الله صلى الله عليه و سلم عند ذالك قاتل الله اليهود ان الله لما حرم شحومها جملوه ثم باعوه فأكلو ثمنه. (۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے خمر، مردار، خنزیر اور بتوں کی فروخت کو حرام قرار دیا ہے، عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ مردار کی چربی کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ جس سے کشتیوں پر تیل لگایا جاتا ہے، چمڑے کو چکنا کیا جاتا ہے اور روشنی کے لئے جلایا جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ بھی حرام ہے۔ بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کا برا ہو اللہ تعالیٰ نے جب ان پر چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اسے نکھار کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعن الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فباعوها فاكلو اثمانها، ان الله اذا حرم على قوم اكل شيئ حرم عليهم ثمنه. (۴) ترجمہ: "اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی کو حرام قرار دیا گیا تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی، درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کسی شئے کے کھانے کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی ان پر حرام قرار دیتا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کہ سورۃ المائدہ کے نزول جو ابن کثیر کے مطابق حضرت محمد ﷺ کے وصال سے ۸۰ روز پیشتر واقع ہوئی، اسکی تلاوت کی جانب جب اماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبیرؓ بن نضیر کو راغب کی تو فرمایا کہ یہ سورت سب سے آخر میں اُتری اسکے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔(۵) تو گویا ایک مکمّل و جامع سورت بغرض حلال و حرام کی تمیز سکھلانے کی خاطر قرآنِ کریم کی زینت بنی اُسکے باوجود یہود و نصاریٰ نے کسی بھی ندامت و شرمندگی کا احساس کئے بغیر آپ علیہ السلام پر نازل شدہ وحی کا بھی اُسی ہٹ دھرمی سے عملی انکار کئے رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خرید فروخت کا حرام اور غیر شرعی ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ شئے ملک نہیں بنتی، غرض کسی شئے کی ملکیت اور کسی کا اس کے ساتھ اختصاص اسی لئے ہوتا ہے کہ اس سے انتفاع کیا جائے۔ اگر کوئی شئے ایسی ہو جس کی کوئی منفعت نہ ہو یا منفعت تو ہو مگر شریعت نے اسے ممنوع قرار دیدیا ہو تو اُس

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، لاہور، جلد ۲۱/ ۱۹۸۷ء/ص: ۵۶۹

(۲) کتاب: اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر ۲، فصل اوّل، ص ۴۴- ۴۵ ، مزید دیکھیں، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ف ۱۱۱

(۳) ایضاً/ صحيح البخارى، حاشية السندى، البيوع، بيع الميتة والاصنام ۹۲/۲، سنن ابى داؤد، البيوع، ثمن الخمر والميتة ۱۰۳/۲

(۴) ایضاً/فصل سوم، ص ۵۰-۵۱ مزید دیکھیں: صحيح البخارى، البيوع لايذاب شحم الميتة ۲۷/۲، سنن ابى داؤد، البيوع، ثمن الخمر والميتة ۱۰۳/۲

(۵) تفسیر ابنِ کثیر، مترجم و مطبوعہ خاں، محمد داؤد مولوی، مدرسہ تجمیہ دہلی کالونی، کراچی، ستمبر ۱۹۶۸ء جلد سوئم/ص: ۱۶۱

کے ساتھ اختصاص عبث ہوگا اور اس پر ملکیت کے نتائج و اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔(۱) جیسا کہ فرمایا علامہ ایوب دہلویؒ نے کہ جو کام بقائے حیات میں داخل نہیں ہے وہی حرام ہے، کوئی کام ایسا کرنا پڑے گا جو فوراً یا کسی وقت آگے چل کر انسانی زندگی میں دخیل ہو، ایسے تمام کام جائز اور حلال ہیں.(۲) سبحان اللہ ہمارے اکابرین کتنی آسان دلیل سے حلال وحرام کو سمجھا گئے.اے کاش تمام عالم کے انسان بالعموم اور مسلم امۃ بالخصوص اچھی طرح سے ان دلائل کو سمجھ کر اپنی عاقبت کی فکر کرنے والے بن جائیں.(آمین)

۲- ملکیت منفعت کا تعین:

ملکیت منفعت یہ ہے کہ انسان کسی شئے کی اصل (عین) کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اس سے استفادہ کا حق رکھتا ہو۔ جیسے ملکیت منافع کے شرعی اسباب کے تحت مثلاً اجارہ یا عاریت وغیرہ کے ذریعہ حاصل شدہ کتاب کا پڑھنا، اوزار و آلات کا استعمال کرنا اور دوکانوں اور گھروں میں رہائش اختیار کرنا۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں ملکیت عین اور ملکیت منفعت میں ایک طرح کا تلازم **Attachment** اور تبعیت **Subordinatedness** پائی جاتی ہے جبکہ بعض دیگر صورتوں میں ان دونوں کے درمیان یہ تلازم اور تبعیت موجود نہیں ہوتی۔

۳- ملکیت دین کا تعین:

ملکیت دین مثلاً کسی کے ذمہ کسی کی کوئی رقم عائد ہو، مثلاً خریدار کے ذمہ فروخت شدہ شئے کی قیمت، قرض لینے والے کے ذمہ بدل قرض، اور کسی شئے کے تلف کردینے والے کے ذمے اس شئے کی قیمت وغیرہ۔ غرض دین اسی وقت کہلاتا ہے جب کسی کے ذمہ کوئی رقم لازم ہو۔ ودیع (امین) کے پاس مالک کے جو نقود بطور ودیعت محفوظ ہیں وہ دراصل ملک عین کے طور پر ہیں کیونکہ یہ متعین امانت ہیں اور ودیع کے ذمہ لازم ہے کہ اس کی حفاظت بھی کرے اور جب مالک مطالبہ کرے تو اسی طرح بعینہ واپس کرے۔ ودیع کو اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ ودیعت کو اپنی تصرف میں لے آئے اور اس جیسی (مثل) لوٹا دے۔ اگر ودیع نے ودیعت میں تصرف کرلیا تو وہ غاصب تصور ہوگا اور ضامن ہوگا اور دیگر دیون (مالی واجبات) کی طرح اس ودیعت کی قیمت کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم آئے گی۔(۳)

اسلام میں ملکیت کی خصوصیت و اہمیت:

ملکیت کی بعض خصوصیات ہیں جو ملکیت کی مختلف اقسام میں ہر قسم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں۔ نیز ملکیت کے ان خصائص کا تعلق بعض اوقات ملکیت میں بعض ایسی صلاحیتیں اور شرعی اعتبارات ہیں جن کے تحت ملکیت کی بعض اقسام اپنی نوعی ساخت کے لحاظ سے اور ان میں کارفرما قانونی پہلوؤں کے لحاظ سے بعض تصرفات اور احکام کو قبول کرلیتی ہیں، جبکہ بعض دیگر اقسام ان تصرفات اور احکام کو قبول نہیں کرتیں۔ ملکیت کا حق مذکورہ حدود کے اندر رہتے ہوئے مطلق ہے۔ البتہ اسلامی شریعت نے اس استعمال میں عدم اضرار بحق غیر (کسی دوسرے کو مضرت نہ پہنچے) کی قید عائد کی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تمام حقوق کے استعمال میں شریعت کی جانب سے یہی شرط عائد ہوتی ہے کہ حق کے استعمال میں دوسرے کی مضرت کا پہلو نہ ہو، اس لئے کہ فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''لاضرر ولاضرار'' ترجمہ: 'نہ از خود کسی کو مضرت پہنچانا جائز ہے اور نہ مضرت کے بدلے مضرت پہنچانا روا ہے' (۴)

---

(۱) اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر۲، فصل سوم، ص ۵۰ اور ۵۱ مزید دیکھیں: علی خفیف الملکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۶۲

(۲) دہلوی، محمد ایوب، حافظ العلامہ، مقالات ایوبی، مکتبہ رازی، ۱۵ شہاب مینشن، محمد بن قاسم روڈ کراچی، س ن، حصہ سوئم/ص: ۲۹۱

(۳) اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر۲، فصل سوم، ص ۵۲ مزید دیکھیں: الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید فقرہ نمبر ۱۱۱

(۴) ایضاً/باب نمبر سوم/ص ۹۵

انفرادی یا شخصی ملکیت کا وجوب قرآن سے ثابت ہے :

انفرادی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے قانونی حق جو کسی کو عطاء کیا ہے وہ پہلا فرد واحد ہے، جو اپنی ذات میں تصرّف کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ تصرّف یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو زندگی عطاء کی ہے اسکا بہترین استعمال کرنے کا اُسے پورا پورا اختیار دیا ہے، لیکن اُسے راہ سے بھٹکنے کے لئے انبیاء علیہم السلام والا راستہ بتلایا ہے۔ چنانچہ فرد کا اوّل درجہ کا حقِ ملکیت اُسکی اپنی زندگی کا موت سے حفاظت کے لئے بندوبست کرنا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اُسے ایک عمدہ ماحول و معاشرے کی ضرورت ناگزیر ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اُسے زندگی کا ڈھب یوں دیا ہے کہ: **ولا تکسب کل نفس الا علیھا** ط(۱) ترجمہ: 'ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اُسکا ذمہ دار وہ خود ہے'۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو دوسرے پر تصرّف کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ اُسکا جواز ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی دلالت قائم ہو جائے جو اس تصرّف کے جواز کی نشاندہی کرتی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بات بتائی ہے کہ ہر شخص کے افعال کے احکام کا اُس کی ذات کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کسی اور کے ساتھ نہیں۔ اس حکم کے عموم کے تحت یہ استدلال کی جاتا ہے کہ بالغ باکرہ لڑکی کا اسکی اجازت کے بغیر نکاح کرا دینے کا جواز ممتنع ہے۔ نیز ایک شخص پر اپنی املاک کی فروخت پر لگنے والی پابندی باطل ہے، اسی طرح ایک عاقل بالغ انسان کا خواہ وہ نادان ہی کیوں نہ ہو اپنی ذات پر تصرّف کرنا جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی کا خود ذمہ دار ہے۔(۲) اور دنیا و آخرت کے اس تصوّر میں ملکیت کا خاص پہلو یہ ہے کہ جو اصول اس دنیا میں انسان کی ذات سے واسطہ ہے وہی کل آخرت میں رہے گا۔ لہٰذا قول باری تعالیٰ ہے : **ولا تزروا وازرۃ و زر اُخری** - اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص سے کسی اور کے گناہ اور جُرم کی بنیاد پر مؤاخذہ نہیں کریں گے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ باپ کے گناہ کی بیٹے کو سزا نہیں دیں گے۔(۳) لیکن قانونِ فطرت ایسا خوب تر ہے کہ باپ کے مال پر بیٹے کو وارثت میں جو تصرّف حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس کا اصول بھی مرتّب فرما دیا:

للرّجال نصیب مما ترک الوالدن والاقربون ص وللنّسآءِ نصیب مما ترک الوالدن والاقربون مما قلّ منه او کثر ط نصیبا مفروضا o (۴)

مردوں کیلئے اس مال میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصّہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے۔

اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچّوں کو وراثت سے حصّہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصّہ دار ہوں گی، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصّہ لڑکے کے حصّے سے نصف ہے، یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اسکا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اسکا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اُسے

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ الانعام/۶:۱۶۴

(۲) الجصاص الحنفی، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مترجم مولانا عبدالقیوم، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد ۵/ص:۱۷

(۳) ایضاً/جلد ۵، ص:۱۷

(۴) قرآن کریم، سورۃ النسآء/۴:۷

ادا کرتا ہے، اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لئے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا، لیکن اللہ تعالی نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔(۱) تب ہی اللہ تعالی نے اُن لوگوں کو جو حجت کر بیٹھے کہ اللہ تعالی لوگوں کو جہنم میں ڈالے گا تو یہ انسانیت پر ظلم ہے، لہذا اللہ تعالی کا قانون یہ ہے کہ ہر کسی کو متنبہ کر دینے کے بعد فرمایا کہ:

وما انا بظلّام للعبید ۝ (۲) چنانچہ اللہ تعالی نے اپنی کائنات کی اشیاء جو انسان کی خدمت و اغراض استعمال بنائی تھیں سب کی سب انسان کی ملکیت میں عطاء کر دیں۔ جیسا کہ فرمایا: اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینآ انعاما فھم لھا مالکون ۝ (۳)

ترجمہ: کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سے انکے مویشی پیدا کئے ہیں اور اب یہ اُن کے مالک ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ افراد کو اس اجازت ہے کہ وہ زمین، مکان، باغات، چوپائے، سیم و زر و غیرہ شخصی ملکیت میں رکھیں۔ ان آیات کے علاوہ زکوۃ کا نظم، وراثت کا قانون، دوسروں کی ملکیت کے سرقہ پر حد کا اجراء شخصی ملکیت کے اعتراف کی طرف واضح طور پر اشارہ کرتے ہیں۔(۴) چنانچہ اسلام میں 'ملکیت کا حصول' اس سے انفادہ اور اس میں تصرّف مالکِ حقیقی اللہ سبحانہ وتعالی کی مرضی اور حکم کے تابع ہوگا۔ کسبِ ملکیت کی اجازت صرف حلال ذرائع سے دی گئی ہے۔ پیداواری عمل اور کمائی کے لئے فرد کی اپنی محنت و حرفت، مُردہ زمینوں کو قابل کاشت بنا نے کا عمل، مبادلہ کے اعمال جیسے تجارت و مضاربت، حبہ، وصیت اور وراثت حصول ملکیت کے جائز ذرائع میں شامل ہیں۔(۵) اور صرف ان ذرائع کو اپنانے کی ممانعت کی گئی ہے جو اخلاقی یا سماجی طور پر ضرر رساں ہیں، یہ وہ ذرائع ہیں جنمیں غریا دوسروں کا استحصال ہوتا ہے یا جو ''اکل المال بالباطل'' پر منتج ہوتے ہیں قرآن مجید نے خاص طور پر قمار بازی، سرقہ، رشوت اور غبن جیسے ذرائع کو اپنانے سے روکا ہے۔(۶) یہاں لفظ 'اکل المال بالباطل' سے مراد دوسروں کے مال کو حرام طریقے سے کھانا ایک نہایت وسیع اصطلاح ہے۔ جس میں وہ تمام ذرائع آمدنی شامل ہوں گے جو سماجی یا اخلاقی طور سے غیر پسندیدہ ہیں۔(۷)

الغرض قرآن کریم میں انفاق کی جتنی آیات آئی ہیں ان سب سے یہ مراد ہے کہ قرآن نے انفرادی ملکیت تسلیم کرنے میں اشیاء منقولہ وغیر منقولہ وغیرہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کی اور ان میں سے کسی کے درمیان بحیثیت ''نفس ملکیت'' کوئی فرق نہیں بیان کیا۔ تا ہم وہ ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کی تحدید ضرور کرنا چاہتا ہے اور اس ملکیت میں اس قسم کی وسعت دینا ہرگز پسند نہیں کرتا جس کی بدولت اُسکے اقتصادی نظام کی بیان کردہ اساس و بنیاد پر زد پڑے اور اسکا مقصد اصلی فوت ہو جائے۔ اسی بناء پر اوّل وہ تمام اشیاء کے بارہ میں بنیادی طور پر یہ حکم دیتا ہے کہ وہ ''مباح الاصل'' ہیں یعنی وہ کسی کی ذاتی و شخصی ملک نہیں ہیں بلکہ خالقِ کائنات نے اُن کو تمام افرادِ انسانی کے لئے یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے مخلوق کیا ہے۔(۸)

---

(۱) یوسف، صلاح الدین حافظ تفسیر، دیکھیں فٹ نوٹ/ص: ۲۲۳

(۲) قرآن کریم، سورۃ ق/۵۰:۲۹

(۳) قرآن کریم، سورۃ یٰس/۳۶:۷۱

(۴) الجصاص الحنفی، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مترجم مولانا عبدالقیوم، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد ۵/ص: ۱۶۹

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً/ص: ۱۷۰

(۷) ایضاً/ص: ۱۷۱

(۸) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، حضرت مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۲ء/ص: ۳۱۵

ملکیت وشرکتِ ملک کے مابین تعلق اور انکی مختلف انواع :

ملکیت خواہ زمین کی ہو یا مال ومتاع میں کسی بھی شئے کی ہو، انسان کا تعلق اسلام نے بڑے اصولوں پر مرتب کیا ہے. جسمیں یہ بات سر فہرست ہے کہ معاشی مسائل کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انسان اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت قرار دے دیتا ہے اور مادیت میں پھنس کر رہ جاتا ہے. کیونکہ وہ اپنی کُل کائنات انہی مادی اشیاء کو سمجھنے لگتا ہے اور اسی طرح وہ خواپنے شیشے کو اپنے پتھر سے توڑ ڈالتا ہے. وہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ منزل اور راستے میں کیا فرق ہے؟ مال اور دولت اور زمین مقصد نہیں، مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں- مال اسی وقت مال تصور ہوتا ہے جب انسان سے بطور مال حاصل کرے اور اپنے پاس رکھنے یعنی مال کا انسان سے قانونی اور مالی خصائص عطا کرتا ہے. اسلامی شریعت نے انسان اور مال کے درمیان اس تعلق کا اعتراف کر کے اس پر اس کے نتائج اور ثمرات مرتب کئے ہیں انسان اور مال کے درمیان پائے جانے والے اس تعلق کا نام 'ملک' یا 'ملکیت' ہے۔

انسان اور مال کے درمیان اس قانونی تعلق کے قائم ہونے کے بعد انسان "مالک" کہلاتا ہے اور مال "مملوک" کہلاتا ہے. ملکیت اسی وقت محقق ہوتی ہے جب مملوک شئے پر قبضہ پایا جائے. خواہ یہ قبضہ براہ راست ہو یا اس کے سرچشمے کو تحویل میں لینے سے ہو. اس معاملے میں کسی شئے کا کسی سے خاص 'اختصاص' ہونا بھی قبضہ 'حیازہ' کے قائم مقام ہے جیسا کہ ہم ان بعض میں دیکھتے ہیں جو بعض فقہاء کے نزدیک مال ہیں جیسے دین' قرض' بحیثیتِ مالی واجب' Financial liability اور خاص راستے کا حق مرور. صاف ظاہر ہے کہ یہ منفعت کے قبیل سے نہیں ہے ورنہ دوسرے کو اس کی اجازت کے بغیر گزرنے کی اجازت نہ ہوتی بلکہ یہ اختصاص ہے کیونکہ اس پر معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ مال تصور ہوتا ہے، غرض جو شئے حیازہ (قبضہ) میں لے لی جائے اور اس سے انتفاع جائز اور شرعاً ممنوع نہ ہو تو وہ مملوک ہو جائے گی اور جو قبضہ میں نہ آئے وہ بدستور مباح اور غیر مملوک رہے گی کیونکہ ملک کی بنیاد اختصاص منع اور تعامل ہے یعنی کوئی شئے کسی کے ساتھ خاص ہو جائے وہ شخص دوسروں کو اس سے روک سکے اور اس شئے پر معاملات کئے جاسکیں جبکہ مباح شئے میں معاملات جاری نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ سب کے لئے ہے اس سے نہ کسی کو روکا جاتا ہے اور نہ وہ کسی کو دی جاتی ہے۔(۱)

نوعِ اوّل: شرکتِ ملک کیا ہے؟

شرکتِ ملک یہ ہے کہ کسی چیز کے دو یا زیادہ افراد مالک ہوں. اس شرکت کی دو قسمیں ہیں. (الف) ملکیت شرکاء کے فعل سے پیدا ہو. اور (ب) شرکاء کے فعل وارادہ کے بغیر پیدا ہو.

پہلی قسم کی صورت یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد کسی چیز کے خریدنے میں شریک ہوں یا کوئی چیز دو یا زیادہ افراد کو ہبہ کی جائے اور وہ اسی پر قبضہ کر لیں یا اُن کے لئے کسی چیز کی وصیت کی جائے اور وہ وصیت قبول کر لیں. تو ان تینوں حالتوں میں تمام شرکاء کے لئے ان اشیاء میں ملکیت ثابت ہو جائے گی.

دوسری قسم کی صورت یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد وراثت میں کسی چیز کے مالک بن جائیں مثلاً اولا د وراثت میں مکان کی مالک ہوگئی. شرکتِ ملک کی دونوں قسموں کا موضوع کبھی کوئی چیز ہوتی ہے جیسے گھر کہ ایک سے زیادہ افراد کی ملکیت میں ہو اور کبھی قرض ہوتا ہے کہ ایک شخص مر جائے اور اُسکا ترکہ لوگوں پر قرضہ کی صورت میں ہو تو ورثاء قرض کے وارث ہونگے. اور یہ قرض تمام ورثاء کی ملک ہوگا یا ایسی بیع کی ثمن جسے اسکے مالکوں نے ادھار فرخت کر دیا ہو. شرکتِ ملک کا یہ حکم ہے کہ کوئی ایک شریک اپنے ساتھی کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور ہر شریک اپنے ساتھی کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے.(۲)

---

(۱) کتاب: اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر۲/ص:۳۸، مزید دیکھیں: ابوزہرہ، ونظریہ العقد ص۰۷

(۲) زیارت گل، عبدالحق، مولانا ڈاکٹر، مضاربت اور بلاسود بینکاری، ناشر، مکتبہ غفوریہ نزد جامعہ اسلامیہ درویشیہ، مطبع ایجوکیشنل پریس، کراچی، شعبان ۱۴۲۲ھ/ص:۱۹۰

نوعِ ثانی: کیا انسان ہر کس و ناکس شئے پر ملکیت قائم کر سکتا ہے؟

اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ انسانوں کے اور اشیائے دنیاوی خواہ وہ مال کی صورت ہو یا کسی بھی لائق تصرف شئے کی صورت ہو، ملکیت کیسے قائم ہوگی۔ اور اسکے جاننے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے ذرائع پیداوار کی تنظیم میں سب سے زیادہ اہمیت مسئلہ ملکیت کو دے دی گئی ہے۔ انفرادی و اجتماعی، عارضی و دائمی وغیرہ قسم کے مسائل ایسے تباہ کن بن گئے ہیں کہ انہوں نے انسان کو اصل مقصد سے منزلوں دور کر دیا ہے اور خلق خدا کی حقیقی خوشحالی و فارغ البالی اس کشمکش کی نذر ہو کر رہ گئی ہے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ علمگیر انقلابات اور طبقاتی فسادات کی جڑ ہمیشہ یہی مسائل رہے ہیں، (۱) جو کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے ایک خاص ترتیب سے طے کئے جانے پر پیچیدہ نوعیت سے نکل کر معمولی نوعیت کا رہ جاتا ہے:

'بانه اتصال شرعی بین الانسان لشیئی یطلق تصرفه فیه و یمنع من تصرف فیه.'

ترجمہ: انسان اور شئے کے درمیان ایسا شرعی تعلق جو اس کے تصرف کو بے قید بنا دے اور دوسرے کو اس میں تصرف سے روک دے۔ (۲)

ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاء نے تمام تعریفات کو مدنظر رکھ کر ملکیت کی جامع اور مختصر الفاظ میں تعریف کی ہے:

'اختصاص حاجز شرعا یسوغ صاحبه التصرف الالمانع'

ترجمہ: کسی شئے پر کسی کا ایسا خصوصی حق جس سے وہ قانوناً دوسرے کو روک سکے اور خود یہ صاحب حق تصرف کر سکے الا یہ کہ کوئی مانع موجود ہو۔ (۳)

ان ہی تشریحات و تخصیصات سے یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں بعض اشیاء کو عام فائدہ کی خاطر سب کے لئے یکساں طور مباح قرار دیا ہے اور اس لئے ان اشیاء کے متعلق کسی فردِ واحد یا چند افراد، جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ 'مفادِ عامہ کے خلاف' اُن کو اُن کے تخلیقی مقام پر اس طرح اپنے قبضہ و تصرف میں کر لیں کہ وہ حکومت کو مقررہ منافع یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان اشیاء کے مالکِ کُل اور اجارہ دار بن بیٹھیں۔ البتہ ہر ایک فرد یہ حق ضرور رکھتا ہے کہ ان اشیاء کے مقام وقوع سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق جس قدر اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے وہ بلاشبہ اسکی ملکیت سمجھی جائے۔ اسکے برخلاف خلافت (حکومت) کا یہ حق ہے کہ وہ ان اشیاء کی افادیت کو عام کرنے کے لئے ان نظم و ضبط اپنے ہاتھ میں لے۔ اُن کی درآمد کا انتظام و انصرام کرے اور جمہور کی ملکیت کے نام پر اُن میں معاشی نظام کی بہتری کے لئے جس قسم کا تصرّف مناسب سمجھا کرے۔ (۴)

اس سلسلہ میں اسلام نے دو بنیادی اصول مقرر کئے ہیں۔ (الف) عمل اور (ب) حسن عمل کی جزاء۔ ضرورت و صلاحیت کے لحاظ سے تقسیم رزق میں عدل ہو اور 'حسن عمل' (یعنی کارکردگی) کی بناء پر انعام و اکرام، تاکہ ایک طرف ہر شخص کو اسکی ضروریاتِ زندگی فراہم ہوتی رہیں اور دوسری طرف جد و جہد اور سعی و عمل کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ بھی سرد نہ ہونے پائے۔ (۵)

اسکی واضح دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیتِ مبارکہ ہے: **ان الله یامر کم بالعدل والاحسان** ٥ (۶) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

---

(۱) امینی، محمد تقی مولانا، اسلام کا زرعی نظام، مجلسِ نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۷ء/ص:۱۶

(۲) کتاب: اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر۲، ص ۴۱

(۳) ایضاً/ص ۴۲

(۴) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، حضرت مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء/ص:۳۱۶

(۵) امینی، محمد تقی مولانا، اسلام کا زرعی نظام، مجلسِ نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۷ء/ص:۱۷

(۶) قرآن کریم سورۃ النحل/ ۱۶:۹۰

نوعِ سوئم: تملیک واباحت میں تمیز کیسے کی جائے گی:

فقہاء تملیک اور اباحت یعنی ملکیت اور اجازت، میں فرق کرتے ہیں، اباحت کسی شئے کو صرف کرنے یا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اباحت سے یہ شئے مملوک نہیں بن جاتی بلکہ درحقیقت اباحت تملیک سے کم تر درجہ ہے۔ اگر کسی نے کسی شخص کے لئے یہ مباح Permissible قرار دے دیا کہ وہ اس کے کھانے میں سے کھالے یا اس کے باغ کا پھل کھالے تو اس اجازت سے یہ شخص اس کھانے یا پھل کا مالک نہیں بن جائے گا اور یہ حق نہیں ہوتا کہ اسے فروخت کردے یا کسی اور کو کھانے کی اجازت دیدے۔ اس کو صرف اتنا حق ہے کہ وہ خود کھالے کیونکہ مالک ہی کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے یا اپنی چیز کسی کے لئے مباح قرار دے سکتا ہے جبکہ مباح لہ (جسے کھانے کی اجازت دیدی ہے) مالک نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس امر کی اجازت دیدی کہ وہ اس کا جو سامان یا کپڑے وغیرہ چاہے استعمال کرسکتا ہے تو مباح لہ (جسے اجازت دی گئی ہے) وہ خود تو ان اشیاء کو استعمال کرسکتا ہے مگر کسی دوسرے کو نہ عاریت پر دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو استعمال کی اجازت دے سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مالک کا کسی کو اپنی کسی شئے کا مباح قرار دینا نہ ہبہ ہے اور نہ عاریت بلکہ محض اجازت اور سہولت ہے۔(۱) اسکے برعکس کسی شئے کا صرف وہ استعمال ممنوع ٹھہرایا جاسکتا ہے جسے قانون نے اخلاقی مفسدات کی وجہ سے حرام کردیا ہو، مثلاً تلوار کو بلاحق کسی کے قتل یا قطع اعضاء کے لئے استعمال کرنا۔(۲)

المجلہ میں ہے: الاباحہ ھی الترحیض والاذن (۳) ترجمہ: 'اباحت ایک سہولت اور اجازت ہے۔' لیکن اگر ایسے دلائل موجود ہوں جس سے یہ پتہ چلے کہ اس سے مراد ہبہ یا اعارہ ہے تو اس صورت میں (اباحت) عین شئے کے مالک بنانے یا اس کی منفعت کا مالک بنانے کا سبب بن جائے گی مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ مجھے فلاں شئے ہدیہ دیدے اور عاریت دیدیجئے تو اور وہ شخص کہے کہ میں نے اسے تیرے لئے مباح کردیا تو اسے لے لے تو اس صورت میں اباحت دراصل مجازاً، ہبہ یا اعارہ کی ایک تعبیر ہے۔(۴) یہاں پر قرآنِ کریم کی اس آیت سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ: **یآیھاالذین امنوا لا تدخلوابیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تُسلموا علی اھلھا.... فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یؤذن لکم**ہ (۵)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ پوچھ نہ لو، اور جب داخل ہو تو اُس گھر والوں کو سلام کرو.....اور اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ تاوقتیکہ تم کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سکونت کے لیئے بھی زمین کے شخصی قبضہ وملکیت کی توثیق کرتا ہے، اور ایک مالک کے اس حق کا استقرار کرتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کے حدود میں قدم نہ رکھے۔(۶) لہٰذا اس بات سے ثابت ہوا کہ اجازت نامہ محض اباحت ہے نہ کہ ملکیت، لیکن ملکیت ہی اباحت کی اجازت ہونے کو ظاہر کرسکتی ہے، جیسے کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو اپنے دوست کے گھر میں میزبان کی اجازت کے بغیر داخل نہیں کرسکتا، جو معاشرتِ انسانی کا ایک معمولی لیکن جامد اصول ہے۔

---

(۱) اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر ۲/ص ۴۳

(۲) صدیقی، نعیم، اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، جون ۱۹۶۹ء/ص: ۲۵

(۳) اسلامی قانون اور تصور ملکیت، باب نمبر ۲، ص ۴۱ بحوالہ المجلہ ۳، والفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ف ۱۳۹

(۴) ایضاً/ص ۴۴

(۵) سورۃ النور/ ۲۷-۲۸

(۶) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مسئلہ ملکیت زمین، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، نومبر ۱۹۸۰ء/ص: ۲۵

نوعِ چہارم : قبضہ تامہ کو ملکیت کی علت قرار دیا جاتا ہے :

کسی بھی چیز کے مالک ہونے کی علتِ تامہ 'قبضہ' ہے، مگر قبضہ کے لئے ضروری ہے کہ تام ہو یعنی حقیقی اور مستقل ہو، اور قبضہ کا مطلب کسی چیز کا مٹھی میں ہونا نہیں ہے. بلکہ مجاز بالتصرف ہونا ہے، لہٰذا چور اور غاصب کا جو قبضہ ہے وہ حقیقت میں قبضہ ہی نہیں، کیونکہ چور اور غاصب مالِ مسروق اور شئی مغصوب میں شرعاً تصرف کے مجاز نہیں ہیں، اور 'حقیقی قبضہ' وہ ہے جس کو حسبِ حکم شرع قاضی بھی برقرار رکھے، اور اس قبضہ کو ختم کرنے کا قاضی کو بھی اختیار نہ ہو، اور 'مستقل' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبضہ اصلی ہو، عارضی نہ ہو، لہٰذا جو قبضہ عارضی اور مجازی ہوگا وہ تام نہیں ہوسکتا، جیسے شئی مرہون پر مُرتھِن کا قبضہ، مالِ یتیم پر اسکے سرپرست کا قبضہ، عاریت کی چیز پر عاریت پر لینے والے کا قبضہ، اور ودیعت و امانت پر اس شخص کا قبضہ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے، یہ سب قبضے حقیقی اور مستقل نہیں، بلکہ حقیقی اور اصلی قبضہ مالک کا ہے اور وہ ان حضرات کے قبضہ کے ساتھ متصف ہونے کے لئے واسطہ فی العروض ہے، لہٰذا اُنکا اتصاف مجازی ہے، نیز ان حضرات کا قبضہ عاری اور وقتی ہے، مالک جب چاہے اُن کے قبضہ کو ختم کرسکتا ہے. اور بیع و شراء اور صدقہ و ہبہ وغیرہ ملکیت کی علتیں نہیں ہیں، بلکہ اسباب ہیں جن کو مجازاً علت کہا جاتا ہے ج ورنہ حقیقی علت قبضہ ہے، کیونکہ مباح الاصل چیزیں جیسے جنگلی اور دریائی جانور اور جنگلی درخت اور پھل جو ملک میں آتے ہیں، تو وہ صرف قبضہ کی وجہ سے آتے ہیں، بیع و شراء وغیرہ اسباب ملک کا وہاں پتہ بھی نہیں ہوتا، بلکہ بیع و شراء وغیرہ امور قبضہ کے بعد ہی متحقق ہوسکتے ہیں. اسی لئے کوئی چیز خریدنے کے بعد جب تک اُس پر قبضہ نہ ہوجائے اُسکا بیچنا جائز نہیں ہوتا، کیونکہ اگر چہ وہ چیز خریدی جاچکی، مگر خریدنا ملکیت کی علت نہیں ہے، جب قبضہ ہوگا تبھی مشتری مبیع کا مالک ہوگا، اور اسکے بعد ہی بیچنا جائز ہوگا. اگر خریدنا ملکیت کی علت ہوتا تو خریدتے ہی مشتری مالک ہوجاتا، اور اسکا بیچنا جائز ہوتا، مگر ایسا نہیں ہے ھے پس معلوم ہوا کہ بیع و شراء وغیرہ ملک کی علتیں نہیں ہیں بلکہ اسباب ہیں.(۱)

بیع کی شکل یعنی نکاح معروف کے ذریعے عورت مرد کی ملکیت میں آجاتی ہے:

جس طرح دنیا کی تمام چیزیں قبضہ کی وجہ سے مملوک ہوسکتی ہے، اسی طرح عورتیں بھی مردوں کی مملوک ہوسکتی ہیں، کیونکہ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (روم، ۲۱) ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے تمھاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم کو اُن کے پاس آرام ملے، اور اللہ تاعلی نے میاں بیوی کے درمیان محبت و مہربانی پیدا کی.

''لام'' درحقیقت تملیک کے لئے ہوت ہے، جیسے للہ مافی السموات والارض o میں ''لام'' برائے تملیک ہے، لہٰذا پہلی آیت سے ثابت ہوا کہ دنیا کی تمام چیزیں انسانوں کی مملوک ہیں، یعنی اللہ تاعلی کی حکمت تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے، لوگوں کی ضرورتوں کا انتظام ہے، کوئی چیز فی حدّ ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں ہے، بلکہ ہر چیز اصل پیدائش کے اعتبار سے تمام لوگوں میں مشترک ہے، یعنی ہر چیز من وجہ سب کی مملوک ہے، ہاں جھگڑا ختم کرنے کے لئے، اور انتفاع کو ممکن بنانے کے قبضہ کو علتِ ملک قرار دیا گیا ہے، اس لیئے جب تک کسی چیز پر کسی شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے کوئی دوسرا شخص اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا لہٰذا اس آیت کے معنی یہی ہونگے کہ تمام مستورات مردوں کی ملک ہیں، یعنی مردوں کی حاجت روائی کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے، مگر مشترک طور پر انتفاع میں چونکہ سخت جھگڑے کا اندیشہ ہے، اسلئے ملکِ خاص ضروری قرار پائی اور اس کے لئے بھی علتِ تامہ، قبضہ ہی ٹھہرایا گیا، اور عقدِ نکاح کو اس کے لئے منجملہ، اسباب گردانا گیا ہے.(۲)

---

(۱) دیوبندی، محمود حسن، مولانا شیخ الہند، ادلہ کاملہ، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی نمبر ا، س ن/ص: ۱۳۳

(۲) ایضاً/ص: ۱۳۸

کیا نکاح سے عورت غلامانہ ذہنیت کی طرح ملکیت میں آتی ہے:

شیخ الھند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، کہ عقد نکاح کی حقیقت بیع ہے، اجارہ نہیں ہے، اجارہ نہیں ہے، کیونکہ اجارہ کے لئے یا تو مدّت متعین ہونی چاہئے، یا کام محدود ہونا چاہئے، ورنہ اجارہ فاسد ہوگا۔ کتب فقہ میں ہے کہ:

"اجارہ کی صحت کے لئے منافع کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور منافع کبھی مدت طے کرنے سے معلوم ہوتے ہیں، جیسے رہنے کے لئے گھر کرایہ پر لینا، کاشت کے لئے زمین کرایہ پر لینا، اس وقت درست ہوگا جب اسکی مدت مقرر کی گئی ہو، اور کبھی منافع کا علم کام کی تعیین سے ہوتا ہے، مثلاً کپڑا رنگنے کے لئے، یا سینے کے لئے کسی کو مزدور رکھا، یا کوئی سامان ڈھونے کے لئے، یا سفر کرنے کے لئے سواری کرایہ پر لی، تو ان صورتوں میں اس کام کی مکمل تفصیلات معلوم ہونی ضروری ہیں، جس کے لئے اجارہ کا معاملہ کیا گیا ہے۔"

اور نکاح کی نہ تو کوئی مدّت متعین ہوتی ہے، نہ کام کی کوئی حد مقرر ہوتی ہے، اس لئے نکاح اجارہ کا معاملہ نہیں ہوسکتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر نکاح اجارہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ متعہ (مقررہ مدت کے لئے نکاح) درست ہوتا، نکاحِ معروف جو ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، اور اس میں کوئی مدّت متعین نہیں ہوتی درست نہ ہوتا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ خُلع اور طلاق یک طرفہ عمل ہیں، طلاق کا پورا اختیار شوہر کو ہے، اور خُلع کی پیش کش عورت کی طرف سے ہوتی ہے، اس لئے طلاق، اعتاق (آزاد کرنے) کے مشابہ ہے، جو مالک کی طرف سے ہی ہوتا ہے، اور خُلع عقدِ کتابت (یعنی کوئی غلام، باندی اپنے آقا سے متعیّن رقم کی ادائیگی کی شرط پر آزادی کا معاملہ کرے) کے مُشابہ ہے جو مملوک کی مرضی سے ہوتا ہے، اور رِقّیت (غلام ہونا) ملکیت پر مبنی ہے، لہٰذا نکاح کا مدار بھی اُسی پر ہوگا، اور یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جب نکاح کی حقیقت بیع ہو، اجارہ نہ ہو۔ جب یہ ثابت ہوا کہ نکاح کی حقیقت بیع ہے، تو اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ عقدِ نکاح کے ذریعے عورت کیا چیز شوہر کو فروخت کرتی ہے؟ کیا اپنا سراپا (سارا جسم) بیچتی ہے، یا صرف اپنا بُضعہ (توالد و تناسل کی صلاحیت) بیچتی ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ نکاح میں عورت کے سارے جسم کی خرید و فروخت نہیں ہوتی ہے، نہ عورت اپنے سارے جسم کو بیچنے کی مجاز ہے، بلکہ معاملہ صرف بُضعہ کا ہوتا ہے، باقی بدن عورت کی ملکیت میں رہتا ہے۔(۱)

اور نکاح کی بنیادی وجہ تو وہی ہے، جس کے لئے کائناتِ انسانی کی بقا اور اسکے تحفظ کے لئے ربّ العزّت نے توالد و تناسل کو سلسلہ جو جاری کیا ، مرد اور عورت کے نام سے دو جنس پیدا کیں، باہم دونوں میں جذب وکشش کے فطری جذبات ودیعت کئے گئے۔ ہر صنف میں دوسری صنف کی طلب کا تقاضا محفوظ کیا گیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے اور یہ ایک واقعہ ہے، ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری بنکر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد، کامل مرد رہتے ہوئے، عورت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اسی طرح عورت، عورت کے لباس میں رہتے ہوئے، مرد کے بغیر زندگی مطمئن نہیں گزار سکتی۔(۲) لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ عورت کا مرد کی ملکیت میں بعوض نکاح کے آنا، کسی بھی صورت میں فطری ہم آہنگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے مترادف تو ہوسکتا ہے، لیکن کسی بھی صورت غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ نہیں ہوسکتی۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرد و زن کے حقوق میں اسلام نے جو اصول ہمیں دیئے ہیں وہ کسی بھی صورت مالک وغلام میں یکجا نہیں ہوسکتے، جیسا کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ:

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ ۝ (۳)

ترجمہ: جس طرح کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی کے مثل خود عورتوں کے بھی حقوق قاعدہ کے مطابق ہیں اور مردوں کا اُن کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

---

(۱) دیوبندی، محمود حسن، مولانا شیخ الہند، ادلہ کاملہ، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی نمبر ا، س ن/ص: ۱۴۱

(۲) ظفیر الدین، محمد مولانا، اسلام کا نظام عفت وعصمت، مکتبہ مدنیہ، اچھرہ، لاہور، س ن/ص: ۲۸

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ البقرۃ ۲/۲۲۸

لہٰذا درجہ بالا آیت کے زمرے میں زن وشوہر کی باہمی زندگی میں مرد کی صدارت سے جولوگ یہ مطلب پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنادیا ہے، سراسر بے جا اور ہٹ دھرمی ہے۔(۱) یہی وجہ ہے کہ صدارت کے لئے مرد کا نام لینے کے باوجود قدرت کا منشا یہ ہے کہ سارے امور باہمی مشورے سے طے کئے جائیں اور اس طرح کہ جو کام انجام پائیں وہ باہمی رضامندی اور خوشنودی سے قرآنِ پاک نے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا (نان نفقہ) ہے، اس مقام پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو۔(۲) قرآن پاک نے بیان کیا ہے:

فان ارادفصالا عن تراض منهما وتشاور فلا جناح عليهما ٥ (۳)

ترجمہ: پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جو کام انجام پائے حتی الوسع باہمی مشورے سے انجام پائے۔(۴) چنانچہ باہمی مشورہ کرنے والی شخصیت 'عورت' بحیثیت 'بیوی' کسی بھی صورت میں غلامانہ ذہنیت کے طریقے سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ بلکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو جو احترام و اکرام اللہ تعالیٰ کے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے وہ دنیا کی کس بھی تنظیم برائے حقوق النساء نے تاریخ میں نہیں کہا، کہ: اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ - (۵) ترجمہ: ساری دنیا فائدہ اٹھانے کے لیئے ھے اور دنیا کی سب سے اچھی فائدہ مند چیز ایک نیک بیوی ھے. اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنی عورت کے ساتھ جنسی تعلقات کو باعث اجر فرما کر اور تعظیم و تکریم فرمادی: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہاری صنفی تعلق پر اجر ہے، صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم میں سے اگر کوئی اپنی خواہش نفس کی تسکین کرتا ہے تو اس پر بھی اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اس خواہش کو حرام طریقے سے پورا کرتا تو گناہ ہوتا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں! فرمایا - اگر کوئی حلال طریقہ پر اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو اس پر اجر ہے۔(۶) چنانچہ ہمارے نزدیک یہ بات قابل تعریف ہوگی کہ اگر علمائے اسلام اپنی توجہ اس طرف مبذول کریں کہ خورد و نوش اور لباس وغیرہ ہی انسانی ضروریات نہیں بلکہ انسان کے اندر اور بھی بہت سے جذبات ہیں جو اس سے باصرار اس بات کا مطالبہ کر رہے ہوتے ہیں کہ اُنکی تسکین کی جاوے ان میں سے ایک جذبہ جنس جبلتِ جنس ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے کوڑا (flog) بنایا ہے، جس کی چوٹ انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ زمین کی آبادی اور نسل انسانی کی بقاء کے سلسلے میں منشائے الٰہی کو پورا کرے۔ انسان اس جبلت کو بالکل دبانے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ شرعی حدود کے اندر اس کی تسکین کے لئے نکاح کا حکم دیتا ہے۔ اُس نے تجرّد (virgin) اور خصّی ہوجانے اور جبلتِ جنس کو دبانے کی ہر صورت سے منع فرمایا ہے۔(۷)

---

(۱) ظفیر الدین، محمد مولانا، اسلام کا نظام عفت و عصمت، مکتبہ منذریہ، اچھرہ، لاہور، س ن/ص:۲۴۹

(۲) ایضاً/ص:۲۵۱

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۳۰

(۴) ظفیر الدین، محمد مولانا، اسلام کا نظام عفت و عصمت، مکتبہ منذریہ، اچھرہ، لاہور، س ن/ص:۲۵۱

(۵) صحيح مسلم، باب الوصية بالنساء، ۱۹/۶۱/۱۴۶۷/ص:۲۶۷

(۶) ایضاً

(۷) قادری، طاہر رسول، اسلام کا نظام کفالت، البدر پبلی کیشنز اردو بازار، لاہور، اپریل ۱۹۸۹ء/ص:۱۹۹

اسلام سے پیشتر دورِ جاہلیت کے نکاح پر ایک نظر:

اس موقع پر یہ بات صرف نظر سے خالی رہ جائے اچھا محسوس نہیں ہو رہا لہذا چند لمحے کے لئے یہ اس موضوع کو بھی دیکھ لیا جائے کہ دورِ جاہلیت میں نکاح سے کیا مراد تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں:

۱- ایک طریقہ تو یہی تھا جو آجکل رائج ہے۔

۲- اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ حیض کا خون جب تیرا بند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا۔ جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا، چنانچہ جب غیر مرد کا حمل نمودار ہو جاتا۔ اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس جاتا، ایسا جاہلیت میں اس لئے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو اس کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا۔ گویا تخم حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

۳- تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے، مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی۔ عورت کو جب حمل ظاہر ہوتا، بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوئے کچھ دن گزر جاتے، تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی۔ یہ عورت کہتی، تم اپنے معاملہ سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لئے آیا کرتے تھے، میرے بچہ پیدا ہوا ہے، یہ تمہارے بچہ ہے تم اپنی پسند سے اسکا کوئی نام رکھو، چنانچہ یہ لڑکا اس شخص کا ہو جاتا جس کا عورت نام لیتی، مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

۴- کچھ عورتیں ایسی تھیں جنکے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے، یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں، جسکا جی چاہتا، انکے پاس جاتا، جب اُن کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا، اور وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا، وہ بچہ اسی کا ہو جاتا۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں کہ تمام ناجائز صورتوں کو آنحضرت ﷺ نے بند کیا۔(۱)

" فلما بعث محمد ﷺ بالحق هدم نكا الجاهلية كله الا نكا الناس اليوم "(۲) ترجمہ: "محمد ﷺ جب حق لیکر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلی نکاحوں کو بند کیا، صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے"۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت و عفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی، جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ عورت اور اسکی عفت و عصمت کے متعلق جاہلی احساسات، دنارت و رذالت کے کن حدود تک پہنچ چکے تھے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی، اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی۔(۳)

۵۸۱ء میں رومۃ الکبریٰ جیسے ترقی یافتہ مرکز روحانیت میں عورتوں کی حالت لونڈیوں سے بدتر تھی۔ ان پر جانوروں کی طرح حکومت کی جاتی تھی ان پر جانوروں کی طرح حکومت کی جاتی تھی اور یقین کیا جاتا تھا کہ اس طبقے کو آرام پہنچانا بنی نوع انسان پر ظلم کرنا ہے۔(۴) بعد کے ادوار میں مسیحیت نے مرد و عورت کے جائز تعلق، شادی اور نکاح کو ایک ناپسندیدہ فعل قرار دیا اور عورت سے دور رہنے اور تجرد کی زندگی پر زور دیا ممتاز عیسائی پادریوں کے

---

(۱) ظفیر الدین، محمد مولانا، اسلام کا نظام عفت و عصمت، مکتبہ منذیریہ، اچھرہ، لاہور، س ن/ص:۳۴

(۲) بخاری شریف، مصری کتاب النکاح ج۳، ص ۱۶۵

(۳) ظفیر الدین، محمد مولانا، اسلام کا نظام عفت و عصمت، مکتبہ منذیریہ، اچھرہ، لاہور، س ن/ص:۳۶

(۴) محسن انسانیتؐ اور انسانی حقوق: محمد ثانی بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۱-۳۳۳ بحوالہ: کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظام کفالت، ایک تحقیقی جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳ء/ص:۳۳۱

متعلق تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے عورت سے دوری اور تجرد کے باعث ماؤں تک سے راہ فرار اختیار کرکے جنگلوں میں پناہ لی اور ماؤں سے صرف اس بنیاد پر کہ وہ عورتیں ہیں، دوری اختیار کرلی۔(۱) اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں نکاح پر جس پیرائے میں عورت کو مرد کی مملوک کہا گیا ہے وہ دراصل اُسکی عصمت وعفت کی حفاظت اور اُسکی عزت بڑھانے کے اعتبار سے ہے نہ کہ قیدیوں یا غلاموں کی طرح مملوک کرنے کی کوئی صورت۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس کا واضح ثبوت باب اوّل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت کی بحیثیت بیوی کے کیا حیثیت ہے اور مالکانہ حقوق میں کس حد تک تصرّف عورت کو دیا جاتا ہے اور کس مذہب نے عورت کو زیادہ احترام زندگی عطاء کیا ہے۔ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ قرار دیا، دیگر اقوام وتہذیبوں کے برعکس اسے اپنا ذاتی مال وملکیت رکھنے کا حق دیا، شوہر سے ناچاقی کی صورت میں خلع کا حق دیا۔ نکاح ثانی کی اجازت دی، وراثت میں اسکو حصہ دلایا، اُسے معاشرے کی قابل احترام ہستی قرار دیا اور اسکے تمام جائز قانونی، معاشی ومعاشرتی حقوق کی نشاندہی کی۔ معروف فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان 'اسلام کا اثر مشرقی عورتوں کی حالت پر' کے عنوان کے تحت رقمطراز ہے:

"اسلام نے مسلمان عورتوں کی تمدّنی حالت پر نہایت مفید اور گہرا اثر ڈالا، انہیں ذلّت کے بجائے عزت ورفعت سے سرفراز کیا اور کم وبیش ہر میدان میں ترقی سے ہمکنار کیا۔ چنانچہ قرآن کا قانون وراثت وحقوق نسواں یورپ کے قانون وراثت اور حقوق نسواں کے مقابلے میں بہت زیادہ مفید اور زیادہ وسیع اور فطرت نسواں سے قریب تر ہے۔"(۲)

اسلام نے عورتوں کے ساتھ عدل قائم کیا ہے:

الغرض اسلام نے عورتوں کے ساتھ ایسا حدِ اعتدال قائم کیا ہے جسمیں اُنکے جائز حقوق اور آزادی نسواں دونوں بالترتیب ایسے مساویانہ سلوک ورواداری کو جنم دیتا ہے، جسکی مثال نہیں ملتی حتی کے مسلمانوں کے اندر جنم لینے والی ایسی تحریکات جنہیں NGOs (Non Governmental Organizations) کہا جاتا ہے، نے حقوقِ نسواں پر آواز اٹھائی تو بھی ماسوائے خواتین کو گھروں سے نکالنے اور انہیں مردانہ مراتب دینے کے اور کچھ نہ کیا، البتہ ایک کام اور یہ کیا کہ ہماری مسلم خواتین کو مردوں کے مساوی قرار دینے کی سعی کرنے میں انہیں گھروں سے بے گھر اور بے پردہ کردیا، جبکہ وہ تحریکیں یہ بھول گئیں کہ اللہ تعالی کا اٹل قانون '**الرجال قوامون علی النساء**' (۳) ترجمہ: مرد عورتوں پر قوی مضبوط یا حاکم ہیں، کے علاوہ '**بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما انفقوا من اموالهم**'(۴) ترجمہ: بڑائی دی ہے اللہ نے ایک ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال"۔ یعنی چونکہ مال خرچ کرنے پر مرد کو حاکم بنایا ہے، اور عورت از خود "مہر" کے عوض حاصل کی گئی ہے، لہذا عورت کے تمام احوال کا زمہ دار صرف مرد ہی ٹھہرتا ہے تو کیونکر یہ تنظیمیں عورتوں کے حقوق اللہ تعالی کے دیئے ہوئے حقوق سے زیادہ دلانے پر قادر ہوسکتی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ معاملہ بھی محض مسلم امۃ کی خواتین میں بے حیائی اور بے راہ روی اختیار کرانے اور زیادہ مال کمانے کی حرص میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔

(۱) سباعی، مصطفی، المراۃ بین الفقہ والقانون: بیروت، المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ/ص: ۲۰ بحوالہ: کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظام کفالت، ایک تحقیقی جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳ء/ص: ۲۴۱

(۲) مترجم: بلگرامی، سید علی: گستاؤلی بان، تمدن عرب، انڈیا، مفید عام آگرہ، ۱۸۸۶ء/ص: ۳۷۳ محولہ بالا/ص: ۲۴۴

(۳) قرآن کریم، سورۃ النساء/۴: ۳۴

(۴) ایضا

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالی نے حاکم اور نگراں بنادیا. دو وجہ سے اوّل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم وعمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے. دوسری وجہ کسبی ہے یہ کہ مرد عورت پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا 'تکفل' کرتے ہیں. اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کے نفقہ کی مکمّل ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے اور شادی کے بعد سب سے زیادہ اسکا ذمہ دار اُسکا شوہر ہوگا. چنانچہ ان کو نکاح میں لانے سے پہلے قرآن نے اُنکی معاشی خوشحالی کی ضمانت کے لئے مہر کا عطیہ اُن کے لئے مقرر کردیا. ارشادِ ربّانی ہے(۱): '**واتوا النساء صدقتهن نحلة**' (۲) ترجمہ: اور دے ڈالو عورتوں کو مہر اُنکی خوشی سے. جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو میراث میں سے نہ صرف یہ کہ حصّہ نہیں ملتا تھا، بلکہ اسکے ولی یا شوہر کے انتقال کے بعد اُسکو بھی مراث کی مانند اثاث البیت شمار کر کے اس پر قبضہ جمالیا کرتے تھے. چنانچہ قرآن کہتا ہے: '**یا ایها الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها**' (۳) ترجمہ: اے ایمان والو حلا نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی'. نہ صرف یہ کہ قرآن نے عورت کو ورثہ بنانے سے روکا بلکہ خود عورت کو میراث میں حصہ دار قرار دیدیا. '**وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والا قربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا**' (۴) ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حصّہ ہے اسم جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت حصّہ مقرر کیا ہوا'.

اسلام نے عورت کو شوہر کی جائیداد میں وارث بنایا ہے:

اسلام نے عورت کو جائیداد کا مالک صرف شوہر کی وفات کے بعد ہیں نہیں بنایا بلکہ زندگی میں بھی اگر شوہر کسی دوسری عورت کو شریک حیات بناتا ہے تو اس کو حکم ہے کہ پہلی بیوی کو دیے گئے اموال واپس نہ لو وہ انہی کی ملکیت میں رہنے دو.

'**وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم اداهن قنطارا فلاتاخدوا منه شیئا**' (۵) ترجمہ: اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک بہت سا مال تو مت واپس لو اس میں سے کچھ.

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مال کا واپس نہ لینا بھی عورت کے لئے ایک رحمت ہے کہ وہ مال واپس لیئے جانے پر تہمت کا شکار ہوسکتی ہے، گویا شوہر کی جانب سے وہ عورت نافرمان یا بدکار ٹھہرائی جاسکتی ہے، جیسا کہ پہلے یہ ہی رواج قائم تھا. (۶)

(۱) کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظام کفالت، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۳ء/ص: ۲۳۶

(۲) قرآن کریم، سورۃ النساء/۴: ۴

(۳) قرآن کریم، سورۃ النساء/۴: ۱۹

(۴) قرآن کریم، سورۃ النساء/۴: ۷

(۵) تھانوی، اشرف علی مولانا حضرت حکیم الامت، بکمل بیان القرآن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س ن/ص: ۱۰۴

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو مکمل تحفظ فراہم کیا، اور یہ دلائل آج کی مغربی حقوق نسواں کے علمبرداروں کے جھوٹے اور غلط پرپیگنڈے کی وجہ سے مسلم معاشرہ کی بھی بہت سی پڑھی لکھی مسلم خواتین اپنے مذہب سے شاکی نظر آتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اسلام نے ان کو چاردیواری میں قید کردیا، یہ معاشی میدان میں ہمیں بھاگ دوڑ کی اجازت نہیں دیتا لیکن یہ شکایت بہت سطحی اور اپنے حقوق معاش سے لاعلمی کی وجہ سے ہے.(۱)

مباح مال کسے کہتے ہیں:

اس تمام بحث کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے مباح مال کی تعریف جان لیں اور وہ یہ ہے کہ یہ وہ مال ہے جو کسی کی قابل احترام ملکیت میں داخل نہ ہوا ہو اور اسکے مالک بن جانے سے کوئی اور شرعی مانع نہ ہو. جیسے چشمہ (یا دریا کا پانی، گھاس اپنی اُگنے کی جگہ پر اور اُن جگہوں کے درخت جو کسی کی ملکیت نہ ہوں اور فضا اور سمندر کے شکار وغیرہ). ہر انسان کو یہ حق ہے کہ اُن مباح اشیاء میں سے کسی شئے کو اپنی تحویل میں لے لے غرض جو شخص ان مباح اشیاء میں سے کسی شئے کو ملکیت کے ارادہ سے اپنی تحویل میں لے لے گا، وہ باقی تمام انسانوں کے سوا اسکی ملک قرار پائے گی.(۲) اسی لئے مباح شئے کا اپنی تحویل میں لینا ازروئے شریعت ملکیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور جنگی غنیمتیں بھی اسی اسباب ملکیت کے زمرے میں آتی ہیں کیونکہ (جہاد میں مدِمقابل آنے والے) محاربین (برسرِ جنگ لوگوں) کے اموال ''مباحات'' تصوّر ہونگے کیونکہ ان اموال پر انکی ملکیت کو قانونی احترام حاصل نہیں ہے.(۳) فقہ کی زبان میں ملکیت کے ارادے سے کسی شئے پر غلبہ پالینا 'احراز' (تحویل میں لے لینا) کہلاتا ہے.(۴) جیسے Custodianship بھی کہہ سکتے ہیں، اور یوں اسلامی شریعت نے ایک ہی قوم کو برسرِ پیکار ہوکر ایک دوسرے کا مال لے لینا ممنوع قرار دیا ہے، لیکن جہاں تک بیرونی دشمن سے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے جنگ کرنا تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات فساد کو روکنے کے لئے یہ جنگ ناگزیر فرض بن جاتی ہے. بہرحال جنگ اقوام عالم کے قوانین اور بین الاقوامی عرف Custom کی رو سے ملکیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے.(۵)

---

(۱) کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، اسلام کا نظام کفالت، ایک تحقیقی جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳ء/ص:۲۲۸

(۲) صدیقی، ساجدالرحمٰن ڈاکٹر مولانا، اسلامی قانون اور تصورِ ملکیت، دارالاشاعت، کراچی، مارچ ۲۰۰۶ء/ص:۱۳۴

(۳) ایضاً/ص:۱۳۵

(۴) ایضاً/ص:۱۳۴

(۵) ایضاً/ص:۱۳۵

اباحت کن اشیاء پر جائز ہوگی:

درجہ بالا تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت باوجود مرد کی ذاتی ملکیت ہونے کے کسی صورت بھی کسی دوسرے کے لئے مباح نہیں کی جاسکتی، لہٰذا اسلام نے جو اصول مرتب کئے ہیں کہ کہ مباح ہونے والی اشیاء وہ ہوتی ہیں جو کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں بلکہ خالقِ کائنات نے اُن کو تمام افرادِ انسانی کے لئے یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے مخلوق کیا ہے:(۱) چنانچہ قرآنِ کریم سے اصول ثابت ہے کہ 'ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاo' (۲) اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے، جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں موجود ہے'

لہٰذا یہ آیت بتلا رہی ہے کہ جو کچھ زمین میں پیدا کیا گیا ہے، وہ سب کچھ ایک اکیلے انسان کی ملکیت نہیں ہو سکتا، البتہ کچھ تخصیصات وتشریحات ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں بعض اشیاء کو عام فائدہ کی خاطر سب کے لئے یکساں طور پر مباح قرار دیا ہے. اور اس لئے ان اشیاء کے متعلق کسی فردِ واحد یا چند افراد، جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ 'مفادِ عامہ کے خلاف' اُن کو ان کے تخلیقی مقام پر اس طرح اپنے قبضہ وتصرف میں کرلیں کہ وہ حکومت کو مقررہ منافع یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان اشیاء کے مالکِ کل اور اجارہ دار بن بیٹھیں، البتہ ہر ایک فرد یہ حق ضرور رکھتا ہے کہ ان اشیاء کے مقامِ وقوع سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق جس قدر اپنے قبضہ وتصرف میں لے آئے وہ بلاشبہ اُسکی ملکیت سمجھی جائے.(۳)

اب یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس شئے کو بھی ہم ملکیت میں حاصل کررہے ہیں، اسلام کے نقطہ نظر سے وہ حقیقی معنی میں ہماری ملکیت نہیں بلکہ محض امانت و نیابت کے درجہ میں حاصل کررہے ہیں، کیونکہ ملکیت تو وہ شئے ہوتی ہے، جس پر تصرّف مرتے دم تو کجا مرنے کے بعد بھی جاری رہے، اور وہ ماسواء ہمارے جسم خاکی اور اعمال کے، خواہ اچھے اعمال ہوں یا بد، ہمارے ساتھ مرنے کے بعد بھی رہیں گے، پھر انمیں سے ایک ہمارے پاس زمین کی امانت تھی وہ بھی ہم اُسکو لوٹا چکے ہونگے، یعنی جسم خاکی، چنانچہ 'عمل' ہی ایسی شئے رہ جاتا ہے، جو ہماری روح کے ساتھ منحصرّف بہ کمال کے طور پر رہیگا، پس دنیا میں بہ اعتبارِ مال ہم نے جو کچھ اکھٹا کیا ہے وہ دو طرح سے ہمارے پاس آتا ہے:

دنیاوی مال واسباب کی نسبت بہ اعتبار ہماری ملکیت کے کیا معنی ہیں؟

دنیاوی مال واسباب انسان کی ملکیت میں دو اعتبار سے حاصل ہوتا ہے:

۱- حقِ قبضہ Right of Possession

۲- حقِ تصرّف Right of Disposition

لہٰذا کسی مال پر جب ایک شخص کو شرعاً اور قانوناً اپنا قبضہ قائم کرنے اور اس میں حسبِ منشاء تصرّف کرنے کا حق مل جائے تو اس حق کو 'ملکیت' کہتے ہیں. جہاں تک اُس مال کے 'منفعتی' اور افادیتی پہلو سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے اور جسے ہم اصلاحاً 'انتفاع' اور 'تمتع' کہتے ہیں، وہ فی نفسہٖ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت ہے، بعض اہل علم اور ماہرین معاشیات نے انتفاع کو عین ملکیت یا داخل ملکیت قرار دیا ہے، جس سے نظامِ معیشت کا ایسا راستہ متعین ہوتا ہے جو حتمی طور پر استحصال پر منتج ہوتا ہے، مگر حضور نبی اکرم ﷺ جو صفحہ ہستی پر پیغمبر انقلاب بن کر مبعوث ہوئے اور جنہوں نے ہر قسم کے استحصالی، باطل، جاہ پرستانہ اور جاگیردارانہ مفادات کے بتوں کو پاش پاش کردیا، آپ ﷺ نے انسانیت کو

---

(۱) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور ۱۹۸۴ء/ص:۳۱۵

(۲) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۹

(۳) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور ۱۹۸۴ء/ص:۳۱۶

ایک منفرد و ممتاز اور منصفانہ تصوّرِ ملکیت عطا فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے معاشی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لیئے انتفاع کو داخلِ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت اور علّتِ جوازِ ملکیت قرار دیا ہے۔(۱) اب اگر انسان اپنی زمہ داریوں کو سمجھے تو دراصل تمام کی تمام ملکیت ہمارے انتقال کے بعد ہمارے ورثہ میں تقسیم کیئے جانے کے لئے ہے۔لیکن اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں تقسیم دولت وملکیت کا تصوّر جیسا کہ اسلام نے دیا ہے، وہ قطعاً مبہم ہے۔جیسا کہ قرآنِ کریم نے ترکہ پر یہ حکم دیا کہ عورتوں اور مردوں دونوں کا حصّہ شامل ہے، گو کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا حصّہ کم محسوس ہوتا ہے:

'للرجال نصیب مما ترک والدٰنِ والاقربون ۔ وللنسآء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر، نصیبا مفروضاo' (۲)

'مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصّہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصّہ ہے۔وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ تعالیٰ) کا مقرر کردہ ہے'۔

یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ لفظ نصیبا مفروضا سے مراد وہ قائدہ ہے۔جو ربّ العزت نے طے کردیا، چنانچہ مسلمان سے تو یہ توقع کی ہی نہیں جاسکتی کہ وہ کسی بھی قرآنی مفروضہ پر تنقیدی نقطہ اٹھا سکے،لہٰذا وہ لوگ جو بہر حال دنیاوی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اپنے تئیں اپنے آپ کو ماڈرن Modern کہتے ہیں اور Modernity پر یقین رکھتے ہیں، کہہ بیٹھتے ہیں کہ صاحب یہ کیا بات عورت کے ترکہ میں مردوں کے مقابل کمی کرکے اسلام نے ناانصافی کی ہے، یا عورتوں پر یہ ظلم ہے، وغیرہ۔ تو ایسے حضرات کے لئے عرض ہے کہ سب سے پہلے تو وہ قرآنِ کریم کی اس آیت پر یقین لائیں کہ 'الرّجال قوّامون علی النّسآء' (۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے مردوں کو عورتوں پر عملی اعتبار سے قوی یا مضبوط کیا ہے۔ جبکہ دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر عورت و مرد حقوق میں یکساں ہوسکتے ہیں تو پھر عورت کی جا مرد کو بھی بچہ پیدا کرنا چاہیے تھا، اور یا یوں کہہ لیں کہ دونوں کی جنسیات میں فرق کیونکر ہوا۔لہٰذا ایسی ہی دوسری صورت میں مردوں کو جب بعوض نکاح "مہر" کی ادائیگی پر عورت بحیثیت زوجہ مرد کی ملکیت میں دے دی جاتی ہے، تو عورت کے تمام نان نفقہ کا زمہ دار مرد ہی ہوتا ہے، اب ایسی صورت میں اگر عورت خود کمائی کرنا چاہے تو عورت کی کمائی میں سے مرد کا کوئی حصّہ قانوناً نہیں بنتا، لیکن اسکے برعکس مرد کی کمائی کا تمام حصّہ عورت کی بھلائی پر خرچ ہونے کے لئے ہیں، چنانچہ ثابت ہوا کہ مرد بحیثیت شوہر، عورت کا کفیل ٹھہرتا ہے، جبکہ عورت باوجود کمانے یا نہ کمانے کے ہر حال میں مرد کی زیرِ کفالت ٹھہرتی ہے۔اس لئے کفیل کے پاس ترکہ کے مال میں سے زیادہ مقدار آنا فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے، کہ مرد کے پاس مال آنے سے بھی عورت کا مرد کے مال میں حصّہ از خود برقرار رہتا ہے، لیکن اگر یہی صورت عورت کے ساتھ یکساں کردی جاوے تو وہ مال جسکے کمانے کا عورت کو مکلف نہی ٹھہرایا گیا ہے، عورت کے نا کمانے کی صورت میں بھی مرد ہی کے زیر نگیں رہتی ہے، اور کمائے تو بالکل ہی علیحدہ بات رہ جاتی ہے، جسمیں مرد کا حصّہ قطعاً کچھ نہیں بنتا۔لہٰذا تمام بحث کو اس بات پر ختم کرتے ہیں کہ عورت کے پاس اگر زیادہ مال یا مرد کی برابری کا حصّہ دے دیا جاتا تو یہ بات از خود مرد کے حق میں 'زیادتی' 'ظلم' کے مترادف ہوتا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بھی حکمت سے خالی نہیں۔ چنانچہ فرد کی ملکیت میں دوسروں کے حقوق، زکوۃ کی فرضیت، حج کی ادائیگی اور دوسرے تعلقات واجبہ وغیر واجبہ کی وجہ سے اسلامی نظام میں دولت کی گردش اور تکرار تقسیم کا ایک مستقل عمل فراہم کردیا گیا ہے۔

---

(۱) القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر: اقتصادیاتِ اسلام (بنیادی تصورات)' منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، نومبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۵۰

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ النسآء ۴/۴: ۷

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ النسآء ۴/۴: ۳۴

انسان کے بنیادی جائز حقوق اُسکی ملکیت کا حصہ ہیں:

انفرادی ملکیت کا انسداد انسان کے جائز انفرادی حقوق وفرائض پر ضرب کاری کے مترادف اور قوائے عملی میں جمود وتعطل پیدا کرنے کا موجب ہے، اس لئے اس قسم کا اقدام گویا فطرت کے ساتھ بغاوت ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ صحیح طرق کار یہ ہے کہ قوانین فطرت کی مطابقت کے ساتھ ساتھ ایک جانب ''زمین'' اور ''وسائل پیداوار'' میں انفرادی ملکیت کو ایک حد تک جائز قرار دیا جائے اور دوسری جانب اجتماعی مفادات کے پیشِ نظر اس پر ایسے قیود وشرائط عائد کردیئے جائیں کہ جو انفرادی ملکیت میں اعتدال وتوازن حقیقی کو برقرار رکھیں۔ کیونکہ علم الاخلاق اور علم الاجتماع دونوں کا یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ 'انفرادی حقوق وفرائض میں اعتدال ہی اجتماعی حقوق وفرائض کے لئے بہترین کفیل ہے'۔ اسی نظریہ کے ماتحت اسلام نے اپنی معاشی نظام میں ''زمین کی انفرادی ملکیت'' کو چند شرائط وقیود کے ساتھ ایک حدتک تسلیم کیا ہے: (۱)

اسلام نے دیگر معاشی نظاموں کی طرح ''زمینداری نظام'' **Landlordism** کی موجودہ وظالمانہ روش کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ موجودہ نظام کو ظالمانہ وغاصبانہ نظام کہہ کر انسانی اخوت کے پہلو سے اس نظام کو علیحدہ کردیا ہے۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج جو فساد بپا ہے وہ محض سرمایہ داری کا نہیں بلکہ سرمایہ داری جاگیرداری کا گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سرمایہ داری میں کبھی اتی بے مروتی نہ آتی اگر اسکے پس منظر میں جاگیرداری (جسے **Feudalism** کہتے ہیں) نہ ہوتی۔ پہلے جاگیرداری زمینداری ایک انسان کو مجبور بناتی ہے پھر سرمایہ داری اسکی مجبوری کی بناء پر اس کی محنت کا استحصال کرتی ہے۔ یورپ میں یہی ہوا۔ یہی ہمارے یہاں ہورہا ہے، بالخصوص ایک زراعتی ملک میں جیسا کہ ہمارا ملک ہے، کسان کا تو کسان کا، صنعتی مزدور کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ جب تک نظام اراضی عدل کی بنیاد پر استوار نہ ہو۔ (۲) اسکی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ''انقلاب فرانس نے بورژوا ملکیت کے حق میں جاگیردارانہ ملکیت کو مٹادیا تھا'' (۳) کمیونسٹ مینی فسٹو کے یہ الفاظ ہمیں بتلارہے ہیں کہ بنیادی طور پر آزادی اور ضمیر کی آزادی وغیرہ کے جو نعرے لگ رہیں تھے وہ دراصل آزاد منڈی کی معیشت اور آزاد تجارت کی بورژوازی کی سوچ کے علمبردار تھے جو کہ تجارتی نظریہ زر کے تحفظات میں پل کر موٹی اور توانا ہوچکی تھی۔ انقلاب فرانس میں اس توانا بورژوازی نے جاگیردارانہ ملکیت کا خاتمہ کردی اور بورژوا ملکیت کو فروغ دی۔ (۴) فرانس میں تین طبقے تھے۔ ان میں پہلا طبقہ کلیساء، دوسرا امراء کا طبقہ، اور تیسرا طبقہ عوام تھے، جو کہ پوری آبادی، اڑھائی کروڑ، کا ۹۵ فیصد تھے۔ اس ۹۵ فیصد میں نسبتاً اُپر والا طبقہ بورژوا **Bourgeoisie** تھا۔ اس سے نچلی سماجی تہہ دستکاروں کی تھی جن کی تعداد پچیس لاکھ تھی اور بچی دو کروڑ بیس لاکھ افراد کسان تھے، ان کسانوں کی حالت بہت بُری تھی۔ یہ اپنی محنت کی کمائی سے حکومت کو محصول دیتے تھے اور کلیسا کو عُشر دیتے تھے۔ اس سے اُنکی حالت دگرگوں تھی۔ ان لوگوں کی محنت پر اُوپری پرت کے دونوں طبقے کلیسا اور اُمراء عیش کررہے تھے۔ کسان بیچارہ تو اپنی آمدنی کا ۸۰ فیصد ٹیکس کی شکل میں ادا کردیتا تھا۔ (۵) ڈکشنری آف پولیٹکل اکانومی مطبوعہ پروگریسو پبلشرز میں اسکی تعریف سے پتہ چلتا ہے کہ قدرتی حکومت کے حامی **Physiocrates** (کہلاتے تھے) فرانس میں اٹھارویں صدی کے وسط میں بورژوا پولیٹکل اکانومی کے علمبردار تھے۔ اس مکتبہ فکر کی قیادت ایف کیوزنے **F. Quesnay** کررہا تھا۔ یہ تھیوری

---

(۱) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۃ الاسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء، ص:۲۲۹

(۲) عثمانی، محمد تقی، مولانا ڈاکٹر جسٹس، ہمارا معاشی نظام، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ، ص:۵۹

(۳) سید عظیم، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دار الشعور، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص:۲۲۶

(۴) ایضاً، ص:۲۲۷

(۵) ایضاً، ص:۱۹۷

جاگیرداری نظام کے بڑھتے ہوئے بحران کا شاخسانہ تھی اور اس دوران فرانس معاشی بدحالی کا شکار تھا.(۱) قدرتی حکومت کے علمبردار Physiocrates نجی ملکیت کے لامحدود کردار، آزاد مقابلے اور غیر ملکی تجارت کے زبردست حامی تھی، اُنکی تھیوری کا سب سے قیمتی حصہ یہ ہے کہ انہوں نے سماج میں طبقوں کی حیثیت کو اُنکی معاشی حالت کی بنیاد پر پرکھا.(۲) جس کے باعث طبقاتی نظام نے جنم لیا فرانس میں انقلاب سے پہلے روسو کی تحریروں کو انجیل کا درجہ حاصل تھا.(۳) روسو ۱۲ ۱۷ء میں جینوا میں پیدا ہوا.وہ جنگوں اور لڑائیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے دور کے جاگیرداری نظام کے خلاف زبان استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ تو جاگیرداری نظام کی بلائیں تھیں جو دنیا کا لغوترین نظام تھا اور جو قانون فطرت اور ہر معقول حکومت کے اصول کے خلاف تھا''.

وہ نمائندگی کے خیال کے بارے میں بیان کرتے ہوئے بھی جاگیرداری کو لتاڑتا ہے:

''اسکا ماخذ نظام جاگیری ہے اور نظام جاگیری وہ بے معنی اور غیر مصفانہ نظام حکومت ہے جس کے ماتحت بنی آدم ذلیل و خوار اور انسانیت رسوا ہو جاتی ہے''.(۴)

یہ ہے وہ تصویر جس کے خواب و خیال دیکھنے والے ازخود اس بات کی حقیقت سے انکار نہیں کر پائے کہ نظامِ جاگیرداری دراصل انسانیت پر ظلم وزیادتی کی ایسی شکل ہے جس سے انسانیت کا چھٹکارا پانا ناممکن تھا، کیونکہ یہ روش بھی یہودی نسل سے انسانیت میں منتقل ہوئی:

In the later times, in the epoch of the Mishnah and the Talmud upto the 5th cnetury A.D. the Jews practised agriculture and largely lived in the agricultural settlements in Babylonia, Palestine, Arabia etc., Jewish cultivators were given free loans by the Jewish money-lenders as they were brothers-in-faith. If they had charged interest on these loans the solidarity of the Jewish people would have been destroyed through confiscations of debtor's property by the creditors. But the Jewish money-lenders continued charging interest on loans to the Genitles. (5)

This was becuase: Landlords, tax-farmers, merchants, and midllemen operating in the sectors of production and exchange, earned enormous profits on their 'investments' in metayage, fixed land-leases, tas-farming, forward buying of crops, hoarding, speculation and all sorts of jobbing. The indeterminate and inadequate wages of the workers/cultivators who were hired for certain shares of the non-existing profits, as in agriculture or manufacturing, were considered by the Jurists as invalid because in the case of a crop failure or loss in trade the workers lost every thing which made their existence precarious. (6)

یوں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جاگیردارانہ رویّہ اور مزاج یہودی قوم کا خاصہ ہے؛ جس پر قدغن لگانے والا نظام صرف و صرف اسلام ہے، جس کے

---

(۱) سید عظیم، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دار الشعور، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص:۱۹۸

(۲) ایضاً/ص:۱۹۸

(۳) ایضاً/ص:۲۲۷

(۴) ایضاً/ص:۲۲۸

(5) Ziaul Haque, "Islam & Feudalism, The Economics of Riba Interest and Profit", Vanguard Books Ltd., 8-Davis Road, Lahore, 1985/Page-165

(6) Ibid/Page-163

باعث کسان کوانصاف مہیہ ہوسکا.وگرنہ دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے، اقتصادیات کے نام پر ابھرنے والی ہر تحریک بلآ خر خود جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی زد میں آئے بغیر نہ رہی، گوکہ ان تحریکات کے بانیان نے اپنے مخالفانہ بیانات سے کتابوں پر کتابیں لکھ ڈالیں. اوران سب کے برعکس اسلام نے جونظام دنیا کوعطاء کیا ہے وہ یہ کہ اسلام کی اقتصادی زندگی بھی ٹھوس بنیادوں اور ہدایت الٰہی پر مبنی ہے.(۱)

کیااسلام زمین کی پیداواری صلاحیت کوتسلیم کرتا ہے؟

جی ہاں اسلام زمین کو پیداوارِ دولت کاایک ذریعہ ضرور سمجھتا ہےلیکن اسکے استعمال میں انفرادی ملکیت اور حکومتِ وقت کی ملکیت کے مابین فرق کرنا لازم ہے. بنیادی طور پر قرآن وسنّت جن پیراؤں کو بیان کرتے ہیں وہ بالکل واضح اور مطلق ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اوراسکے مقرر کردہ معیارات کے مطابق ایماندار محنت کشوں کی حیثیت اس وجہ سے پست نہیں ہوسکتی کہ وہ کوئی ادنی کام انجام دے کراپنی روزی کماتے ہیں،اور مزدوری کر کے اپنا پیٹ بھرنے والے اپنی حالت کو بہتر بنانے اور اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لئے ترقی کی راہیں اپنے اوپر بندتو کیا تنگ بھی نہیں پاتے.اُن کے لئے یکساں مواقع کھلے ہوئے ہیں اوراُنھیں اپنی مہم میں پوری آزادی حاصل رہتی ہے.جو کچھ کہ کوئی فرد بناتا (صنعت کاری) یا کماتا ہے وہ اُسکی ذاتی ملکیت ہے جسے لینے کا نہ حکومت کو،نہ کسی اور شخص کوکوئی حق پہونچتا ہے.اس نجی ملکیت کے حق کے بدلے میں اُسے معاشرہ کے تعلق سے صرف چند فرائض ادا کرنے ہونگے اور حکومت کو چند ٹیکس دینے ہونگے.اور جب شرائط پوری ہوجائیں تو اُسے حکومت کی طرف سے تحفظ پانے کا پورا حق حاصل ہوجاتا ہے اور اُسکی کاروباری صنعتی یا حرفتی مہم چوٹی ہر قسم کی مداخلت سے بالکل مامون ہے.(۲)

Islam has recognised land as a factor of production not exactly in the sense it is used in modern times. In classical writings land, which was regarded as an important factor of production, includes all the natural resources used in the process of production, e.g., the surface of the earth, the fertility of soil, properties of air and water and mineral resources, etc., True, there is no evidence to prove that Islam doest not approve of this definition of modern Economics. While Islam recognises land as a factor of production, it recognises the creation of only those utilities which can maxmimise the economic welfare of the community - a welfare which takes into account the basic principles of economic ethics. The Qur'anic Law and the Tradition of the Prophet are clear about it. The method of utilization of land as a factor of production in Islam is unique in the real sense of the term.(3)

زمین کی منفعت سے انکار کیونکر ممکن ہے،لیکن اسکے استعمال میں کچھ بنیادی احکام انسانوں کی بہتری ہیں کے ضامن ہیں، مثلاً یہ کہ سورۃ النّسآء کی درجہ ذیل آیت ہمیں جو سبق دے رہی ہے،اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمیں اپنی ملکیت خواہ وہ زمین ہو یا کسی اور صورت کی دولت کا استعمال

---

(۱) مترجم، خاں، شریف احمد، عبدالعاطی، جمودہ ڈاکٹر، اسلام ایک روشن حقیقت، ہندوستان پبلیکیشن، دہلی نمبر۶، س ن/ص:۲۴۴

(۲) ایضاً/ص:۲۴۵

(3) Mannan, M. A., Islamic Economics , Theory and Practice, Sh. MuhammadAshraf, Kashmir Bazar, Lahore, 1975/Page-101

کرنے میں کسی بھی نااہل کے حوالے نہیں کرنا چاہیے:

"ولا تؤتوا السفھآء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما وارزقوھم فیھا واکسوھم وقولوا لھم قولا معروفا ○" (۱)

ترجمہ: اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ تعالی نے تمہارے لئے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالہ مت کرو، البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لئے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو۔

یہاں یہ بات واضح ہورہی ہے کہ حقِ ملکیت اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ انسان پر خود ذمہ داریاں عائد ہیں ان کو اچھی طرح پورا کرسکے۔ اسی لئے آنحضرت محمد ﷺ نے زمین پر توجہ دلاتے ہوئے اس انداز سے ترغیب فرمائی ہے کہ اسکی مثال دنیاوی نظاموں میں سے کوئی بھی پیش نہ کرسکا:

عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال: من کانت لہ ارض فلیزرعھا اولیمنعھا فان ابی فلیمسك روضہ ۔(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو اسکو چاہئے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے مفت 'احسان' کے طور پر دیدے، اور اگر دونوں میں سے کوئی بات کرنیکو آمادہ نہیں تو اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔

اسی طریقہ پر آپ ﷺ نے زمین کی منفعت حاصل کرنے سے روکا ہے:

عن جابرؓ بن عبداللہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان یوخذ للارض اجر او حظ ۔(۳)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ زمین کے ذریعہ سے عوض کا یا اجارہ کا فائدہ اُٹھایا جائے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں میں زمین کی محبت دل میں گھر نہ کرجائے اور وہ اللہ تعالی کی محبت سے خالی رہ جائیں، کیونکہ یہ بات فطری ہے کہ انسان جس مٹی سے بنا ہے اس سے فطری طور پر مانوس ہے، لہذا زمین کی محبت کی شدت بھی اُسی تئیں زیادہ ہونا فطری عمل ہے، جب کہ اللہ کے نبی علیہ السلام لوگوں کا رشتہ مادی اشیاء سے ہٹا کر ایک اللہ کی محبت سے جاگزیں کرنے آئے تھے، پس یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں میں اللہ کی محبت ڈالنے کا حق ادا کردیا۔ آپ ﷺ کی یہ عمل نہ صرف یہ کہ لوگوں میں حرص، لالچ، طمع اور غاصبانہ جذبات کی نفی ہوتی ہے، بلکہ لفظِ اسلام کی طرح دنیا میں امن و آشتی قائم کرنے میں اصل الاصول ثابت ہوتا ہے۔ اور پھر آپ ﷺ کا مشورۃ کسی بھی زمین و جائیداد کے مشیر Consultant کے مشوروں سے بالا اور پائیدار ہے، اگر ہم اسکو سمجھیں اور عمل کریں تو!

عن رافع بن خدیج قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عن امر کان لنا نافعا اذا کانت لاحدنا ارض ان یعطھا ببعض خراجھا او بدراھم وقال اذا کانت لاحدکم ارض فلیمنعھا اخاہ اولیزرعھا ۔(۴)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیجؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم ایک ایسے کام سے منع فرمادیا جو (بظاہر) ہمارے لئے نفع بخش تھا۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس زمین ہوتو وہ اسکو بٹائی پردے اور نہ نقد لگان پر اور فرمایا کہ تم میں سے جس کے پاس زمین ہوتو وہ یا خود کاشت کریا اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لئے احسان کے طور پر مفت دے۔

یہ وہ ہی نقطہ بحث ہے، جس پر اسلامی بینکاری اور غیر اسلامی بینکاری میں تمیز کرنا ممکنات میں سے نہیں ہے، کیونکہ مالداروں کے پاس جب دولت

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ النسآء ۴/۵:

(۲) مسلم باب المزارعۃ/ بحوالہ: سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، 'اسلام کا اقتصادی نظام' ادارۃ الاسلامیات، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۲ء/ص: ۲۳۰

(۳) مسلم، جلد ا، ص: ۴۵۲/ بحوالہ: ایضا/ص: ۲۳۱

(۴) ترمذی شریف، باب الزکوۃ وبخاری باب المزارعۃ/ بحوالہ ایضا/ص: ۲۳۰

آتی ہے، تو وہ بجائے غرباء میں صدقہ و خیرات کی کثرت کرنے کے اُسی پیسہ پر پیسہ کمانے کی فکر میں پڑے رہتے ہیں، جبکہ زمینوں کے مالکان بھی اپنی زمینوں سے زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں. کیا آج کے مسلمان جو سنّتِ نبوی ﷺ کی پیروی کے بڑے دعویدار اور اسلام کے علمبردار ہیں، آپ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا جگر رکھتے ہیں. جبکہ حیرانگی اس بات پر ہے کہ اسلامی بینکوں نے قرض دینے کا جو سلسلہ روایتی بینکاری نظام کے زمرے میں شروع کیا ہے، اسمیں بغیر گروی رکھے کسی بڑے حصّہ کے وہ بھی کسی غریب مسلمان کو قرضہ دینے پر راضی نہیں یوں قرضِ حسنہ کی تعلیمات بے مقصد کردی گئیں ہیں. اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی سمجھ عطاء فرمائے. آمین!

کیا اسلام میں جاگیریں حکومت کے زیرِ اثر رکھ کر آباد کی جاسکتی ہیں؟

اسلامی مملکت یا صدرِ جمہوریت (امام) چاہے تو اپنے اختیار سے ایسی اراضی کو جن کا کوئی مالک نہ ہو بطور جاگیر کسی خاص فرد کو اسکے اہم خدمات کے صلہ میں یا بنجر زمین کو آباد کرنے کی غرض سے دے سکتا ہے. خود جناب رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو خیبر میں ایک زمین جاگیر میں عطا فرمائی جس میں نخلستان کے علاوہ اور قسم کے درخت بھی تھے. (۱) عہد نبوی ﷺ میں طرح طرح کی جاگیروں کا پتہ چلتا ہے. مثلاً خیبر کی زمین دو برابر حصّوں میں تقسیم کی گئی، نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کرلیا گیا. باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے. مساوی حصّوں میں تقسیم کیا گیا کل فوج کی تعداد چودہ سو ۱۴۰۰ تھی، دوسو ۲۰۰ سوار تھے، سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دوگنا ملتا تھا، اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو ۱۸۰۰ کے برابر تھی. اس حساب سے کُل جائداد کے اٹھارہ سو ۱۸۰۰ حصّے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصّہ میں ایک حصّہ آیا. جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصّہ ملا. (۲)

اسلامی حکومت میں رعایا کے اموال کے استعمال پر انصاف کے کیا تقاضے ہیں:

اسلامی حکومت کی رعایا کا اگر مال ہو تو مالک کی مرضی کے بغیر صرف دو شکلوں میں اُن پر قبضہ کرنے کی اجازت ہے: ایک کی فقہی تعبیر 'لقطہ' ہے اور دوسری شکل 'شفعہ' Pre-emption ہے.

(الف) لقطہ کیا ہے؟ گرا پڑا ہوا مال اگر کسی کو مل جائے، تو بعض صورتوں میں یہ جائز ہے کہ آدمی اُن پر قبضہ کرلے اور خاص شروط و حالات میں ان کو اپنے تصرف میں بھی لا یا جاسکتا ہے. لیکن جب اصل مالک کا پتہ مل جائے اور وہ اسکا مطالبہ کرے تو معاوضہ ادا کرنا پڑے گا. (۳)

(ب) شفعہ کیا ہے؟ شفعہ کے اصطلاحی معنی ہیں: ''تملك البقعة جبرا على المشتري بما قام عليه'' (۴) ترجمہ: قطعہ زمین جس قیمت پر مشتری نے خریدا ہو اس قیمت پر اُسکی مرضی کے خلاف اُسکا مالک بن جانا.

---

(۱) یوسف الدین، محمد، اسلام کے معاشی نظریے، /ص: ۳۵۴، بحوالہ حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیہ، ص: ۴۳ جسمیں دیا گیا ہے کہ پیشگی عطا کہ فلاں مقام فتح ہوتو تمھیں جاگیر میں دیا جائے گا.

(۲) ندوی، سیّد سلیمان علامہ، نعمانی، شبلی علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، جلد اوّل، دار الاشاعت، کراچی، اگست ۱۹۸۴ء/ص: ۲۸۸

(۳) گیلانی، سیّد مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ص: ۳۲۲

(۴) ابن عابدین ردالمحتار ۵/۱۵۲، حاشیۃ الطحاوی ۴/۱۱۷ تبیین الحقائق ۵/۲۳۹ بحوالہ: صدیقی، ساجد الرحمٰن مولانا ڈاکٹر، اسلامی قانون اور تصورِ ملکیت، دار الاشاعت، کراچی، مارچ ۲۰۰۶ء/ص: ۱۵۴

المجلہ نے شفعہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"تملك العلك لمشتری لماقام علی لمشتری من لثمن "(۱) ترجمہ: کسی خریدار سے اُسکے حق ملکیت کو اسی قیمت پر حاصل کرنا جو اس نے خریداری میں ادا کیا ہو۔ شفعہ کے بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جار الدار احق بدار الجار "(۲) ترجمہ: گھر کا پڑوسی گھر کی دیوار کا زیادہ حق دار ہے۔ اور ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا: "الجار احق بسقبه "(۳) ترجمہ: پڑوسی ملحق جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔ قانون شفعہ شریعت اسلامیہ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے اسکے ذریعہ بہت سی مفاسد کا تدارک ہو جاتا ہے اور متاثرین کی مضرتوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایک بالکل اجنبی شخص جب شفیع کے پڑوس میں کوئی مکان یا زمین خرید لیتا ہے یا ایک شریک کے غیر منقولہ جائداد فروخت کرنے کے نتیجے میں شفیع کا شریک بن جاتا ہے تو شفیع کو اس سے مضرت لاحق ہوتی ہے اور اس مضرت کی تلافی حق شفعہ سے ہو جاتی ہے۔ مضرتوں کی تلافی اسلام کا ایک واضح اصول ہے جسکی تعبیر "لا ضرر و لا ضرار فی الاسلام "(۴) میں کی گئی ہے۔(۵)

یہاں یہ دیکھا جائے گا کہ مملکت جن معاملات میں مداخلت کا وجوب رکھتی ہے تو ایسا کرنے میں وہ کن ذرائع کو اختیار کرتی ہے۔ دنیا میں افراد کا رجحان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ اقتدار کی مداخلت سے اپنی زندگیوں کو زیادہ سے زیادہ حد تک محفوظ رکھ سکیں۔ دوسری طرف اقتدار نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ افراد کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ حقوق و اختیارات حاصل کر لے۔ انفرادیت ضرورت سے زیادہ پاؤں پھیلا لیتی ہے تو اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ دوسری طرف اگر اقتدار حدود کو پھلانگ جاتا ہے تو افراد کے حقوق پامال ہو جاتے ہیں۔ انفرادیت کا سر اگر پھر جائے تو اسکی آخری منزل انارکزم ہے، اور اجتماعیت کا دماغ اگر اونچا اُڑنے لگے تو اسکی حد پھر مستبدانہ آمریت ہوتی ہے۔(۶) انہیں حالات کی وجہ سے دورِ حاضر کی حکومتوں کے لئے "دستور" Constitution کی شدید اہمیت تسلیم کی گئی ہے، دستور کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت اور عوام کے حقوق و فرائض کا باقاعدہ تعین کر دیا جائے اور دونوں فریق بہ شدت مقررہ حدود کی پابندی کریں۔ یہ دستور سب سے پہلے دنیا میں اسلام کے ذریعہ نمودار ہوئی۔ جس نے افراد اور اسٹیٹ (ریاست) کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کرتے کے لئے واضح خطوط کھینچ دیئے ہیں۔ ملکیت خود ایک دستوری مسئلہ ہے، اور یہ دستوری مسئلہ اس وجہ سے ہے کہ افرادِ انسانی اپنی زنگی کے امن وسکون کے تحفظ کے لئے اپنے املاک کے محفوظ رہنے کا اطمینان چاہتے ہیں۔ اور حکمران طاقت (اسٹیٹ) کا رجحان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ افراد کی ملکیتوں میں دخل اندازی کے نئے وئے راستے نکال سکے۔ اس کشمکش کو روکنے کے لئے ملکیت کے بارے میں ہر معقول نظام افراد کو آئینی ضمانت دیتا ہے۔ لیکن اسلام سے زیادہ صفائی اور تعین کے ساتھ یہ ضمانت کسی دوسرے نظام نے نہیں دی۔ افراد کی ملکیتوں کو اخلاقی اور قانونی ہر لحاظ سے پوری طرح محفوظ کرتے ہوئے ریاست کو مداخلت کے جو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں اُنکا اسلامی قانون میں قطعی طور پر تعین کر دیا گیا ہے۔ ان اختیارات سے اسلامی مملکت ایک انچ بھی آگے نہیں جا سکتی۔(۷)

(۱) سنن ابی داود، باب فی الشفعۃ ۲/ ۱۰۶، شرح معانی الآثار ۲/ ۱۳۲، بحوالہ: صدیقی، ساجد الرحمٰن مولانا ڈاکٹر، اسلامی قانون اور تصور ملکیت، دار الاشاعت، کراچی، مارچ ۲۰۰۶ء، ص: ۱۵۴

(۲) ایضا

(۳) ایضا/ ص: ۱۵۵

(۴) ایضا/ ص: ۱۵۵ بحوالہ: یوسف موسیٰ الاموال ونظریۃ العقد ۲۰۴

(۵) ایضا/ ص: ۱۵۵

(۶) صدیقی، نعیم، اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، جون ۱۹۶۹ء/ ص: ۳۵

(۷) ایضا/ ص: ۳۶-۳۷

ریاست ملکیت میں مداخلت کے لئے اسلام کے بنیادی اصولوں پر کاربند رہے گی:

ریاستِ اسلامی کا انفرادی ملکیت میں مداخلت کا سب سے بڑا مقصد لوگوں میں اسلام کے بنیادی احکامات کا اجراء کرانا اور حلال کو حلال، حرام کو حرام، مکروہ کو مکروہ اور مباح کو مباح کی تعلیم سے آگاہ کرانا اور از خود انہی اصولوں پر کاربند رہ کر لوگوں میں انصاف قائم کرانا، ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہے. مثلاً ایک شخص چُرا کر مال لے آیا یا سود کی کمائی تجوری میں لا ڈالی ہے یا پبلک (عوام) کے اجتماعی املاک میں سے کوئی حصّہ اس نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے تو ریاست اس قسم کے اموال کو اسکے قبضے سے جبراً نکال لے گی. اسی طرح ایک شخص مکان کی چھت کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ دوسروں کی پردہ داری میں خلل آتا ہے وہ اپنے روپے کے عوض میں اپنے لئے ریشم کا لباس یا سونے کا زیور خرید کر استعمال کرتا ہے، یا وہ اپنی گاڑی کو بے تکے طریقے سے ہانکتا ہے، یا وہ اپنی زمین پر کاشت کار کی محنت ناجائز شرائط کے تحت خریدتا ہے، یا وہ بت گری کے آرٹ کا ایک اسٹوڈیو کھول کے بیٹھتا ہے یا وہ اسلحہ کو عوام کے ڈارنے دھمکانے یا اُن پر زیدتیاں کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے، تو اس طرح کی جملہ صورتوں میں اسٹیٹ حقوق مالکانہ کے غلط استعمال سے اُسے جبراً روک دے گی.(۱) اسلامی ریاست قرآن و سنّۃ پر عمل پیرا ہو کر ہی یہ تمام کام کرسکتی ہے اور قرآنِ کریم نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے میں اشیاءِ منقولہ وغیر منقولہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہی کی اور انمیں سے کسی کے درمیان بحیثیت "نفسِ ملکیت' کوئی فرق نہیں بیان کیا.(۲) چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں بعض اشیاء کو عام فائدہ کی خاطر سب کے لئے یکساں طور پر مباح قرار دیا ہے اور اس لیئے ان اشیاء کے متعلق کسی فردِ واحد یا چند افرادِ جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ "مفادِ عامہ کے خلاف" انکو انکے تخلیقی مقام پر اس طرح اپنے قبضہ وتصرف میں کرلیں کہ وہ حکومت کو مقررہ منافع یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان اشیاء کے مالکِ کل اور اجارہ دار بن بیٹھیں، البتہ ہر ایک فرد یہ حق ضرور رکھتا ہے کہ ان اشیاء کے مقامِ وقوع سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق جس قدر اپنے قبضہ وتصرف میں لے آئے وہ بلاشبہ اُس کی ملکیت سمجھی جائے. اسکے برخلاف خلافت (حکومت) (ریاست) کا یہ حق ہے کہ وہ اُن اشیاء کی افادیت کو عام کرنے کے لئے اُن کا نظم وضبط اپنے ہاتھ میں لے لے. اُنکی درآمد کا انتظام وانصرام کرے اور جمہور کی ملکیت کے نام پر انمیں معاشی نظام کی بہتری کے لئے جس قسم کا تصرّف مناسب سمجھے کرے.(۳)

اسلامی حکومت کے تصرّفاتِ خاص:

اسلامی ریاست کا فریضہءِ اوّل یہ ہے کہ وہ فرد کی ملکیت میں دوسروں کے حقوق، زکوۃ کی فرضیت، حج کی ادائیگی اور دوسرے نفقات واجبہ وغیر واجبہ کی وجہ سے اسلامی نظام میں دولت کی گردش اور تکرار و تقسیم کا ایک مستقل عمل فراہم کرے گی.(۴) ریاست کو بعض وسائل کی ملکیت کے حقوق بھی صرف اس لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ منفعت عامہ سے متعلق اپنے فرائض انجام دے سکے، مثلاً تعلیم کا انتظام، اخلاقی قدروں کی نشونما، انصاف کی فراہمی، امن وسلامتی کا قیام، سرحدوں کی حفاظت اور لوگوں کو عام مادی وروحانی مصالح کی حفاظت.(۵)

---

(۱) صدیقی، نعیم، اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغِ راہ، کراچی، جون ۱۹۶۹ء، ص: ۳۳

(۲) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۃ الاسلامیات، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء، ص: ۳۱۵

(۳) ایضاً

(۴) علوم فی القرآن-تحقیقی مقالات-اقبال، رانا-قرآنی تصورِ ملکیت، اسلامی، عبدالعظیم، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار-لاہور، مئی ۲۰۰۳ء، ص: ۱۷۳

(۵) ایضاً/۱۷۵

وہ اشیاء جن کا کوئی مالک نہیں، کیا ریاست کی ملکیت ہیں؟

علماء نے اس عمیق موضوع کو اسطرح بیان کیا ہے کہ عوام الناس کے قبضہ سے خالی اشیاء جو کسی کے قبضہ میں آ سکے تو وہ محظ ریاست ہوتی ہے، جبکہ ریاست بھی چند اشیاء پر اپنا اختیار نہیں رکھتی: مثلاً ایسی چیزیں جن کا اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی مالک نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:

''الانتفاع بماء البحر کالانتفاع بالشمس والقمر والھواء'' ترجمہ: سمندر دریا کے پانی سے استفادہ کی نوعیت وہی ہے، جو آفتاب و ماہتاب اور ہوا سے استفادہ کا حکم ہے۔ (یعنی ہر شخص کو ان سے استفادہ کا عام حق حاصل ہے) اس سے معلوم ہوا کہ سمندر دریا وغیرہ اور اُن کا پانی اور آفتاب و ماہتاب وغیرہ اور اُنکی روشنی اسی طرح ہوا اور فضا کا کوئی مالک نہیں ہے، (ماسوائے اللہ رب العزت کے) اسی طرح ہوا کے پرندے جنگل کے جانور، سمندر کے حیوانات ان سب کا کوئی مالک نہیں ہے اور یہی حال جنگل، پہاڑ وغیرہ کے درختوں اور دیگر نباتات کا ہے کہ نہ ان کا کوئی مالک ہے اور نہ انکے پھلوں کا بلکہ ہر شخص کے لئے وہ شرعاً مباح اور جائز ہیں، قاضی ابو یوسف ؒ کتاب الخراج میں اخروٹ، بادام وغیرہ کے خودرو جنگلی درختوں اور شہد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اذا کان فی المفاوز والجبال علی الاشجار او فی الکھوف فلاشئی فیہ وھو بمنزلۃ الثمار تکون فی الجبال والاودیۃ'' ترجمہ: جب یہ چیزیں صحرا اور پہاڑوں میں درختوں میں یا پہاڑ کے غار میں ہوں تو ان پر کچھ نہیں (یعنی حکومت ان پر کوئی محصول عائد نہیں کر سکتی) اور ان کا حال ان پھلوں کا سا ہی جو پہاڑوں اور وادیوں میں ہوں۔ باقی اراضی یعنی زمین کی بھی اسلام میں چند قسمیں ہیں، صاحب بدائع نے ان اقسام کو اسطرح بیان کیا ہے:

''والارض فی الاصل نوعان مملوکۃ والارض مباحۃ غیر مملوکۃ والمملوکۃ نوعان عامرۃ وخراب والمباحۃ ایضا نوعان نوع ھو من مرافق البلد ومحتطباتھم ومرعی مواشیھم ونوع لیس من مرافقھا وھو المسمی بالموات'' ترجمہ: زمین کی دراصل دو قسمیں ہیں، زمین جو کسی کی ملک ہو، ایک قسم، دوسری قسم مباح یعنی کسی کی ملکیت میں نہ ہو، پھر جو زمین کسی کی ملک ہے اسکی بھی دو قسمیں ہیں، ایک آباد اور دوسری غیر آباد۔ اسی طرح غیر مملوکہ مباح زمین کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا شمار بلدہ (آبادی) کی سہولت آفرینیوں سے ہو، مثلاً لکڑی حاصل کرنے کی جگہ ہے، مویشیوں کی چارگاہ ہو، اور دوسری وہ جس کا شمار مرافق سہولت آفریں خطہ سے نہ ہو اسی کا ''الموات'' ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی بعض قسمیں غیر مملوک بھی ہوتی ہیں؛ اور ظاہر ہے جب اُن پر کسی کا قبضہ نہیں تو پھر انکے مملوک ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے تملیک کی کیا شکل ہے عام طور سے ان چیزوں کے مالک ہونے کا طریقہ اسلام نے بھی وہی اختیار کیا ہے جو عموماً دنیا میں مروّج ہے ابوداؤد میں سرور کائنات ﷺ سے مروی ہے کہ: ''من سبق الی مالم یسبق الیہ مسلم فھوا حق بہ'' ترجمہ: جس پر کسی مسلمان کا پہلے قبضہ نہ ہو جو پہلی دفعہ قبضہ کرلے گا وہی اسکا زیادہ حصہ دار ہے؛ فقہانے اس حدیث کی بناء پر یہ قانون پیدا کیا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''من سبقت یدہ الیہ ملکہ'' ترجمہ: یعنی پہلی دفعہ جس کا قبضہ اس پر ہو گا وہی اسکا مالک ہو جائے گا۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ''من احتطب حطب فی مفازۃ فھو لہ ومن اصطاد صیدا فھو لہ'' ترجمہ: جنگل میں جو لکڑی کاٹ لے اور شکار کو جو شکار کرلے وہ اسی کا ہوگا۔ اسی حدیث کی بناء پر پانی، گھاس، آگ میں ''الناس'' یعنی عام پبلک شریک سمجھی جاتی ہے۔ (۱)

مفادِ عامّہ کے سلسلہ کی تمام اشیاء حکومتِ وقت کے پاس مسلمانوں کی امانت ہیں:

مفادِ عامّہ کے استعمال میں آنے والی اشیاء کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ ہر وہ شئے جو زمین میں کسی کی محنت سے وجود میں نہ آئی ہو بلکہ خودرو یا قدرتی عطیہ ہو۔ مفادِ عامّہ میں تصوّر کی جاتی ہے۔ اسکے لئے درج ذیل حدیث مبارکہ ایک مضبوط ثبوت ہے:

''لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا بہ فضل الکلاء'' (۲) ترجمہ: فالتو پانی مت روکو اس غرض سے کہ فالتو گھاس روک سکو۔

---

(۱) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۃ الاسلامیات، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء، ص: ۲۸۸-۲۹۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب من قال ان صاحب الماء احق بالماء، ۲: ۸۳۰، رقم: ۲۲۲۶

یہاں پانی اور گھاس دونوں قدرتی عطیہ ہیں، ایک سے انسانیت کی اور دوسرے سے دیگر جانداروں کی حاجت روائی ہوتی ہے. چنانچہ مفادِ عامّہ کے اس سلسلہ کی پہلی چیز'پانی' کی فراہمی ہے:-

(الف) مفادِ عامّہ میں پانی کا حکم:

بخاری شریف میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پانی سے متعلق جو احادیث جمع فرمائی ہیں اس باب کو'کتاب المساقاۃ' کا نام دیا ہے، مساقات سقی سے مشتق ہے جسکے معنی سیراب کرنا. مساقات کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ باغ یا کھیت میں مالک کسی دوسرے شخص سے کام لے اور اسکی مزدوری نقدی کی صورت میں نہ دے بلکہ معاملہ اس پر طے ہو کہ باغ یا کھیت کی جو پیداوار ہوگی، وہ دونوں مالک اور عامل کے درمیان مشترک ہوگی-(۱) اسے مشارکہ کا عمل بھی کہتے ہیں. چنانچہ اسکی سب سے بڑی مثال یہ حدیث ہے جو مدینہ منورہ میں پانی کی دستیابی پر ایک بحرِ بیکراں ثابت ہوئی:

''وقال عثمان قال النبی ﷺ من یشتری بئر رومة فیکون دلوه فیها کدلاء المسلمین فاشتراها عثمان رضی الله عنهم.''(۲)

ترجمہ: عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوئی ہے جو بئر رومہ (مدینہ منورۃ کا ایک مشہور کنواں) کو خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے اُسے وقف کردے، عثمانؓ نے اُسے خریدا (اور مسلمانوں کے لئے وقف کردیا).

حجاز مقدس کی سرزمین میں پانی خصوصاً پینے کے پانی کی جو دشواریاں تھیں وہ معلوم ہیں، بئر رومہ ایک یہودی کا کنواں تھا مسلمان بھی اسے استعمال کرتے تھے، لیکن اسکے لئے انہیں باقاعدہ پانی کی قیمت دینی پڑتی تھی، اسلئے آنحضورﷺ نے اسکی ترغیب دی، یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقت کردیا جائے تاکہ اسکے استعمال میں کسی قسم کی دشواری نہ رہے اسلام نے پانی کے مسئلے میں ہمت افزائی اس لئے کی ہے کہ اسکا نفع عام رکھا جائے، لیکن بہرحال یہ ایک ایسی چیز ہے جو کسی بھی فرد کی ملکیت میں آنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اسلئے اصولی طور پر اسمیں بھی ان تمام امور کی اجازت ہے جو اس ضمن میں آتی ہیں. مثلاً بیع وشراء، وصیت اور ہبہ وغیرہ پانی کا بھی جائز ہے.(۳) لیکن جب برتنوں یا مشکوں میں پانی بھرلیا گیا ہو تو اس قسم کے پانی میں انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں کہ اب اس پانی کی حیثیت ایسی ہوگئی کہ: ''کما استولی علی الحطب والحشیش والصید'' - ترجمہ: کوئی (جنگل) کی لکڑیوں اور گھاس اور شکار پر قابو پالے (تو وہ اسکی ملک بن جاتا ہے)، کہ ان چیزوں سے استفادہ کا حق اگرچہ پبلک کے ہر فرد کو حاصل ہے لیکن اُن پر کسی کا قبضہ ہوگیا تو قبضہ کرنے والے کی وہ ملک ہو جاتی ہیں اسی طرح برتن اور مشک کا پانی بھی مملوک ہو جاتا ہے:''فیجوز بیعه'' اور ایسی صورت میں (مشک و برتن وغیرہ) کے پانی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے.(۴) البتہ ایسی صورت میں جب پیاس سے کسی کی جان پر بن آئے اور دوسرے کے برتن میں زائد از ضرورت پانی ہو تو غیر مسلح لڑائی کرکے پانی زبردستی چھین کر پی سکتا ہے، اور یہ حکم کچھ پانی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہلاکت کے اندیشے کی صورت میں زائد از ضرورت چیز دوسرے سے آدمی زبردستی چھین کر استعمال کرسکتا ہے خواہ کھانا ہو یا اسی قسم کی دوسری چیز، ہدایہ میں ہے کہ:''وکذا طعاما عند اصابة المخمصة'' -(۵) ترجمہ: یعنی یہی حکم کھانے کا بھی ہے شدتِ بھوک میں. لیکن پانی برتنوالی ہی کیوں نہ ہو. حدیث میں چونکہ (الماء) مطلق پانی میں عام لوگوں کو شریک قرار دیا گیا

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، الامام ابو عبداللہ، ترجمہ و شرح، اعظمی، ظہور الباری، صحیح بخاری، جلد اوّل، حذیفہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، س ن/ص:۹۰۵

(۲) ایضاً/باب فی الشرب، ۱/۱۳۶۷/ص:۹۰۵

(۳) ایضاً/ص:۹۰۵

(۴) گیلانی، سیّد مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ص:۲۹۶

(۵) ایضاً/ص:۲۹۷

ہے، اسلئے فقہاءِ اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بلاضرورت اگر کسی کی مشک یا برتن سے آدمی پانی چرالے تو چوری کی شرعی سزا قطع ید کا حکم اُس پر نہ لگایا جائے گا، خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیوں نہ جس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے. ہدایہ میں ہے:(۱)

''لو سرقة انسان فی موضع یعز وجوده وهو یساوی نصا بلم تقطع یده '' -(۲) ترجمہ: اگر کسی ایسے مقام میں جہاں پانی مشکل سے میسر آتا ہو اور کوئی (برتن) کے پانی چرالے تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا. خواہ پانی کی قیمت اسی قدر کیوں نہ ہو جس پر ہاتھ کٹتا ہو. کیونکہ بہر حال ایک گونہ شرکت کا شبہ اسمیں پیدا ہو گیا ہے اور شبہ سے اس قسم کی سزائیں ٹل جاتی ہیں.(۳)

(ب) مفادِ عامہ میں آبی اور دیگر جانداروں کا حکم :

پانی ہی کے ذیل میں سمندر میں پائے جانے والی مچھلیوں یا دیگر جانداروں کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے. اس مسئلہ میں یہ بات بالکل یکساں ہے کہ خواہ، فضاء میں اڑنے والے پرندے ہوں، یا سمندر میں پائی جانے والی مچھلیاں اور دیگر اجسام کے جاندار، انپر حکومت کو بھی اختیار نہیں، چنانچہ تری میں رہنے والے یا خشکی کے جانوروں کو کسی کی انفرادی ملکیت قرار نہیں دیا جاسکتا، حتیٰ کہ کوئی اُن میں سے کسی ایک کا شکار کرلے تو وہ اُسکے قبضہ میں بحیثیت انفرادی ملکیت تصور ہوگی.

''الامام لا تملك ان یخص واحدا دون واحد بلملك حتی لو امرواحدا ان یا خذ شیئا دید ابعینه من براو بحر لا یملك المامور قبل الاخذو الاصطیاد '' -(۴)

ترجمہ: امام (حکومت) کو اسکا اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی خاص شخص کو ان امور کی خصوصی ملکیت عطا کرے تا آنکہ اگر کسی کو امام حکم دے کہ فلاں خاص شکار کو پکڑ لے خواہ خشکی کا ہو یا دریا کا تو جسے حکم دیگیا ہے وہ شکار پکڑنے ۹ سے پہلے اس شکار کا مالک نہیں ہوسکتا.

چنانچہ جس طرح اُڑتے پرندوں کی شکار سے پہلے بیع نہیں ہوسکتی اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ فتویٰ قاضی صاحب نے نقل کیا ہے کہ ''لا تبایعوا السمك فی الماء فانه غرر '' -(۵) ترجمہ: مچھلی کو پانی کے اندر نہ بیچا کرو کہ اس میں دھوکہ ہے.

مچھلیوں کے ساتھ سمندر، دریا، ندی وغیرہ کی دوسری پیداواروں کا بھی سوال اسلامی فقہ میں اٹھایا گیا ہے. ہمارے امام ابوحنیفہ کا تو کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ خواہ، جس قسم کی چیز بھی ہو اس کی کتنی ہی قیمت ہو مثلاً عنبر ہو یا موتی ہو، یا اسکے سوا کوئی اور چیز ہو، سب کا حکم وہی ہے جو مچھلیوں کا ہے. یعنی ملک کے عام باشندوں کا وہ مشترک سرمایہ ہے، جس کا جی چاہے، انہیں نکال سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے. حکومت تک کو اس کی کسی قسم کا محصول لینے کا حق نہیں. قاضی ابو یوسف نے اسکا بھی کتاب الخراج میں ایک مستقل باب باندھا اور لکھا ہے کہ:

''قد کان ابو حنیفة ابن ابی لیلی یقولان لیس فی شئی من ذلك شئی لانه بمنزلة السمك '' (۶) ترجمہ: اور حنیفہ اور ابن ابی لیلی دونوں کا خیال تھا کہ سمندری پیداواروں (مثلاً: عنبر، موتی وغیرہ) میں سے کسی پر کوئی محصول یا انکی قیمت نہیں وصول کی جاسکتی، ان سب کا حکم وہی ہے جو مچھلیوں کا ہے.

---

(۱) گیلانی، سیّد مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ص:۲۹۷

(۲) ایضاً/ بحوالہ ہدایہ، کتاب الشرب جلد۴/ص:۳۸۶

(۳) ایضاً/ص:۲۹۷

(۴) ایضاً/ص:۲۹۷-۲۹۸/ مزید دیکھیں؛ ہدایہ ص ۳۸۰/ ج ۴

(۵) ایضاً/ص:۲۹۸

(۶) ایضاً/ص:۲۹۹

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ایک فرمان کی بناء پر قاضی ابو یوسف نے خود یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ دریا کی وہ چیزیں جو بطور زیور یا خوشبو کے استعمال ہوتی ہیں (مثلاً موتی، مرجان، عنبر وغیرہ) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں. ان کا خیال ہے کہ:

''فی ذلک خمس واربعۃ اخماسہ لمن اخرجہ '' -(۱) ترجمہ: حکومت ان پیداواروں میں سے خُمس (پانچواں حصّہ) وصول کرے گی، اور باقی چار خُمس (پنجے) اس شخص کے ہوں گے جس نے اُسے نکالا.

(ج) معدنِ ظاہرہ و معدنِ باطنہ:

معدنیات کی دو قسمیں ہیں ایک ''معدنِ ظاہر'' اور دوسری ''معدنِ باطن'' معدنِ ظاہر ان معدنیات کو کہتے ہیں جن کا خزانہ یا تو سطح زمین پر ظاہر اور موجود ہو اور یا زمین میں اسطرح پائی جاتی ہوں کہ اگر تھوڑی سی محنت یا خرچ کر کے انکو برآمد کر لیا جائے تو وہ مٹی یا پتھر کے ساتھ اُنکے اجزاء کی حیثیت میں مخلوط و مربوط نہ ہوں بلکہ زمین میں خزانہ کی حیثیت میں موجود ہوں، مثلاً نمک، مٹی کا تیل، پیٹرول، تارکول وغیرہ. اور معدنِ باطن ان معدنیات کو کہتے ہیں جو نہ زمین اور پہاڑ کی سطح ظاہر پر موجود ہوں اور نہ اجزاء وافر و دائم کی طرح زمین اور پہاڑ کے اندر جُدا موجود ہوں بلکہ زمین اور پہاڑ کے اندر ذرات زمین یا پتھر کے اجزاء کی حیثیت میں مستور ہوں اور جن کے کرنے اور پتھر یا زمین کے اجزاء سے جُدا کر کے صاف کرنے میں کافی محنت اور سرمایہ کی ضرورت پیش آتی ہو. پس اگر پہلی قسم کی معدنیات ہیں تو وہ کسی حال میں بھی نہ شخص واحد یا مخصوص جماعت کی ملک بنائی جاسکتی ہے اور نہ اُن کو بطور اجارہ کسی کو دیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ عوام کی ضروریات اور افادہ کے لئے مساویانہ حیثیت رکھتی یں اور اُن سے ہر شخص کو بلا معاوضہ استفادہ کا حق ہے، گویا اصطلاحی بول چال میں وہ پبلک کی نمائندہ حکومت (خلافت) کی ملکیت اور مفادِ عامّہ کے لئے وقف ہے. (۲)

(د) زمین سے سیّال معدنیات کا نکالنا:

زمین میں موجود چھپے ہوئے خزانوں اور چشموں کے بارے میں قاضی ابو یوسف نے صاف طور پر بیان فرمادیا ہے کہ: (۳)

مٹی کا تیل، قیر یعنی تارکول، اور نمک کا کان وغیرہ سب کی سب کا حکم یہی ہے کہ حکومت اسکے نکالے جانے پر محض محصول عائد کر سکتی ہے، جبکہ باقی ماندہ حصّہ نکالنے والے کی ملکیت ٹھہرے گا.

''لا تملک المعادن الظاهرہ کالملح والقادر والکحل والحص والنفط بالاحیاء ولیس للامام اقطاعه '' -(۴)

ترجمہ: اگر کسی ایسے مقام میں جہاں پانی مشکل سے میسر آتا ہو اور کوئی (برتن) کے پانی چرالے تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا.

الغرض قانون سازی کے لئے اس بحث میں اتنی گنجائش ملتی ہے کہ ایک پورہ دفتر بحر بیکراں چاہئے. لہذا ہم اپنی بحث کو یہاں ختم کرتے ہیں.

---

(۱) گیلانی، سیّد مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ص: ۳۰۰

(۲) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، 'اسلام کا اقتصادی نظام' ادارۃ الاسلامیات، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء/ص: ۳۱۷

(۳) گیلانی، سیّد مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ص: ۳۰۰

(۴) ایضاً/ص: ۳۰۱

خلاصۂ بحث :

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حقِ ملکیت اسلامی ہوں یا غیر اسلام ''اقتصادیات'' کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے. چنانچہ مختلف معاشی نظاموں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اُن کی پرکھ کر لینے کے بعد مذہبی نقطہ نگاہ سے اِن مسائل کو سمجھنا اب ناگزیر ہو چکا ہے. اور ہم اس میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ مذہبی اعتبار سے اسلام کے علاوہ دیگر آسمانی مذاہب 'یہود ونصاریٰ' کے یہاں کچھ باتیں ملکیت کے تصوّر کا خاکہ پیش کرتی ہیں، لیکن آج کے جدید اقتصادی دور میں یہ خاکہ نامکمل ہی نہیں بلکہ کسی حد تک اتنا ناقص ہے کہ اُس کی بحث سے دنیاوی زندگی کے بنیادی مسائل کا حل نکلنا نہ ممکن ہے.

اسکے برعکس قرآن وسنّت ، اجماعِ صحابہ وآثارِ صحابہ سے جو کچھ ماٴخذ کیا گیا ہے، وہ سراسر دنیاوی زندگی میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے. مثلاً جب بات انفرادی ملکیت کی ہو رہی ہو تو قرآن مجید نے ملکیت سے استفادہ اور لطف اندوزی کی کچھ حدیں مقرر کی ہیں، مثلاً اسمیں اسراف اور ضیاع نہیں ہونا چاہئے ، اگر کوئی اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنی ملکیت میں بے جا تصرّف کرتا ہے تو اسوقت خلیفہ وقت یا ریاست اُس پر قدغن لگا سکتی ہے. فردِ واحد کو حقِ ملکیت اس لئے دیا جاتا ہے کہ انسان از خود ذمّہ داریوں کو سمجھ کر باحسن خوبی سرانجام دے، ایسی صورت میں حکومت اسکے معاملات کے ذمّہ دار پر اسکو مجبور بھی کر سکتی ہے کہ اُس شخص کے لئے ادائیگی حق میں وہ شخص کلیدی کردار ادا کرے. اللہ اور رسول کے فرامین اور اولی الامر کے فیصلوں کے منوانے میں حکومتِ وقت سے مدد لی جاسکتی، جسکا منبع محظ شریعتِ محمدی کے چاروں ماٴخذ ہونگے. ہر آدمی پر اسکے اپنے نفس کے حقوق بھی ہیں اس لئے اسلام نے نفس کشی اور رہبانیت سے منع کر دیا. اور یوں ایک کنبہ، پھر ایک محلّہ اور ایک معاشرہ کے بننے میں انسان کے اپنے حقِ نفسی نے ایسا کام دیکھایا کہ ہر فرد پر لازم ہوگیا کہ اپنے اہل وعیال کے جائز اور ضروری اخراجات برداشت کرے. پھر صاحبِ ملکیت پر یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین 'غریب اقرباء ، پڑوسیوں اور ناداروں کی مدد کرے. ملکیت کے ایک خاص حد پر پہنچنے کی صورت میں اُس پر یہ فرض ہو جائے گا کہ اپنے مال سے اسکی زکوۃ نکالے، اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایک بار حج کرے اور جب ضرورت اللہ کی راہ میں خرچ کرے. اسی طرح بخل کی روش اپنانے کی بھی مذمّت کی گئی ہے. فردی ملکیت میں دوسروں کے حقوق ، زکوۃ کی فرضیت، حج کی ادائیگی اور دوسرے نفقات واجبہ وغیر واجبہ کی وجہ سے اسلامی نظام میں دولت کی گردش اور بتکرار تقسیم کا ایک مستقل عمل فراہم کر دیا گیا ہے، جس کے تجزیہ اور اہمیت کا جائزہ لینے کے لئے الگ مضمون درکار ہے.

یوں ریاست کو بعض وسائل کی ملکیت کے حقوق بھی صرف اس لئے دیئے گئے ہیں. کہ وہ منفعت عامّہ سے متعلق اپنے فرائض انجام دے سکے، مثلاً تعلیم کا انتظام، اخلاقی قدروں کی نشوونما، انصاف کی فراہمی ، امن وسلامتی کا قیام، سرحدوں کی حفاظت اور لوگوں کے عام مادی و روحانی مصالح کی حفاظت - رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا کہ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفوس. مذکورہ بالا وہ ذرائع مالیات و ملکیت ہیں جن کا ثبوت صارحۃ قرآنِ کریم میں ہے. انکے علاوہ افتادہ زمین اور جنگلات جو ریاستی مقاصد کے لئے حکومت کی تحویل میں لے لئے گئے ہوں، غیر منقسم مفتوحہ زمین، لقطے جن کے مالک کا پتہ نہ چلے، لاوارث ترکے، خراج وغیرہ بھی حکومت کے ذرائع ملکیت ہیں جن کا اثبات سنّت، آثارِ صحابہ اور قیاس واجتہاد سے ہوتا. لہذا ہمیں چاہئے کہ اسلام گوشہء مسکنت یعنی اقتصادیات کے شعبہ ملکیت کے تصوّر سے خود بھی فیضیاب ہوں اور دینی اعتبار سے اسکا پرچار کرنا یقیناً کسی تبلیغی دعوت سے کم نہیں. اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطاء فرمائے. آمین!

❁❁❁

پانچواں باب

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات
آسمانی مذاہب اور اسلام کی روشنی میں

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات آسمانی مذاہب کی روشنی میں

تعارف

مملکت یا حکومت کسے کہتے ہیں ؟

حکومت یا مملکت کے ذرائع آمدنی جاننے کے لئے ضروری ہے کہ مملکت، حکومت یا ریاست State کے قیام کی منزلیں اور مقاصد پر ایک نگاہ ڈال لیں تاکہ فرائض، آمدن واخراجات کے صحیح مصارف کا پتہ چل سکے۔ اجتماعی زندگی انسان کی ضرورت بھی ہے اور فطرت بھی وہ اجتماعیت پسند واضح ہوا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر نیازی اپنے مقالہ میں علامہ ابنِ خلدون کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ 'افرادِ انسانی کا اکٹھے مل کر رہنا سہنا ایک ناگزیر بات ہے' اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جسکے باعث مؤرخین نے کہا کہ: 'انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے'، اور یہ کہ ریاست کے **چار لازمی عناصر ہیں: ''آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ''**۔(۱) گویا کسی علاقہ کی آبادی بغیر حکومتی نظام کے نہ تو وجود پا سکتی ہے اور نہ ہی اپنی بقاء رکھ سکتی ہے لیکن اقتدارِ اعلیٰ سے مراد صرف حکومت ہی نہیں ہے بلکہ حکومت چلانے والے اُن قوانین وضوابط کا براہِ راست مداخلت ہے جو یا تو حکومت کو کُلی طور پر مطلق العنان بنا دیتے ہیں یا اُس درجہ پر ظلم وجبر سے روکے رکھتے ہیں؛ چنانچہ ہمارے نقطۂ نظر سے قوانین خداوندی ہوں یا کسی بھی مذہبی راہنمائی کے ذرائع رہبری جنھیں کینن Canon بھی کہتے ہیں جنکا انسانی معاشرے پر لاگو ہونا ناگزیر عمل ہوتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے مملکت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مملکت State وہ بلند ترین معاشرتی ادارہ ہے جو انسانوں کے دین اور دنیاوی معاملات کو قانون کی رو سے سرانجام دینے کے لئے وجود میں آتا ہے۔(۲) حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا بین الاقوامی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا قانونی، اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔ اکثر اوقات یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مذہب انسان کا شخصی اور انفرادی معاملہ ہے۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں تو یہ بات صحیح ہو سکتی ہے، لیکن اسلام اُن معنی میں مذہب نہیں جیسے لوگ عام فہم زبان میں ذاتی معاملات Personal affairs کا نام دیتے ہیں بلکہ قرآن کریم میں اسکے لئے لفظ ''دین'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جسکے معنی ہیں 'مکمل ضابطۂ ہدایت' Complete Code of Life اور اس اعتبار سے اسلام کو محض نماز روزہ تک محدود کر دینا صحیح نہیں۔ اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے حضرات جو نماز روزہ کے پابند تو ضرور ہیں لیکن اپنی زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلام کے نفاذ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے،(۳) جبکہ قرآن کریم نے واضح طور پر کہا ہے کہ :

---

(۱) نیازی، غلام سرور خان، ڈاکٹر، اسلامی معاشی اقدار کے فروغ کا عملی طریقہ کار تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں: بحوالہ مقالات سیرت النبی ﷺ، عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں / شعبہ تحقیق ومراجع - وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد، اٹھارویں سیرت کانفرنس، ۱۹۹۴ء / ص : ۱۱۶ بحوالہ : مقدمہ ابن خلدون

(۲) ایضا

(۳) احمد، خورشید پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تحقیق وتصانیف، یونیورسٹی آف کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء / ص: ۱۲۶

يا يها الذين امنوا ادخلوا فى السّلم كآفة ولاتتبعوا خطوتِ الشّيطن ط انه لكم عدوّ مبين ۝(۱)

ترجمہ: اے اہل ایمان، اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو! بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تفسیر میں درجہ بالا آیت کی تشریح اسطرح لکھتے ہیں کہ "حکم خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات، یا صرف چند قوانین کا نام نہیں؛ وہ تو ایک جامع و مانع نظامِ حیات ہے، ایک مکمل و منظم دستورِ زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ، ہر ہر گوشے پر حاوی اور اُسکا ہر جزو اُسکے کُل سے اُسکے دوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق و مرتبط، یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے لے لیکن عبادات کے لئے مسجد، مندر اور کلیساء سب کو یکساں سمجھے، یا رسالت پر تو ایمان لے آئے لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مرکس Marxism سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لینے جائے۔ معادیات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں۔ کسی اور فلسفہ، کسی اور دین، کسی اور نظریہ کی پیوند کاری اسکے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔ آیت کا حکم عام ہے، لیکن شانِ نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نومسلم یہود کی طرف تھا، یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے ہیں، کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائدِ قدیم کی کیئے جائیں۔ اور اسلام کی ایک مستقل شاخ یہودیانہ اسلام قائم کرلیں۔ جسطرح بات کو گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام وغیرہ، بہت سے "اسلام" قائم ہو کر رہے! اُدخلوا خود ہی صیغۂ اُمر وجوب کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اسکے حال کافة نے اِسے کس درجہ مؤکد کر دیا۔ اور با قاعدہ اشارہ النص واجب ہو گیا کہ ظاہری، باطنی، انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی سارے اعمال و عمور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔ اسلَم، سَلم کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں اور یہ لفظ 'حرب' کے مقابل آتا ہے۔" (۲) چنانچہ حضرت تھانویؒ نے بھی اِسی طرح بیان میں فرمایا ہے کہ "یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان لیکن رسمیں اختیار کرلو مجوس عجم کی، معاشرت لے لو مشرکین ہند کی، قانونِ فوجداری اختیار کرلو ملحدینِ فرہنگ کا، معاملات کرنے لگو دستور یہود کے مطابق، شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے۔ اور اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ اسلام کامل فرض ہے، اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابلِ رعایت نہ ہو اُسکی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے۔ اور یہ نسبت ظاہری معاصی کے اسکے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنّہ ہے"۔ (۳)

لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک مسلمان کی زندگی کا ہر رخ خدا کی مرضی کے مطابق متعین ہوتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر دائرے میں، اپنے سارے افعال و اعمال میں اور اپنے کل معاملات و تعلقات میں خدا کی ہدایت کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے، اسکی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ شیطان ابتداً خدا کا پرستار تھا لیکن جب اُسے ایک ایسا حکم دیا گیا جو اُسکے نفس پر گراں گذرا (یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنے کا حکم) تو اُس نے انکار کر دیا اور گمراہی کا شکار ہوا۔ (۴) بالکل اسی طرح انسانوں کے حکم کی بجا آوری کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک نظام اور مرتب کیا ہے اور وہ ریاستی حیثیت یعنی مملکت کے قوانین کی پاسداری کرنا ہے، چنانچہ دنیا کا کوئی قانون اٹھا کر دیکھ لیں سب میں یہ بات یکساں ملے گی کہ کوئی شخص جس ریاست میں رہتا ہو وہ وہاں کے کسی قانون کے بارے میں اپنے لاعلم ہونے کا ایک ذرہ بھر بھی مفاد نہیں

---

(۱) قرآن کریم: سورة البقرة /۲: ۲۰۸

(۲) تفسیر ماجدی، دریا آبادی، عبدالماجد مولانا/ص: ۸۲

(۳) ایضاً- ص: ۸۲، بحوالہ حضرت مولانا تھانویؒ

(۴) احمد، خورشید پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تحقیق و تصانیف، یونیورسٹی آف کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء، ص: ۱۳۶

حاصل کر سکتا لہذا مملکت سیاسی یا معاشرتی ہی نہیں بلکہ شرعی طور پر بھی مطلق العنان ہونے کا درجہ رکھتی ہے یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب میں صرف مسلمانوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنی مملکت کی باگ دوڑ میں سب سے پہلے مطلق العنان کا لفظ صرف اللہ واحدہ لاشریک کو ٹھہراتا ہے، جسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ تمام مملکت کا نظام ونسق صرف اللہ رب العزت کے احکامات پر پابندی کرنے اور اُسکے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریق پر عمل کرنے کی پابند ہوگی. آیئے دیکھتے ہیں کہ اہل کتاب نے مملکت کا کیا تصوّر قائم کیا ہے.

اس زمین پر جسطرح بھی زندگی گزارے وہ ان تین حالتوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ محظ ایک فرد ہوتا ہے، یا کچھ افراد ملکر ایک معاشرہ ترتیب دیتے ہیں، یا پھر انمیں سے کچھ لوگ ملکر ایک ریاست بنالیتے ہیں. لہذا اب دیکھتے ہیں کہ ملکیت کے عناصر مرکبی کیا ہیں:
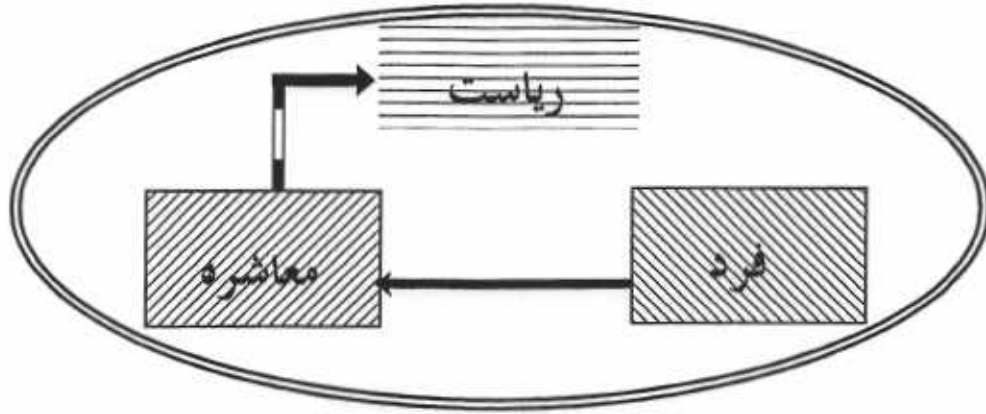
درجہ بالا ہائپوتھیسس میں دکھلایا گیا ہے کہ ریاست جو کہ فرد کے نتیجے ہی میں وجود پذیر ہوئی ہے اور فرد و معاشرہ سے کہیں زیادہ طاقتور اور بالا بھی ہوتی ہے، لیکن اگر فرد و معاشرہ اپنے اپنے لئے کچھ حقوق ملکیت رکھتے ہیں تو ریاست کے بھی اپنے کچھ حقوقِ ملکیت ہوتے ہیں مگر ایسی صورت میں ریاست کی خود مختار طاقت کا اسلام میں کوئی عمل دخل نہیں بلکہ حقوقِ ملکیت کے تقسیم کار کا طریقہ یہ ہے کہ جس جس حیثیت میں افراد، معاشرہ اور ریاست کبھی پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ انہیں کچھ حقوق بھی دئے گئے ہیں (۱) جو بلاشبہ بربنائے خلافت وامانت اُنہیں حاصل ہیں، نہ کہ تصرّف حقیقی کے طور پر انہیں اُن حقوق یا اختیارات کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے. چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے معاشرہ کا وجود دراصل اپنے افراد کے لئے ہوتا ہے، اس کی نشو نما افراد کی فطری ضرورتوں کے تحت ہوتی ہے اور انہیں سے وہ معاشرہ قائم رہتا ہے، معاشرہ اپنے فرائض کی انجام وہی کے لئے ریاست اور اسی طرح کے دوسرے اداروں سے مدد لیتی ہے، افراد کی جان و مال اور عزّت وآبرو کا تحفظ، عدل وحریت کی ضمانت اور تعلیم وترقی کے وسائل کی فراہمی ریاست کی چند اہم ذمہ داریاں ہیں. اسطرح یہ بات واضح ہوئی ہے کہ افراد، سوسائٹی اور ریاست اپنے فرائض کے مطابق ملکیت کے حقدار ہیں، ان تینوں گروہوں کی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ان سب کے لئے اسلام کچھ حقوق ملکیت عطاء کرتا ہے، یہ تقسیم اپنی جگہ نہایت متوازن وجامع ہے. مگر جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو اپنی نگاہ میں نہیں رکھا، انہوں نے اسلام کے تصوّرِ ملکیت کی تشریح اپنے نقطہ نظر سے کی، کسی نے اُسے سوشلزم سے قریب بنایا، تو کسی نے سرمایہ داری سے، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اُسے جاگیرداری کا حامی قرار دیا. (۲)

(۱) علوم فی القرآن۔تحقیقی مقالات۔اقبال، رانا۔قرآنی تصور ملکیت، اصلاحی، عبدالعظیم، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار۔لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۱۶۷

(۲) ایضاً/ص:۱۶۶

پہلی فصل :

(الف) یہودیت میں تصوّرِ مملکت

ربّی ایلیازوالڈمین نے، جوکہ غربی کنارے کی ایک بستی کریت اربا کے ایک مذہبی اسکول کو سربراہ ہے، 21 جون 2002ء کے ''جیوئش پریس'' (نیویارک) میں اپنے مضمون میں لکھا ہے: ''اسرائیل کے فرزندوں کا اسرائیل کی سرزمین سے منفرد تعلق ہے جس کا موازنہ کسی بھی قوم کے، اسکے وطن کے ساتھ تعلق نہیں کیا جاسکتا. ہمارا تعلق تو زمین آسمان کی تخلیق کے وقت وجود پذیر ہوا تھا. ہمارے ہاتھ کا مقدر ہے کہ یہودیوں کو زندگی دیں اور یہودیوں کا مقدر ہے کہ وہ سرزمین کو زندگی دیں. جس طرح جلاوطن یہودیوں کو'' قبرستان میں موجود ہڈیوں'' سے تشبیہ دیا گیا ہے.(۱) ''تب اُس نے مجھے فرمایا، اے آدمزاد یہ ہڈیاں تمام بنی اسرائیل ہیں.'' (۲)

دوسری جگہ کہا گیا کہ نبی کے دیئے ہوئے آئین پر حکومت کا نظام چلے گا.

''اور میرا بندہ داؤد اُن کا بادشاہ ہوگا، اور اُن سب کا ایک ہی چرواہا ہوگا اور وہ میرے احکام پر چلیں گے اور میرے آئین کو مان کر اُن پر عمل کرینگے''.(۳)

یعنی حکومت کا نظام شرطیہ طور پر نبی کا دیا ہوا ہوگا اور جو نظام نبی کو خُدا کی طرف سے دیا گیا ہوتا ہے وہ ہی وقت کی شریعت کہلاتا ہے، چنانچہ یہ بات تو طے ہوگئی کہ یہودیت میں حکومت کا نظام عین شریعت کے مطابق ہوگا، چنانچہ یہ صرف مسلمان ہی کی ہرزسرائی ہے کہ وہ اپنے دین کی شریعت کو چھوڑ کر دنیادار طبقوں کی شریعت کو اپنا کر بڑے فخر کے ساتھ نظریاتی مملکت کا آئین کہتا ہے. اسی طرح یہودیوں سے خالی ارض اسرائیل کو ایک ''ویران مقام'' کہا گیا ہے.(۴)

'' اور میں تمہارے شہروں کو ویران کردونگا، اور تمہارے مقدسوں کو اُجاڑ بنادونگا اور تمہاری خوشبوی شیرین کی لپٹ کر میں سونگھنے کا بھی نہی، اور میں ملک کو سُونا کردونگا اور تمہارے دشمن جو وہاں رہتے ہیں، اس بات سے حیران ہونگے.'' (۵)

یہ فرمان ریاستِ اسرائیل کے جنم کا حقیقی سبب ہیں. یہ روشنی ریاستِ اسرائیل کو گھیرے ہوئے ملکوں کو تاریکی میں داخل ہوجائے گی.

''تم اپنے لئے بُت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اُسے سجدہ کرو اسلئے کہ میں خُداوند تمہارا خُدا ہوں. تم میرے سبتوں کو ماننا اور میرے مقدس کو تعظیم کرنا، میں خُداوند ہوں. اگر تم میری شریعت پر چلو اور میرے حکموں کو مانو اور اُن پر عمل کرو تو میں تمہارے لئے بروقت مینہ برساؤنگا اور زمین سے اناج پیدا ہوگا، اور

---

(۱) اسرائیل شحاک/نارٹن میزونسکی، مترجم، بٹ محمد احسن، اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی، جمہوری پبلیکیشنز، نیلا گنبد، لاہور، اگست ۲۰۰۲ء/ص:۱۳

(۲) ایزکائیل (حزقی ایل) 37:11;12

(۳) ایضا / 37:24

(۴) اسرائیل شحاک/نارٹن میزونسکی، مترجم، بٹ محمد احسن، اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی، جمہوری پبلیکیشنز، نیلا گنبد، لاہور، اگست ۲۰۰۲ء/ص:۱۳

(۵) لیویٹکس 26:31-32

میدان کے درخت پھلینگے. یہاں تک کہ انگور جمع کرنے کے وقت تک تم داوتے رہو گے اور جو تنے بونے کے وقت تک انگور جمع کرو گے، اور پیٹ بھر اپنی روٹی کھایا کرو گے، اور چین سے اپنے ملک میں بسے رہو گے. اور میں ملک میں امن بخشونگا اور تم سوؤ گے اور تمکو کوئی نہیں ڈرائیگا" (۱)

توراۃ میں مملکت کے قیام کیلئے جہاد کا تصور موجود ہے:

"اور میں برے درندوں کو ملک سے نیست کردونگا، اور تلوار تمہارے مملکت میں نہیں چلیگی، اور تم اپنے دشمنوں کا پیچھا کرو گے اور وہ تمہارے ملک آگے آگے تلوار سے مارے جائینگے. اور تمہارے پانچ آدمی، سو کو رگید نگے اور تمہارے سو آدمی دس ہزار کو کھدیڑ دینگے اور تمہارے دشمن آگے آگے تلوار سے مارے جائینگے." (۲)

اس درجہ بالا تورات کی آیت نے تو ہمیں حیران ہی کر دیا کہ جو لوگ قرآنِ کریم کی میں سورۃ توبہ، اور احزاب کے علاوہ جتنی بھی آیاتِ جہاد پر کہ جسمیں جہاد بمعنی "قتال" کے آیا ہے، پر معترض ہیں اور تنقید کرتے ہیں کہ دشمنانِ اسلام کا میدانِ جہاد میں کھل کر قتل کرنے کا حکم آیا ہے، بقول اُن لوگوں کہ یہ آیات دہشت گردی کا سبق دیتی ہیں، تو مندرجہ تحقیق میں تورات کی جب درج بالا آیات سامنے آئیں ہیں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کو دہشت گردی کرنے کا کونسا درجہ دیا جاسکتا ہے، جبکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری جملہ بالکل سورۃ توبہ کی ایک دس پر بھاری، پھر ایک سو پر اور پھر ایک ایک ہزار پر بھاری والی آیات تو بالکل ملتی جلتی ہیں تو کیونکہ اسلام پر تنقید کی جاسکتی ہے کہ نعوذ واباللہ صرف اسلام ہی دہشگردی کی تعلیم دیتا ہے، بائبل میں تو یہ تعلیمات سرے سے ہیں ہی نہیں. جسکا واضح ثبوت درج بالا آیت جو عہد نامہ قدیم سے لی گئی ہیں، بیّن ثبوت ہے. پھر آگے اگر اُنکے خُدا کی بھیجی ہوئی شریعت پر عمل درآمد نہ ہو تو اُن ہی کا خداوند ان کے لئے غیض وغضب کا منبع نظر آتا جیسا کہ ان الفاظ میں بڑی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ:

"لیکن اگر تم میری نہ سنو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو اور میری شریعت کو ترک کرو اور تمہاری روحوں کو میرے فیصلوں سے نفرت ہو اور تم میرے سب حکموں پر عمل نہ کرو بلکہ میرے عہد کو توڑ دو تو میں بھی تمہارے ساتھ اس طرح پیش آؤنگا کہ دہشت اور تپِ دق اور بخار کو تم پر مقرر کردونگا جو تمہاری آنکھوں کو چوپٹ کردینگے اور تمہاری جان کو گھلا ڈالینگے اور تمہارا بیج بونا فضول ہوگا کیونکہ تمہارے دشمن اُسکی فصل کھائینگے. اور میں خود بھی تمہارا دشمن ہو جاؤنگا. اور تم اپنے دشمنوں کے آگے شکست کھاؤ گے اور جنکو تم سے عداوت ہے وہی تم پر حکمرانی کرینگے اور جب کوئی تمکو رگیدتا بھی نہ ہوگا تب بھی تم بھاگو گے." (۳)

لہذا درج بالا آیات کے پیشِ نظر اب کسی کو اسلام پر تنقید کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے. پروفیسر ہرشی ایچ فرائیڈ مین، کہتے ہیں کہ (۴):

---

(۱) کتابِ مقدس، پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، 1980ء/ص: 121-120؛ احبار/ 6-26:1

(۲) ایضاً/احبار/ 9-26:6

(۳) ایضاً/احبار/ 18-26:14

(4) Friedman, H. Hershey Prof. 'Biblical Foundations of Business Ethics' Journal of Markets & Morality 3, No.1 (Spring 2000), P- 43-57

یہودیت میں مملکت ایک خُدا ہی کی تصور کی جاتی ہے:

"یعنی-بائبل کے احکامات میں یہ بات شامل ہے کہ وہ کسان سے کہے کہ زمین کا ساتواں سال مکمل آرام کا سبت ہو-(۱) یہاں پر سبت کے سال سے مراد زمین کو ضائع ہونے سے بچانے کے ہیں۔ لہذا زمین کو عزت واحترام دینا چاہیے نہ کہ اُسے ضائع کر دیا جائے۔ صحیفہ ہمیں بتلاتا ہے کہ "تب ابرھام نے بیر سبع میں جھاؤ کا ایک درخت لگایا اور وہاں اُسنے خداوند سے جو ابدی خدا ہے دعا کی۔(۲) ایک لمحہ کے لئے درجہ بالا آیت یہاں پر غیر ضروری محسوس ہوتی ہے، لیکن شاید بائبل ہمیں بتلانا چاہ رہی ہے کہ ابرھام زمین سے کس درجہ محبت رکھتے تھے، انھوں نے وہاں پر درخت لگا کر اُس جگہ کو خوبصورت بنا دیا اور اسطرح سے انہوں نے خُدا سے محبت (یعنی مذہبی جذباتیت) کا راستہ دکھلایا، کیونکہ بائبل یہ بات واضح کرتی ہے کہ (خدا کہتا ہے) "زمین ہمیشہ کے لئے نہ بیچی جائے، کیونکہ زمین میری ہے، (یعنی خدا کی ملکیت) اور تم میرے مسافر اور مہمان ہو۔(۳) لہذا انسانوں کو چاہئے کہ دنیا کے ساتھ رحمدلی اور عزت واکرام والا سلوک کریں نہ کہ غلیظ یا ناپاک سلوک سے اُسے برباد کریں۔

درجہ بالا پیراگراف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہودیت میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اقوال زرّین سے جو انقلاب برپا ہوا ہے وہ صرف ایک خُدا کی ملکیت کا ہی تصور رہے۔ چنانچہ مملکت کے قیام میں نہ صرف یہ کہ حاکمیتِ خداوندی اوّل درجہ کی حیثیت رکھتی بلکہ اس دنیا پر قبضہ کرنا خود انکے مذہب سے انحراف کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ اگر ہم بنی اسرائیل کے ابتدائی دور کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ بدوی اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے، دیگر اقوام کے دیکھا دیکھی وہ پتھروں، جانوروں اور درختوں وغیرہ کی عبادت کے مرتکب ہوتے رہے۔ اور اکثر اپنے سفر میں چھوٹے چھوٹے بت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے انہیں نہایت شدّت کے ساتھ عقیدۂ توحید کی تعلیم دی مگر مصر کی زندگی میں وہ مصریوں کی مشرکانہ زندگی سے برابر متاثر ہوتے رہے، اور جب موسیٰؑ انہیں فرعون کی غلامی سے چھُڑا لائے تب بھی انہوں نے ایک مشرک قوم کو دیکھ کر مطالبہ کر دیا کہ "ہمارے لئے بھی اُن جیسا مجسّم خدا بنا دیجئے"-اسی طرح جب حضرت موسیٰؑ احکامِ شریعت کے حصُول کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے لئے سونے کا بچھڑا ڈھال کر اُسکے سامنے برہنہ رقص شروع کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک اُن کی رگوں میں رچ بس چکا تھا۔(۴)

جیسا کہ شرک سب گناہوں میں بڑا اور سب بُرائیوں کی جڑ ہے، قرآن کریم میں اس کی تعریف" **انّ الشّرک لظلم عظیم** "(۵) ترجمہ: "بیشک شرک سب سے بڑا گناہ ہے" لہذا یہ عظیم گناہ ہر گناہ کو دنیا میں ظالمانہ و جابرانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے، تبھی تو سود کی عربی تعریف میں لفظِ "رباہ" کو زیادتی سے جو تشبیح دی گئی ہے، وہ بھی ایک کے بدلے میں دوسرے شخص پر ظلم کے سبب ہی ہے۔ لہذا اگر ہم مزید دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کے یہاں مذید کن اسباب کے باعث ہر پہلو نافرمانی پر منطبق نظر آتا ہے۔

---

(۱) توراۃ/احبار/ب ۲۵:۷

(۲) توراۃ/پیدائش/ب ۲۱:۳۳

(۳) توراۃ/احبار/ب ۲۵:۲۳

(۴) الازہری، مجیب الرحمان قاضی، پروفیسر ڈاکٹر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'یہودیت' تاج کتب خانہ، پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۷

(۵) قرآن کریم، سورۃ لقمان:/۳۱:۱۳

یہودی تاریخ کے مختلف ادوار:

یہودی تاریخ کو عموماً چار بڑے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور بائبلی Biblical ہے، جس کے دوران بیشتر یہود بائبل 'جسے عیسائی روایت میں عہد نامہ' قدیم کہا جاتا ہے' لکھی گئی۔ اگر چہ اس دور کے آغاز کا وقت یقینی طور پر معلوم نہیں ہے، تاہم یہ دور پانچویں صدی قبل از مسیح تک برقرار رہا۔ یہودیت Judaism، کم از کم اپنے بڑے خواص کے ساتھ، اس دور میں وجود نہیں رکھتی تھی۔ یہودی بائبل میں عبرانی لفظ ''یہوڈم'' ....Yehudim...... مابعد بائبلی عبرانی میں Jews اور اسکے متعلقات صرف جوڈیا Judea کی چھوٹی سی مملکت کے باسیوں کے لیے نیز اسرائیلی یا بنی اسرائیل یا کبھی کبھی عبرانی Hebrews کہلانے والے لوگوں سے انہیں ممتاز کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ بائبل بہر کیف ایسی کتاب نہیں ہے، جو آرتھوڈوکس یہودیوں کے اعمال اور عقائد کا تعین کرتی ہے۔ بیشتر بنیاد پرست آرتھوڈوکس یہودیوں کو بائبل کے بڑے اجزاء کا علم بھی نہیں ہے، اور انہیں صرف کچھ اجزاء کا علم تشریحوں کے ذریعے ہے، جسمیں مفہوم مسخ کردیا گیا ہے۔ مزید برآں بائبلی دور تنازعوں کی آماجگاہ ہے۔ اسرائیلیوں کی اکثریت، بشمول جوڈیا کے باشندوں کے، اس دور کے زیادہ تر حصے میں بت پرستی کرتی تھی۔ اسرائیلیوں کی صرف ایک معمولی سی اقلیت ہی اُن رجحانات پر کاربند تھی جن سے آگے چل کر یہودیت Judaism ابھری۔ مختصر یہ کہ یہدیت جیسا کہ اُسے جانا جاتا ہے، بائبلی دور کے دوران وجود نہیں رکھتی تھی۔ یہودی تاریخ کا دور عموماً ''دورِ معبدِ ثانی'' Second Temple Period کہلاتا ہے، اس دور کا آغاز پانچویں صدی قبل از مسیح میں ہوا تھا اور اسکا اختتام 70ء میں رومنوں Romans کے ہاتھوں معبدِ ثانی Second Temple کی تباہی پر ہوا، یہ ہی یہودیت کا تشکیلی دور تھا۔(۱)

آگے چل کر ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اپنے ابتدائی دور سے لیکر اہل یہود نے کب، کیسے اور کہاں تک ریاستی قوت حاصل کی؟ اسکے لئے جب تواریخ کا سہارا لیا جاتا ہے تو قبل از مسیح تاریخ پر بائبل کے عہد نامہ قدیم، اپوکریفا اور برٹانیکا سے ماخوذ درجہ ذیل قصہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک مختصر خاکہ پیش کرتا ہے:

بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسراوئیلیوں کو فراعنہ مصر کی غلامی پر مجبور کردیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کر سکے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور اُنکے بعد حضرت کالب علیہما پیغمبر ہوئے۔ حضرت یوشعؑ نے اپنے زمانے میں عمالقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا۔(۲) ادھر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، اُنکے بعد ۹۷۴ ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اُسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انہوں نے ہی اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جدِّ امجد کے نام پر ''یہودہ'' رکھا، لیکن جب ۹۳۷ ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن کا بیٹا رجعام سلطنت کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضاء کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا۔ اُسی زمانہ میں حضرت سلیمانؑ کے ایک سابقہ خادم برلعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت ''اسرائیل'' کے نام سے قائم کرلی، اور اب بنی اسرائیل دوملکوں

---

(۱) اسرائیل شحاک/ نارٹن میزونسکی، مترجم، بٹ، محمد احسن، اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی، جمہوری پبلیکیشنز، نیلا گنبد، لاہور، اگست ۲۰۰۲ء/ص: ۳۵

(۲) عثمانی، محمد تقی، مفتی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟، دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص: ۶۳

میں تقسیم ہو گئے۔ شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی، اسکا پایہ تخت سامرہ Somaria تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی، جسکا مرکز یروشلم تھا۔ ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا۔ جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا۔ دونوں ملکوں میں رہ رہ کر بُت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اسکے سدّ باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے۔(۱) اسکے علاوہ مؤرخین نے بھی کچھ اسی طرح کی تاریخ مرتب کی ہے، جسمیں سرفہرست 'ٹائن بی' Toynbee ہیں جو بہت ہی کھلے انداز سے یہودیوں کی ریاست بننے تک کے احوال بیان کرتے ہیں:

''۲۰۱ قبل از مسیح کے بعد روم کے شمال مغربی کنارہ کے اتحادی باشندوں نے کارتھیج کے علاقے پر مستقل قبضہ جمائے رکھا، اسکے بعد ۱۹۰ قبل از مسیح میں سیلوسڈ حکومت (آرمیانہ) کی جانب سے اس موضوع پر الارم بج رہا تھا کہ روم پر جنگ مسلط ہونے والی ہے، اور حکومتی قوتیں اُسکا بھرپور مقابلہ کریں گی، لیکن رومن کے ہاتھوں اُنکی شکست شاہوں کی فوجی کارروائیوں میں سُستی کو اسکی وجہ جانا ہے۔ چنانچہ سیلوسائڈ علاقے میں موجود گنبدوں سے نکلنے والے کروڑ ہا خزانوں پر اُنکا قبضہ یقینی ہو گیا۔ المیاز کے گنبدوں کی لوٹ کھسوٹ میں انٹیکس III سنہ ۱۸۷ ق م میں اور انٹیکس IV سنہ ۱۶۳ ق م میں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔(☆) سیلوسیڈیوں کے لئے دنیا کے بڑے معبد خانوں میں سب سے زیادہ مشکلات پیدا کرنے والا، یروشلم کا یہودی عبادت خانہ تھا۔ یہودی لابی کا جوڈیا میں پُرامن طریقے پر رہنا محض اس لئے تھا کہ وہ فارس اور طالمودی طرز حکومت قوائد وضوابط سے پیراستہ ملک تھا۔ لیکن صیہونی یہودی لابی میں، جن میں مصری لوگ بھی شامل تھے، میں اقلیتی اُمراء اور اکثریتی غرباء کے درمیان اندرونی خلفشار پایا جاتا تھا۔ اُمراء نے تو زمین ہتھیا کر وہاں کے تمام مال واسباب پر قبضہ جمالیا اور یہ سب مال واسباب یروشلم کے گنبدوں میں جمع کر لیا، اور وہاں کے بااثر خاندانوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ لہذا غرباء انکے لئے کسان ہوئے، آرٹیسن کے شہری اور یہودی قوانین کے مترجمین، جن قوانین کو سیلوسیڈ حکومتوں نے تسلیم کیا تھا، اور اس سے پیشتر یہ طالمک حکومتوں سے بھی منظور شدہ تھا، صرف یہودیوں کی صیہونیت کے لئے مخصوص تھا، چنانچہ صرف یہودیوں کے یہاں امیروں کے اقلیتی طبقوں میں بھی حریفانہ ٹوٹ پھوٹ ہو چلی تھی جسمیں سے معزز خاندانوں میں ایک بیاد اور دوسرا اُنید نامی مشہور خاندان تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان حراول دستوں کی چھٹی سیلوسڈ وطالمک جنگ ہوئی جو سیریا کی حکومت بن جانے پر ختم ہوئی، جسمیں جوڈیا نے طالمک سے سیلوسڈ حکومت میں تبدیل کر دیا اور اس تبدیلی نے اُن مقامی وجانی دشمن یہودیوں کو بھی ششدر کر دیا کہ جس کے باعث انہیں ظالموں سے ایک سیلوسڈ فریق میں ڈھال کر ایک نئے ظلم کا شکار کر دیا گیا۔ اور یہ ظلم انکے لئے مستقل پریشان اور حیران کن بن کر رہ گیا، اور یہ ظلم انکے لئے اور مزید پریشانی کا ذریعہ بن گیا کیونکہ اسمیں بدترین ظلم ہیلنزنگ امراء کی جانب سے مخالف ہیلنزنگ جوڈیمین یہودی پارٹی پر محض غریب ہونے کے باعث کیا گیا۔''(۳)

---

(۱) عثمانی، محمد تقی، مفتی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟، دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص:۶۳

(2) Toynbee, Arnold - Mankind and Mother Earth - a narrative History of the World, Oxford University Press, NY-1976/P-259-260

(۳) بحوالہ: گریوال، شیر محمد۔ اسلامیان ہند کا شاندار ماضی۔ اسلامک بک سروس۔ اردو بازار، لاہور۔ ۱۹۸۹ء/ص:۱۵ تا ۲۲

(☆) یہاں پر ہم یہ بات کہنے سے نہیں چوکیں گے کہ محمود غزنویؒ پر جس طرح کے الزامات لگائے گئے ہیں کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے جو کئے تھے وہ محض طاقت ودولت حاصل کرنے کے لئے تھا اور انہوں نے سومنات کا مندر بھی محض اسلئے فتح کیا تھا کہ وہ وہاں پر موجود خزانہ انکے ہاتھ آسکے، جبکہ یہ ایک سراسر الزام ہے، جسمیں کوئی حقیقت نہیں۔ فرض کریں محمود غزنوی کو اسلام کا لحاظ نہ تھا، اور وہ واقعی دولت اکٹھی کرنے کے لئے ہندوستان پر سترہ دفعہ حملہ آور ہوا، لیکن محمود کے مخالف کیمپ کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، بجالف کیمپ کے لوگ یعنی ہندو راجے اور مہاراجے مذہب کے نام پر جنگیں لڑ رہے تھے۔

یہودی حکومت میں طبقاتی تصوّر کی ابتداء کب ہوئی:

پچھلے پیراگراف سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں تو دنیا میں مارے مارے پھرتے رہے لیکن جب کہیں ذرا سا ٹھکانہ ملا جسمیں انہیں حکومتی اعتبار سے ملک وملت کے لئے کام کرنے کا موقع مل سکا وہاں انہوں نے اوّل روز ہی سے امیر وغریب کے درمیان تفاوت قائم کردیا، جسکے نتیجے میں اپنی روحانی ومذہبی تعلیمات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، اپنے من پسند احکامات اور ظالمانہ قوانین مرتب کیے۔ جسکے نتیجہ میں انہیں بھی دنیا بھر میں سوائے ذلت ورسوائی کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ چنانچہ یہودیت میں کسی خاص مذہبی ٹیکس یا ملکی آمدنی کا تصوّر نا پید ہی نظر آتا ہے۔ البتہ لوٹ کھسوٹ اور غاصبانہ آمدن اُنکا ذریعہ رہا ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ دور میں اہلِ یہود نے اسرائیلی ریاست کو قائم کرنا اور اُس ریاست کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں لے لینا ہی اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے:

Liberal Judaism, both Reform and Conservative, is also a modern version of the faith, mindful of ancient roots, but modernist in emphsis. As for Orthodox Judaism, that too has a modern aspect in being also self-conscious in its reaffirmation of the authority of the Torah. But all Jewish forms of religion have also been reshaped in modern times by the foundation of the State of Israel. Even many of the Orthodox, who do not like the sense of forcing God's hand in the restoration of Israel, support either the State or at least the project of living in Israel.(1)

درجہ بالا پیراگراف بتلا رہا ہے کہ بنیاد پرست اور جدیدیت پسند دونوں طرح کی آزاد یہودیت کا ایمان جدید تقاضوں سے مانوس اور قدیم جڑوں سے پُر ہے، لیکن انپر جدیدیت کا عنصر غالب ہے۔ جیسا کہ بنیاد پرست یہودیوں کے یہاں بھی اپنی توراۃ کے احکامات کو اپنے لئے باعث نظرِ ثانی نہیں سمجھتے، لیکن اسرائیلی ریاست کی بنیاد ڈالنے کے بعد سے یہودیت کا مذہب آج کے نئے دور میں اپنی ھیئت کو یکسر جدیدیت کے تقاضوں پر ڈھال چکا ہے۔ یہاں تک کچھ بنیاد پرستوں کے نزدیک، جواز خود اسرائیلی ریاست کے قیام میں خُدا کی دخل اندازی پسند نہیں کرا سرائیلی ریاست کے قیام ہی کو اپنی حیات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پچھلی فصل میں دیکھ چکے ہیں کہ فیلو، ایک یہودی فلسفی ہے جس کا زمانہ ۲۰ ق م سے ۵۰ عیسوی تک ہے، نے اس (یہودی) فرقے کا ذکر احترام سے کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لوگ سونا چاندی جمع نہیں کرتے تھے، تجارت، شراب، صنعت اور جہاز رانی سے اسلئے دور رہتے تھے کہ اُن میں حرص وطمع پیدا ہوتا ہے۔ غلامی ممنوع تھی، مشترکہ ملکیت کے قائل تھے، لیکن تاریخ کے ارتقاء کا دھارا پیچھے کو نہیں

لاہور کے جے پال نے اپنے آپ کو اس لئے آگ میں زندہ جلا دیا تھا کہ وہ اپنی مذہبی حیثیت کے پیشِ نظر شکستوں کا کلنک لگا کر اپنے ہم مذہبوں میں مزید ذلیل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ سب راجاؤں نے انند پال کی درخواست پر اتحاد پیدا کیا۔ اس اتحاد کی بنیاد 'ہندو دھرم خطرے میں ہے' رکھی گئی تھی۔ اسی نعرہ نے سارے ہندوستان میں مذہبی آگ لگادی تھی۔ ہندو عورتوں تک نے اپنے دھرم کی خاطر اپنے زیورات جنگی تیاریوں کے لئے وقف کردئے تھے۔ محمود غزنویؒ تو اپنی فتوحات میں سراسر ایک صلیبی جنگ کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ مال کا فتح کے بعد ہاتھ لگنا تو فاتح کا حق دنیا کی تمام مذہبی جنگوں کا اصول رہا ہے، تو محمود غزنویؒ کے ہاتھ اگر مال لگ گیا تھا تو کونسی بڑی بات تھی۔ البتہ درجہ بالا معاملہ میں تو انفرادی حیثیت سے مؤرخ جو خود انہی کے مذاہب سے تعلق رکھتا ہے کھلے دل سے انٹیکس III اور IV کے بارے میں تو کھلے دل سے اُن کی لوٹ کھسوٹ اور وہ بھی اُنکے مذہبی گنبدوں یا کلیساؤں پر اپنی زندگی کھپانے کا ذکر کرتا ہے، جو حقیقتاً مسلمانوں سے چھپائے گئے وہ حقائق ہیں، جن کے باعث صرف مسلمانوں ہی پر تمام الزامات دھرے جاتے ہیں۔

---

(1) Smart, Ninian, The World's Religions, Cambridge University Press,UK, 1993/p-550

جاتا، بنی اسرائیل نے موسوی شریعت کو کسی گمراہی یا ذہنی کجروی کی وجہ سے ترک نہیں کیا تھا اور نہ ہی پرانی تعلیمات کو اخلاقی بنیادوں پر ترک واختیار کیا جاتا ہے. اخلاقیات کا ڈھانچہ تو پیداواری قوتوں کے ارتقاء پر کھڑا ہوتا ہے. نہ ہی قبائلی سماج کو کھینچ کر تجارتی سرمایہ داری میں گرایا جاسکتا ہے. اور نہ ہی قبائلی سماج اور اسکی ناگزیر مساوات کو توڑتی ہوئی جاگیرداری کے آگے بند باندھا جاسکتا ہے، تاوقتیکہ تبدیلی لانے والی قوتیں توانا ہو کر نئے ابھرتے سماج کے خدوخال کا واضح اظہار کردیں. بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے تھے جہاں کہ زرعی معاشرہ تھا. وہ ۴۳۰ برس مصر میں رہے مگر گلہ بانی ترک نہ کی کیونکہ ان کے پاس زمین کم تھی. جب گلہ بانی بھی کفالت نہ کرپاتی تو وہ غلاموں کی طرح مصریوں کی مزدوری کرتے. بنی اسرائیل کی تمام تر ثقافتی (نسلی) ومعاشی مزاحمت کے باوجود ان کی قبائلی گلہ بانی کے زمانے کی مساوات ٹوٹ گئی تھی اور ان میں طبقات پیدا ہو گئے تھے. کیونکہ یہ ناگزیر تھا. پھر جب بنی اسرائیل کے نجات دہندہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے تو انہوں نے قوم کے دوبارہ فلسطین جانے کا کہا. بارہویں صد قبل مسیح میں یہ لوگ دوبارہ گلہ بانی کے حامل سماج کی طرف مراجعت کرنے کے لئے ل پڑے اور فلسطین تک چالیس برسوں میں پہنچے تو فرعون کی غلامی کو یاد کرنے لگے. من وسلویٰ نازل ہوا اور اسکو مساوات کے تحت تقسیم کئے جانے کی شریعت بھی آئی. زمین کو بھی برابر تقسیم کرنے کی بات ہوئی. کتاب استثناء چیخ چیخ کر مساوات کا درس دیتی رہی مگر فرعونوں کی غلامی میں رہنے والے خود فرعون بن گئے.(۱)

قدیم طرزِ حکومت میں زراعت سازی اہلِ یہود کے لئے ایک بہترین ذریعہ آمدنی تھی مگر؟

ہمیں طے کرنا پڑے گا کہ یہودیت کا نظام حکومت عصری تقاضوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے. یہ بات صرف جغرافیائی حالات کی تبدیلیوں ہی سے اختلاف کا باعث نہ تھی کہ یہودیت نے جہاں کہیں حکومت بنانے کی کوشش کی وہ سراسر ناکامی کا سامنا کئے بغیر نہ رہے، لہذا صرف جغرافیائی حالات ہی کو موردِ الزام قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اہلِ یہود کی بدعادات کا اس معاملے میں بڑا عمل دخل ہے. کیونکہ جب قرآن کریم کے مطابق بادشاہ مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السّلام کی بیگناہی ثابت ہوگئی تو:

"وقال الملک ائتونی به استخلصه لنفسی ، فلمّا کلّمه قال انک الیوم لدینا مکین امین ٥
قال اجعلنی علی خزآئن الارض ، انّی حفیظ علیم ٥" (۲)

ترجمہ: بادشاہ نے کہا، اسے (حضرت یوسف علیہ السّلام کو) میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص ذاتی کاموں کے لئے مقرر کرلوں، پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ تو ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانتدار ہے. یوسفؑ نے کہا، آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجئے، میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں.

اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السّلام کی بیگناہی کھل گئی تو خوش ہو کر کہا کہ انہیں میرے پاس بلالاؤ کہ میں انہیں اپنے خاص مشیروں میں کرلوں. چنانچہ آپؑ تشریف لائے. جب وہ آپؑ سے ملا، آپؑ کی صورت دیکھی، آپؑ کی باتیں سُنیں، آپؑ کے اخلاق دیکھے تو دل سے گرویدہ ہوگیا اور بے ساختہ اسکی زبان سے نکل گیا کہ آج سے آپ ہمارے معزز اور معتبر ہیں. اس وقت آپؑ نے ایک خدمت اپنے لئے پسند فرمائی اور اسکی اہلیت ظاہر کی. انسان کو یہ جائز بھی ہے کہ جب وہ انجان لوگوں میں ہو تو اپنی قابلیت بوقت ضرورت بیان کردے. اُس خواب کی بناء پر، جس کی تعبیر آپؑ نے دی تھی، آپؑ نے یہی آرزو کی کہ زمین کی پیداوار غلہ وغیرہ جو جمع کیا جاتا ہے اُس پر مجھے مقرر کیا جائے تاکہ میں محافظت کروں نیز اپنے علم کے مطابق عمل کرسکوں تاکہ رعایا کو قحط سالی کی مصیبت کے وقت قدرے عافیت مل سکے. بادشاہ کے دل

(۱) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دارالشعور، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص: ۲۹
(۲) قرآن کریم: سورۃ یوسف/۱۲: ۵۴-۵۵

پر تو آپ کی امانت داری، سچائی، سلیقہ مندی اور کامل علم کا سکہ بیٹھ چکا تھا، اسی وقت اُس نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔(۱)

"وکذالک مکنّا لیوسف فی الارض ج یتبوّأ منها حیث یشآء ط نصیب برحمتنا من نشآء ولا نضیع اجر المحسنین o ولا جر الاخرۃ خیر للذین امنوا وکانوا یتقون o" (۲)

ترجمہ: اس طرح ہم نے یوسفؑ کو ملک کا قبضہ دے دیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہیں، ہم جسے چاہیں، اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیک کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔ یقیناً ایمانداروں اور پرہیزگاروں کا اُخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔

زمین مصر میں یوں حضرت یوسف علیہ السّلام کی ترقی ہوئی۔ اب اُنکے اختیار میں تھا کہ جس طرح چاہیں تصرّف کریں۔ جہاں چاہیں مکانات تعمیر کریں۔(۳) تاریخ کے اوراق پلٹنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السّلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السّلام اپنی والدہ محترمہ حضرت سارہؓ کے ساتھ اُس وقت کنعان میں ہی آباد تھے، جب حضرت ابراھیم علیہ السّلام نے بابل سے ہجرت فرما کر اللہ کے حکم سے مکّہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت اسحٰق علیہ السّلام سے حضرت یعقوب علیہ السّلام پیدا ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السّلام کا لقب 'اسرائیل' تھا، اس لئے عبرانی قوم کی یہ شاخ بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی۔ پھر اسرائیلیوں نے مغرب کی طرف فلسطین کا رُخ کیا اور وہاں آباد ہونا شروع ہوئے۔ سولہویں صدی قبل مسیح میں یہ لوگ سخت قحط سالی کا شکار ہو کر مصر جانے پر مجبور ہوئے اُس وقت تک حضرت یوسف علیہ السّلام عزیز مصر کے منصب عالی پر فائز ہو چکے تھے، اس لئے اُن کے زمانے میں وہاں اسرائیلیوں کی بڑی پزیرائی ہوئی۔ پھر انکو مصر میں لا بسایا تو اُن سے زراعت میں محنت و مشقت کر کے روزی حاصل کرنے کی ہدایت کی تو انہوں نے اپنی لاچار کمزوریوں کے باعث محنت سے جی چُراتے ہوئے، پھر اس مسئلہ میں انتہائی ضد بندی شروع کر دی۔ جبکہ زراعت کا میدان اُنکے لئے کچھ نیا نہ تھا، حتیٰ کہ 745-950 ق م میں جب شام کا علاقہ ایک زرعی پیداوار کے لئے شہرت یافتہ علاقہ ہو چکا تھا، تو یہ بات بھی مشہور ہو چکی تھی کہ زراعت دراصل معاشی ہی نہیں بلکہ مذہبی مسئلہ بھی ہے اور وہ کیوں ہے، اسکا حل انشاء اللہ اسلام کے باب میں آرہا ہے، یہاں یہ دیکھنا مقصود ہے کہ من وعن اہل کتاب کے یہاں بھی یہ مسئلہ ایسا ہی تھا، جسے تبدیل کر کے اب لادینیت کے اہم مسائل میں سے بنا دیا گیا ہے:

Agriculture was originally a religous as well as economic activity. (4)becuase: Syria had become an agricultural country, and pastoral nomad immigrants quickly became agriculturists when they settled on Syrian ground. (5) This was the perdiod such: 950-745 B.C.(6)

اور جب بابل ونینوا کے پہلے شہنشاہ سارس-II نے دربدر یہودیوں کو بابل میں لا بسایا تو بھی انکے کردار میں کوئی واضح تبدیلی نہ آسکی:

"Deutero-Isaiah; testifies that he lived nearly two centuries later than the authentic Isaih; for 'Deutero-Isaiah' hails, as Yahweh's anointed king, Cyrus-II, the first founder of the Frist Persian Empire; and Cyrus-II conquered the neo-Babylonian Empire, and gave the Jewish deportees in Babylonia permission to return to Judaea, in 539 B.C. (7)

بابل کا حال بھی مصر جیسا ہی تھا، وہاں کی پیداوار میں بھی غریبوں کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ حالانکہ اس ملک کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ بعض مما لک کا حال پڑھ کر تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہاں مال دار غریبوں کو گندے کاموں پر مجبور کرتے تھے۔ معمولی سی لغزش پر انہیں بکروں کی طرح ذبح

(۱) ابن کثیر، عماد الدین ابوالفدا ءحافظ، تفسیر ابن کثیر، مترجم، جوناگڑھی، محمد مولانا، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، س ن/ص:۶۵۶

(۲) قرآن کریم، سورۃ یوسف/۱۲:۵۶-۵۷

(۳) ابن کثیر، عماد الدین ابوالفدا ءحافظ، تفسیر ابن کثیر، مترجم، جوناگڑھی، محمد مولانا، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، س ن/ص:۶۵۷

(4) Toynbee, Mankind and Mother Earth, Oxford University Press, US, 1976/page-129

(5) Ibid

(6) Ibid

(7) ibid/page-176

کرتے تھے، ایتھنز میں طریقہ تھا کہ غریب اگر خراج ادا نہ کرتے تو انہیں غلاموں کی طرح فروخت کردیا جاتا تھا، یونان میں غریبوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری اسٹیٹ کی تھی.(۱) کچھ اسی سے ملتی جلتی بات جو آدم اسمتھ نے کہی ہے کہ: 'مصر قدیم اور حکومتِ ہند کے نزدیک بھی زراعت قابلِ ترجیح تھی اور دیگر تمام کاروبار سے افضل واعلیٰ شمار کی جاتی تھی'.(۲) چونکہ ان ملکوں کے لوگ زراعت پیشہ تھے، اور سمندر سے نفرت کرتے تھے، لہٰذا ہندوستان اور مصر کے لوگ تجارت میں غیر ملکوں کے مرہونِ منت تھے.(۳) ایسی صورت میں زرعی ٹیکس اور لگان ہی مملکت کے اقتصادی بار کو سنبھال سکتا تھا، لہٰذا زرعی پیداوار کے ذریعے حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسی مد سے پورا ہوتا تھا.

اہل یہود نے زمین پر اللہ کی فتح ونصرت کی پیشکش کے مدِّ مقابل خانہ بدوشی کو پسند کیا:

لیکن جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد مصر کے حالات بدل گئے اور فراعین مصر نے جو قبطی تھے انہیں اپنا غلام بنالیا اور اُن پر بے پناہ مظالم ڈھائے، تیرھویں صدی قبل مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن 'بنی اسرائیل' کو قبطیوں 'فرعون و آلِ فرعون' کی غلامی سے نجات دلائی اور اس تباہ حال منتشر قوم کو متحد کرکے سینا کے علاقے میں آباد کیا،(۴) صحرائے سینا میں بھی اُن لوگوں نے انتہائی دون ہمتی اور ناشکری کا ثبوت دیا، انہیں بے سروسامانی کی حالت میں من وسلویٰ دیا گیا، مگر یہ پیاز، گندنے اور لہسن جیسی چیزوں کے مطالبے کرتے رہے. اس پر بھی انہیں کچھ نہ کہا گیا بلکہ معاف کردیا گیا(۵)

"واذقال موسی لقومه یقوم اذکروا نعمةالله علیکم اذجعل فیکم انبیآء وجعلکم ملوکا ق واتکم مالم یؤت احدامن العلمین ۝

"یقوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خسرین ۝ " (۶)

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم میں نبی پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا جو جہان میں کسی کو نہ دیا تھا، اے میری قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کردی اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ نقصان میں جا پڑوگے.

یہاں لفظِ 'وجعلکم ملوکا' سے مراد ملک کے معنی عربی میں لازمی طور پر بادشاہ اور تاجدار ہی کے نہیں، ہر آزاد خودمختار اور صاحبِ حیثیت شخص پر اسکا اطلاق ہوسکتا ہے.(۷) خود اہلِ فلسطین کے محاورہ میں بھی تقریباً ہر سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا.(۸) اسی لئے یہاں معتدائمہ واکابر نے ملِک کا ترجمہ مخدوم یا اور ایسے

---

(۱) ثانی، محمد صلاح الدین ڈاکٹر پروفیسر، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت، مقالات قومی سیرت کانفرنس، ۲۰۰۱ء/۱۴۲۲ھ، شعبہ تحقیق ومراجع، وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۱۲۳ مکمل حوالہ دیکھیں: العبادی، الدکتور، عبدالسلام داؤد، الملکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ طبیعتھا ووظیفتھا وقیودھا دراسۃ مقارنۃ بالقوانین الوضعیۃ، مکتبۃ الاقصیٰ، ج۱/ص:۷۰

(۲) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دار الشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص:۱۷، بحوالہ آدم اسمتھ، دولت اقوام، جلد سوم ص:۹۹

(۳) ایضاً/ص:۲۷

(۴) انصاری، بزم پروفیسر، عبدہ ورسولہ، پاک اورینٹل پبلیکیشنز، بی-۱، فرسٹ فلور، ارشد پلازہ، ناظم آباد، کراچی، س ن/ص:۲۰۳

(۵) کیانی، محمد سلیم، یہود کا کردار ـــ قرآن کے آئینے میں، بحوالہ 'علوم فی القرآن تحقیقی مقالات'، اقبال، رانا محمد، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۲۹۸-۲۹۹

(۶) قرآن کریم: سورۃ المآئدہ/۵:۲۰-۲۱

(۷) دریابادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص:۲۳۶

(۸) ایضاً/ص:۲۳۶ بحوالہ جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۷ ص ۵۰۰

ہی مترادفات سے کیا ہے۔(۱) اسرائیلی ابھی چند سال قبل تک محکوم، مغلوب و مقہور تھے اور اب ہر طرح آزاد و خود مختار تھے۔ بالکل بجا تھا کہ تقابل حالات کے اظہار کے لئے اب انہیں ملوک سے تعبیر کیا جاتا(۲) پھر خدا نے انہیں ایک ملک بخشنا چاہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان کو لے کر اس سرزمین پر حملہ کریں خدا انہیں فتح دے گا تو ان کی دون ہمتی پھر آڑے آئی اور انہوں نے یہ کہہ کر نہ صرف اپنی بزدلی کا کھلم کھلا اعتراف کیا بلکہ اپنے نبی کی اطاعت سے بھی صاف انکار کر دیا کہ:(۳)

"قالوا یموسی ان فیها قوما جبارین ق وانا لن ندخلها حتی یخرجوا منها ج فان یخرجوا منها فانا داخلون ٥" (۴)

ترجمہ: انہوں نے کہا اے موسیٰ بے شک وہاں ایک زبردست قوم ہے اور ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں پھر اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔

جب حضرت موسیٰؑ کے دو مخلص مؤمنین ساتھیوں نے انہیں سمجھانا چاہا کہ ڈرو نہیں، ہمت سے کام لے کر آگے بڑھو خدا تمہیں فتح دے گا،

قال رجلن من الذین یخافون انعم الله علیهما ادخلوا علیهم الباب ج فاذا دخلتموه فانکم غلبون ٥ وعلی الله فتوکلوا ان کنتم مؤمنین٥' (۵)

ترجمہ: دو شخصوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم انکے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے، اگر تم مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھنا چاہئے۔

تو اُن کی اصلی ذہنیت سامنے آ گئی اور وہ پکار اٹھے:

"قالوا یموسی انا لن ندخلها ابدا ما داموا فیها فاذهب انت وربک فقاتلآ انّا ههنا قاعدون ٥ " (۶)

ترجمہ: قوم نے جواب دیا اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لئے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ایسے موقع پر حضرت موسیٰؑ جیسا اولوالعزم پیغمبر بھی پکار اٹھے:

"قال رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفسقین ٥ " (۷)

ترجمہ: اے میرے ربّ! میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر میری اپنی ذات یا میرا بھائی، پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کر دے"۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک وہ ملک اُن پر حرام کر دیا۔ اور یہ اس سارے عرصے میں جنگلوں میں بھٹکتے رہے۔

"قال فانّها محرمة علیهم اربعین سنة ج یتیهون فی الارض ط فلا تاس علی القوم الفسقین ٥ " (۸)

ترجمہ: ارشادِ ربانی ہوا، کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔

---

(۱) دریاآبادی، عبدالماجد مولانا، القرآن الحکیم، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص:۲۴۶

(۲) ایضاً

(۳) کیانی، محمد سلیم، یہود کا کردار — قرآن کے آئینے میں، بحوالہ علوم فی القرآن تحقیقی مقالات، اقبال سرانا محمد، حیدر پبلی کیشنز، لاہور، مئی ۲۰۰۲ء/ص:۲۹۸-۲۹۹

(۴) قرآن کریم: سورۃ المآئدہ/۵:۲۲

(۵) قرآن کریم: سورۃ المآئدہ/۵:۲۳

(۶) قرآن کریم: سورۃ المآئدہ/۵:۲۴

(۷) قرآن کریم: سورۃ المآئدہ/۵:۲۵

(۸) قرآن کریم: سورۃ المآئدہ/۵:۲۶

یہود کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزاء کے طور پر چالیس برس میدانِ تیہ میں سرگرداں رہنا :

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت جہاد دینے سے پہلے بطور تمہید کے فرمایا، اے میری قوم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرو کہ اس نے تم میں کئی انبیاء پیدا فرماوے اور تمہیں آزادی اور حکومت عطاء فرمائی اور تم کو بعض وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں. مثلاً دریا میں راستہ بنانا، دشمن کو عجیب طریقے سے غرق کرنا، وغیرہ- اے میری قوم' ان نعمتوں اور احسانوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم قوم عمالقہ کے خلاف جہاد کے حکم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو' اور اس برکت والے ملک میں جہاد کے ارادہ سے داخل ہو جاؤ کہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصّہ میں لکھ دیا ہے' اس لئے بس داخل ہوتے ہی فتح مل جائے گی' اور پسپائی اختیار نہ کرو پھر بالکل خسارے میں جا پڑو گے. 'دنیا میں اس بابرکت اور کشادہ ملک شام سے محروم رہو گے اور آخرت میں "فریضہ جہاد' کے چھوڑنے کے گناہ گار ہو گے'. (۱)

یہاں پر مراد اس میدان سے میدان 'تیہ' ہے، جسمیں چالیس برس یہ قوم اپنی نافرمانی اور جہاد سے اعراض کی وجہ سے سرگرداں رہی، اور یہی وہ مقام تھا جہاں پر باوجود اُن پر من وسلویٰ کا نزول ہوا، جس سے اکتا کر انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے. اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دالیں ہمارے لئے پیدا فرمائے، یہیں اُن پر بادلوں کا سایہ ہوا، پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لئے بارہ چشمے جاری ہوئے، اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے، چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیئے گوے کہ یہ بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے. (۲) اور جہاں بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی بدترین بزدلی ، سوء ادبی اور تمرد وسرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے، اسکے برعکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے قلتِ تعداد وقلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصّہ لینے کے لئے بھرپور عزم کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ "یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ کو کہا تھا". (۳) چنانچہ یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے اس زمانہ تک تو، تورات میں جو خاطر خواہ تبدیلیاں ہو چکی تھیں وہ ممکن ہے کہ اُس حد تک نہ ہوں کہ بنی اسرائیل کو اُنکی کم ظرفیوں اور نادانیوں سے اگاہ نہ کر سکتی ہوں، جو کہ آج کے زمانہ میں اُنکی کتبِ مقدسہ سے اس قسم کا جواز تلاش کرنا گویا جوئے شیر لانا ہے.

اہل یہود کی آپس میں طبقاتی جنگ کا مختصر حال :

لیکن جہاں اہلِ یہود کے عصری نظامِ حکومت کا معاملہ آتا ہے وہاں ہی سے نصارنیت کے پیروکاروں کی ان یہود سے ازلی دشمنی کھل کر سامنے آتی ہے. جیسا کہ شہنشاہ آگسٹس، ۵۶۳ ق م میں زوال پذیر رومی سلطنت کا فرمانروا تھا، اسکے زمانے میں فلسطین میں یہودی آباد تھے ج جو کہ اپنے معاشی ومعاشرتی معاملات میں آزاد تھے. یہ آزادی ایسی ہی تھی جیسی ہماری آج کی آزادی کہ جاگیردار اور سرمایہ دار کو استحصال کی آزادی ہے اور امریکہ کی خوشنودی ہی اُنکا مقصد اولیٰ ہے. لہذا اُس دور کا فلسطین کا بالا دست یہودی طبقہ روم کی بالادستی کو مانتا تھا اور یہودیوں کی روم سے

---

(۱) الازھر، محمد مسعود، مولانا، فتح الجوّاد فی معارف آیات الجہاد، مکتبہ عرفان، لاہور، ج۱، اپریل ۲۰۰۷ء، ص:۴۸۷ بحوالہ مفہوم بیان القرآن.

(۲) یوسف، صلاح الدین، حافظ، تفسیر احسن البیان (اردو)، دار السلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض، سعودی عرب، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۸ء، ص:۲۹۸

(۳) یوسف، صلاح الدین حافظ، تفسیر احسن البیان، دار السلام پبلشرز، ریاض سعودی عرب، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۸ء، ص:۲۹۸ بحوالہ صحیح بخاری، کتاب المغازی وکتاب التفسیر

آزادی کی ہر کوشش کی مخالفت کرتا تھا کیونکہ اسکے مفادات بڑے سکون سے رومی بالا دستی میں پورے ہو جاتے تھے۔ ان صدوقی یہودیوں کے ساتھ ساتھ وہاں فریسیوں کا طبقہ بھی تھا جو کہ معاشی لحاظ سے مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے ج یہ لوگ جوش وخروش سے مذہبی تعلیمات میں دلچسپی لیتے تھے۔ یہ لوگ جو آج کی مڈل کلاس کی طرح عبادات پر تو زور دیتے تھے، لیکن موسوی شریعت کی اصل روح یعنی استحصال کے خلاف لڑائی سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ ان یہودیوں کا تیسرا گروہ بنائین کا تھا جو صدوقی یہودیوں کے بالکل برخلاف دولت اور تجارت سے نفرت کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی اشترا کی تعلیمات سے متاثر ہو کر علیحدہ آباد ہو گئے تھے۔ اور اپنی بستیاں تعمیر کر لی تھیں۔ چوتھا ھوجہ عام یہودیوں کا تھا جو کہ محنت کش کاشتکاروں اور کاریگروں پر مشتمل تھا۔ انکو ایک طرف سے رومی لوٹتے تھے اور دوسری طرف سے مقامی صدوقی اور فریسی یہودی لوٹتے تھے۔ اُسی طرح جیسے ہمارے محنت کش طبقے، کاشتکاروں اور کاریگروں کو ایک طرف مقامی بالادست طبقہ لوٹتا ہے تو دوسری طرف امریکی سامراج لوٹتا ہے۔ یہی محنت کش لوگ تھے جو بغاوت اور انقلاب کی باتیں کرتے تھے اور کسی نجات دہندہ کے منتظر تھے۔ (۱) ادھر مصر جو زمانہ قدیم میں جنت نشان تھا۔ جہاں پیداوار اس کثرت سے ہوتی کہ مصر سے کئی گنا آبادی کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ لیکن غریب طبقہ کو کھانا میسر نہیں تھا۔ کیونکہ خوش حال طبقہ اُن کے لئے کوئی غذا باقی نہیں رہنے دیتا تھا سوائے بھوسے کے، جس سے نہ صحت بن سکتی ہے اور نہ بھوک رفع ہو سکتی ہے۔ (۲)

بنی اسرائیل کی حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ سے ایک پُرانی عادت یہ رہی ہے کہ چونکہ انکی زندگی تمدنی زندگی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی تاہم جو شخص اُنکے قبائلی قوانین کی بناء پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا، ہے، اُسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے اور اگر اسمیں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اُسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل 'قاضی' کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب قضاۃ Judges ان ہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے۔ اور زمانے کو' قاضیوں کا زمانہ' کہتے ہیں۔ (۳) یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہودیوں کا شروع میں کوئی ملک نہ تھا، لیکن جو قوم فرعون کی غلام تھی اسکی تعداد بہت زیادہ تھی، انہوں نے کھلم کھلا نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود بھی حضرت موسیٰؑ کے انکار پر اتفاق کیا، ان میں صرف ایک شخص نے ایمان قبول کیا اور وہ بھی اپنے ایمان کو چھپائے پھرتا تھا، اسی طرح یہود جو حضرت مسیحؑ کے زمانے میں اپنی کثرتِ تعداد کی بناء پر پورے ملک شام کو ڈھانپے ہوئے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

واورثنا القوم الذين كانو يستضعفون مشارق الارض ومغاربها التى باركنا فيها ط (۴)

ترجمہ: وہ لوگ جو کمزور تھے ہم نے اُن کو زمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنایا، جس میں ہم نے برکت دی۔

---

(۱) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دار الشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص:۵۹

(۲) ثانی، محمد صلاح الدین ڈاکٹر پروفیسر، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت، مقالات قومی سیرت کانفرنس، ۲۰۰۱/۱۴۲۲ھ، شعبہ تحقیق ومراجع، وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۱۳۳

(۳) عثمانی، محمد تقی، مفتی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟، دار الاشاعت، کراچی، س ن/ص:۶۳

(۴) قرآن کریم، سورۃ الاعراف /۷:۱۳۷

بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت دنیا پر کن مذاہب کا قبضہ تھا:

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی اُس وقت پانچ قسم کے لوگ پوری دنیا پر چھائے ہوئے تھے [۱] یہود، [۲] نصاریٰ ، [۳] مجوس ، [۴] صابئہ ، [۵] مشرکین۔ انھیں لوگوں کی حکومت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی، یہودیوں کی اکثریت یمن ، خیبر ،مدینہ اوراسکے اطراف میں تھی، کچھ لوگ شام کے اطراف میں نصاریٰ کی ماتحتی میں اوران کی ایک جماعت فارس میں مجوس کی ماتحتی میں تھی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں نصاریٰ نے پوری روئے زمین کو ڈھانپ رکھا تھا.شام میں سب نصاریٰ ہی تھی مغربی دنیا کے بیشتر حصّوں میں انہیں کی آبادی تھی ،اسی طرح ،مصر، حبشہ،لوبیہ، جزیرہ، موصل،سرزمین نجران اوراسکے علاوہ بہت سے ملکو پران کا تسلط تھا.(۱) قرآن کریم نے بھی ان پانچوں ادیان کی تصدیق اس آیت میں کی ہے.

ان الذین امنوا وللذین هادوا والصابئین والنصرى والمجوس واللذین اشر کوا ق
ان الله يفصل بينهم يوم القيمة ،ان الله على كل شئى شهيد ٥ (٢)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جوایمان لائے اور وہ جو یہودی بن گئے اور ستارہ پرست اور نصاری اور مجوس اور مشرکین کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے.

اس سب کے باوجو اہل یہود عیسوی شریعت سے بالاشریعت والے نبی کے منتظر رہتے تھے.

اہلِ یہود ایک نبی محترم ﴿ﷺ﴾ کی آمد کے منتظر تھے:

اہل یہود وہ قوم تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک کسی نبی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ بشارت میں مذکور ہے اور یہودی برابر موسیٰ جیسے ایک نبی کی آمد کے منتظر چلے آتے تھے.(۳) یہی وجہ ہے کہ یہود کے چند مشہور قبائل مدینہ منورۃ اوراُسکے قُرب وجوار میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔

That there were Jews in Medina when Muhammad went there is clear, but how they came to be there and whether they were of Hebrew stock is not clear. Were they the descendants of fugitives from Palestine - perhaps after the rising of Bar Kokhba? Where they mainly Arabs who had adopted the Jewish faith? Such questions have been much discussed first by Muslims and then by Western scholars, but no general agreement has been reached. The Jewish tribes had many customs identical with those of their pagan Arab neighbours and intermarried with them, but they adhered firmly to the Jewish religion, or at least to a form of it, and maintained their distinct existence. (4)

جب حضور نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مسلمانوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی اور دشمنوں (مشرکین مکّہ) کے درمیان اُن کو احتیاط سے رہنا تھا.اس چھوٹی سی جماعت کا تمام عرب دشمن تھا.حضورﷺ نے مدینہ اور اطراف کے قبائل سے معاہدا کئے اور اور ضرور تھا کہ اُن معاہدات کی پوری پابندی کی جائے .کیونکہ حفاظت کا صرف یہی طریقہ تھا.جن قبائل سے آپ ﷺ نے معاہدے کئے اُن میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے یہ تھے جو اطراف مدینہ میں رہتے تھے: بنو قینقاع ؛ بنوالنضیر اور بنو قُریظہ-ان تینوں نے یکے بعد دیگرے معاہدہ کا خلاف کی اور آخر یہ

---

(۱) الجوزیہ،امام ابن القیم، یہود و نصاری تاریخ کے آئینہ میں،مترجم،زبیر احمد سلفی، نعمانی کتب خانہ،اردو بازار،لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء/ص:۳۹-۴۰

(۲) قرآن کریم،سورۃ الحج/۲۲:۱۷

(۳) چیمہ،چودھری غلام رسول پروفیسر،مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،علم و عرفان پبلشرز،اردو بازار،لاہور،جنوری ۲۰۰۶ء/ص:۹۳

(4) Watt, W. Montogmery, Muhammad at Medina, Oxford University Press, NY,1981/p-192

نقض عہداُن کے لئے تباہ کن ثابت ہوا.(۱)

یہود کے علماء نے آپ ﷺ کو علم الکتاب کے ذریعے پہچانا :

یہود کے علماء نبی کریم ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے، ابن سحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے اپنے ایک بنو قریظہ کے شیخ کے واسطے سے یہ بیان کیا کہ شیخ نے مجھ سے پوچھا، کیا تم جانتے ہو کیہ اسد و ثعلبہ ابنی شعبہ اور اسد بن عبید کا اسلام لانا کیسے ہوا. میں نے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ شام کا ایک یہودی جس کا نام ابن الھیبان تھا ہمارے پاس آیا اور مقیم ہوگیا. خدا کی قسم میں نے کسی آدمی کو اس سے بہتر نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا. وہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دو سال پہلے آیا تھا، ہمارے یہاں جب بھی قحط سالی پڑتی تو ہم اس سے پانی کی دعا کرنے کے لئے باہر نکلنے کی درخواست کرتے وہ کہتا کیہ ہم اس وقت تک نہیں نکلیں گے جب تک تم لوگ اپنے نکلنے سے پہلے ایک صاع کھجور یا دو مد کی مقدار جو، صدقہ نہ کردوگے، چنانچہ ایسا کرنے کے بعد ہم حرا پہاڑ کے اردگرد اس کے ساتھ نکلتے اور دعا کرتے. خُدا کی قسم اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی زوردار بارش شروع ہو جاتی اور پہاڑی راستوں سے پانی بہنے لگتا. ایسا واقعہ ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بار ہا پیش آیا اور جب اُسکی وفات کا وقت قریب ہوا تو ہم لوگ اسکے پاس اکٹھا ہوئے اس نے کہا اے قوم یہود کیا تم جانتے ہو کہ سرسبز و شاداب زمین کو چھوڑ کر اس قحط زدہ زمین میں مجھے کون سی چیز لائی تھی لوگوں نے جواب دیا آپ زیدہ بہتر جانتے ہیں. اُس نے کہا کہ یہاں مجھے ایک نبی کے خروج کو توقع تھی جن کا زمانہ بالکل قریب آچکا ہے اسی لئے میں آیا تھا یہ شہر اُن کی ہجرت گاہ ہے، پس تم اُن کی اتباع خروج ہوتے ہی کرنا تا کہ کوئی اس معاملے میں تم پر سبقت نہ لے جائے.(۲) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عاصم بن قتادہ نے یہ بیان کیا کہ اُن سے اُنکے بہت سے شیوخ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق اہل عرب میں سے کوئی بھی شخص ہم سے زیادہ جاننے والا نہیں تھا. اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے درمیان اہل کتاب یہودی رہتے تھے اور ہم بُت پرست تھے، اُن کو جب ہماری جانب سے کووی تکلیف لاحق ہوتی تو کہتے کہ ایک نبیؐ کے مبعوث ہونے کا زمانہ بالکل قریب آچکا ہے، ہم اُن کی اتباع کر کے تم کو قوم عاد و اِرم کی طرح قتل کر ڈالیں گے. لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی تو ہم نے آپ ﷺ کی اتباع کی اور انہوں نے کفر کیا، لہذا ہمیں دونوں فریق کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:(۳)

”وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ج فلما جآءھم ما عرفوا کفروا بہ ز فلعنۃ اللہ علی الکفرین ○“(۴)

ترجمہ: اور یہ یہودی آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے کفار کے مقابلے میں آپؐ کے ذریعے فتح طلب کرتے تھے،
لیکن جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو انہوں نے پہچاننے کے باوجود کفر کیا. پس کافروں پر خُدا کی لعنت ہے.

حاکم اور انکے علاوہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہود کہتے تھے کہ اے اللہ ہمارے لئے تو اس نبی کو مبعوث کردے جو ہمارے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے. سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ خیبر کے یہودی اور قبیلہ غطفان کے درمیان لڑائی جاری تھی، ان کی جب آپس میں ڈبھیڑ ہووی تو فیہودیوں کو شکست اٹھانی پڑی، اس وقت یہودیوں نے اس دعاء سے پناہ طلب کی، ”اے اللہ ہم محمد ﷺ کے

---

(۱) داناپوریؒ، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات، اصح السیر، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن/ص:۱۱۴

(۲) الجوزیہ، امام ابن القیم، یہود و نصاری تاریخ کے آئینہ میں، مترجم، زبیر احمد سلفی، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء/ص:۵۴

(۳) ایضا

(۴) قرآن کریم: سورۃ البقرۃ/۲:۸۹

حق کیساتھ نصرت کی فریاد کرتے ہیں، جو تو نے ہم سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ آپ کو آخری زمانے میں ہمارے لئے مبعوث کرے گا'. یہ دعا انہوں نے میدان جنگ میں آنے کے وقت کی چنانچہ غطفان کو شکست ہوگئی. پھر جب نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:(۱)

'وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ۽'(۲) ترجمہ: اور اس سے پہلے یہودی کفار کے خلاف فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے.

اور یوں مدینہ منورۃ میں یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا، اور توراۃ کی تعلیم کے لئے متعدد درسگاہیں قائم تھیں، جن کو 'بیت المدارس' کہتے تھے.(۳) آج کے دور میں بھی ان مدارس کو SEMINARY کہا جاتا ہے:

SEMINARY: the term is sometimes used to describe Anglican "Theological Colleges", but is more usually kept for the corresponding instituions in the Roman Catholic RC Church. (4) *

حدیث کی کتابوں اسی نام سے انکا ذکر آتا ہے قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی، امرا القیس کا ہمعصر مشہور شاعر سمویل بن عادیا، جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا اہل کتاب کی روایتیں مکہ معظمہ میں اس قدر روایت پا چکی تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اسمیں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ ﷺ کو سکھاتا ہے، خود قرآن مجید میں ہے:(۵) **'ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمه بشر ۽'(۶) ترجمہ: اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے.**

---

(۱) الجوزیہ، امام ابن القیم، یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینہ میں، مترجم، زبیر احمد سلفی، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء/ص:۵۵

(۲) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۸۹:۲

(۳) نعمانی، شبلی علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، حصہ اول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۶۲ء/ص:۱۲۳

(4) F.L. Cross,The Oxford Dictionary of the Christian Church, Oxford University Press-NY, 1974/p-1258

(۵) نعمانی، شبلی علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، حصہ اول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۶۲ء/ص:۱۲۳

(۶) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۸۹:۲

☆ سنری، پر مجھے یاد ہے کہ گلشن اقبال، کراچی کے علاقے D-13، میں واقع ایک RC Church Seminary واقع ہے، 2006ء کے اوائل میں بغرض تحقیق و مطالعہ، میرا اُس لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا، جسکے باہر Dominican House of Studies, Karachi لکھا ہوا تھا اور جسمیں منتظمین نے 'مائیکل شاہد' نامی صاحب کا مجھ سے بحیثیت 'لائبریرین' تعارف کرایا، لیکن افسوس کہ شاہد صاحب نے مجھے لائبریری کے دروازے میں بھی داخل ہونے سے منع کرتے ہوئے یہ جواز پیش کیا کہ ہم اپنی لائبریری کسی 'مسلم' کو نہیں دکھلا سکتے، یہ بات مجھے یقیناً بہت گراں گزری، جس پر میں نے انہیں مسلم لائبریرز کی مثال پیش کی کہ وہاں تو تمام علوم انسانیت کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اسکا یقیناً مطلب یہ نظر آرہا ہے کہ آپکے مذہب میں کچھ مسائل ایسے ہونگے جو عموعی انسانوں پر کھول دیئے جائیں تو آپ کے مذہب کی حقیقت کھل کر سامنے آجائیگی، اس بات پر وہ صاحب ناراض تو بہت ہوئے، لیکن باخلاق انداز میں کہا 'We were having a nice meeting this evening' جس پر میں نے اُنکی خدمت میں عرض کیا 'Sorry! I had not a nice meeting this evening'. یہاں اس قصہ سے مراد یہ عرض کرنا تھا کہ مدارس کا قیام کوئی نئی بات نہیں، یہود و نصاریٰ دونوں اپنے اپنے مدارس چلا رہے ہیں جس سے مراد محض انکے مذہبی افکار کی تعلیمات ہی ہے، لہذا چونکہ مسلمان بے چارے ان علوم سے ناواقف ہیں، اور وہ اپنے سر پر مغرب سے اُٹھنے والے تمام الزامات لئے جا رہے ہیں، تو یہ بات بین المذاہب مکالمہ کی کانفرنسوں میں اٹھائی جانے کے قابل ہے، کہ مسلمانوں کا طرز عمل مدارس کا بعد از تاریخ یہود و نصاریٰ ہے، اگر یہود و نصاریٰ اپنے اپنے مدارس چلا کر اپنے مذہبی افکار کی تعلیمات دے سکتے ہیں تو کیوں کر مسلم امۃ کے مدارس ہی کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور اسمیں کس قسم کی تربیت دیجا رہی ہے، اسکی واضح دلیل مذکورہ مثال سے قائم ہو سکتی ہے، کون اپنی تعلیمات کو چھپاتا ہے، لہذا کس کے پاس معاملہ Conspiracies پر مشتمل ہے کس کے پاس نہیں.

حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جولوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے ہیں اُنکی تعدادان لوگوں کے بنسبت بہت ہی کم ہے جواسلام میں داخل ہوئے ہیں، بلکہ اکثر اُمتیں اسلام میں بغیر جبرواکراہ کے بخوشی داخل ہوئی ہیں.(۱) جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ کی اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کی دعوت پر اکثر ادیان نے لبیک کہا اور دین کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں کیا گیا بصرف قتال (جہاد) انہیں لوگوں سے ہوا جولڑائی کرتے تھے، بقیہ جن لوگوں نے صلح کر لی تھی ان سے نہ قتال ہوئی اور نہ کسی کو دین میں داخل ہونے کے لئے مجبور کیا گیا. بلکہ اللہ کا یہ حکم ہمیشہ سامنے رہا.(۲)

'لآاکراہ فی الدّین قد تبیّن الرشد من الغیّ ٥'(۳) ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں، جب کہ ہدایت گمراہی سے ظاہر ہوگئی.

قرآنِ کریم میں جہاں کہیں جہاد فی سبیل اللہ یعنی قتال کا بھی ذکر آیا ہے تو اسکا مقصد دین کی سربلندی ہے. اور زمین اور اسپر رہنے والوں کی اصلاح مطلوب ہے. اس لئے مشرکین وکفار کی بدعہدیوں اور دوسرے جرائم کے باوجود بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

' فان تابوا واقاموا الصلواۃ واتوا الزکاۃ فاخوانکم فی الدّین ؕ ونفصل الایٰتِ لقوم یعلمون ٥'(۴)

ترجمہ: اگر یہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکواۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم سمجھداروں کے لئے کھول کھول کر احکام بیان کرتے ہیں.

صاحبِ معارف القرآن تحریر فرماتے ہیں: 'اس آیت نے واضح کردیا کہ اسلامی برادری میں داخل ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں: اوّل کفرو شرک سے توبہ، دوسرے نماز اور تیسرے زکواۃ، کیونکہ ایمان وتوبہ تو ایک امرِ مخفی (چھپی ہوئی چیز) ہے، جس کی حقیقت کا عام مسلمانوں کو علم نہیں ہوسکتا اس لئے اسکی دوظاہری علامتوں کو بیان کردیا گیا، یعنی نماز اور زکواۃ' (۵)

یہودی اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کے اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، مگر؟

جیسا کہ یہ بات پچھلے صفحات پر آچکی ہے یہود، یمن، خیبر، مدینہ کے علاوہ شام کے نصاریٰ اور فارس کے مجوسی کے ماتحت رہ چکی ہے، اور پھر ان کی آپس کی جنگیں کچھ کم نہ تھیں، اس کے باوجود مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا ہے کہ 'اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے' اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اہل کتاب یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے کیونکہ جتنا کشت خوں انکے آپس کے فرقوں میں ہوا ہے، اتنا اسلام کی پوری تاریخ میں نہیں ملتا، اور عیسائیت کے بڑے خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عیسائیت نے اپنے پھیلاؤ کے لئے تلوار کا سہارا لیا تھا:

Islam is often reproached with having propagated its faith by the sword; what is over looked is, first, that persuasion played a much greater part than war in the expansion of Islam as a whole, and, secondly, that only polytheists and idolators could be compelled to embrace the new religion, thirdly, that the God of the Old Testament is no less a warrior than the God of the Quran, quite the opposite, and, fourthly, that Christianity also made use of the sword from the time of Constantine's appearance on the scene. The question to be put there is simply the following: is it possible for force to be used with the aim of affirming and diffusing a vital truth? Beyond doubt the anser must be in the affirmative, for experience proves that we must at times do violence to irresponsible people in their own interest. (6)

---

(۱) الجوزیہ، امام ابن القیم، یہود ونصاریٰ تاریخ کے آئینہ میں، مترجم، زبیر احمد سلفی، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء/ص:۳۹

(۲) ایضا

(۳) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ/۲:۲۵۶

(۴) قرآن کریم، سورۃ التوبہ/۹:۱۱

(۵) الازہر محمد مسعود مولانا، فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد، مکتبہ عرفان، لاہور، اشاعتِ دوم ربیع الاول ۱۴۲۹ھ/ص:۳۹۸-۳۹۹

(6) Schuon, Frithjof, "Understanding Islam", Suhail Academy Lahore, Pakistan, 1985/Page-28

یعنی اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کانسٹنٹائن دور میں عیسائیت کو اپنی بقاء کی جنگ میں تلوار اٹھانا پڑی تو وہ گویا معصوم لوگوں کو بچائی کی دعوت دینے کے لئے از خود انہی کے مفاد میں تھی، اسکے برعکس اگر ہم دیکھیں تو محض اسلام وہ مذہب سب کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے کہ وہ اگر لوگوں کی بھلائی کی خاطر اپنی سزائیں بحکم الٰہی پوری کرتا ہے تو اُسے مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے کہ نعوذ و باللہ اسلام کی سزائیں انسانیت پر جبر و ظلم ہیں، جبکہ اسلامی جہاد کا مقصد محض اسلام کی حفاظت ہے نہ کہ کسی پر ظلم و جبر کرنا. دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری انسانیت کو یہ بات سمجھادے کہ سچوں میں سچّا کونسا مذہب ہے اور تلوار بازی میں کس مذہب نے سب سے زیادہ اپنے ہم خیال مذہب کی بیخ کنی کی. میری مراد عیسائیت کی جانب سے وہ ظلم و جبر ہے جو نیتے یہودیوں پر Holocaust کی شکل میں اس دنیا کی تاریخ میں رقم کیا گیا، کیا یہ سب کچھ اپنی انتہائی مذہبیت پرستی، بنیاد پرستی اور Terrorism کے مترادف نہ تھا. چند ایک مثالیں اور تعریفات برائے Holocaust آگے آرہی ہیں جنگی وجوہات پر پچھلے باب میں طالمود کے زیر اثر روایات کا ذکر آچکا ہے، یہاں ہولوکاسٹ کی تفصیل جاننے سے یہ پتہ چلے گا کہ ماضی میں کیا کچھ رونما ہو چکا ہے اور اس سب کا ملکر بدلہ یکجہتی کے نام پر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کھڑا کر کے لیا جا رہا ہے. یہاں پر اسکی تفصیل میں تو ہم نہیں جانا چاہتے، البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ ارضِ فلسطین یہودیوں کی وہ آماجگاہ رہی، جہاں یہودیوں نے ''نحن ابناء الله واحبّاه'' کا نعرہ لگایا جس سے مراد بنی اسرائیل اپنے ہی زعم میں خُدا کے لاڈلے بیٹے ہیں اور کسی کو اسکے فضل و کرم کے سفرہ عام سے ایک ریزہ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں. پھر اصول انسانیت کی اس تحقیر اور اخلاق و مدنیت کی اس تذلیل ہی پر بس نہیں بلکہ فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ انسانیت کے وجود ہی کو ختم کر دیا جائے. ارضِ فلسطین یہودیوں اور عیسائیوں کے خون سے لالہ زار ہو رہی ہے. نصرانی حکومت یہودیوں کے ساتھ غلاموں کا سا برتا کرتی ہے، یہودیوں کا ملّی وجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، اُن کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے شعائر مذہبی کو آزادانہ انجام دے سکیں. یہودیوں نے شہر 'صور' کا محاصرہ کر کے ہزاروں عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا ہے. یہی نہیں بلکہ ''جنگ روم و ایران، میں ایرانیوں کے ہاتھوں قید ہونے والے اسّی ہزار عیسائی قیدیوں کو خرید کر اُن کے خون سے اپنی آتش انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو سرد کر دیا ہے.(۱)

After 300 years of pacifism, this was the first intra-Christian persecution. More significantly, in 325 he summoned the Council of Nicaea, effectively the first Ecumenical Council (unless the Council of Jerusalem is so classified, Pre Ecumenical councils include the Council of Rome 155 AD - Constantine also enforced the prohibition of the First Council of Nicaea against celebrating Easter on the day before the Jewish Passover (14 Nisan) (see Quartodecimanism and Easter controversy). Constantine made new laws regarding the Jews. They were forbidden to own Christian slaves or to circumcise their slaves. Jews were forbidden to proselytize or accept converts to Judaism. Any Jew found converting a Christian to Judaism by force would be burned alive. Jewish clergy were given the same exemptions as Christian clergy. Congregations for religious services were restricted, but Jews were allowed to enter Jerusalem on one day each year. Constantine also supported conversion efforts in Judaea. He raised Josephus of Tiberias (a Jewish convert to Christianity) the rank of comes and gave him the money to build churches in the largely Jewish towns of Galilee.(2)

درجہ بالا دونوں پیراگرافوں میں under lines بتلا رہی ہیں، کہ یہودیوں پر ظلم کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اور Holocaust کے ذریعے ان سے نہ صرف اُنکا حق خودارادیت چھینا گیا بلکہ انسانیت کی یہ تحقیر کی گئی کہ انہیں اجتماعی طور پر زندہ جلایا گیا. جبکہ اسلام میں ایک معمولی جاندار کو مرنے کے بعد بھی جلانا اُسکی توھین کے مترادف خیال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ انسان کو زندہ جلا دینا. کانسٹنٹائن کس شخصیت کو کہتے ہیں اس کا مختصر تعارف عیسائیت کے مضامین میں آرہا ہے.

(۱) میر ٹھی، زین العابدین سجاد، پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام، بحوالہ مدیر محمد طفیل، نقوش۔ رسول نمبر، جلد سوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء، ص: ۲۶۰

(2) http://en.wikipedia.org/wiki/Constantine_I accessed:28-05-2009

ہولوکاسٹ کیا ہے اور یہ کیونکر واقع ہوا ؟

اس کی وجہ جاننے کے لئے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تمام معلومات بلا تبصرۃ شامل کی جارہی ہیں :

What is the Origin of the Word "Holocaust"?

The word holocaust comes from the ancient Greek, olos meaning "whole" and kaustos or kautos meaning "burnt." Appearing as early as the fifth century B.C.E., the term can mean a sacrifice wholly consumed by fire or a great destruction of life, especially by fire. While the word holocaust, with a meaning of a burnt sacrificial offering, does not have a specifically religious connotation, it appeared widely in religious writings through the centuries, particularly for descriptions of "pagan" rituals involving burnt sacrifices. In secular writings, holocaust most commonly came to mean "a complete or wholesale destruction," a connotation particularly dominant from the late nineteenth century through the nuclear arms race of the mid-twentieth century. During this time, the word was applied to a variety of disastrous events ranging from pogroms against Jews in Russia, to the persecution and murder of Armenians by Turks during World War I, to the attack by Japan on Chinese cities, to large-scale fires where hundreds were killed. Early references to the Nazi murder of the Jews of Europe continued this usage. As early as 1941, writers occasionally employed the term holocaust with regard to the Nazi crimes against the Jews, but in these early cases, they did not ascribe exclusivity to the term. Instead of "the holocaust," writers referred to "a holocaust," one of many through the centuries. Even when employed by Jewish writers, the term was not reserved to a single horrific event but retained its broader meaning of large-scale destruction. For example:

You are meeting at a time of great tragedy for our people. In our ... deep sense of mourning for those who have fallen ... we must steel our hearts to go on with our work ... that perhaps a better day will come for those who will survive this holocaust. (Chaim Weizmann, letter to Israel Goldstein, December 24, 1942) What sheer folly to attempt to rebuild any kind of Jewish life [in Europe] after the holocaust of the last twelve years! (Zachariah Shuster, Commentary, December 1945, p.10) By the late 1940s, however, a shift was underway. Holocaust (with either a lowercase or capital H) became a more specific term due to its use in Israeli translations of the word sho'ah. This Hebrew word had been used throughout Jewish history to refer to assaults upon Jews, but by the 1940s it was frequently being applied to the Nazis' murder of the Jews of Europe. (Yiddish-speaking Jews used the term churbn, a Yiddish translation of sho'ah.) The equation of holocaust with sho'ah was seen most prominently in the official English translation of the Israeli Declaration of Independence in 1948, in the translated publications of Yad Vashem throughout the 1950s, and in the journalistic coverage of the Adolf Eichmann trial in Israel in 1961. Such usage strongly influenced the adoption of holocaust as the primary English-language referent to the Nazi slaughter of European Jewry, but the word's connection to the "Final Solution" did not firmly take hold for another two decades. The April 1978 broadcast of the TV movie, Holocaust, based on Gerald Green's book of the same name, and the very prominent use of the term in [United States President] Jimmy Carter's creation of the President's Commission on the Holocaust later that same year, cemented its meaning in the English-speaking world. These events, coupled with the development and creation of the United States Holocaust Memorial Museum through the 1980s and 1990s, established the term Holocaust (with a capital H) as the standard referent to the systematic annihilation of European Jewry by Germany's Nazi regime. (1)

(1) httpp//www.isurvived.org/TOC-IV.html/accessed on 10-05-2009

رسول اکرم ﷺ کے دور یعنی چھٹی صدی آنے تک، اہل یہود کی حالتِ زار:

یورپ، ایشیا، افریقہ میں بسنے والی یہود نام کی قوم دنیا کی تمام قوموں میں اس لحاظ سے ممتاز تھی کہ اس کے پاس دین کا بہت بڑا سرمایہ تھا اور اس میں دینی تعبیرات واصلاحات سمجھنے کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، لیکن یہ یہود مذہب وتمدن یا سیاست میں وہ مقام نہ رکھتے تھے کہ دوسروں پر اثر ڈال سکیں بلکہ ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ ہمیشہ ان پر دوسرے لوگ حکومت کریں اور ہمیشہ ظلم واستبداد، سزا وجلاوطنی اور مصائب ومشقت کے ہدف بنے رہیں، عرصہ دراز تک غلام رہنے اور انواع واقسام کی سختیاں اور سزائیں جھیلنے کے سبب ان کا ایک خاص مزاج بن گیا تھا، قومی غرور، نسبی تکبر، حرص اور مال ودولت کی حد سے بڑھی ہوئی طمع، مسلسل سود کے لین دین سے ان میں مخصوص ذہنیت وسیرت اور قومی خصائص وعادات پیدا ہو گئے تھے جن میں وہ ہمیشہ منفرد رہے۔ کمزور یا مغلوب ہونے کے وقت ذلت وخوشامد، اور غالب ہونے کی صورت میں انتہائی بے رحمی اور بد معاملگی اور عام حالات میں دغا بازی اور نفاق، سنگدلی وخود غرضی، مفت خوری وحرام خواری، راہِ حق سے لوگوں کو روکنا ان کا قومی کردار تھا۔ قرآن کریم نے ان کی اس صورت حال کا جو چھٹی اور ساتویں صدی میں تھی بہت واضح اور مکمل نقشہ کھینچا ہے اور بتلایا ہے کہ اخلاقی انحطاط، انسانی پستی اور اجتماعی فساد میں وہ کس منزل میں تھے اور کیا اسباب تھے جن کی بناء پر وہ ہمیشہ کے لئے عالم کی قیادت اور اقوام کی امانت سے معزول کر دیے گئے تھے۔ چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں عیسائیوں کی باہمی رقابت ومنافرت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا۔

۶۱۰ء میں یہودیوں نے انطا کیہ میں عیسائیوں کے خلاف بلوہ کیا۔ شہنشاہ "فوقا" نے ان کی سرکوبی کے لیے مشہور فوجی افسر بنوسوس کو بھیجا، اس نے پوری یہودی آبادی اس طرح خاتمہ کرا کہ ہزاروں کو تلوار سے، سینکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا۔ ۶۱۵ء میں جب ایرانیوں نے شام کو فتح کرا تو یہود ہی کے مشورہ وترغیب سے خسرو نے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کیے اور بیشتر عیسائیوں کو تہ تیغ کرا۔ ایرانیوں پر فتح حاصل کے بعد 'ہرقل' نے زخم خوردہ عیسائیوں کے مشورہ سے ۶۳۰ء میں یہودیوں سے سخت انتقام لیا اور ان کا اس طرح قتل عام کرا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہودی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔ اس سفا کی وبربریت اور اس خون آشام ذہنیت کے ساتھ جس کا مظاہرہ ساتویں صدی کے ان دو عظیم ترین مذاہب نے کیا اس کی کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں انسانیت کے پاسبان ثابت ہوں گے۔ حق وانصاف اور امن وصلح کا پیغام دنیا کو سنائیں گے۔

یہ تھی وہ روش جو دنیا میں انسانوں کو دو طبقات میں تقسیم کر گئی اور وہ یہ کہ اپنے آپ انسان سب سے بڑا مظلوم بن کر رہے اور دوسرے پر خواہ کتنا ہی ظالم وجابر کیوں نہ بن جائے، لیکن دنیا کو طبقاتی نظام میں تقسیم کر کے امیر وغریب، جاگیردار وکسان کے روپ میں، اب کوئی ظلم کے خلاف آواز بلند نہ کر سکے گا۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ پوری یہودی قوم آج ایک طرف بیٹھی تماشا بنی ہوئی ہے۔

(۱) مدیر، طفیل، محمد، نقوش رسول نمبر، جلد سوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۳ء/ص: ۹۸

پہلی فصل

(ب) عیسائیت میں تصورِ مملکت

عیسائیت کا تاریخی ارتقاء :

تاریخی اعتبار سے ہمیں حضرت عیسی علیہ السّلام کی تشریف آوری شہنشاہ روم آگسٹس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومتوں کے درمیانی حصّہ میں ملتی ہے۔(۱) اسکی تفصیل پچھلے ابواب میں آچکی ہے، البتہ اتنی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت عیسی علیہ السّلام کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمہ تن دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے بہ پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انہیں خاصی کامیابی حاصل ہورہی تھی لیکن اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل **Saul** جواب تک دین عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اُس نے دعوی کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیحؑ کی آواز سُنائی دی کہ 'تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟' اس واقعے سے متاثر ہوکر میرا دل دینِ عیسوی پر مطمئن ہوچکا ہے۔' ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اسکی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برنابس حواری نے اسکی تصدیق کی، اور انکی تصدیق سے مطمئن ہوکر تمام حورایوں نے اُسے اپنی برادری میں شامل کرلیا۔ ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہوگیا۔ یہاں تک کہ اسکی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسوی میں داخل ہوگئے جو ابھی تک یہودی نہ ہوئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے دین کے پیروؤں میں پولس کا اثرورسوخ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے رفتہ رفتہ اُن لوگوں میں مسیح کی خُدائی، کفارہ، اور حلول وتجسّم کے عقائد کی کھل کر تبلیغ کرنا شروع کردی۔(۲) یہاں پر مسیحی کفارہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کے گناہ 'مسیح' نے خود اپنے اوپر اٹھالئے اور اس لئے جو آپ پر ایمان لائے گا گناہ کی سزا سے بچ جائے گا۔(۳) عوضی کفارہ کے اثر سے انسان کی قوتِ عملی مردہ ہوجاتی ہے، کیونکہ انسان کے لئے خود کرنے کا کوئی کام باقی نہیں رہتا اور ساری ذمہ داری اُس کے سر سے جاتی رہتی ہے۔(۴) مسیحی عقیدہ کے کُل ارکان الوہیتِ مسیح، کفارہ، وغیرہ کی بنیاد آدم کے گناہ میں پڑنے کی کہانی پر ہے، اور کلیساوی تعلیم کی یہی ایک بنیادی چٹان ہے جسے اگر توڑ ڈالا جائے تو پوری کلیسیا گر پڑیگی۔(۵)

---

(۱) عثمانی، محمد تقی، مفتی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟، دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص:۶۶

(۲) ایضا/ص:۶۷

(۳) ایل بیون جونز، مترجم، عبدالسبحان، بشپ جان، 'مسیحی دین کا بیان برائے اہل اسلام' پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۵۹ء/ص:۱۷۰/ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تمام مسلمانوں کے وہ اعتراضات ہیں، جو خُداوند یسوع مسیح کے منجی ہونے پر مصنف نے اپنی کتاب میں شامل کئے ہیں۔

(۴) ایضا

(۵) ایضا

پیدائشی گناہ گار انسانوں سے منصفانہ حکومت کا تصور کیسے ممکن ہے:

عیسائیت میں ہر فرد کو پیدائشی گناہ گار بتلایا گیا ہے، تو اُس کے معاشرے سے قائم ہونے والی ریاست کا نظام گناہوں سے کیسے پاک ہوسکتا ہے۔ دیکھیں درج ذیل بائبل کی آیات بتلا رہی ہیں کہ :

انسان ہے کیا کہ وہ پاک ہو؟ اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا کیا ہے کہ صادق ہو؟ (۱)

پھر انسان کیونکر خدا کے حضور راست ٹھہر سکتا ہے؟ یا وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ہوسکتا ہے؟(۲)

دیکھ، میں نے بدی میں صورت پکڑی، اور میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا۔ (۳)

اور ان میں ہم بھی سب کے سب پہلے اپنے جسم کی خواہشوں میں زندگی گزارتے اور جسم اور عقل کے ارادے پورے کرتے تھے، اور دوسروں کی مانند طبعی طور پر غضب کے فرزند تھے۔(۴)

لیکن عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت باندھتے ہوئے یہ کہا ہے کہ 'عیسیٰؑ نے اپنی قربانی سے تمام مسیحی برادری کو نسلی گناہوں سے نجات دلادی'۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس معاملے کو ایل بیون جونز مسلمانوں کو موروثی گناہ اور موروثی جرم میں امتیاز کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مسیحی موروثی جرم کے قائل نہیں ہیں" (۵) اس جملہ میں لفظ موروثی گناہ کے بجائے موروثی جرم استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایل بیون کے پاس جواب نہ ہونے کے باعث 'موروثی گناہ و موروثی جرم' جیسے الفاظ کی گتھی میں الجھا کر بات کو ٹالنے کی کوشش تو کرلی، لیکن عیسیٰ علیہ السلام پر باندھی گئی تہمت کا کوئی حل پیش نہ کرسکے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا ہونے کی نشانی قرآن میں اُتاری ہے تو اللہ تعالیٰ کی فطرت تو پاک ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کے نبی نے اُسکی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

''فطرة الله التى فطر النّاس عليها ، .... ۝'' (۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے، جس پر اس نے انسانوں کو پیدا فرمایا۔

اور اس آیت کی تشریح میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

كل مولود يولد على فطرته فابواه يهودعنه وينصرانه و يمجّسانه او كما قال ﷺ (۷)

ترجمہ: 'اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر انسان مسلمان پیدا ہوتا ہے لیکن اُسکے ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں'۔

یہاں ہمارا مقصد اس بحث کو طول دینا نہیں بلکہ صرف اتنا اندازہ لگانا ہی کافی ہے کہ جیسا کہ ہم نے اس باب کے تعارف میں ریاست

---

(۱) عہد نامہ قدیم: ایوب/۱۵:۱۴

(۲) عہد نامہ قدیم: ایوب/۲۵:۴

(۳) عہد نامہ قدیم: زبور/۵۱:۵

(۴) عہد نامہ جدید: افسیوں/۲:۳

(۵) ایل بیون جونز، مترجم، عبدالسبحان، بشپ جان، 'مسیحی دین کا بیان برائے اہل اسلام' پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۵۹ء/ص:۲۶۱

(۶) قرآن کریم: سورۃ الروم/۳۰:۳۰

(۷) صحیح البخاری، جلد ۲/حدیث نمبر ۴۶۷

کے وجود پانے کے عناصر ترکیب بیان کئے تھے تو ایسے صورت میں فرد کا پاکیزہ ہونا انتہائی ناگزیر ہو جاتا ہے. چنانچہ ہم آئندہ دیکھیں گے کہ ریاست پر قبضہ کرنے والے اہلِ کتاب نے جب اپنے انبیاء کی تعلیمات کو بھلا دیا تو کس کس طرح سے ریاست کو جبر و قہر کا مرکز بنا کر رکھ دیا. اب ملاحظہ کریں کہ حکومت کی اہمیت حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے کیا تھی.

مسیح علیہ السلام کے نزدیک حکومت سے مراد انسانوں پر ایمان و یقین کی محنت تھی :

اور اگر بالفرض یہ بات عیسائیت کے عقیدہ میں پختہ ہو ہی چکی ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت سے پیدا ہونے والا تو خُود انکا یسوع مسیح ہے؛ لیکن بحیثیت مسلمان ہم اس بات کو دھرانے کا بھی تصور نہیں کر سکتے جو اُنکی شریعت کی کتبِ مقدسہ میں لکھی ہوئی ہیں. چنانچہ ہم تو مسیح علیہ السلام کے لئے وقار ہی کی بات سامنے لانا پسند کریں گے. اور وہ یہ کہ انجیل کے مطابق مسیح ؑ کو بھی حکومت دینے کی خوشخبری دی گئی ہے:

اور ہر طرح کی حکومت اور اختیار اور قدرت اور ریاست اور ہر ایک نام سے، بہت بلند کیا جو نہ صرف اس جہان میں بلکہ آنے والے جہان میں بھی لیا جائیگا.(۱)

پھر حضرت یسوع مسیح کہتے ہیں کہ :

''مجھ پر جو سب مقدسوں میں چھوٹے سے چھوٹا ہوں، یہ فضل ہوا کہ میں غیر قوموں کو مسیح کی بے قیاس دولت کی خوشخبری دوں، اور سب پر یہ بات روشن کروں کہ جو بھید ازل سے سب چیزوں کے پیدا کرنے والے خُدا میں پوشیدہ رہا اُسکا کیا انتظام ہے. تا کہ اب کلیسیاء کے وسیلہ سے خُدا کی طرح طرح کی حکمت اُن حکومت والوں اور اختیار والوں کو جو آسمانی مقاموں میں ہیں معلوم ہو جائے، جو ازلی ارادہ کے مطابق جو اُس نے ہمارے مسیح یسوع میں کیا تھا.(۲)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یسوع مسیح دراصل دنیاوی حکومت کے بجائے علم و عمل اور شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ایسی حکومت کو خواہ تھے، جو لوگوں کے دلوں پر ایمان و یقین کی صحیح ترجمانی کر سکتا ہو. جیسا کہ ہمارے تبلیغی بھائیوں کے یہاں یہ جملہ بہت مشہور ہے کہ

''انبیاء علیہم السلام دنیا میں انسانوں کے دلوں پر محنت کرنے تشریف لاتے تھے، اور انہوں نے دنیا کی حکومتوں کو پامال کرتے ہوئے انسانی دلوں پر حکومت کی''.

تو انجیل کی بالا آیت سے ہمیں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے. چنانچہ بات چلی تھی کہ جب یسوع مسیحؑ نے دنیاوی حکومتوں کو اہمیت نہ دی بلکہ انسانوں کے ایک خُدا سے تمام عوامل کے ہونے کا یقین دلانے کی پوری پوری محنت کر ڈالی.

---

(۱) عہد نامہ جدید؛ افسیوں/۱:۲۱-۲۲

(۲) عہد نامہ جدید؛ افسیوں/۳:۸-۱۰

اختلاف عقائد کے باعث عیسائی حکومتوں میں بھی اختلاف رہا :

جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عقائد کے اعتبار سے عیسائیت میں انتشار پیدا ہو گیا تھا، بالکل اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ موسوی شریعت کے بعد ہمیں معیشت سے متعلق، منتشر اور بسا اوقات مبسوط مگر تا حال علیحدہ سائنس کی حیثیت سے نابود، جن خیالات کی بازگشت سُنائی دیتی ہے وہ ایتھنز اور سپارٹا کے لوگوں یعنی یونانیوں کے ہاں ملتے ہیں. یونان بحیرِ روم کا کٹا پھٹا ناہموار ساحل ہے جس سے یونان کئی چھوٹے چھوٹے خودمختار شہروں میں تقسیم تھا. یونان کے مشرق میں ایشیائے کوچک ہے اور ایتھنز اس یونان کے انتہائی مشرق میں ایک شہری ریاست تھی. یونانی گویا ایتھنز کے دروازے سے گزر کر ایشیائے کوچک کے امیر شہروں سے تجارت کر سکتے تھے. اس بندرگاہ رائے اوس میں بھتسے جہاز پناہ لیتے تھے اور ٹھہرتے تھے، اس یونان میں جزیرہ نما بلقان کا سب سے جنوب کا علاقہ اسپارٹا کہلاتا تھا. تقریبا ۱۲۰۰ ق م قدیم یونانی تہذیب مائی نون ما سینس ختم ہوگئی اور یونان پر صدیوں جہل چھایا رہا وقتیکہ ڈورین قبائل نے اُن کو فتح کیا اور جو لوگ جنوبی علاقوں یعنی سپارٹا میں آباد ہوئے اُن کو آئیونی کہا گیا جب کہ شمالی علاقوں پر قابض ڈورین بعد ازاں ایکسنز کہلائے. ان میں سے ایکسنز قدیم مذہب کے علمبردار اور بُت پرست تھے (یعنی ایتھنز والے) اور آئیونی آزادانہ غور و فکر اور مذہب میں تجرید اور اصلاح کے قائل تھے. آئیونا میں عظیم فلسفی تھیلس نے روایتی مذہب کے خلاف آزاد فکر کو آگے بڑھایا اس فکر کو آگے بڑھایا اس مکتبہ فکر کو مالیزیا کہا گیا اور اس کے شاگردوں میں انیکسی ماندر اور انیکسی مینیز نمایاں ہیں. دوسرا مکتبہ فکر فیثا غورث اور زینوفان کا ہے. یہ لوگ مذہبی تھے مگر سائنس کا استعمال خوب کرتے تھے. یونان میں سیاسی و معاشی بیداری تقریبا ساتویں صدی میں شروع ہوئی. ہوا یوں کہ کسان سونے اور چاندی کے سکے رائج ہونے کی وجہ سے اپنے سادہ پیداواری مبادلے Barter کی بجائے کرنسی کے ذریعے مبادلے میں پھنس گئے.(۱) اسلام میں بھی سکّہ کے رواج پر شواہد موجود ہیں مثلاً یوسف علیہ السلام کے زمانے میں چاندی کے کھوٹے سکّوں اور سورۃ کہف جسکا عرصہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے زمانوں میں آتا ہے ذکر ملتا ہے:

وشروه بثمن بخس دارهم معدودة و كانوا فيه من الزاهدين ۝ (۲)

ترجمہ: انہوں نے انکی گنتی کے کچھ درہموں میں بیچ ڈالا اور وہ اس سے بیزار تھے.

فابعثوا احدكم بورقكم هذه الى المدينة فلينظر ايها ازكى طعاما فلياتكم برزق منه ۝ (۳)

ترجمہ: کسی ایک کو اپنا یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو تا کہ وہ دیکھے کہ کونسا کھانا اچھا ہے، پس تمہارے لیے اس میں کچھ غذا لے آئے.

زمانہ جاہلیت میں طائف، مکّہ اور مدینہ کے بازاروں میں خرید و فروخت میں عام طور پر رومی دینار (سونے کا سکّہ) اور ایرانی درہم (چاندی کا سکّہ) اور کچھ یمنی سکّے، خاصکر تانبے کے سکّوں کا رواج تھا. چونکہ لوگ ان کے کونے کُتر لیا کرتے تھے، اس لئے عرب ان سکّوں کا بجائے شمار کے وزن کے اعتبار سے تول کر خرید و فروخت کرتے تھے.(۴)

---

(۱) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دارالشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص:۳۱

(۲) قرآن کریم: سورۃ یوسف/۱۲:۲۰

(۳) قرآن کریم: سورۃ الکھف/۱۸:۱۹

(۴) اسلام کے معاشی نظریے، یوسف الدین محمد، جلد دوم، ص:۴۸۷

حضرتِ مسیح علیہ السّلام کے بعد عیسائیت کی ابتداءمحکومیت سے ہوئی نہ کہ حاکمیت سے :

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اللہ کے بندے اور سچے رسول تھے، آپ حضرت مریم علیہا السّلام کے بطن سے بن باپ پیدا ہوئے، (۱) یہودیوں نے بہتان تراشیاں کیں اور حضرت مریمؑ کو دوبار ملک چھوڑنا پڑا.(۲) ۳۰ سال کی عمر میں آپ نبوت سے سرفراز ہوئے لیکن نامساعد حالات کی وجہ سے نبوت کا دور بہت مختصر رہا. یہودیوں نے سازش کر کے آپ کو گرفتار کروالیا آپ کے حواریوں نے بھی ساتھ چھوڑ دی اور آپ کے شاگرد پطرس Peter نے تین دفعہ آپکا انکار کیا.

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا.اس دور کو عیسائی مؤرخین دورِ ابتلاء Age of Persecution کے نام سے یاد کرتے ہیں.اس عرصے میں عیسائیوں پر سیاسی طور سے رومی مسلّط تھے اور مذہبی طور پر رومی اور یہودی دونوں انہیں طرح طرح سے ستانے میں متفق تھے.اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد وعبادات ابھی تک مدوّن نہیں تھا، اسی وجہ سے اُس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں.(۱)

The Middle Ages in western history encompasses a period from the fall of the Roman Empire in the fifth century to the beginning of the Reformation in the fifteenth century. The middle three hundred years, from the eleventh through the thirteenth centuries, are often designated the High Middle Ages since they represent a period of relative prosperity and progress. Two institutions dominated the High Middle Ages: the feudal system and the Catholic Church. The feudal system was characterized by relatively small self-sufficient manors controlled by a hereditary lord who provided local government services and security to peasant serfs.1 Serfs in turn supported the lord with labor services and agricultural products. The manorial lord was loosely tied by bonds of vassalage, kinship, and tradition to regional and "national" royal families. These higher royalty provided some security and additional services and taxed the manorial lord in money and in kind. (2)

قرونِ وسطیٰ کو مثل یورپ کی عام تاریخ میں بھی خاصی اہمیت حاصل ہے.(۳) اس دور میں صدیوں تک اکثر بلند پایہ فلاسفہ اور عملی لوگ کیتھولک آ وین وضوابط کی تنظیم وترقی میں مصروف رہے اور امن وامان کا تدریجی قیام ودوام جو ''مغربی'' سلطنت کی شکست وزوال کے بعد نہایت ضروری تھا، اُنکی پوری توجہ کا مرکز بنا رہا. پہلا دور ۴۰۰ء تا ۸۰۰ء، دوسرا دور ۸۰۰ء تا ۱۱۰۰ء اور تیسرا اور آخری دور ۱۱۰۰ء تا ۱۴۰۰ء تک ہے. پہلے دورے میں ایک نئے کلیساوی ومعاشری نظام کی تاسیس وتکوین کی سخت پُر آشوب کشمکش جاری رہی.دوسری دور میں اس نظام کو حملہ آور قوموں کی دست بُرد سے محفوظ ومصئون رکھنے اور اُس کو مستحکم کرنے میں کوششیں صرف ہوئیں.صرف آخری دور میں جبکہ مسلمانوں کے خلاف متفقہ طور پر جنگی کاروائی کرنے کے خیال سے عیسائی قوموں میں اتحاد ویکجہتی پیدا ہوئی اُس وقت کہیں یورپ کے لئے سکون واطمینان کا حالت نصیب ہوئی اور اُس دور کی اصلی خصوصیت رونما ہوئی اور بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوئے. (۴)

---

(۱) علوم القرآن، ۱/ص:۳۹۹

(۲) عہد نامہ جدید؛ متی/۲:۱۳

(۱) عثمانی، محمد تقی، مفتی مولانا ڈاکٹر، عیسائیت کیا ہے؟، دارالاشاعت، کراچی، س ن/ص:۶۸

(2) Brooks B. Hull; Studies in Economic Analysis; Vol. 12, No. 1 Spring 1989

(۳) یل، یل، ڈی، کیلس انگرام ڈاکٹر، مترجم، رشید احمد مولوی، تاریخ معاشیات، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۲ء/ص:۳۴

(۴) ایضا

یہاں تھوڑا سا تعارف کانسٹنٹائن کا کرا دینا اس ضرورت سے خالی نہیں ہوگا کہ ہم یہ جان سکیں کہ عیسائیت کو عروج دینے والوں نے عیسائی حکومتوں کے قیام میں کیا کردار ادا کیا۔

Caesar Flavius Valerius Aurelius Constantinus Augustus[2] (27 February c. 272[1] – 22 May 337), commonly known in English as Constantine I, Constantine the Great, or (among Eastern Orthodox, Coptic Orthodox, Oriental Orthodox and Byzantine Catholic Christians) Saint Constantine (/'k?nst?nta?n/), was Roman emperor from 306, and the undisputed holder of that office from 324 until his death in 337. Best known for being the first Christian Roman emperor, Constantine reversed the persecutions of his predecessor, Diocletian, and issued (with his co-emperor Licinius) the Edict of Milan in 313, which proclaimed religious toleration throughout the empire. The Byzantine liturgical calendar, observed by the Eastern Orthodox Church and Eastern Catholic Churches of Byzantine rite, lists both Constantine and his mother Helena as saints. Although he is not included in the Latin Church's list of saints, which does recognize several other Constantines as saints, he is revered under the title "The Great" for his contributions to Christianity. Constantine also transformed the ancient Roman colony of Byzantium into a new imperial residence, Constantinople, which would remain the capital of the Byzantine Empire for over onethousandyears. (1)

Donation of Constantine : Latin Rite Catholics considered it inappropriate that Constantine was baptized only on his death-bed and by a bishop of questionable orthodoxy, viewing it as a snub to the authority of the Papacy. Hence, by the early fourth century, a legend had emerged that Pope Sylvester I (314–35) had cured the pagan emperor from leprosy. According to this legend, Constantine was soon baptized, and began the construction of a church in the Lateran Palace. In the eighth century, most likely during the pontificate of Stephen II (752–7), a document called the Donation of Constantine first appeared, in which the freshly converted Constantine hands the temporal rule over "the city of Rome and all the provinces, districts, and cities of Italy and the Western regions" to Stephen and his successors. In the High Middle Ages, this document was used and accepted as the basis for the Pope's temporal power, though it was denounced as a forgery by Emperor Otto III and lamented as the root of papal worldliness by the poet Dante Alighieri. The 15th century philologist Lorenzo Valla proved the document was indeed a forgery.(2)

مغرب کی عیسائی حکومتوں کے بانیان اور اُنکے ذرائع آمدن :

یہاں جب بات یونانیوں کی چل نکلی ہے تو اس بحث کو بھی سمیٹتے چلتے ہیں کہ معاشی سوالات کے متعلق اِن لوگوں کا جو نقطہ نظر تھا اُس میں مندرجہ ذیل عام خصوصیتیں نظر آتی ہیں: نمبر۱- سلطنت کے مقابلے میں افرادِ قوم کا وجود بالکل تحتانی ہے؛ اور سلطنت ہی کی وساطت سے افراد کی فطرت صیقل پا کر مکمل بن سکتی ہے، اس لئے افراد کی تمام کوششیں سلطنت کی خدمت اور اُس کے قیام و بقا کے لئے صرف ہونی چاہییں شہری دولت کا پیدا کرنے والا نہیں ہے، بلکہ محض دولت کا مالک ہے لیکن دولت کی ملکیت محض نفس پروری اور عیش پسندی کا آلہ نہ ہونا چاہیے، بلکہ اُسکی وساطت سے اعلیٰ اخلاق اور رفاہ عام کے کام کرنے چاہئیں. جملہ خیالات کا پہلا مقصد عمدہ شہری پیدا کرنا ہے اس لئے ہر معاشری سوال پر اخلاقی و تعلیمی نقطے سے نظر ڈالی جاتی ہے. نمبر۲- بر بنائے وجوہ متذکرہ بالا حکومت حق رکھتی ہے کہ معاشری زندگی کے ہر شعبے پر بشمول معاشی جدّ و جہد کے اپنی نگرانی قائم کرے اور افراد کے اعمال و افعال کو رفاہ عام کو موید و ہم آہنگ بنانے کی غرض سے براہ راست انتظامات کرے. (۳)

ادھر ایک جانب تو افلاطون نے افراد کے سلطنت کے تابع و تحت ہونے کا نیا خیال دینا چاہا. وہ ایک ایسی جمہوریت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اعلیٰ طبقے کے شہریوں میں اشتراکِ مِلک و اشتراک ازواج رائج ہو، اوا سی اُصول کو قوم کی شیرازہ بندی کا سنگبنیاد اور نیز ذاتی اغراض کے احساس

(1) http://en.wikipedia.org/wiki/Constantine_I accessed:28-05-2009

(2) ibid

(۳) یل، یل، ڈی، کیلس انگرام ڈاکٹر، مترجم، رشید احمد مولوی، تاریخ معاشیات، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء/ص:۱۶

کودبانے اورافرادکوخدمات عامہ کے لئے وقف کردینے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ قرار دیتا ہے.(۱) دوسری جانب معاشی تحلیلات بھی ملتی ہیں مثلاً تقسیم عمل اور اتحاد عمل کی جس طرح قوم میں ابتداء ہوتی ہے اُس کا صحیح خاکہ اُسنے پیش کیا ہو اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہ کہ معاشری نظام کی تہ میں معاشی اغراض پوشیدہ ہوتے.لیکن مصنف کہتا ہے کہ ہماری رائے میں محض معاشی اغراض کو معاشی نظام کی بناء قرار دیے دینا زیادتی ہے، بے غرضانہ اور بے لوث معاشری جذبات ومحرکات کا لحاظ بھی ضروری ہے.(۲) اور ارسطو نے تو نہایت معقول طریقے پر یہ ثابت کرتا ہے کہ قومیت کی ابتداء معاشی ضرورتوں کی بناء پر نہیں ہوئی بلکہ بنی نوع انسان کے جبلی معاشری جذبات اُسکے محرک وموجب ہیں.(۳) اور آخیر میں رومیوں کے حوالے سے یہ بات کہی پڑتی ہے کہ ہر چند رومیوں کی طبیعت عملی، افادہ پسند اور حقیقی ضرورتوں کو سمجھنے والی تھی، مگر معاشی میدان میں انہوں نے کووی کارہائے نمایاں انجام نہیں دیا، جس طرح صنعتی کاروبار کی ترقی ووسعت میں انہوں نے کووی حصّہ نہیں لیا اسی طرح تجارت بھی اُنکی بے توجہی کا شکار رہی.اُنکی تاریخی خدمات محض جنگ اور سیسیات کی حد تک تھی اور اُنکی کوششیں زیادہ تر فتوح اور ملک کے نظم ونسق میں صرف ہوئیں.(۴) اب ہم دیکھتے ہیں کہ اِن درجہ بالا معاشی میدان کے فلاسفہ کا تعلق مسیحیت سے جوڑ کس نے اور کیسے بیٹھایا.

'عوام کے مفاد کے لئے تجارت کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اُس کو ایک کے لئے زیادہ نفع بخش اور دوسرے کے لئے نفع بخش نہ ہونا چاہئے' سینٹ تھامس اکیوئی ناس وہ شخصیت ہے جس نے ارسطو کے افکار کو زندہ کر کے مسیحیت میں جاری وساری کر دیا.وہ 47 سال زندہ رہا،لیکن سیاست کے شوق نے اُسے ایک کتاب Sumatheological لکھنے پر مجبور کیا. یہ کتاب سیاست ہی نہیں بلکہ معیشت اور تمام شعبہ ہائے زندگی کا احاطہ کرتی ہے. اس کتاب کا اصل مسئلہ ارسطو اور دوسرے یونانی فلسفیوں کے افکار کا مسیحیت سے جوڑ بنانا ہے.وہ انسانوں کو ریاست کے ساتھ وابستہ رہنے کی تلقین کرتا ہے، اُسکے نزدیک ریاست کا کام یہ ہے کہ وہ نمبر۱-معاشی میدان اور تجارت پر اپنا کنٹرول رکھے.نمبر۲-قیمتوں پر کنٹرول قائم کرے تاکہ وہ لوگوں کی دسترس میں رہیں،نمبر۳-ریاست کام کرنے والوں کے معاوضے کو مناسب اور جائز بناوے.نمبر۴-ناداروں اور غریبوں کی اعانت کرے.نمبر۵-سماجی فلاو بہبود کا خیال کرے.'(۵) چنانچہ سینٹ تھامس بھی سود کی مذمت کرتا تھا، وہ بھی روپے کو محفوظ مبادلے کا ذریعہ سمجھتا تھا اور اُس چیز کے مخالف تھا کہ خود روپے کو جنس بنا کر مزید روپیہ اکٹھا کیا جائے.(۶)

رسول اکرم ﷺ کے دور یعنی چھٹی صدی، آنے تک عیسائیت کا حالِ زار:

چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین وپست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی ونشیب کی طرف جارہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی، روئے زمین پر اسوقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے،نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی، انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خدا فراموش ہو چکا تھا وہ اپنے انجام سے بالکل بےفکر اور بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا، پیغمبروں کی دعوت کی

(۱) یل، یل، ڈی، کیلس انگرام ڈاکٹر، مترجم، رشید احمد مولوی، تاریخ معاشیات، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء/ص:۱۷

(۲) ایضاً/ص:۱۸

(۳) ایضاً/ص:۲۳

(۴) ایضاً/۲۶

(۵) عظیم، سید، تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت، دارالشعور، مزنگ روڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ص:۹۰

(۶) ایضاً/ص:۹۱

آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کر سکتے تھے۔ دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اور زندگی کی کش مکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انھوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور انکی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت و معیشت میں ان کے دستِ راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور اِن کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک و سہیم بن گئے تھے۔

رومی و ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی امانت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے۔ وہ دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار و ذمہ دار تھے، مختلف اجتماعی و اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں، ان کے افراد تعیش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سر تا پا غرق تھے، بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے۔ کام اور دہن کی لذت اور خواہشاتِ نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی مشغلہ نہ تھا، زندگی کی ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہ ہوتی تھی۔ متوسط طبقہ کے لوگ (ہر زمانے کے دستور کے مطابق) اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے، باقی رہے عوام، تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بار میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی کی زنجیروں اور بیڑوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی، اور دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کے عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا انکا کوئی حصہ نہ تھا، کبھی اگر وہ اس خشک و بے مزہ زندگی اور اس کے یکساں چکر سے اُکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلاتے اور اگر کبھی زندگی اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔ (۱) روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی انتہا کو پہنچ گئی تھی باوجود اس کے کہ رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی ٹیکس اور محصول دوگنے چوگنے بڑھ گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے اور اپنے ملکی حکمرانوں پر بدیسی حکومت کو ترجیح دیتے تھے اجارہ داریاں اور بے ضابطگیاں مصیبت بالائے مصیبت تھیں، ان اسباب کی بناء پر بڑے بڑے پیمانہ پر فسادات اور بغاوتیں رونماء ہوئیں۔ چنانچہ ۵۳۲ء کے فسادات میں تیس ہزار افراد دار السلطنت میں ہلاک ہوئے۳۔ اور ہر چند کہ وقت اور مصلحت کا تقاضا تھا کہ اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا لیکن لوگ اصراف اور فضول خرچی سے باز نہیں آتے تھے اور اخلاقی گراوٹ کی جو سب سے پست سطح ہو سکتی ہے اس حد تک پہنچ چکے تھے، صرف ایک ہی لگن سب کے دل سے لگی تھی کہ جس طرح ممکن ہو زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنا چاہیے اور اس کو فیشن پرستی، عیش پسندی اور اپنی من مانی خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے۔ انسانیت و شرافت کی بنیادیں اپنی جگہ سے ہل چکیں تھیں، تہذیب و اخلاق

(۱) مدیر، طفیل، محمد، نقوش رسول نمبر، جلد سوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۳ء/ص: ۹۳

کے ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی لوگ ازدواجی زندگی پر تجرد کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے تا کہ آزادی سے انہیں کھل کھیلنے کا موقع ملے۔ انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے اوران کے دام ٹھیرائے جاتے ہیں اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا ہے اوران کے دام بھی ٹھیرائے جاتے ہیں۔ رشوت و خیانت کی ہمت افزائی کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی۵۔ گبن کہتا ہے :''چھٹی صدی عیسوی میں سلطنت کا زوال اوراس کی پستی انتہا پر تھی۔ اس کی مثال اس بڑے تناور اور گھنے درخت کی تھی کہ جس کے سائے میں دنیا کی قومیں کبھی پناہ لیتی تھیں اوراب اسکا تنارہ گیا ہے جوروز بروز سوکھتا جارہا ہو۶ ۔'' ''تاریخ عالم برائے مورخین'' کے مصنفین لکھتے ہیں :

''بڑے بڑے شہر جن میں تیزی کے ساتھ بربادی آئی اور پھر وہ سنبھل نہ سکے اور نہ اس لائق ہو سکے کہ اپنی عظمت رفتہ کو پھر زندہ کر سکیں وہ گواہ ہیں کہ بازنطینی حکومت اس زمانے میں انتہائی انحطاط و تنزل کے عالم میں تھی اور یہ تنزل ٹیکس اور محصول میں زیادتی، تجارت میں پستی، زراعت سے غفلت، شہروں کی آبادی میں روز افزوں کمی کا نتیجہ تھا''۔

وہ مغربی قومیں جو بالکل شمال و مغرب میں آباد تھیں۔ جہالت و ناخواندگی کا شکار اور خونی جنگوں سے زار و نزار تھیں وہ جنگ و جہالت کی پیدا کی ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہیں تھیں۔ ان ممالک میں اب تک علم و تمدن سے روشناس کرائے۔ نیز مصائب و حوادث نے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ غرض ہر طرح یہ قومیں تمدن انسانی کے قافلے کی شاہراہ سے الگ تھلگ تھیں، بہت حد تک یہ دنیا سے بے خبر تھیں اور دنیا تقریباً نا آشنا تھی۔ مشرق و مغرب کے ممالک میں جو انقلاب انگیز واقعات و تغیرات پیش آرہے تھے۔ ان سے ان قوموں کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا عقائد کے لحاظ سے یہ قومیں نوخیز مسیحیت اور فرسودہ بت پرستی کے درمیان میں تھیں۔ نہ دین سے متعلق ان کے پاس کوئی پیغام تھا اور نہ سیاست کے میدان میں ان کا کوئی مقام تھا۔ ایچ جی ویلز کا بیان ہے :''اس زمانہ میں مغربی یورپ کے اندر یک جہتی اور نظام کے کوئی آثار نہ تھے''

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے :''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس دار کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھتی چڑھتی تھی۔ کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اوراس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس۔ وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''(۱)

امریکہ کے پہلے قانون میں مذہبی آزادی کو مکمل تحفظ حاصل رہا ہے:

امریکہ کا پہلا قانون 1787ء میں Thoms Jefferson اور John Adams نے ملکر انسانی حقوق پر امریکہ کے قانون میں تبدیلیاں کیں، جسمیں انہوں نے مذہبی آزادی کا سوال پیش نظر رکھتے ہوئے عیسائی مذہب کو اپنے مملکت میں آزادی سے نوازا۔

Religious Freedom is one of the most prized liberties of the American people, a fact that strikes some people as incongruous if they think of the United States as a secular society. That very phrase, however, is misleading, in that it implies a society in which religion and religious ideals are absent, and secular values alone govern daily conduct. Religion is not absent from daily life in the United States; rather , the Constitution has created a system in which each individual and religious group can enjoy the full freedom to worship, freee not only from the rein of government but from pressures by other sects as well.(2)

(۱) مدیر، طفیل محمد، نقوش رسول نمبر، جلد سوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۳ء/ص:۹۸

(2) Author, Melvin Urolsky, Rights of the People Confrefs of the Unite States, A NY publication, 2002/p-07

دوسری فصل

حکومت کے ذرائع آمدنی واخراجات اسلام کی روشنی میں

اسلام میں تصوّرِ ریاست کا تعارف

یہ ایک عام مقولہ کہ دین ہجرت ونصرت سے پھیلتا ہے۔ چنانچہ کُل دینا میں جب تک اسلام کی حکومت قائم نہ ہوجائے، اسوقت تک ایک علاقے میں ریاست کا قائم کرنا سیرت نبوی ﷺ سے ثابت ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ نے تیرہ سال تک مکّہ میں نرمی، محبت اور شفقت سے تبلیغ دین فرمائی مگر مکّہ والوں کو طاقت کا غرور اللہ ربّ العزت کے سامنے سربسجود ہونے سے روک رہا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ہجرت کرکے اپنی ریاست قائم کرنے کا فیصلہ کیا مختلف قبائل کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی مگر وہ قبائل حاکمیّتِ خداوندی کے اصول کو نہ سمجھ سکے۔ اہلِ مدینہ اس دوررس نقطہ کو سمجھ گئے، نتیجۃً ہجرت مدینہ عمل میں آئی۔ وہاں پہنچ کر پہلا کام جو حضور ﷺ نے ہاتھ میں لیا وہ قیام ریاست وحکومت تھا۔ اس ریاست کو آپ ﷺ نے ایک تحریری حکمنامہ Charter دیا جو آئین کے مقام کا حامل تھا۔ اور پھر اس آئین کے مندرجات کے مطابق اس نئی مملکت وریاست کے دفاع کے انتظامات ہاتھ میں لئے۔ آپ ﷺ کی اس ریاست کے امور خارجہ میں احکام خُداوندی کے مطابق حل کئے جاتے تھے۔(۱) چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں سے جو اس شہر مدینہ کے پرانے باسی تھے، معاہدے کئے اور اُنکو اپنی شریعت پر قائم رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ مکّہ والوں کی دشمنی سمیت مدینہ کے غیر مسلموں کی دشمنی سے ایک بہتر انداز سے بچتے چلے اور اپنی ریاست کے قیام سے بجائے شخصی حکومت قائم کرنے کے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بالاترین آئین قرار دیتے رہے، حتیٰ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں سے دین مکمّل ہونے کی خوشخبری بھی سنادی گئی: ''**الیوم اکملت لکم دینکم**'' (۲) ترجمہ: آج کے دن ہم نے تمہارے تمہارا دین مکمّل کردیا۔ اور اس بات پر تمام اقوام کے مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی اُسی وقت سے اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ حکومت سنہ ۱ھ سے ۱۳۴۲ھ م ۱۹۲۴ء تک باقی رہی، جب مستعمرین کے ہاتھوں خلافت کا خاتمہ ہوا تو یہ حکومت بھی ختم ہوگئی۔(۳)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام بادشاہی نظام کی تائید کرتا ہے یا جمہوریت پسند ہے یا ان دونوں نظامہائے سیست کے برعکس کوئی علیحدہ نقطہ نظر رکھتا ہے؟ ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں کہ! ''نظامِ حکومت کیسا ہو؟ اس بارے میں اسلام کوئی حکم نہیں دیتا، بادشاہت بھی جائز ہے اور اگر اور اگر جمہوریت ہو تو وہ بھی جائز ہے اور جماعت کی حکومت ہو تو وہ بھی جائز ہے، ان سب کو جب اسلام جائز قرار دیتا ہے تو ان حالات میں ہر دور کے اور ہر ملک کے لوگ باہم مشاورت کے ساتھ خود ہی طے کریں گے کہ ہمیں کونسا طرزِ حکومت اپنے زمانے کے لئے اختیار کرنا چاہیئے۔''(۴)

---

(۱) احمد، گلزار، بریگیڈیئر ریٹائرڈ، قرآن وسنّت کی روشنی میں اسلامی ریاست اور بین الاقوامی قانون، بحوالہ تصوّر ریاستِ اسلامی، مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی ﷺ، مرتبہ، سعید محمد حکیم، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۴۰۴ھ /ص:۴۳۶

(۲) قرآن کریم: سورۃ المآئدۃ/۵:۳

(۳) نبھانی، تقی الدین علامہ، نظام الحکم فی الاسلام، مترجم، کامل، مظہر علی مولانا، دائرۃ المعارف، کراچی، ۱۹۵۷ء/ص:۱۳

(۴) طاہر محمد ڈاکٹر قاری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند تفردات، بحوالہ سہ ماہی، قافلہ ادبِ اسلامی، مدیر اظہر، ظہور احمد ڈاکٹر، رابطۃ الادب الاسلامیۃ العالمیۃ، پاکستان، المجلد ۳، العدد ۱-۲، ینائر ۲۰۰۳م - یونیو ۲۰۰۳م /ص:۲۰۰

جسکے لئے انکے درمیان شوریٰ مقرر کرنا بھی قرآن کریم کے احکامات میں سے ایک نشانی موجود ہے: **"وامرھم شوریٰ بینھم"** (۱) ترجمہ: اور انکا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر بادشاہت کی بھی ریاست قائم کرنا ہو تب بھی اسلامی احکامات کو ہی سامنے رکھنا پڑے گا، مثلاً جہاں قرآنِ کریم میں بادشاہوں کے ذکر میں انکا فاتحانہ انداز فساد برپا کردینے کا ذکر ملتا ہے: **"قالت ان الملکوک اذا دخلوا قریۃ افسدواھا"** (۲) ترجمہ: (ملکہ سبا) اُس عورت نے کہا! جب بادشاہ کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد برپا کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں عوام الناس کو مایوس نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ قرآن مجید میں اچھے بادشاہوں کا ذکر بھی ہے اور بُرے بادشاہوں کا بھی۔ جہاں ایک طرف فرعون اور نمرود جیسے ظالم بادشاہوں کا ذکر آتا ہے وہاں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام جیسے پیغمبروں کو بھی بادشاہ کا لقب دیا گیا ہے۔ جب ایسے جلیل القدر پیغمبران بادشاہت کر چکے ہیں تو پھر ہم اُسے حرام کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ (۳) چنانچہ آپ نبی ﷺ جو آخرالزماں پیغمبر و آخری نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں دراصل آخری مسلم بادشاہ بھی ہیں؛ کیونکہ قرآنِ کریم میں درج ذیل آیت قیامت تک کے لئے نبی ﷺ کو حاکم کہہ چکی ہے:

" فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجامما قضیت ویسلّموا تسلیما ٥ "(۴)

ترجمہ: سو قسم ہے! یہ ایماندار نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ﷺ اُن میں کردیں اُن سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

چنانچہ اس سے کہیں زیادہ سخت بات درجہ ذیل آیت میں آرہی ہے کہ:

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ء ان اللہ یحب المقسطین ٥ (۵)

ومن لم یحکم بمآ انزل اللہ فاؤلئک ھم الکافرون٥ (۶)

ومن لم یحکم بمآ انز ل اللہ فاولئک ھم الظٰلمون٥ (۷)

ومن لم یحکم بمآ انز ل اللہ فاولئک ھم الفاسقون ٥ (۸)

ترجمہ بالترتیب: سو آپ ﷺ حکم کریئے ان میں موافق انصاف کے، کہ اللہ تعالیٰ انصاف والے کو پسند کرتا ہے۔

اور اگر کوئی ان میں حکم نہ کرے انصاف کیساتھ تو یقیناً یہ لوگ کافروں میں سے ہیں۔

اور اگر کوئی حکم نہ کرے ان میں موافق اسکے جو کہ آپکے اللہ نے اُتارا ہے، تو یقیناً یہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔

اور اگر کوئی حکم نہ کرے ان میں موافق اسکے جو کہ آپکے اللہ نے اُتارا ہے، تو یقیناً یہ لوگ بڑے فاسق ہیں۔

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ الشوریٰ/۴۲: ۳۸

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ النمل /۲۷: ۳۴

(۳) طاہر محمد ڈاکٹر قاری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند تفردات، بحوالہ **سہ ماہی، قافلہ ادبِ اسلامی، مدیر اظہر، ظہور احمد ڈاکٹر، رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ، پاکستان، المجلد ۳، العدد ۱-۲، ینائر ۲۰۰۳م - یونیو ۲۰۰۳م /ص: ۲۰۱**

(۴) قرآنِ کریم، سورۃ النسآء/۴: ۶۵

(۵) قرآنِ کریم، سورۃ المائدۃ/۵: ۴۲

(۶) قرآنِ کریم، سورۃ المائدۃ/۵: ۴۴

(۷) قرآنِ کریم، سورۃ المائدۃ/۵: ۴۵

(۸) قرآنِ کریم، سورۃ المائدۃ/۵: ۴۷

کسی بھی مسلم مملکت کا آئین قرآن وحدیث سے مرتبہ ہونا ناگزیر ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ وحی کا پیغام ہی دراصل حکم نبوّت ہے اور حکم نبوّت ہی مسلمانوں کی مملکت کا آئین قرار دیا جائے گا۔اب رہا سوال کہ کیا بادشاہت ہی مسلمان حکومتوں کے لئے مختص ہے یا کوئی اور نظام بھی اسلامی مملکت میں اللہ کے قانون کے مطابق قوانین خداوندی نافذ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اسکا مختصر جواب تو یہ کہ تمام نظاموں کی نمائندگی ہمیں فاتح عظیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی روشنی میں ہی مل سکتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت دنیا کے تمام فاتحین کے برخلاف بجائے مکہ کی وادی کو اُجاڑنے، قتل و غارت گری کے ذریعے عورتوں کو بے سہارا کرنے سے نہ صرف اجتناب کیا بلکہ اُن لوگوں سے فقید المثال معاملہ کیا جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیش رو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھی، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکرِ قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے، جنہوں نے آنحضرت ل کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنخضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوّت کے سوا کسی چیز سے بُجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لِٹا کر اُن کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اُنکی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا: ''تم کو کچھ معلوم ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟''

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے پکار اُٹھے کہ: ''**اخ کریم و ابن اخ کریم**'' ترجمہ: 'آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادرزادہ ہیں'۔ پھر ارشادِ نبوی ﷺ ہوا: ''**لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء**'' ترجمہ: 'تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو'۔ (۱)

دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ آپ ﷺ پہلے ہی یہ اعلان فرما چکے تھے کہ ''جو شخص ہتیار ڈال دے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا دروازہ بند کرلے گا، یا خانہ کعبہ میں داخل ہوجائے گا، اسکو امن دے دیا جائے گا''۔(۲) یہاں پر پہلی بات کو عمداً بعد میں بیان کیا گیا ہے، اسکی وجہ یہ تفصیلی اظہار مقصود تھا کہ ''ابوسفیان'' جو چند لمحات پیشتر ایمان لانے والوں میں سے تھے، اور اُن سے پہلے یہ بات بھی ثابت ہوچکی تھی کہ نبی علیہ السلام پر ایمان لانے والے بیشک کہ بہت سارے منافقین بھی تھے، لیکن نبی علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ جس کی گواہی دے رہی ہو، وہ بھلا کیونکر منافقت کے قریب پھٹکنے پاتا؛ اور پھر یہ عجیب بات نہ تھی کہ ابوسفیان کے ایمان لانے کے بعد ابھی اُنہیں ایک لمحہ بھی دین اسلام میں آزمایا نہیں گیا تھا، اور نبی علیہ السلام نے لوگوں کو اُنکے گھر پناہ لینے کے لئے آمادہ فرماتے ہیں تو دراصل یہ کُھلی اعتماد جو اپنے نومسلم ساتھی پر کیا جا نا تھا نبی علیہ السلام کے رعب و دبدبہ کی بناء پر تھا جو آپ کے لئے اللہ تعالی نے بغیر قتال لوگوں کے دلوں وفاء کی صورت میں عطاء کیا تھا۔ چنانچہ آپ کا فاتح عظیم ہونا محظ زمین کے ٹکڑے پر فاتح ہونا نہیں تھا، بلکہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا تھا۔ یوں جنابِ محمد ﷺ نے عرب کی جہالت و رسوائی والی زندگیوں سے لوگوں کی گردن یوں چُھڑائی، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اس کی پیشن گوئی آچکی تھی:

''**ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم**'' (۳) ترجمہ: وہ ان زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آرہی تھی، اوران بوجھل بسلوں کو اسکے سر سے اتار دے گا جن کے نیچے وہ کُچلی جارہی تھی۔

---

(۱) نعمانی، شبلی علامہ، ندوی، سید سلیمان، علامہ، سیرت النبی ﷺ، جلد اوّل، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۵ء/ص: ۲۹۹

(۲) ایضاً/ص: ۲۹۷

(۳) قرآنِ کریم: سورۃ الاعراف/ ۷: ۱۵۷

الغرض نبی اکرم ﷺ نے اپنی عدیم المثال انقلابی جدوجہد سے ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور نظامِ سرمایہ داری کی اُن زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا، اور اس طرح خُدا کی مخلوق دنیا میں سر اُٹھا کر چلنے کے قابل ہوگئی۔

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست
نقش ہائے کاہن و پاپا شکست (۱)

اسلامی مملکت محض اللہ ہی کی بادشاہت میں قائم رہ سکتی ہے :

مملکت کی سربراہی سے متعلق جو خاکہ سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے اُسے بادشاہت جسے شہنشاہیت بھی کہتے ہیں۔اسکی مختصری تعریف یہ ہے کہ دنیا میں فتنہ وفساد کا بڑا سرچشمہ "شہنشاہیت" ہی رہا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ قصرِ شاہی کی آبادی و رونق کے لیے رعیت کی جھونپڑیاں ہمیشہ اجڑتی رہی ہیں۔خدا کی زمین اس کے بندوں خون سے اس لیے سیراب ہوتی رہی ہے تاکہ پادشاہوں کا نخل آرزو برگ و بار لائے۔پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے سب سے پہلے فتنہ کی اس جڑ کو صاف کیا۔(۲) 'ولا یتخذ بعضاً ارباباً من دون اللہ'(۳) ترجمہ:اور خدا کو چھوڑ کر،ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا پروردگار قرار نہ دے۔دنیا خدا کا ملک ہے اور حکم بھی یہاں خدا کا ہے جاری ہوگا۔(۴) 'ولم یکن لہ شریک فی الملک'(۵) ترجمہ: اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔اور ایک جگہ فرمایا 'ان الحکم الاّ للہ'(۶) ۔حکم صرف خدا کا ہی چل سکتا ہے۔

اسی وجہ سے آپ ﷺ کے بعد دراصل بادشاہت کا سلسلہ محض لفظی ہے،لیکن عملی طور پر یہ بادشاہت کا لفظ دراصل نبوت کے احکامات کو لاگو کروانے والے نائب یعنی خلیفہ کے مترادف بولا اور سمجھا جاتا ہے۔اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے،اسلامی مملکت خواہ کسی بھی خطہ ارض کی ہو،اُس کا مسلمان،بادشاہ یا جمہوری حکومتی سربراہ دراصل اس اپنے ملک میں مسلمانوں کا سرپرست بن کر نبی کے احکامات کے نفاذ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔خواہ کوئی اُسے سمجھے یا نہ سمجھے اور اسی لئے یہ مختصر سا واقعہ قابلِ رشک ہے کہ جب دو جہاں کے سردار نے یہ کلمات ادا فرمائے کہ جب وفد بنی عامر نے آپ سے کہا انت سیّدنا،آپ ہمارے سردار ہیں۔تو آپ نے جواب دیا: 'السید اللہ تبارک وتعالیٰ'۔سردار تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔اس پر ان لوگوں نے عرض کیا: بہر حال شرف وعزت میں تو آپ ہم سے برتر ہی،تو آپ نے جواب دیا: ہاں یہ تم کہہ سکتے ہو۔ اسی لئے اس وقت کی شہنشاہیت کے مظہر اتم اور آقائیت کے مجسمے کامل 'کسریٰ' کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:' اذا مات کسریٰ لا کسریٰ بعدہ'۔ترجمہ: اس خاندان کسروی کے بعد اب اور کسریٰ نہ ہوگا۔(۷)

---

(۱) نظامی،رانا صابر،سرمایہ دار اور مزدور،ادارہ تفہیم الاسلام،اردو بازار،لاہور،س ن/ص:۲۱۹

(۲) مدیر،طفیل،محمد،نقوش رسولؐ نمبر،جلد سوم،شمارہ نمبر ۱۳۰،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۳ء/ص:۳۶۴

(۳) قرآن کریم،سورۃ آل عمران/۳:۶۴

(۴) مدیر،طفیل،محمد،نقوش رسولؐ نمبر،جلد سوم،شمارہ نمبر ۱۳۰،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۳ء/ص:۳۶۴

(۵) قرآن کریم،سورۃ بنی اسرائیل/۱۷:۱۱۱

(۶) قرآن کریم،سورۃ یوسف/۱۲:۶۷

(۷) مدیر،طفیل،محمد،نقوش رسولؐ نمبر،جلد سوم،شمارہ نمبر ۱۳۰،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۳ء/ص:۳۶۴

جمہوری یا شخصی نظاموں کے تحت اسلامی سلطنت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے. وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے. یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا. یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے. برخلاف اسکے شخصی سلطنت میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے. اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں.

۱- بجائے اسکے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں، صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے.

۲- چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا. اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے.

۳- مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی. کیونکہ جن لوگوں کو اُن حقوق سے غرض ہے انکو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے انکو غیروں کے حقوق سے اسقدر ہمدردی نہیں ہوسکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہوسکتی ہے. چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا اسلئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے. یہ نتائج شخصی سلطنت کے وہ لوازم ہیں جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے. برخلاف اسکے جمہوری سلطنت میں اسکے برعکس نتائج ہوں گے اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو، اسکی نوعت کا اندازہ نتائج سے کیا جاسکتا ہے. یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی. عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں تھیں. لخمی، حمیری، غسانی، لیکن یہ سب شخصی تھیں. قبائل کے سرادار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے. لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی. بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی. (۱)

اسلامی مملکت کا صدر یا خلیفہ ریاست کا ذمہ دار ہوتا ہے:

درجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی مملکت کی سربراہی کا مسئلہ محض الفاظ کے چناؤ کے بجائے نیابتِ رسول کے حقوق کی پاسداری کرنے والے شخص کے چناؤ پر ہونا چاہئے، اب چاہیں اُسے خلیفہ کہہ لیں، صدر یا بادشاہِ وقت. چنانچہ اُس مرتبت عالی کے چناؤ کے لئے انتخاب کا طریقہ بھی وہ ہی رکھا جانا چاہئے جس کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا تھا، یعنی اراکین مجلس شوریٰ کی ایک خاص کمیٹی "جس سے مراد معتبر، راسخ العقیدہ اور عالمانہ صفات کے حامل اشخاص ہیں" صدرِ مملکت کو نامزد کرے اور اسکو مجلس شوریٰ میں پیش کردے، اراکین مجلس شوریٰ عام انتخاب کے ذریعہ سے صدر کو منتخب کریں. (۲) یوں مسلمان اس ناگفتہ بہ نقصان سے بچ سکیں گے، جس کے باعث آج منتخب ہونے والے طریقہ کار میں جہلا کا بڑا طبقہ شامل ہوتا ہے اور معمولی سیکشن آفیسر کے انتخاب کے لئے تو ایک لمبی چوڑی فہرست ہمارے کینڈیڈیٹ کی تعلیمی معیار کی شامل ہوتی ہے اور پھر اُسے سخت ترین امتحان کا پاس کرنا ہوتا جبکہ قابل افسوس مقام یہ ہے کہ مملکت کی سربراہی اس قسم کی تمام پابندیوں سے بالکل آزاد ہے، سیاسی جماعت جسے

(۱) نعمانی، شبلی علامہ، الفاروق، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی، حصہ اوّل، س ن/ص: ۲۸۱

(۲) نبہانی، تقی الدین علامہ، نظام الحکم فی الاسلام، مترجم، کامل، مظہر علی مولانا، دائرۃ المعارف، کراچی، ۱۹۵۷ء/ص: ۳۹

چاہے منتخب کرالے، اس نظام میں کیونکر برکت ہو سکتی ہے، اسی نظام کو جمہوریت کہا جاتا ہے، اور پھر وہی ہوتا ہے جو آج تک ہوتا چلا آ رہا ہے. اس کا سلسلہ ہر پانچ سال بعد اپنی تاریخ کو دھراتا ہے، اور پھر یوں طے ہی نہیں ہو پاتا کہ مملکت میں کس کا نظام قائم رہے. جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم سال میں اک بار محفل اقبال کرتے ہیں ۰۰ پھر جو کرنا ہو سو وہ قوال کرتے ہیں

آپ ﷺ کے دور سے اسلامی ریاست کا اور آپ ﷺ کے بعد خلافت کا آغاز ہوا :

آنجناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک مختصر عرصے کی علالت کے بعد مؤرخہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ، بمطابق ۷ جون ۶۳۲ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے. **انا للہ وانا الیہ راجعون - صلاۃ وسلاما علی رحمۃ للعلمین**. رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت سے دس سال بعد یعنی آپ کی وفات تک تقریباً ۱۰ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہو گیا تھا.(۱) آنحضرت ﷺ ۶۱۰ء تا ۶۳۲ء تک کی حکومت دینی حکومت تھی، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اعتقاد تھا کہ آپ ﷺ کی حکومت کا محور "وحی خداوندی" ہے، خدا حضرت جبرائیلؑ کے واسطہ سے احکام بھیجتا ہے، آپؐ انہیں کو عمل میں لاتے ہیں. اس حکومت کی بنیاد خاندانی عصبیت اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت پر قائم تھی.(۲) اور یہاں اس بات کا اظہار کرنا از حد ضروری ہے کہ جناب محمد ﷺ کے سامنے جن حضرات مقدر صحابہ اکرام کا ایک جمِ غفیر موجود رہتا تھا، اُن حضرات کے انتخاب میں آپ ﷺ نے جو درجہ بندی فرمائی تھی اُسمیں اللہ تعالیٰ کی معیت بھی شامل حال ہو گئی. مثلاً جب آپ ﷺ نے بیعت رضوان کے موقع پر اپنے صحابہ سے عہد لیا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

"ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ، یداللہ فوق ایدیھم ٥" (۳)

ترجمہ: تحقیق جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں، دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں؛ نیز! اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُنکے ہاتھوں پر ہے.

اسلام میں بیعت کی اہمیت وافادیت :

یہاں پر بیعت سے مراد وہ معاہدہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیعت بیع سے مشتق ہے. جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں اصطلاح شریعت میں اپنے نفس کو معاوضہ جنت اللہ عزوجل کے ہاتھ فروخت کر دینے کا نام بیعت ہے، نفس مبیع ہے اور جنت اس کا ثمن ہے، انسان بائع ہے اور اللہ جل مشتری ہے. تمام عقلاء کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ بیع ہو جانے کے بعد مبیع ملک بائع سے نکل کر، ملک مشتری میں داخل ہو جاتی ہے، مشتری ہی تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے، اسی طرح مومن بیعت کر لینے کے بعد اپنے نفس کا مالک نہیں رہتا اس لئے مومن کو چاہئے کہ اب نفس میں اپنی رائے سے کوئی تصرف نہ کرے. مگر یہ معاملہ حق جلّ وعلا سے براہ راست نہیں ہوتا، حضرات انبیاء علیہم الف الف صلوات اللہ اور انکے وارثین کے توسط سے ہوتا ہے. حضرات صحابہ نے جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی تو اصل بیعت اللہ عزوجل سے تھی اور رسول اللہ ﷺ درمیان میں وکیل اور کفیل تھے.(۴) چنانچہ یہ ہی وہ روحانی ایفائے عہد تھا کہ جس نے پُر اعتماد عمائد دین پیدا کئے کہ انہیں جس مرتبت پر بٹھا دو وہ اللہ اور اُسے رسول ﷺ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خالص ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ مادّیت پرستی کی دنیا انہیں نہ خرید سکتی تھی اور نہ ہی زیر کر سکتی تھی.

---

(۱) انصاری، محمد عبداللطیف، تاریخ عالم اسلام، الموتمر العالم الاسلامی، ۳۰ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ص: ۳۸

(۲) علیم اللہ، مولوی صاحب، مسلمانوں کا نظم مملکت، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ ص: ۲۰

(۳) قرآن کریم: سورۃ الفتح/ ۱۸:

(۴) کاندھلوی، محمد ادریس مولانا، سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، مکتبہ عثمانیہ، ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۲ء/ ص: ۸۰۳

اسلامی ریاست کے خلفاء کا چناؤ اور انکا مختصر تعارف :

حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے چار جانشینان اسلام یکے بعد دیگرے مرتبت خلافت پر فائز ہوئے، لیکن یہ عمل کلی طور پر ایک جمہوری لیکن پُر اعتماد، پڑھے لکھے اور مجتہدین صحابہ کے مشوروں سے طے پایا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جانشینی کا سوال ایک سیاسی ہنگامہ کی شکل میں اُٹھا۔ بات یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے اسکا فیصلہ اپنی زندگی میں نہیں کیا تھا اسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ ﷺ عربوں کے نظامِ جمہوری کو بہت پسند کرتے تھے، صحابہؓ اس سے واقف تھے۔ اس لئے آپ کو اعتماد تھا کہ مسلمان جمہوری طریقہء انتخاب سے ایک شخص کو اپنا حاکم بنالیں گے۔ آپ ﷺ کے بعد جب یہ مسئلہ اُٹھا اور صحابہؓ کے اندر شدید اختلاف پیدا ہوگیا، اس نازک وقت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ وغیرہ نے اپنی غیر معمولی فہم و فراست سے یہ ہنگامہ فرو کیا اور جانشینی کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب کیا۔ یہ خلافت کی ابتداء تھی۔(۱)

خلیفہ اوّل صدیق اکبرؓ کی منقبت :

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور بمشکل تمام دو سال اور ساڑھے تین ماہ ہے، جو سنہ ۱۱ھ تا ۱۳ھ بمطابق ۶۳۲ء تا ۶۳۴ء بنتا ہے۔(۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام صحابہ کرام میں افضلیت اور بزرگی حاصل تھی۔ آپ کی بے مثال قربانیوں اور خدمات کے نتیجہ میں اور رسول اللہ ﷺ کے سچے فدائی ہونے کی بناء پر جو مقام حاصل تھا اس کو مدِنظر رکھ کر مہاجرین وانصار مکہ ومدینہ نے باہم مشورے سے متفقہ طور پر رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ آپ نے اس انتخاب پر تمام مسلمانوں کو مسجدِ نبوی میں جمع کیا اور اُن سے خطاب فرمایا:

"ایھا النّاس قدولیتُ انا متبع ولست بمتبدع فان احسنتُ فاعینونی وان زغتُ فقومونی."(۳)

"لوگو! مجھے تم نے اپنا امیر منتخب کیا ہے، حالانکہ میں تم سے افضل نہیں ہوں، میں ہر حالت میں تمہاری امداد اور رائے کا محتاج ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میرا ہاتھ بٹاؤ، اگر غلطی کروں تو میری اصلاح کرو۔ جب تک اللہ اور اُسکے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق تمہیں حکم دوں تو میرا کہا مانو ورنہ میری فرمانبرداری ہرگز نہ کرو۔ میں بہر حال حقدار کو حق دلاؤں گا اگرچہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔"(۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت کی ذمہ داریوں سے پہلے ایک کامیاب تاجر تھے، مگر بارِ خلافت کے بعد تجارت کے لئے کوئی موقع نہیں رہا تو بیت المال سے صرف اسقدر وظیفہ لینے پر آمادہ ہوئے جس کی مدد سے بعسرت تمام زندگی بسر ہوتی تھی اور یہ بھی حضرت عمرؓ اور ابوعبدہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے اصرار پر، ورنہ خلافت کے بعد بھی حسب معمول یہی کیا تھا کہ کپڑوں کا گٹھر کاندھے پر اُٹھایا اور بازار روانہ ہوگئے۔ راستہ میں اتفاق سے حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ مل گئے۔ کہنے لگے یا خلیفۃ الرسول اللہ کہاں تشریف لے چلے، فرمایا بازار، ان دونوں بزرگوں نے کہا، اب بھی آپ یہی کام کریں گے تو امور خلافت کا کیا ہوگا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا، پھر بچوں کی پرورش کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا، تشریف لے چلیں، ہم آپ کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کردیں گے۔ چنانچہ واپس لائے اور آپ کے لئے ایک عام مہاجر کی مقدار وظیفہ مقرر کردیا اسکی مقدار طبقات ابن سعد کے الفاظ میں یہ تھی:(۵)

---

(۱) علیم اللہ، مولوی صاحب، مسلمانوں کا نظم مملکت، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ ص:۲۰

(۲) انصاری، محمد عبداللطیف، تاریخ عالم اسلام، الموتمر العالم الاسلامی، ۳۰ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ ص:۴۳

(۳) ندوی، محمد ظفیر الدین مفتاحی مولانا، اسلام کا نظام امن، ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ ص:۴۸ بحوالہ طبقات ابن سعد، ص:۱۲۹، جلد سوم، قسم اوّل۔

(۴) انصاری، محمد عبداللطیف، تاریخ عالم اسلام، الموتمر العالم الاسلامی، ۳۰ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ ص:۴۳

(۵) ندوی، محمد ظفیر الدین مفتاحی مولانا، اسلام کا نظام امن، ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ ص:۴۸

"ففرضوا له كل يوم نصف شاة وما كسوه في الرأس والبطن."(۱)

ترجمہ:"چنانچہ انہوں نے آپؓ کے گھر کے لئے روزانہ نصف بکری اور اس قدر کپڑا جو سر اور پیٹ ڈھانپ سکے، مقرر کی.

یہی وجہ ہے کہ کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا ایک دفعہ میٹھا کھانا کھانے کی اہلیہ نے خواہش ظاہر کی تو صاف صاف فرما دیا اب اس زیادہ بیت المال سے نہیں لے سکتا، اور جب بیوی نے پیٹ کاٹ کر ایک مدت میں کچھ پیسے اس کام کے لئے بچائے تو یہ حکم لکھ بھیجا کہ اتی رقم میرے وظیفہ سے کم کردی جائے، کیونکہ اس کم کی ہوئی مقدار میں بھی کسی نہ کسی طرح گذارہ ہو جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی اہلیہ کی وہ بچائی ہوئی رقم بھیت بیت المال میں بھجوا دی اور اس حساب سے جتنا روزانہ پڑتا تھا اسکا تاوان بھی داخل کرایا(۲) خلیفۃ الرسول ﷺ ہونے کے باوجود کبر ونخوت سے دامن پاک وصاف تھا، حضرت ابوہریرۃؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کے روبرو، بہت کچھ آپکو برا بھلا کہا ایک صحابیؓ نے جو وہاں موجود تھے اجازت طلب کی کہ میں اس بدزبان کی گردن اڑا دوں؟ تو آپؓ نے انہیں اس ارادہ سے روکا اور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے سوا اور کسی کی شان میں بدزبانی کرنے والے کی گردن اڑانا درست نہیں ہے.(۳)

یہ تھی شان صدیقؓ، جسکے باعث آج کتنے گستاخان موجود ہیں، لیکن وہ غذب الٰہی سے محفوظ ہیں تو یقیناً صدیق اکبرؓ کی اس حلیمی ہی پر محفوظ ہیں.

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور کا سب سے بڑا معرکہ وہ جنگ ہے جو شام وعراق کے درمیان اجنادین کے مقام پر دریا کے کنارے کل ۴۰ ہزار مسلمانوں کا لشکر ہرقل شہنشاہ روم کی ۲ لاکھ ۳۶ ہزار افوج سے مدِ مقابل ہوا، اور ایمانی قوت کے باعث اللہ کی نصرت حاصل کر کے فتحیاب ہوا اسکے بعد آپ کا رضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا.

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ کی منقبت:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اکابر صحابہ نے متفقہ طور پر اپنا امیر منتخب کر لیا(۴) آپ کا دورِ مبارک دس برس ہے، جو سنہ ۱۳ھ تا سنہ ۲۳ھ بمطابق ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء بنتا ہے.(۵) حضرت عمر فاروقؓ کو رسول اللہ ﷺ کا ناصر اعظم بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے ایمان لانے کے بعد ہی مسلمانوں نے پہلی مرتبہ بیت اللہ شریف میں کھل کر نماز ادا کی، آپؓ کے دور میں فتوحات کا ایک وسیع وعریض سلسلہ ہے. یوں تو آپ کے دور میں شہنشاہِ ایران وشہنشاہِ روم سمیت مصر پر بھی فتحیابی ہوئی لیکن سب سے بہتر اندازِ فتح جو محظ آپ کے ایک معمولی عمل سے کامیابی تک ہمکنار ہوا وہ یہ ہے کہ جب آپؓ کے دور میں مجاہدین اسلام نے جن کی قیادت حضرت خالد بن ولیدؓ اور ابوعبیدہؓ کر رہے تھے، شام کا صدر مقام دمشق، اردن اور حمص پر قبضہ کر لیا تو، دوسری طرف محاذِ فلسطین پر حضرت عمرو بن العاص نے چند اہم علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا. بعد میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، شہر کے رومن عیسائیوں نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی اور کہا کہ قلعہ کی چابی وہ مسلمانوں کے حاکم اعلیٰ کو دیں گے اس درخواست پر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہ نفسِ نفیس بیت المقدس تشریف لے گئے. جب آپ بیت المقدس کے شہر کے دروازے پر پہنچے اس وقت آپ ایک اونٹ کی رسی پکڑے ہوئے شتربان کی طرح آگے آگے چل رہے تھے اور غلام اپنی باری کے طور پر اونٹ پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا رومیوں کے شہر بیت المقدس کے والی نے جب سنا اور دیکھا کہ مسلمان فاتح قوم کا امیر پیدا اونٹ کے آگے آگے چل رہا ہے اور غلام اونٹ پر بیٹھا ہے تو حیران رہ گیا اور اپنے شہر کی

---

(۱) ندوی، محمد ظفیر الدین مفتاحی مولانا، اسلام کا نظام امن، ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ص:۴۹ بحوالہ ابن سعد ص:۱۳۰/ ج۳

(۲) ایضاً/ص:۴۹

(۳) ایضاً/ص:۶۳

(۴) انصاری، محمد عبداللطیف، تاریخ عالم اسلام، الموتمر العالم الاسلامی، ۳ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ص:۴۵

(۵) ایضاً

چابی حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے حوالہ کر دی۔ آپ نے معاہدۂ صلح مرتب فرمایا۔ بیت المقدس اور اطراف کی آبادی کو مکمل تحفظ، جان کی امان عطا کی اور سلامتی کی ضمانت دی۔ پھر بیت المقدس کو اسلامی ریاست میں شامل کر لیا۔ مسلمانوں کی فوج بیت المقدس میں داخل ہوئی تو کسی عیسائی کو قتل نہ کیا سب کو امان دی، عورتوں اور بچوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا۔(۱) خلیفہ بننے کے بعد حضرت عمرؓ نے حکمرانی کے عالم میں اپنے لئے جو بات پسند فرمائی اُسکا اظہار خود ان الفاظ میں فرمایا: ''انا اخبر کم بما یستحل و یحل منه حلتان، حلة فی الشتاء، و حلة فی القیظ و مما احج علیه واعتمر من الظهر و قوتی و قوت اهلی کقوت رجل من قریش لیس باغناهم و لا بافقرهم ثم انا بعد رجل من المسلمین یصیبنی ما اصابهم ''(۲)

ترجمہ: ''میں خود بتاتا ہوں کہ مجھے بیت المال سے کس قدر لینا درست ہے، دو جوڑے کپڑے، ایک جوڑا جاڑے میں اور ایک جوڑا گرمی میں، اور ایک سواری جس پر میں حج وعمرہ کر سکوں، اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے برابر اپنے اور اہل وعیال کے لئے اخراجات طعام، پھر اسکے بعد میں عام مسلمانوں کی طرح ایک ادنیٰ شخص ہوں، جو انکا حال ہوگا وہی میرا بھی حال ہوگا۔

اسکے بعد آپؓ دس سال خلافت پر فائز رہنے کے بعد ایک صبح مسجد سے نماز فجر ادا کر کے آ رہے تھے کہ فتح ایران کے انتقام میں ایک ایرانی پارسی غلام فیروز نے آپؓ کو شہید کر دیا۔(۳)

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی منقبت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تیسرے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ ابن عفان کا انتخاب بھی شوریٰ کے فیصلہ سے عمل میں آیا۔ آپؓ کا دورِ خلافت تقریباً ۱۱ برس ہے جو سنہ ۲۴ھ تا ۳۵ھ بمطابق ۶۴۵ء تا ۶۵۷ء بنتا ہے۔(۴) حضرت عثمانؓ کے ابتدائی ۶ سال میں کئی عظیم فتوحات ہوئیں جس کی بدولت اسلامی سلطنت بہت وسیع ہوگئی۔ حضرت عثمانؓ طبعاً نرم مزاج اور رحم دل واقع ہوئے تھے۔ آپ اپنے صوبہ داروں سے حضرت عمرؓ کی طرح سخت محاسبہ نہیں کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف صوبہ داروں میں اقتدار کی بھاگ دوڑ شروع ہوگئی، خصوصاً دور دراز کے صوبوں میں عمال پر گرفت اتنی سخت نہ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ مال و دولت جمع کرتے لگے۔(۵) یوں آپؓ کا دور خاصی بڑی سازشوں کا شکار رہا اور آخرِ کار مصر اور عراق کے مفتوحین نے آپ کے خلاف سازش کی اور آپؓ کو اپنے ہی گھر میں شہید کر دیا، اس وقت آپؓ قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔(۶)

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ ابن طالب کی منقبت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کل دورِ خلافت ۴ برس ہے، سنہ ۳۵ھ تا سنہ ۴۰ھ بمطابق ۶۵۷ء تا ۶۶۱ء بنتا ہے۔(۷) آپؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا بچپن رسول پاک ﷺ کی سرپرستی میں بسر ہوا تھا، اور آپ کو دامادِ رسول ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

(۱) انصاری، محمد عبد اللطیف، تاریخ عالمِ اسلام، المؤتمر العالم الاسلامی، ۴ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ص:۴۸

(۲) ندوی، محمد ظفیر الدین مفتاحی مولانا، اسلام کا نظامِ امن، ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ص:۴۹ بحوالہ ابن سعد ص:۱۳۰/ج ۳

(۳) انصاری، محمد عبد اللطیف، تاریخ عالمِ اسلام، المؤتمر العالم الاسلامی، ۴ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ص:۵۱

(۴) ایضاً/ص:۵۲

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً/۵۵

(۷) ایضاً

خارجیوں کے سوا مسلمانوں کے تمام گروہ حضرت علیؓ کا بیحد احترام کرتے تھے. تصنع اور بناوٹ کا کوئی شائبہ زندگی میں نہ تھا غریبوں کے انداز میں زندگی بسر کی کپڑوں میں پیوند لگے رہتے. حق گوئی اور بہادری میں تمام عرب میں آپ کا چرچا تھا.(۱)

درجہ بالا مختصر احوال ہم نے اس غرض سے تحریر کیئے ہیں کہ اس بات کا اظہار ممکن ہوسکے کہ مسلمانوں کی رہبری و رہنمائی کا جو نمونہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کے جانشینان دے گئے ہیں، انمیں ابتدائی دور پوری عالم انسانیت کے لئے ایک سبق ہے کہ خلفائے راشدین کو مطلق فرمانروائی حاصل تھی، اُنکے اختیارات و فرائض کسی دستور میں تفصیل و وضاحت کے ساتھ لکھے ہوئے نہ تھے، لیکن انکے اقتدار و اختیار کی غیر تفصیلی و اجمالی حد بندی ضروری تھی، اور وہ یہ کہ فرائض کی بنیاد شریعت اور اُمّت کی رضامندی پر قائم تھی وہ ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے. اور اگر کوئی اسکا مرتکب ہوتا تو اُسکی کفر مانروائی و خلافت کا حق باطل ہو جاتا اور جن ممتاز افراد نے اُسے خلیفہ بنایا تھا وہ ہی اسے معزول کرسکتے تھے. تاریخ گواہ ہے، کہ خلفائے اربعہ نے حدودِ شرع میں رہ کر حکومت کے فرائض انجام دیئے ہیں، انکی فرمانروائی کی بنیاد شرعی دستورِ حکومت تھا.(۲) اور خود انکی آمدن کی حالت مختصر انداز میں اوپر آ چکی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے، جب ہی تو اللہ سبحانہ وتعالی کی مدد انکے ساتھ ہمیشہ قائم رہی.

اے کاش آج ہم اُس روش کو اپنی زندگیوں میں جاری رکھنے والا بنادیں تو پوری امۃ مسلمہ دنیا میں چین و سکون کی زندگی گزار سکیں کیونکہ جس قوم کا امیر اس درجہ کی عاجزی و انکساری سے حکومت کرنے والا ہو تو کیا مجال ہے ہما شما کی کہ وہ مسلمانوں کی سیاسی زندگیوں میں جھوٹ، دغا بازی، ملک کو لوٹ کھانے کی حوس اور دیگر ناگفتہ بہ جرائم اپنے معاشرے میں جنم لینے کا موقع فراہم کرسکیں. اور یہ بات محظ لفاظی نہیں بلکہ دور عثمانیہ تک مسلم حکومتوں کا حال گہرائی سے مطالعہ کرنے پر یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ تمام دنیا کے مسلم ممالک میں، ایک ہی نظام وحدت و نبوّت کا دور دورہ تھا، وہ چاہے بغداد و ایران ہوں یا ہند کی سرزمین کہ جس پر اورنگ زیب عالمگیر جیسے فقیہہ بادشاہوں کا دور بھی دنیا نے دیکھا ہے، جس بادشاہ نے تمام عمر برصغیر پر حکومت کے دوران محظ ٹوپیاں بیچ کر اور قرآنِ کریم کے نسخے لکھ لکھ کر اپنے گھر والوں کا پیٹ پالا اور جس کے نتیجہ میں دنیا کی عظیم اقوام میں مسلم سمیت وہاں کے رہنے والے غیر مسلم ہندوؤں کو بھی اطمینان کی روٹی نصیب ہوتی رہی. اب ہم دوبارہ اپنے نفس مضمون کی جانب لوٹتے ہیں، جس کے سمجھنے کے لئے یہ تاویلات پیش کی گئیں ہیں.

ریاستِ اسلامی کی خصوصیات :

اسلامی تعلیمات و تربیت رسول اللہ ﷺ ہی کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین سے لیکر ایک معمولی شُتر بان تک انصاف کے ترازو میں تُلتا تھا، ہر شخص گویا، مملکت کے تمام کاموں میں خُدا ترسی اور فرض شناسی کی روشن مثال بنا ہوا تھا. ایسی صورت میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ محظ اللہ تعالی کی خوشنودی کا ذریعہ تھی. اور فرائض منصبی کے لئے اللہ تعالی کا قانون بھی بتلا رہا ہے کہ مسلم حکمرانوں کا اصل کرنے کا کام کیا ہے؟

"الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ وآتوا الزکواۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر ٥" (۳)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوہ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے.

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ نظام صلواۃ کے قائم کرانے، نیکی کے پھیلانے اور بدی سے روکنے کے انتظامات سمیت زکواۃ کا ایک ایسا مربوط و مسبوط نظام قائم کرنا حاکم وقت کی زمہ داری میں اوّلین حیثیت رکھتا ہے، کہ شاید کوئی اور ایسا حکم اسکے مدّ مقابل ہو. جیسا کہ ہمارے

(۱) انصاری، محمد عبداللطیف، تاریخ عالم اسلام، الموتمر العالم الاسلامی، ۴۴ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ص: ۵۵

(۲) علیم اللہ، مولوی صاحب، مسلمانوں کا نظم مملکت، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، سن ن/ص: ۴۸

(۳) قرآنِ کریم: سورۃ الحج/۲۲: ۴۱

یہاں جب اسلام کو بدنام کرانے کی سازشوں کا ہم ازخود حصہ بن جاتے ہیں تو بغیر سوچے سمجھے محض حدود قوانین کا اجراء شروع کر دیتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کو بدنام exploite کرنے والی شورشیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور اصل مقصدِ دین پھر دب جاتا ہے. حالانکہ یہ بات تو نبی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی رائج تھی کہ حدود کا اجراء آپ ﷺ کی ۵۳ سالہ زندگی کے بعد وجود پایا، جبتک آپ ﷺ نے محض دعوتِ دین یعنی نیکی پھیلانے اور بدی سے روکنے کی تمام ترسعی کر ڈالی اور اسی دوران نماز کے قائم کرنے اور زکواۃ کے انتظام سے مراد قرآن کی کم وبیش ہر وہ آیت جس کا تعلق نماز قائم کرانے سے ہے، زکواۃ کا حکم بھی اُسکے فوراً بعد آجاتا ہے.

نماز تو خود حی علی الصلاۃ کے بعد حی علی الفلاح کی خبر دیتی ہے، تو کیوں نہ زکواۃ کا اسکے ساتھ لازم وملزوم ہونا فطری ہو. اور وہ ربّ جس نے پوری خلقتِ انسان کو اپنی فطرت پر پیدا فرمایا ہے، تو کیوں نہ وہ انسان اقدار میں اُسکی معاشی ضرورتوں کا خیال رکھتا لہٰذا یہ بات ثابت ہوتی ہے، زکواۃ کا نماز کے ساتھ اسطرح گہرا تعلق بنتا ہے کہ نماز میں اجتماعی ملاقاتِ انسانی واجب ہو جاتی ہے، تو پھر حوائج انسانی کا خود بخود پتہ چل جانا بھی فطری عمل ہوا کرتا ہے. چنانچہ معاشرے میں انسانی ضروریات کا ایک دوسرے سے پورا ہونا ہی تو دنیاوی زندگی کہلاتا ہے. وگرنہ جنت میں جو انسان موجود ہونگے اُن میں کسی کو کسی کی جانب سے رزق نہی دیا جائے گا، بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کا بہترین جزاء پائے گا. جس کے لئے قرآن کی دلیل واضح ہے کہ: "ھل جزآء الاحسان الا الاحسان" ٥(١) ترجمہ: احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے؟

چنانچہ اس بات سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں کہ اسلام کے تصوّر پر قائم کردہ ریاست کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں حکومت کرنا اور اقتدار پر متمکن ہونا مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ ریاست کا مقصدِ وجود اسلام کے اصولوں کی علم برداری ہوتا ہے. اس لئے یہ ایک صفاتی ریاست ہے، ان صفات میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے:

١) اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلا قوم یا چند افراد کی نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کی تسلیم کی جاتی ہے. قوم اور اسکے قائدین حاکمیت کے بجائے خلافت کا مقام قبول کر کے اپنے فرائض بندگی سرانجام دیتے ہیں. (٢)

٢) اسلامی ریاست کا نظام مشاورت کے اصولوں پر چلایا جاتا ہے. حکومت کا بننا اور بدلنا (اُس) عوام کی رائے پر موقوف ہوتا ہے، جو خود بھی اللہ اور اُسکے رسول کے احکام کے تابع اور پابند ہوتے ہیں.

٣) یہ ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے اس نظریے پر ایمان رکھنے والے کارکن ہی اس ریاست کو چلا سکتے ہیں. یہ ملازمتیں فراہم کرنے والا ادارہ نہیں بلکہ نظریات کے نفاذ اور سیرت وکردار کی تشکیل کرنے والا ادارہ ہے.

٤) یہ ریاست رنگ ونسل اور زبان وعلاقہ کی عصبیتوں سے بالاتر ریاست ہوتی ہے. (٣)

٥) اس ریاست میں فرد کو پوری آزادی ہوتی ہے لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے بالاتر قانون کے ماتحت اور حکومت اور اسکے عمّال کو پورے اختیارات ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے بالاتر قانون اور مشاورت کی پابندیوں کے ساتھ

٦) اسلامی ریاست میں عوام کے درمیان عدل کا قیام، مسلمانوں کے اندر مساوات کا فروغ، ذمہ دار جمہوری اداروں اور عوام کے سامنے جواب دہی کا اہتمام، انتظامِ مملکت میں عوام کے نمائندوں کی آراء سے استفادہ، نیکیوں کا فروغ، بُرائیوں کا استیصال، اقتدار کی ہوس اور کشمکش سے پاک وصاف ماحول کا اہتمام ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے.

---

(١) قرآن کریم: سورۃ رحمٰن/ ٥٥:٦٠

(٢) گیلانی، سیّد اسعد، اسلامی ریاست میں حکّام کے اوصاف، بحوالہ، سعید، حکیم محمد، تصوّرِ ریاستِ اسلامی، مقالات مذاکرہ ملّی تعلیماتِ نبویؐ تیسری ہمدرد سیرت کانفرنس ١٤٠٣ھ، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ١٩٨٣ء/ ص: ٢٨٥

(٣) ایضاً

۷) یہ ریاست فطرتاً کمزور، ضعیفوں، مسکینوں اور مظلوموں کی پشت پناہ ہوتی ہے۔

۸) اس ریاست میں معاوضوں کا تعین صلاحیت اور محنت کے توازن کا اہتمام کرتے ہوئے اصول کفالت پر کیا جاتا ہے۔(۱)

الغرض اسلامی ریاست میں مسلمانوں کی تمام درجہ کی اصلاحات کا مقصد مسلمانوں کو محظ دین کے احکامات کا پابند بنانا ہوتا ہے۔اور غیر مسلم رعایا پر 'لا اکراہ فی الدین'(۲) ترجمہ:دین میں کوئی زبردستی نہیں، کے ماتحط از روئے شرع اُنکو اُنکے عقائد و نظریات اور رسوم و رواج سمیت تحفظ فراہم کرانا ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم کی رو سے اسلامی حکومت پر حضرت محمد ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کرنا واجب ہے:

اس بات سے مراد یہ ہے کہ ریاست کی یہ ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ اپنے ملکی قوانین میں یعنی سنتوں اور احادیث پر مبنی احکام الرّسول کو اپنی ریاست کے آئین میں فوقیت کے ساتھ لاگو کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان نبی علیہ السّلام کے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنانے پر بڑا تاکیدی ہے، جسے ہم اسلامی تصوّر ریاست کے تعارف میں بیان کر چکے ہیں، لیکن موضوع کے اعتبار سے دوبارہ پیش کر رہے ہیں :

'' **فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلّموا تسلیما ٥** ''(۳)

ترجمہ: سو قسم ہے! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ﷺ اُن میں کر دیں اُن سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

چنانچہ اس معاملہ میں مسلم حکام کا ایمان والا اور سنتوں پر عمل پیرا ہونے والا ہونا اشد ضروری ہے۔

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن و اخراجات :

اسلام ایک قانونِ شہادت دیتا ہے۔اس کا اپنا فوجداری اور دیوانی قانون ہے وہ تجارت اور معاملات کے لیے قانونی ہدایت دیتا ہے۔وہ نکاح و طلاق، وراثت و وصیت، بیع و ہبہ کے لیے قوانین دیتا ہے اگر حکومت و اقتدار اس کو حاصل نہ ہو تو اسکی شریعت کا ایک حصہ معطل، بے کار اور ناقابل عمل ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام اور حکومت دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔خود رسول اللہ ﷺ کا دنیا میں ایک بہت بڑا کام اور آپ ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد حکومت الٰہی کا قائم کرنا اور دنیا میں آسمانی نظامِ سیاست و اخلاق و معاشرت کا جاری کرنا تھا۔(۴)

چنانچہ جہاں ریاست کا قیام محظ دین اسلام پر قائم ہوگا تو وہاں کے ذرائع آمدن بھی حکم الٰہی کے پابند ہونگے۔لہٰذا اُنکے مقاصد اعلیٰ پر بھی غور کرنا ہوگا کہ یہ آمدن کن مقاصد کے تحت وصول کی جائیگی اور اخراجات میں کون سی مد حکومت کی اہم ترین ذمہ داریوں میں شامل ہوتی ہے۔اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں خرچ کو اہمیت دی گئی ہے آمدن کی نسبت، دوسرے معنی میں خرچ کرنے کی مدّوں کو سامنے رکھتے ہوئے جو آمدنی کا حصول مرتب ہوتا وہ از خود انسانوں کو اسراف سے دور رکھتا ہے۔اور جب خرچ پر کوئی نگاہ نہ ہو تو لامحالہ انسان اپنے اخراج کے بے لگام گھوڑے کو دوڑانے کے لئے ناجائز ذرائع آمدن استعمال کر بیٹھتا ہے۔یہی کچھ حال حکومت کے پیشِ نظر اہداف مقرر کرنے کا ہے۔کہ اگر حکومت اپنے ملک کی اہم ترین ذمہ داریوں

---

(۱) گیلانی، سیّد اسد، اسلامی ریاست میں حکام کے اوصاف، بحوالہ، سعید، حکیم محمد، تصور ریاست اسلامی، مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبویؐ تیسری ہمدرد سیرت کانفرنس ۱۴۰۳ھ، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۸۳ء/ص:۲۸۶

(۲) قرآنِ کریم؛سورۃ البقرۃ/۲:۲۶۵

(۳) قرآنِ کریم؛سورۃ النّسآء/۴:۶۵

(۴) احمد، خورشید پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۴۴۷

کو جانچ لے تو اسکے لئے آمدن کے ذرائع بھی بے لگام نہ چھوڑے گی، بلا ضرورت عوام پر ٹیکسوں کی مدّ میں بوجھ نہ ڈالے گی، بلکہ اپنے ملک کے خسارے کے لئے پیداواری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کرے گی۔ درج ذیل اھداف خرچ اسطرح سے جانچے جاسکتے ہیں:

۱- سب سے اوّلین فریضہ ملک کی سرحدوں کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک فوجدارانہ، سپہ سالاری نظام بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲- دوسرے درجہ پر عوام الناس کے جان مال کا تحفظ فراہم کرنا، اندرونی وبیرونی خلفشاروں سے ملک کے عوام کو محفوظ رکھوانا۔

۳- اسکے بعد عوام الناس کی صحت وتعلیم کی طرف توجہ دلانا اسکے لئے مساجد ومدارس کے قیام کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴- دیگر مدّوں میں شامل، مواصلات کا نظام، عدالتوں، جیلوں اور ہسپتالوں کا نظام قائم کرنا، اور اپنے ملک کی صنعت وحرفت، زراعت و کاشتکاری کو فروغ دلانا وغیرہ شامل ہیں۔

اگر تاریخ وسیرت کی روشنی میں درج بالا اصولوں کو پرکھا جائے تو محمدِ عربی ﷺ نے بھی سب سے پہلے مدینہ منورۃ تشریف لانے سے پیشتر، مدینہ کے یہودیوں اور انصارین سے معاہدے کئے، جسے بیعتِ عقبہ اولی وثانیہ کہتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے ہی ملک کی سرحدوں اور اندرونی وبیرونی خلفشار سے محفوظ فرمادیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی کی بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی جسکے ساتھ ہی آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا مرکز صفہ کا چبوترا تیار کرایا۔ جو آئندہ چل کر اسلامی دنیا کی پہلی درسگاہ ثابت ہوا۔ اسی طرح آپ علیہ السلام نے جملہ ضروریات کے لئے حکومت کے خزانے کی جو بنیاد رکھی تو سب سے پہلے انفال وغنائم کی مدّ پر قرآنِ کریم کی نصرت درجِ ذیل آیات کی شکل میں نازل ہوئی: '**یسئلونک عن الانفال ، قل الانفال لله والرّسول o**' (۱)

ترجمہ: لوگ انفال (جنگ کے حاصل شدہ مال) کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ یہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

الانفال: یعنی یہ ملک کس کی ہیں اور انہیں تقسیم کس طرح کیا جائے؟ جب معرکۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار بہ حیثیت ایک جماعت کے، شکست کھائے ہوئے کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا، کہ State Property یعنی حکومت کی آمدنی مِلک کسی کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل کس ترتیب سے کیا جائے؟ (۲)

'وفی تفسیر القرطبیؒ یقول: غنیمة نافله، لانها زیادة فیما أحل الله لهذه الأمّة ممّا کان محرما علی غیرها۔

قال ﷺ: فضلت علی الانبیاء بست ، وفیها ، وأحلت لی الغنائم ، والانفال: وهی الغنائم نفسها. (۳)

ترجمہ: علامہ قرطبیؒ نے سورۃ انفال کی پہلی آیت کی تشریح میں فرمایا کہ 'مالِ غنیمت نفلی حصہ ہے جسے اللہ نے اس امت پر حلال فرمایا اس پر زیادتی کا نام ہے جو غیر مسلم پر حرام تھی۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ نے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت بخشی ہے، انمیں سے ایک مالِ غنیمت کا حلال ہونا ہے۔ انفال بذات خود غنائم ہی ہیں۔

جب آپ ﷺ نے مدینہ کی ریاست کی بنیاد ڈالی تھی تو اُس وقت نہ ملک تھا نہ خزانہ صرف چند اللہ کے بندے تھے جو اپنے ذاتی مصارف پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدانِ جنگ میں ۳۱۳ سپاہی بمقابلہ ایک ہزار سپاہی اُترے جو پہلی فتح بدر میں ہوئی اور خواہ جنگ کی تاریخ میں یہ کتنی ہی چھوٹی جنگ کیوں نہ ہو لیکن علم کی تاریخ کے جتنے انقلابی فیصلہ کن معرکے ہیں ان میں یقناً سب سے بڑا انقلابی معرکہ یہی تھا۔ اسی جنگ نے وہ فیصلہ کیا جو بالآخر تاریخ کا

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ الانفال/۸:۱

(۲) تفسیر ماجدی/ص:۳۷۳

(۳) العطار، نادی فرج درویش، 'شرح الاحکام الشّرعیّه فی التوراۃ ، شرعیة موسی النص و التفسیر، کلیة الحقوله ، جامعه القاهرۃ ، مرکز ابن العطار للتراث. الطبع الاولی ۲۰۰۱ء /ص:۳۱۷ ممن شرح الآیات القرآنِ کریم ، سورۃ الانفال - ۱

اہم فیصلہ بن گیا اور اب تک بنا ہوا ہے۔ اس جنگ میں سب سے پہلے ایک ہزار سپاہی اور وہ بھی غریب عرب کے بھاگے ہوئے سپاہیوں کا مسلمانوں کو کچھ سامان ہاتھ آیا اور یہی اسلامی حکومت کی پہلی آمدنی تھی۔(۱) انفال جمع ہے نفل کے معنی اُس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو اصطلاح شریعت میں یہ وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو اور اسکا اطلاق مالِ غنیمت قبل از تقسیم پر ہوتا ہے۔(۲) اسلام کے ابتدائی عہد میں حملہ آور دشمنوں کا مال غنیمت کے طور آتا تھا۔ آپ اس تمام سرمایہ کو اسی وقت تقسیم کر دیتے تھے۔ اس زمانہ میں حکومت کا تمام سرمایہ یہی مال غنیمت تھا۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں کوئی رقم خزانہ میں جمع نہ ہوتی تھی اور نہ اس وقت بیت المال کا وجود تھا۔ جب کبھی غنیمت کا مال آتا اسی وقت آپس میں تقسیم ہو جاتا، صدقات اور زکواۃ کی آمدنی وصول ہوتی تو وہ مستحق افراد پر بانٹ دی جاتی تھی اور کچھ ہنگامی ضرورتوں کے لئے محفوظ کر لی جاتی تھی پیغمبر اعظم ﷺ کے زمانہ میں پہلی مرتبہ بحرین سے بڑی تعداد میں مال آیا، حکم ہوا کہ مسجد میں پھیلا دیا جائے۔ اس کے بعد اسی وقت مدینہ کے باشندوں میں تقسیم فرما دیا۔(۳) یہ ہی وہ صورت حال تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے مال کی تقسیم کا اصولی ضابطہ Formula of Distribution قرآن کریم میں نازل فرمایا:

’واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتامی والمسکین وابن السبیل ‘ (۴)

ترجمہ: اس کو جان لو کہ تم نے جو کچھ غنیمت میں حاصل کیا تو اللہ اور رسول اور قرابت مندوں یتیموں مسکین مسافر کے لئے اس میں پانچواں حصّہ ہے۔

اس آیت میں لفظِ ’غنیمت‘ سے مراد ’الغنیمة فی اللغة ماناله الرجل اوالجماعة بسعی ‘یعنی ہر وہ شئے ہو جو انسان کوشش سے حاصل کرے (۵) اصطلاح فقہاء میں اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بہ زورِ قوت حالتِ جنگ میں حاصل ہو۔ اور یہاں خمسہ سے مراد ”کُل مالِ غنیمت کا ۴/۵واں حصّہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائیگا اور باقی ۱/۵واں حصّہ اللہ کی نذر ہوگا، یعنی آج کی اصطلاح میں یہ حصّہ (بتوسطِ رسولؐ) اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا، اور اسکے سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ یہ ۱/۵ حصّہ بھی اب یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے بعد عملاً تین حصّوں میں تقسیم رہیگا۔

’وفی تفسیر القرطبیؒ یقول ایضا: واعلم :أن الاتفاق حاصل علی أن المراد بقوله تعالی (غنمتم من شئی) ؛ مال الكفار، اذا ظفر به المسلمون علی وجه الغلبة والقهر. وسمی الشرع ، الواصل من الكفار الینا من الاموال باسمین — غنیمة ، وفیئا ، فالشئی الذی یناله المسلمون من عدوهم بالقی وایجاف الخیل والركاب ، یُسمی غنیمة ، ولزم هذا الاسم هذا المعنی حتی صار عُرفا.(۶)

ترجمہ: علامہ قرطبیؒ نے سورۃ انفال کی ۴۱ویں آیت کی تشریح میں فرمایا کہ جان لو کہ انفال حاصل ہونے والی چیز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے {غنمتم من شئی} یعنی ’جو تم غنیمت پاؤ‘ ۔لہذا غنیمت اُس مالِ کفار کو کہا جاتا ہے جب مسلمان اس پر غلبہ اور لڑاوی کے بعد کامیابی حاصل کرلیں۔ اور کفار سے ملنے والے شرعی اموال کو دو نام دیئے جاتے ہیں: {۱} غنیمت {۲} فیئ.

---

(۱) گیلانی، مناظر احسن، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن/ص:۳۸۰

(۲) تفسیر ماجدی/ص:۳۷۳

(۳) غازی، حامد الانصاری مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، مطبوعہ جید برقی پریس، دہلی، انڈیا ۱۹۴۳ء/ص:۵۴۴

(۴) قرآنِ کریم؛سورۃ الانفال/۸:۴۱

(۵) تفسیر الماجدی/ص:۳۸۳ بحوالہ قرطبی.

(۶) العطار، نادی فرج درویش، 'شرح الاحكام الشرعیّة فی التوراة ، شرعیة موسی النص و التفسیر، كلیة الحقوقه ، جامعه القاهرة ، مركز ابن العطار للتراث. الطبع الاولی ۲۰۰۱ء /ص:۳۱۷ ممن شرح الآیات القرآنِ كريم ، سورة الانفال –۴۱

یہاں "للہ خمسہ" سے مراد فقہا حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک ومملوک دنیا کی ہر چیز ہے. ایک مسلمان مجاہد کا فرض بنتا ہے کہ جب اسے فتح اور مال غنیمت ملے تو وہ اس میں بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے، جس کی خاطر اس نے جہاد کیا ہے اور جسکی نصرت سے اُسے فتح ملی ہے اسلئے مصارف کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے کیا گیا کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالے. اور رسول اللہ ﷺ کو دینا ایسا ہی جیسے اللہ تعالیٰ کو دیا. اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے بیت المال میں جمع کرانا اور غریبوں مسکینوں کو دینا بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیا. یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ وہ تو غنی ہے. اور 'للرّسول' سے مراد- اللہ اور رسول ﷺ کے یہ دو حصہ الگ الگ نہیں کُل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو زمانِ حیات میں ملتا تھا، نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اُسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا.(۱) گو اسلام کے نظامِ جہاد میں کہیں بھی اس چیز کی اجازت نہیں کہ جہاد صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لئے کیا جائے بلکہ نبی کریم ﷺ نے مالِ غنیمت کے جذبہ کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے.(۲)

''ابی موسی رضی اللہ عنہ قال ، جاء رجل الی النبی ﷺ فقال الرّجل یقاتل للمغنم والرّجل یقاتل للذکر والرّجل یقاتل لیری مکانہ فمن فی سبیل اللہ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ.'' (۳)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے، غنیمت حاصل کرنے کے لئے ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے شہرت کے لئے، ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے تا کہ اسکی دھاک بیٹھ جائے، تو ان میں سے اللہکے راستے میں کس کی شرکت ہوئی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس ارادے سے جنگ میں شریک ہوتا کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند رہ تو یہ شرکت اللہ کے راستے میں ہوگی.

قرآنِ کریم کے بعد سب سے زیادہ تعداد میں تلاوت کی جانے والی احادیث کی کتب میں سے ''صحیح بخاری'' جسے عرفِ عام میں ''بخاری شریف'' بھی کہا جاتا ہے، کے مؤلف حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۴) نے اپنی اس کتاب کی ترتیب میں جو حدیث سب سے پہلے بیان فرمائی ہے وہ نیت ہی کی درستگی سے متعلق ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: 'انما الاعمال بالنّیات' (۵) ترجمہ: بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں کی درستگی پر ہے. لہٰذا اسکی تشریح میں بیان آیا ہے کہ 'آدمی کے ظاہری افعال میں دھوکا اور ریا بھی شامل ہو سکتا ہے، مگر جو کام دل کا ہے اسمیں کوئی ریا اور دکھاوا ممکن نہیں'.(۶) چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مالِ غنیمت بے شک کہ جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک بڑی عنایت ہے، لیکن نہ تو یہ مسلم حکمرانوں کی آمدنی کے حصول کا مستقل ذریعہ ہے اور نہ ہی اس طرح کی آمدن کی خاطر جہاد کیا جا سکتا ہے. جس سے مُراد یہ ہوئی کہ اسلام میں ہر پہلو کی خاطر نیت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا افضل ترین ضرورت ہے.

---

(۱) الازہر، مولانا محمد مسعود، فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد، مکتبہ عرفان، لاہور، ربیع الاول ۱۴۲۹ھ/ص:۲۰۶ مزید دیکھیں: تفسیر الماجدی/ص:۳۸۳

(۲) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء/ص:۲۰۴

(۳) بخاری، محمد بن اسماعیل حضرت الامام ابوعبداللہ، صحیح بخاری، تفہیم البخاری عربی اردو شرح، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جلد دوم، حدیث نمبر ۵/ص:۵۹

(۴) گنگوہی، محمد حنیف مولانا، حالاتِ مصنّفین درسِ نظامی، دار الاشاعت، کراچی، مارچ ۲۰۰۰ء/ص:۷۵، پر امام بخاریؒ کی زندگی کے حالات، صحیح بخاری میں موجود حالات سے کچھ مفصل طور پر دیئے گئے ہیں.

(۵) بخاری، محمد بن اسماعیل حضرت الامام ابوعبداللہ، صحیح بخاری، تفہیم البخاری عربی اردو شرح، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، جلد اوّل، حدیث نمبر ۱/ص:۳۸

(۶) ایضاً/ترجمہ و تشریح، اعظمی، ظہور الباری مولانا/ص:۳۸

اسلامی ریاست میں اقتصادی نظام کی اہمیت:

درجہ بالا نقاط کے پیشِ نظر یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اسلامی مملکت کے لیے اقتصادی نظم بھی ضروری چیز ہے، کیونکہ یہی وہ شعبہ ہے جس پر معاشی زندگی کا دارومدار ہے. اقتصادی نظم کا منشاء معاشی توازن ہے. جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ مملکت کے افراد کے درمیان سامان معیشت کے اعتبار سے اقتصاد (اعتدال) کی حالت پیدا ہو جائے، اقتصاد ہر شعبہ حیات میں ذریعہ نجات ہے لیکن اقتصادی صیغہ میں غیر معمولی اہمت رکھتا ہے.(۱)
یہاں ایک اور ضروری بحث سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ مذہب کے غلط نمائندوں نے مذہب کے متعلق یہ عام کیفیت جو پیدا کر دی ہے کہ اُدھر مذہب کا نام آیا اور دنیا کی نفرت، دنیاوی چیزوں کی عداوت میں ہیجان پیدا ہونا شروع ہوا. خیال یہی پھیلایا ہوا ہے کہ دنیا اور دنیاوی امور سے اپنے ماننے والوں کو جو مذہب جس حد تک علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو، یہی مذہب کا کمال ہے. لیکن آج یہ کون باور کرنے کے لئے تیار ہوگا کہ کوئی سیاسی لیڈر یا معاشی ریفارمر نہیں، بلکہ جو اپنے آپ کو انسانی تاریخ کے تمام مذہبی داعیوں اور رسولوں کا خاتم اور اپنی تعلیم کو سارے جہاں کے مذہبی ذخیروں کے صحیح عناصر کا خلاصہ اور سب کی تکمیل کرنے والا اقرار دیتا تھا، دنیا کی وہی سب سے بڑی اور دینی ہستی حضرت محمد ﷺ اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے اللہ کے سامنے اپنی امت کو پیش کرتے ہوئے التجاء کرتے ہیں: 'اللھم انھم حفاۃ فاحملھم اللھم انھم عراۃ فاکسھم اللھم انھم جیاع فاشبعھم'. ترجمہ: یا اللہ! یہ لوگ پیادہ ہیں (یعنی سواری نہیں رکھتے)، انہیں سوار کیجئے. یا اللہ یہ لوگ ننگے ہیں، انہیں پہنایے. یا اللہ! یہ لوگ بھوکے ہیں، انہیں سیر کیجئے.(۲)

لیکن یہاں یہ پہلو غور طلب ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد تک اسلامی حکومت کے محاصل صرف غنیموں، صدقات اور جزیہ وغیرہ تک محدود تھے. یہ جیسے ہی وصول پاتے تھے فی الفور ہی اپنے اپنے مصارف میں صرف کر دیے جاتے تھے. اسی زمانہ میں آمدنی خرچ سے زیادہ نہ تھی. لہذا اس زمانہ میں حفظ مال کے لئے بیت المال کے قیام کا کوئی خاکہ بھی تیار نہ کیا جاسکا تھا. چنانچہ نبی علیہ السلام نے اور اُنکے اہل خانہ نے تکالیف اٹھا اٹھا کر انتہاء درجہ پر لوگوں کے لئے جو دعائیں فرمائیں، اسکے نتیجہ میں امتِ مسلمہ کو بالخصوص اور دیگر انسانوں کو بالعموم جو نعمتیں حاصل ہوئی تھیں انکے لئے عرض ہے کہ یہ آج نبی علیہ السلام ہی کی دعاؤں کا طفیل ہے کہ آج حضرتِ انسان کا ایک معمولی درجہ کا جمعدار ہو یا کسی مملکت کا بادشاہ ہو وہ سب کے سب ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں. لہذا یہ تو تھی آپ ﷺ کی دعاء. اب دیکھتے ہیں کہ اسی دعا کا ثمرۃ جو اسلام کا باقاعدہ اقتصادی نظام بن کر سامنے آیا ہے. وہ آج کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف حیران کن ہے بلکہ یہ ہم سب کے ایمان ویقین کی کمزوری کی علامت ہے کہ آج کا مسلمان بھی یہ پوچھتا پھرتا ہے کہ "کیا بلا سود، بھی کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے" یا "کیا بغیر سود کے بھی کسی کاروبار میں ترقی ممکن ہے؟" وغیرہ. اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ بینک کے سود کو کسی اور نام سے منسلک کر لیتے ہیں، انہیں تو چاہیئے تھا کہ بینک کے سود کو جائز قرار دینے کے بجائے خود بینک کو اسلامی رنگ یعنی اسلامائزیشن یعنی بینک کے طریق کار کو اسلامی قانون کے مطابق ڈھالا جاتا اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی اور دنیا کو یہ بتایا جاتا کہ اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے سے یہ اور یہ ثمرات وفوائد حاصل ہوتے ہیں، اور دنیا کو یہ باور کرایا جاتا کہ اسلامی احکام وقوانین پر عمل ہی کے ذریعے انسانیت اپنی سعادت وکامرانی کے راستہ پر گامزن ہو سکتی ہے.(۳) لہذا اب تاریخ کے اوراق پلٹیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اسلامی مملکت کا مالیاتی نظام کیونکر اور کیسے مرتب پایا؟

---

(۱) غازی، حامد الانصاری مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، مطبوعہ جدید برقی پریس، دھلی، انڈیا ۱۹۴۳ء/ص:۵۳۴

(۲) گیلانی، سید مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دار الاشاعت، کراچی، س ن/ص:۱۳۰

(۳) کریمی، مولانا مشتاق احمد، بینک کا سود حلال ہے؟ شبہات وازالہ ناشر-الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی، کٹیہار، بہار، انڈیا، بار سوم اردو ۲۰۰۵ء/ص:۱۵

اسلامی مملکت میں مالیاتی نظام کی ابتداء :

بعثت سے پہلے عربوں کے مزاج میں بہت غرور تھا، ایک دوسرے پر تفاخر کیا کرتے تھے. کوئی دوسرا اُنکا حاکم نہ تھا. ہر ایک خود ہی اپنا بادشاہ تھا. اپنی خودمختاری کی حفاظت کا اُن میں سخت جوش تھا تا آنکہ نبی ﷺ مبعوث ہوئے اور انہیں اسلام کی طرف بلایا تو اُنہوں نے آپ ﷺ کی اقتداء کی. اور بہت سے قبائل عرب مل ملا کر ایک متحد قوم بن گئے. چونکہ اُنکے دلوں میں دینی جوش کے باعث الفتِ باہمی پیدا ہوگئی تھی اس لئے انہوں نے حُبِّ ریاست اور عادات وخصائل جاہلیت کو چھوڑ دیا. پھر جب نبی اکرم ﷺ نے وفات پائی، تو چونکہ ابھی اُنکے قلوب میں ایمان متمکن نہ ہوا تھا اور اچھی طرح دلوں میں دین نے جگہ نہ پکڑی تھی اس لیے وہ (اپنی قدیمی) عادتوں پر لوٹ آئے. پھر اکثر صحابہ نے ایک خلیفہ کے مقرر کرنے پر اتفاق کیا. تا کہ وہ شریعت کی حفاظت کرے اور عوام کو ضبط اور قابو میں رکھنے کے لیے احکام صادر کرتا رہے. قوانین انتظامیہ جو عساکر وافواج وغیرہ کے لئے ضروری ہیں جاری کیا کرے مگر ان سب باتوں میں قرآن وسنّت کی پیروی کو لازمی سمجھے، اس سے دین میں قوت آگئی. تمام عرب اسلام کے مطیع ہوگئے، خلیفہ کے خلاف کسی نے کان تک نہ ہلایا.(۱) چنانچہ اسلام میں مالیاتی نظام کی بنیاد قرآنِ کریم کے اُن احکامات کے زیر اثر قائم ہوئیں جن پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کے لئے عملی پیکر بن کر نمونہ کے طور پر دنیا کو اسلام کا مضبوط ومربوط مالیاتی نظام عطاء کیا. قرآنِ کریم میں مال کوانا نیت کی بقا اور انسانیت کے قیام کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے. ارشادِ ربّانی ہے:(۲)

اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما - (۳) ترجمہ: زندگی کا قیام ودوام مال کے ذریعے ہے.

لیکن اس سب کے باوجود ہمارے پیارے نبی علیہ السّلام نے از خود جو نمونہ بطور اسلام کی پہلی سلطنت کے حاکم ہونے کے ہمیں دیا ہے، وہ دنیا کے بڑے بڑے حکّام کو دے گیا! ہوا یوں کہ سنہ ۳ ھ میں غزوہ احد پیش آیا تو اسمیں اگرچہ مسلمانوں کو کوئی مالِ غنیمت نہیں ملا تھا تاہم اللہ کریم نے اپنی شان (۴) 'ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب '(۵) ترجمہ: 'جو آدمی اللہ سے ڈرتا یعنی تقوی اختیار کرتا ہے، اللہ اسکے لئے ہر معصیت سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتا ہے، اور اُسے اس جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا' کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے اس موقعہ پر اپنے محبوب ﷺ کو ایک ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچایا جس کا بظاہر دور دور تک امکان اور کوئی گمان نہ تھا. چنانچہ مؤرخین کا بیان ہے کہ 'مخیریق نامی یہودی، بنو نضیر میں ایک معتبر عالم تھا. غزوہ احد کے دن آپ ﷺ پر ایمان لایا (۶) اسکے پاس سات زمینیں یا سات باغات تھے. غزوہ احد میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوا اور وصیت کی کہ اگر شہید ہو جاؤں تو میرے ساتوں باغات (بمع زمین) رسول اللہ ﷺ کے ہونگے. چنانچہ وہ

---

(۱) یوفرانسیسی، موسیو سید، مترجمین: رامپوری، عبدالغفور خان وانصاری، محمد حلیم، تاریخ عرب، ناشر، بیت القرآن اردو بازار، لاہور، س ن/ص:۱۱۴

(۲) ثانی، محمد صلاح الدین پروفیسر ڈاکٹر، اسلامی نظمِ معیشت اور کفالتِ عامّہ میں زکواۃ کی اہمیت، مقالات قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱/۱۴۲۲ھ، شعبہ تحقیق ومراجع، وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء/ص:۱۲۲

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ النساء، ۴/۵:

(۴) سعد اللہ، حافظ محمد، نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، برائٹ بکس، ۸-بی اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، جون ۲۰۰۱ء/ص:۱۳۱

(۵) قرآنِ کریم، سورۃ الطلاق/۰۰:۲

(۶) سعد اللہ، حافظ محمد، نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، ص:۱۳۱، مزید دیکھیں، مخریق کے ایمان میں اختلاف ہے، ابن سعد نے لکھا ہے-

فخرج مع رسول اللہ الی احد، ینصرہ و ھو علی دینہ (ابن سعد الطبقات:۱:۵۰۱-۵۰۲)

شہید ہوگیا تو اسکے سارے باغات حسبِ وصیت حضور ﷺ کے ملکیت میں آ گئے.(۱) ظاہر ہے اُن باغات کی آمدنی اب حضور ﷺ کی ذاتی آمدنی بن گئی تھی اسکے بعد قرین قیاس یہی ہے کہ آپ ﷺ کے لئے کوئی مالی دشواری نہیں رہی ہوگی لیکن قربان جائیے آپ ﷺ پر کہ ان باغات کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی طبعی فیاضی جود وسخا اور رحمۃ للعالمین کے باعث یہ باغات غرباء و مساکین کے لئے وقف کر دیئے تھے.(۲)

اسلامی مالیاتی نظام کا مختصر تاریخی جائزہ :

مالیات کا صحیح نظام اور آمد وصرف میں توازن ریاست State کا اہم عنصر ہے. ارباب سیاست اس سے ناواقف نہیں. مسلمانوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے مالیات کا شعبہ ''بیت المال'' قائم کیا اور اسکے نظام کی سطح بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا. اس شعبہ کی حیثیت موجودہ ''وزارتِ مالیہ'' کی تھی اور اس شعبہ کے افسر کی ذمہ داریاں ایک وزیر مال سے کسی طرح کم نہ تھیں.(۳)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں!'' میرے علم کے مطابق قرآن کریم ہی وہ پہلی دینی کتاب ہے جس میں آمدنی کے وسائل کے متعلق بہت کم تفاصیل ملتی ہیں، لیکن خرچ کے متعلق انتہائی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ کس کو کتنی رقم دی جائے''.(۴) کہاں کہاں خرچ کی جائے، قرآن میں زکوۃ کا حکم آیا ہے، لیکن اموال، زکوۃ کی مقدار، سال کی شرط اور نصاب کا تذکرہ نہیں ہے.(۵) یہ سب تفصیلات ہمیں سیرتِ طیبہ ہی سے معلوم ہوتی ہیں.(۶) لہذا اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن میں 'عشر، خراج، جزیہ، زکواۃ، صدقات، خیرات، مالِ فئے، خُمس، ٹیکس، کراء الارض، اموالِ فاضلہ اور اوقاف، وغیرہ شامل ہیں.(۷) اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظام میں مالیاتی نظام محظ انسانیت کی فلاح کا نظام ہے، نہ کہ حاکمین کی شاہ خرچیوں کا. چنانچہ اسلام کے نظام معیشت میں جو سرکاری خزانہ حکومتِ اسلامی کے تحت وصول پایا جاتا تھا، اُسے 'بیت المال' میں جمع کر دیا جاتا تھا. جو براہ راست خلیفہ وقت کی نگرانی میں قائم رہتا تھا. گو کہ بیت المال کے مخصوص یا لغوی معنیٰ 'مال گھر' کے ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں اُس اسلامی سلطنت کے اس خزانہ خاص کو کہتے ہیں جس کو ریاست بلکہ اسلامی حکومت عام رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرتی ہے.(۸)

---

(۱) محولہ سابقہ نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، ص:۱۳۲ مزید دیکھیں: الماوردی؛ احکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) ص:۲۷۲، ابن کثیر؛ سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ۲:۵۹، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، خطبات بہاول پور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۱۴۰۱ھ، صفحہ ۲۷۷، ابن سعد؛ الطبقات: ۱:۵۰۱؛ ابن حجر؛ الاصابہ فی تمیز الصحابہ (تذکرہ مخیریق)

(۲) محولہ سابقہ نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، ص:۱۳۲ مزید دیکھیں: ابن حجر: فتح الباری: ۶: ۱۴۰، بحوالہ شبلی نعمانی؛ سیرۃ النبی ﷺ ۲:۱۱۴

(۳) علی وابراہیم حسن، پروفیسر، النظم الاسلامیہ، مترجم علیم اللہ مولوی؛ 'مسلمانوں کا نظم مملکت'، ناشر- دار الاشاعت، کراچی، س ن/ ص:۲۳۸

(۴) حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، خطبات بہاول پور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۱۴۰۱ھ، صفحہ ۲۷۸، بحوالہ سابقہ قومی سیرت کانفرنس، ص:۱۲۲

(۵) القرضاوی، ڈاکٹر یوسف، فقہ الزکواۃ (مترجم) ساجد الرحمان صدیقی، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۱، ج ۳، ص ۸، بحوالہ سابقہ/ ص:۱۲۲

(۶) ثانی، محمد صلاح الدین پروفیسر ڈاکٹر، اسلامی نظم معیشت اور کفالتِ عامہ میں زکواۃ کی اہمیت، مقالات قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱/ ۱۴۲۲ھ/ ص:۱۲۲

(۷) ایضاً/ ص:۱۳۱ بحوالہ محمد زبیر بدر بن محمد، بیت المال فی نظام الاسلام فی القانون الباکستانی، مقالہ، غیر مطبوعہ، ص:۴۱

(۸) منشی محبوب عالم، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، لاہور، ج ۱ ص-۱۵۳، بحوالہ شہناز انور، 'اسلام میں بیت المال کی تاریخ' غیر مطبوعہ مقالہ برائے، ایم اے علوم اسلامیہ منعقدہ، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۶ء/ ص:۵

اسلام میں بیت المال کی اہمیت :

مولانا حفظ الرحمان سیوھاروی نے 'بیت المال' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کیلئے حکومت ربانی یعنی خلافتِ اسلامی کے لئے سرکاری خزانہ کا وجود ضروری ہے اور اس خزانہ کے محفوظ مقام کو 'بیت المال' کہتے ہیں۔ اگرچہ کبھی کبھی بیت المال کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ اسکے ذریعہ سے آمدنی اور مصارف کے اصولوں کو اسلامی نظام کے تحت مفہوم کرایا جاتا ہے، ورنہ بیت المال سے وہ عمارت مراد نہیں جس میں مال رکھا جاتا ہے۔ بلکہ بیت المال اسلامی معاشیات اور اسکے نظام سیاست کا بہت بڑا ادارہ ہے جس کے قیام کا اصل مقصد حکومت اور عوام دونوں کو برقرار رکھنا اور دونوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور ہر شخص اور خاندان کی کفالت کرنا ہے۔ جو کسی بھی حیثیت سے غیر مکتفی ہو۔ بیت المال مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت سمجھا جاتا ہے''۔(۱) اسی طرح بیت المال سے مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ: 'بیت المال' سے مراد مسلمان عوام کا بینک بھی ہے اور قومی خزانہ بھی، ملّی جائیدادوں کا ضامن بھی تجارت کا ادارہ بھی اور امانتوں کا محافظ بھی اور مسلمانوں کے مرکزی ادارے کا سرکاری خزانہ بھی۔ یہ سب حیثیتیں اسلامی 'بیت المال' کو حاصل ہیں۔(۲) لیکن یہ تمام معملات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے شروع ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی بہت زیادہ نہ تھی۔ مہاجر صحابہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورۃ آئے تھے۔ اور انصار نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے مال ومتاع میں شریک کر کے جناب محمد ﷺ کے عطا کردہ رشتوں کے سبب اپنا بھائی بنالیا تھا۔ جسے تاریخ میں 'عہدِ اخوت' سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بھی محدود تھی۔

نبی پاک ﷺ کے زمانے میں تو نہیں البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال قائم ہو گیا تھا، اس کے لئے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی، لیکن آپ ؓ کا معمول تھا کے جو آمدنی آتی تھی اسکو ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسکو مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس لئے اسکے معمور ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال قائم کئے اور انکے لئے وسیع عمارتیں بنوائیں اور ان پر نہایت لائق اور دیانتدار افسر مقرر کئے۔(۳) علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ اسلام میں فاروق اعظم سے پہلے نہ تو اس قدر کثیر رقم آتی تھی کہ جس کے رکھنے کے لئے 'بیت المال' یا خزانہ بنایا جاتا اور نہ اسکی ایجاد ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو رقمیں آتی تھیں وہ کُل ایک ہی نشست میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسکا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ جو مال آتا اسکو تقسیم کر دیا جاتا ۱۵ھ میں یا اسکے قریب 'بیت المال' کی ابتداء یوں ہوئی کہ بحرین سے پورے سال کا خراج 'پانچ لاکھ دارہم' آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رقم کثیر کی بابت مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تجویز دی کہ اسکو ایک سال کے اندر تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسکی مخالفت کی، ولید بن ہشام نے بتایا کہ شام کے یہاں خزانہ اور دفتر جُداجُدا محکمہ دیکھے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور 'بیت المال' کی بنیاد ڈالی۔ اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں 'بیت المال' قائم ہوا، جسکی نگرانی کے لیے عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا جو ایک معتزز صحابی تھے اور حساب وکتاب میں کمال مہارت رکھتے تھے۔(۴)

---

(۱) سیوھاروی، حفظ الرحمان مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ص:۱۰۷، محولہ سابقہ

(۲) اسلم، ڈاکٹر سید علی، اسلام کا جمہوری نظام، احسن برادرز، انارکلی لاہور -س ن- محولہ سابقہ

(۳) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، جلد اول، غضنفر اکیڈمی، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء/ص:۱۳۰

(۴) حمید اللہ ڈاکٹر، اسلام میں بیت المال کا تصور، بحوالہ، سہ ماہی منہاج لاہور، اسلامی معیشت نمبر، مدیر، حافظ غلام حسین، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ، لاہور، ج-۱۰، شمارہ:۱-۲، جنوری واپریل ۱۹۹۲ء/ص:۳۵۸

خلفائے راشدین کے بیت المال کی کارگزاری پر ایک نظر :

یہ بات تو طے ہو چکی کہ بیت المال کفالتِ عامہ کے پیشِ نظر اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ وجود پاتا گیا، لیکن انسانیت کی کفالتِ عامہ کے طریقہ کار میں نبی علیہ السلام کے طریقہ کار سے ہٹ کر کوئی نئی شکل اختراع نہ کی گئی۔ عملی طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کا دورِ خلافت ہے جس میں اسلامی حکومت کی روحانی آب پاشی کے ساتھ ساتھ اسلام کی معاشی تعلیمات کی کمر کو بھی مضبوط کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کو دو حصوں میں قائم فرمایا:

ایک کو "صیغہ محاصل" ٹھہرایا، جسکا مقصد حکومت کی آمدنی کا بطورِ مدِ علیحدہ علیحدہ حساب و کتاب مقرر کرنا تھا۔

دوسرے کو "محافظہ بیت المال" ٹھہرایا، جس میں عوام الناس کی خدمت کے لئے حاصل شدہ آمدن کی حفاظت و کڑی نگرانی کا بندوبست فرماتے ہوئے، اُنکی ضروریات کی علیحدہ علیحدہ مدود مقرر فرمائیں۔

عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی، اسلئے وہ خراج و محاصل کے نظم و نسق سے ناآشنا تھے۔ حضرت عمرؓ نے نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا لیکن چونکہ عرب اس سے نامانوس تھے اس لئے ابتداء میں اسکی مخالفت ہوئی۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امرائے جوج نے اسکی مخالفت کی۔ انکی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے فاتحین کو بطور جاگیر دے دیئے جائیں۔ حضرت عمرؓ اسے حکومت کی مِلک قرار دینا چاہتے تھے۔ اس لئے اس مسئلے پر بڑا اختلاف رہا، اور بڑے بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر کثرتِ رائے سے حضرت عمرؓ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کر کے زمینوں کا بندوبست کرایا۔ اسمیں زمینداری اور تعلقداری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا۔ زمینیں اُنکے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں، اور انکی حیثیت اور پیداوار کے مقابلہ کے لحاظ سے مختلف شرح مالگذاری تشخیص کر دی گئی۔ اسکی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی۔ شاہی خاندان کی جاگیروں، آتشکدوں کے اوقاف لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دیکر رفاہِ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ مالگذاری کی تشخیص میں ذمّیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا، اور زمینوں پر اتنی مالگذاری تشخیص کی گئی کہ اسکے بعد اضافہ کی گنجائش کافی باقی رہے۔ محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خارج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اسکا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اسمیں ظلم و زیادتی کا کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس احتیاط و نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا اور اسکی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار درہم ہو گئی۔ عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقو کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علی حالہٖ قائم رکھا گیا مثلاً مصر میں رومیوں کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا لیکن رومی حکومت خراج کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کے لئے جو رسد لیتی تھی اُسے موقوف کر دیا۔(۱)

درجہ بالا واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حکومت کی معاشی کمر مضبوط کرنے کے مختلف ذرائع تاریخ اسلام کی کتب میں تفصیل سے ملتے ہیں۔ یہاں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے بوئے ہوئے اس بیج نے دورِ عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت تک کافی ترقی کر لی۔ جب کہ حضرت علیؓ نے بھی 'بیت المال' کی حفاظت میں حضرت عمرؓ کی طرح اہتمام کیا۔ آپکے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے 'بیت المال' سے دس ہزار کی رقم لے لی تھی، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو وہ رقم اُن سے واپس کروا دی۔(۲)

(۱) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، جلد اوّل، غضنفر اکیڈمی، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص: ۱۲۹

(۲) حمید اللہ ڈاکٹر، اسلام میں بیت المال کا تصور، بحوالہ، سہ ماہی منہاج لاہور، اسلامی معیشت نمبر، مدیر، حافظ غلام حسین، محولہ سابقہ، ص: ۳۶۰

بیت المال کے ذرائع آمدنی کا مختصر جائزہ :

بیت المال کی آمدنی کے ذرائع کلی طور پر طے نہیں کیے جاسکتے، اس لئے کہ حکومتِ اسلامیہ جغرافیائی حدود کی محتاج نہیں البتہ وقتی طور پر جس خطہ پر واقع ہوتی ہے، اسکے مدوجزر کا خیال رکھا جانا ایک فطری عمل ہے. لیکن قانونِ الٰہیہ کا مزاج بڑا نرالہ ہے اور وہ یہ کہ ہر خطہ زمین پر جہاں مسلمانوں کی حکومت ہوگی، اسکے درج ذیل معاملات ہر ممکن شامل حال رہیں گے، جو بیت المال کی آمدنی و بہبودِ انسانی کے احاطہ کے لئے کافی وشافی رہتے ہیں:

آمدنی کے ذرائع میں ابتدائی طور پر دو اقسام ہیں. ایک محاصل صدقات ہیں اور دوسرے محاصل غیر صدقات ہیں.

(ا) محاصل صدقات کی اقسام :

انکی بھی دو اقسام ہیں، ایک صدقاتِ واجبہ اور دوسرا صدقاتِ نافلہ (۱)

(الف) **صدقاتِ واجبہ** تو وہ ہیں جن کی فرضیت یا وجوب شریعت سے ثابت ہوں. جیسے زکواۃ، صدقات، عُشر، صدقۃ الفطر، اور نذر مانے ہوئے صدقات، تو ایسے صدقات مسلمان کی نیت کے ساتھ اُس پر فرض ہوجاتے ہیں. محاصل صدقات واجبہ کے لئے قرآنِ کریم کی کھلی دلیل درجِ ذیل آیت ہے: **''انما الصدقات للفقرآء والمساکین و العاملین علیها و للمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل ط فریضة من الله ط والله علیم حکیم O''** (۲)

ترجمہ: بے شک صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں اور اُنکے وصول کرنے والوں کے لئے اور اُنکے لئے جن کی دلجوئی منظور ہو اور گردن چھڑوانے میں اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی امداد کے لئے، فرض کیا گیا ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں.

اس آیت میں صدقات سے صدقاتِ واجبہ مراد ہیں، (۳) زکواۃ وصدقات لینے کے حقدار اس آیت میں بیان کردہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں، (۴)

(ب) **صدقاتِ نافلہ** وہ ہیں جو کسی بھی وقت کوئی بھی مسلمان اپنی کسی مصیبت یا شکرانے کی نذر میں غیر اضطراری کیفیت سے دینا پسند کرے تو ایسا صدقہ محظ نفلی عبادت ہوگا. صدقاتِ نافلہ کا ان لوگوں کے سوا دوسرے لوگوں کو بھی دینا جائز ہے. (۵)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ زکواۃ وعُشر وہ صدقات ہیں جنہیں کُلی طور پر فرض کا درجہ حاصل ہے، جسمیں فرق صرف یہ ہے کہ زکواۃ مال و اسباب پر ایک خاص نصاب کے تحت مقرر ہوتی ہے، جبکہ عشر زمین اور اسکی پیداوار پر ایک خاص تناسب سے مقرر کی جاتی ہے. جسکی تفصیل کے لئے انشاء اللہ اگلے باب کو ملاحظہ فرمائیں. آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ میں خود بنفسِ نفیس زکواۃ وصدقات کی تحصیل اور انکو فقراء میں تقسیم کرنے صحابہ کرام میں عادت ڈالی، جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کو بھی یہی حکم دیا کہ مسلمانوں کی زکواۃ تم خود وصول کرکے فقراء پر تقسیم کرنا. آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا اسی پر عمل قائم رہا. (۶)

---

(۱) قادری، طاہر رسول، اسلام کا نظام کفالت، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، اپریل ۱۹۸۹ء/ص:۱۶۱

(۲) قرآنِ کریم: سورۃ التوبہ/۹:۶۰

(۳) قادری، طاہر رسول، اسلام کا نظام کفالت، بحولہ سابقہ/ص:۱۶۰

(۴) ایضا

(۵) ایضا

(۶) ایضا/ص:۲۱۰

(۲) محاصل غیر صدقات :

اس مد میں غنائم، الفئی، الخراج ، الجزیہ، الخمس، العشور ، الوقف ،اموال فاضلہ ، مزید محاصل (عارضی ٹیکس) وغیرہ شامل ہیں.

غنائم : غنائم غنیمت کی جمع ہے؛ قرآنِ کریم میں اسکا ذکر انفال کے لفظ سے ملتا ہے. جسکا تذکرہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے آچکا ہے. اور جو مسلمانوں کی جنگی کاروائیوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام خاص تھا، اور شروع حکومت اسلامی میں صدقات وزکواۃ کے بعد دوسرا بڑا ذریعۂ آمدن ہوا کرتا تھا مختصرا عرض ہے کہ غنائم کی تقسیم جناب رسول اللہ ﷺ از خود فرماتے تھے. اور بیت المال کا خمس {۱/۵} نکال لینے کے بعد آپ ﷺ بقیہ ۴/۵ حصہ غانمین اور مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے تھے. گھوڑ سوار مجاہدین کو تین حصے {جسمیں دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ مجاہد کا} اور ایک حصہ پیدل کو دیا جاتا تھا. جو مجاہد کافر مشرک کے کپڑے اور اسلحہ وغیرہ چھین کر لاتا وہ اُسکا ہوتا.(۱)

الفئی : اموال فئے ان اموال کو کہتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ کو کفار ومشرکین سے بغیر جنگ وجدال کے مل جاتے تھے. یا جنگ کے بعد انکی زمینیں ایک مقررہ حصہ پر ان ہی کے قبضہ میں رہنے دی جاتیں یا ان پر خراج یا جزیہ مقرر کر دیا جائے، ان تمام صورتوں میں حاصل شدہ مال کو فئے کہا جاتا ہے.(۲)

الخراج: خراجی زمین وہ ہے جس پر مسلمان قوت 'فوج کشی' کے ذریعے قابض ہو جائے اور زمین مفتوح غیر مسلموں کے پاس رکھ چھوڑے اور اس پر خاص ٹیکس مقرر کرے جو وہ ادا کریں. سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران، عراق اور مصر کی زمینوں کو خراجی قرار دیا بعد از اں بہت سے دوسرے علاقے فتح ہوئے تو انکی بعض زمینیں بھی خراجی قرار پائیں. جو زمینیں ایک دفعہ خراجی قرار دے دی جائیں اُن پر ہمیشہ خراج ہی عائد ہوگا خواہ بعد ازاں وہاں کے باشندے اسلام قبول کرلیں یا وہ زمینیں مسلمان خرید لیں.(۳)

الجزیہ: ذمّیوں سے اُنکی جان ومال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، اسکو جزیہ کہتے ہیں. جزیہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان ومال کے تحفظ کے لئے وصول کیا جاتا ہے. اگر ذمّی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لئے آمادہ ہوں اور ریاست اس پر اعتماد کر سکتی ہو تو اُن کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے. اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں جو مال نہیں رکھتے. نبی پاک ﷺ جب مسلمانوں کو جہاد کے لئے روانہ فرماتے تو غیر مسلموں کے سامنے تین شروط رکھنے کا حکم دیتے تھے:

(الف) قبول اسلام کی دعوت؛ (ب) جزیہ کی ادائیگی (ج) آخری بات جہاد (قتال). (۴)

Jijyah: a Tax levied upon the people of the Scripture (Jews and Christians), who are under the protection of a Mustlim government. (5)

A tax which was imposed on the non-Muslims in lieu of the guarantee extended to them by an Islamic State for the protection of their lives, properties, religious rites and for their exemption from military service. Such Non-Muslims whose lives and properties are guaranteed are called "Dhimmis".(6)

---

(۱) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء/ص:۲۶۳

(۲) ایضاً/ص:۲۶۸

(۳) حمید اللہ ڈاکٹر، اسلام میں بیت المال کا تصور، بحوالہ، سہ ماہی منہاج لاہور، اسلامی معیشت نمبر، مدیر، حافظ غلام حسین، محولہ سابقہ/ص:۳۶۲

(۴) ایضاً/ص:۳۶۳

(5) Al-Hilali, Taqi-ud-Din Muhammad Dr & Khan, Muhammad Muhsin Dr, The Noble Quran, King Fahd Complex for the printing of the Holy Qur'an, Madinah, K.S.A,/page-248 under explanation of Chapter 9:29 of Holy Qur'an.

(6) M. A. Mannan, Islamic Economics Theory and Practice, Sh. Muhammad Ashraf , Kashmiri Bazar, Lahore-1975/page-275

الخُمس : خُمس کے معنی پانچویں کے ہیں۔لہذا اسلام کے نظام مالیات میں خمس ۱/۵ مندرجہ ذیل اموال پر عائد ہوتا ہے جو بیت المال کا حصہ ہے:

(الف) مالِ غنیمت کا ۱/۵ (ب) دفینوں کے مال کا ۱/۵ (ج) کانوں سے نکلے ہوئے سونے اور چاندی کا ۱/۵ (۱) اسکی تفسیر سابقہ صفحات پر آچکی ہے۔

العشور : مالِ تجارت پر عائد کردہ ٹیکس کا نام ''عشور'' ہے۔ چونکہ ایران اور روم کی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی بھی مسلمان تاجر انکے سرحدوں میں تجارت کے لئے داخل ہوتے تو وہ حکومتیں ان سے ٹیکس وصول کرتیں،لیکن غیر مسلم تاجر جب مسلمان ریاست میں آتے تو کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔اس معاملہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا تو آپؓ نے یہ فرمان جاری کیا:

''خذ انت منهم كما ياخذون من تجار المسلمين و خذ من أهن الزمة نصف العشرو من المسلمين من كل أ ربعين درهما درهم ما زاد فبحسابه''. (۳)

ترجمہ: اہل ذمہ سے نصف عشر ۱/۲۰ اور مسلمانوں سے یہ چالیس درہم پر ایک ۱/۴۰ درہم وصول کریں اور زائد مال پر اسی حساب سے وصول کریں۔

الوقف : بیت المال کی آمدنی کا ایک ذریعہ وقف بھی ہے۔یہ آمدنی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ یا اسی قسم کی جائیداد سے ہوتی ہے۔(۴)

اوقاف (واحد-وقف/Endowments) بھی نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں بیت المال کا نہایت قابلِ اعتماد ذریعہ بن گئے تھے۔نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اوقاف دو قسم کے تھے۔ایک وہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ ﷺ کی ترغیب پر کئے تھے۔اوقاف کی ترغیب میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:(۵) 'اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلثة صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله'۔(۶) ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے تو اسکے تمام عمل ختم ہوجاتے ہیں؛ مگر تین اعمال اسے مستثنیٰ ہیں،ایک صدقہ جاریہ،دوسرا علم نافع اور تیسرا نیک اولاد جو اسکے لئے ہروقت دعا گو ہے۔

صحابہ کرامؓ میں سے مخیّر حضرات نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اپنی جائیدادیں اللہ کریم کی جائیداد میں منتقل کردیں۔(۷) دوسری قسم اُن اوقاف کی تھی جو بیت المال کے اقاف تھے،یہ سارے نبی کریم ﷺ کے ذاتی اوقاف تھے۔(۸)

اموال فاضلہ : اس میں بیت المال کے متفرق آمدنیاں شامل ہیں مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمّی کا انتقال ہوجائے اور وہ لا وارث ہو تو اسکا مال بیت المال کا حق ہے۔(۹) اسی طرح کوئی مرتد ہوجائے (العیاذ باللہ) تو اسکا تمام مال ضبط ہوکر 'بیت المال' کی ملکیت ہوجاتا ہے۔(۱۰)

---

(۱) حمیداللہ ڈاکٹر،اسلام میں بیت المال کا تصور،بحوالہ،سہ ماہی منہاج لاہور،اسلامی معیشت نمبر،مدیر،حافظ غلام حسین،محولہ سابقہ/ص:۳۶۶

(۳) حمیداللہ ڈاکٹر،اسلام میں بیت المال کا تصور،محولہ سابقہ/ص:۳۶۶ بحوالہ ابویوسف: کتاب الخراج،ص:۱۳۵

(۴) ایضاً/ص:۳۶۶

(۵) غفاری،نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی،دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور،جنوری ۱۹۹۹ء/ص:۲۷۴

(۶) ایضاً/حدیث صحیح مسلم شریف،کتاب الوقف۔

(۷) ایضاً/ص:۲۷۴

(۸) ایضاً/ص:۲۷۵

(۹) حمیداللہ ڈاکٹر،اسلام میں بیت المال کا تصور،بحوالہ،سہ ماہی منہاج لاہور،اسلامی معیشت نمبر،مدیر،حافظ غلام حسین،محولہ سابقہ/ص:۳۶۷

(۱۰) ایضاً/مزید دیکھیں؛عبدالوہاب خلاف؛السیاسۃ الشرعیۃ-دارالاحصار،قاہرہ،۱۳۹۷ھ،ص:۱۲۸

(۳) مزید محاصل (عارضی ٹیکس) : مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت تین مختلف طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے.

اوّلاً- یہ کہ شرعی محاصل سے ہونے والی آمدنی ریاست کے بنیادی فرائض: دفاع، جہاد، تعلیم و تربیت، دعوت اسلام تبلیغ (امر بالمعروف ونہی عن المنکر)، قیام عدل، اور کفالتِ عامّہ کے لئے ناکافی ہو.

ثانیاً- اسلامی ریاست کو ملک کے معاشی تعمیر و ترقی اور خود اپنے مصارف حکمرانی پورے کرنے کے لئے مزید مال کی ضرورت ہو. اس لئے عُشر و زکواۃ کی آمدنی کو مصارف حکمرانی پر نہیں خرچ کیا جاسکتا.

ثالثاً- اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر ہر آدمی کی کفالت کا انتظام کرے اور معاشی ناہمواری دور کرنے کے انتظامات کرے. اس سلسلہ میں ابن حزم کا موقف ہے: (۱)

"ہر ملک کے مالدار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں، اگر زکواۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لئے ناکافی ہو تو سلطان اُن کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا. اُن غریبوں کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اسطرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہگیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے." (۲)

اسلامی حکومت کے مصارف کا خلاصہ :

اسلام دنیا کو وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانیت کی فلاح و بہبود کا جو فارمولہ دنیا کو دیا ہے، اسمیں انسانیت روحانی واقتصادی پریشانیوں سے مبرّا ہو جاتی ہے. اسلام نے اجتماعی کوشش سے حاصل ہونے والے سرمایۂ دولت کو عوام کی دولت قرار دیا اور یہ قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کیا جائے. تا کہ انمیں افلاس وغربت ختم ہو جائے. اسکے تحت درجہ ذیل طریقہ پر درجہ بندی کی گئی- بیت المال کے جملہ محاصل کو چار مختلف شعبوں یعنی "چار ذیلی بیوت الاموال" میں تقسیم کر دیا جاتا ہے:

پہلا شعبہ : کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات سے تعلق رکھتا ہے.

دوسرا شعبہ: زکواۃ و عشر کی اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ عشور سے تعلق رکھتا ہے.

تیسرا شعبہ: خراج، جزیہ غیر مسلم تجار سے وصول شدہ عشور، فئی، کراء الارض اور ضرائب سے متعلق ہے.

چوتھا شعبہ: اصول فاضلہ یعنی ضوائع سے متعلق ہے. (۳)

ان محاصل کے مصارف کا تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے اب صرف اسکا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے، ان مصارف کے لئے حکم دیا گیا کہ غنیمت کا معاملہ اللہ تعالی کے سُپرد کر دو، خوب تقوی اختیار کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو. اور آپس کے معاملات اور تعلقات کو درست رکھو. یہ سب کچھ آسان تو نہیں ہے. آخر انسان کو روزی کی ضرورت رہتی ہے، تقوی بھی آسان نہیں اور ہر قوم کے ہاں تقوی کا الگ معیار ہے. تو کس چیز سے بچیں اور کس کو کریں تو سچا تقوی ہو گا؟ آپس میں اختلاف سے بچنا اور معاملات کو محبت پر قائم رکھنا بھی آسان نہیں ہر انسان کا مزاج الگ، رائے الگ اور

---

(۱) حمید اللہ ڈاکٹر، اسلام میں بیت المال کا تصور، بحوالہ، سہ ماہی منہاج لاہور، اسلامی معیشت نمبر، مدیر، حافظ غلام حسین، بحوالہ سابقہ/ص: ۳۶۷

(۲) ایضاً/ بحوالہ ابن حزم، المحلی، ۱۵۶/۶، شاطبی: الاعتصام (مصر، ۱۹۱۳ء) مزید دیکھئے، ۲/۲۹۵-۲۹۸

(۳) سیوھاروی، محمد حفظ الرحمان مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۲ء/ص: ۱۲۶-۱۲۷

جذبات الگ ہوتے ہیں.ان تمام کے جواب میں فرمایا گیا کہ اپنی رائے اپنی عقل اور اپنے مزاج کو ایک طرف رکھ دو اور خود کو اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ کے حکم کے حوالے کردو.وہ جس کام کو کرنے کو کہیں اسکو کرلو اور جس کو چھوڑنے کا فرمائیں اسکو چھوڑ دو.وہ جس چیز کو اچھا کہیں اسکو اچھا سمجھو اور وہ جس کو بُرا بتائیں اسے برا سمجھو.تب مال سے توجہ ہٹانا بھی آسان،روزی کا مسئلہ بھی آسان،اخلاص کا پیدا ہونا بھی آسان،تقوی اختیار کرنا بھی آسان اور آپس میں نہ جھگڑنا اور معاملات کو درست رکھنا بھی آسان.یعنی اپنے اندر فرمانبرداری کا جذبہ اسطرح بھرلو کہ وہ تمہارا عقیدہ بن جائے تب تمہارے لئے سب کچھ آسان ہو جائے گا. فوج میں بھرتی ہونے والے افراد اپنے افسر کی فرمانبراداری کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں تب وہ بے عقل مشین کی طرح ہر حکم مانتے ہیں.اور ہر مشقت برداشت کرتے ہیں.اسی طرح اگر مسلمان مجاہد اللہ تعالی کی فرمانبرداری اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی سب سے اہم ذمہ داری سمجھ لے تو پھر اسکے لئے ہر حکم پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا.اور شریعت اسکا مزاج اور اطاعت اسکی خوشی بن جائے گی. (۱)

---

(۱) الازھر،مولانا محمد مسعود،فتح الجوادفی معارف آیات الجہاد،مکتبہ عرفان،لاہور،ربیع الاول،۱۴۲۹ھ/ص:۲۰۶ مزید دیکھیں،تفسیر الماجدی/ص:۳۸۳

اسلامی حکومت میں اقلیتوں کا تصور اور اُنکے حقوق کا تحفظ :

اسلام کے نزدیک ایک سیاسی ڈھانچہ میں رہنے والے خواہ وہ کسی بھی رنگ ونسل یا علاقہ سے تعلق رکھتے ہوں وہ ایک ہی وحدت سے منسلک ہوتے ہیں. اگر وہ مسلمان ہیں تو چاہے عربی ہوں یا عجمی آریائی نسل سے ہوں یا سامی. کالے ہوں یا گورے، ملکی باشندہ ہونے اور ملکی شہریت کے اعتبار سے سب برابر کے درجے کے شہری ہیں. البتہ اگر مسلم حکومت کے علاقے میں کچھ غیر مسلم آباد ہوں خواہ وہ نسلا بعد نسل ہی اسی علاقہ میں رہ رہے ہوں، انہیں اقلیت میں شمار کیا جائے گا. لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کسی بھی طرح دوسرے درجے کے شہری ہوں، بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ مسلم اکثریت سے بھی زیادہ محترم ہے کیونکہ اسلام تمام مسلمانوں کو خواہ وہ رعایا ہوں یا حکمران اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ غیر مسلم کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت کریں. اُنکے مذہب سے کوئی تعرض نہ کریں انکے معابدہ اور رسومات عبادت میں کسی قسم کا دخل نہ دیں. اسلامی نقطہ نظر سے یہ بھی ضروری نہیں کہ حکومت لازمی طور پر اکثریت ہی کی ہو بلکہ جہاں بھی مسلمان سیاسی غلبہ حاصل کرلیں وہاں انکی حکومت ہوگی اور اس علاقہ میں غیر مسلم آبادی ان کے زیر امان ہوگی، اگرچہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے کم ہی ہوں، مسلمان حکمران غیر مسلم آبادی سے قرآن و سنت کے مطابق معاملہ کرنے کا پابند ہوگا.(۱)

قرآنِ حکیم کی ساری تعلیمات احترام آدمیت اور احترام مذاہب پر مبنی ہیں. چنانچہ یہ حکم دیا گیا کہ دوسرے مذاہب کے معبودوں کو بُرا نہ کہا کرو. قرآنِ حکیم نے دوسرے مذاہب کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ صاف صاف بیان فرمادیا کہ:

ولا تسبّوا الّذين يدعون من دونِ الله ط (۲) ترجمہ: (اے مسلمانوں) اتم اُنکے معبودوں کو بُرا بھلا مت کہو، جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں.

یہاں سے اسلام کی حقانیت کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام محظ ایک مذہب نہیں بلکہ انسانیت کی معراج برقرار رکھنے والا ایسا مذہبی قلعہ ہے جو صرف اپنے ماننے والوں ہی کو نہیں بلکہ اپنے نہ ماننے والوں کے حقوق کی بھی مکمل پاسداری کرتا ہے. اس اسکا ثبوت درج ذیل قرآنِ کریم کی آیت ہے، جسمیں اُن غیر مسلموں کے عبادت خانوں کی حفاظت کا بھی پُر زور انتظام کیا گیا ہے:

ولولا دفع الله النّاس بعضهم ببعض لّهدّمت صوامع وبيع ، وصلوات و مساجد يذكرفيها اسم الله كثيرط (۳)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا زور ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ گھٹا تا رہتا تو گرجے، کنائس، عبادت خانے اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے منہدم ہوگئے ہوتے.

یہاں سے اسلام کی حقانیت کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام محظ ایک مذہب نہیں جو چند مذہبی رسومات ادا کرنے کا دعوی کرے، بلکہ انسانیت کی معراج برقرار رکھنے والا ایسا مذہبی قلعہ ہے جو اپنے نزدیک آنے والے ہر مذہب سے متعلقہ اشخاص کی انتہائی قدردانی کرتا ہے. جسکے برخلاف آج کے دور میں اسلام ایک مذہب وہ رہ گیا ہے، جسکے لئے ہر مذہب کا پیروا اپنی اپنی بساط کے مطابق مخالفت برائے مخالفت میں لگا ہوا ہے. حتیٰ کہ مسلمان جو مذہب اسلام کو ماننے والے ہیں، کو دہشت گرد ٹھہرایا جارہا ہے. مسلمانوں کو مایوس نہ ہونا چاہیئے کہ عقل وخرد کی گمراہی کی ایسی مثالیں

---

(۱) غلام حسین، حافظ، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، س ن /ص:۱۳

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ الانعام/ ۷:۱۰۹

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ الحج/ ۲۲:۴۰

اسلامی تاریخ کے بعد کے دوروں (ادوار) میں بھی بکثرت ملتی ہیں اور مختلف زمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں. جنہوں نے اپنے زمانہ کے اچھے سے اچھے اور نہایت نیک سیرت بندوں (علماء) سے عداوت و دشمنی و بدگوئی و ایذا رسانی کو اپنا خاص مشغلہ بنایا، بلکہ شاید امت کے اکابر و ائمہ میں سے شاذ و نادر ہستیاں ہی ایسی ہوگی جنکو نبوت کی اس میراث سے حصّہ نہ ملا ہو. شیخ تاج الدّین سبکیؒ نے 'طبقات الشافیۃ الکبری' میں رنج و غصّہ کے ساتھ لکھا ہے: ''مامن امام الا وقد طعن فیه طاعنون و هلك فیه هالكون ''ترجمہ: امّت کا کوئی امام ایسا نہیں ہے جس کو حملہ کرنے والوں نے اپنے حملوں کا نشانہ نہ بنایا ہو اور جس کی شان میں گستاخیاں کر کے ہلاک ہونے والے (خود) ہلاکت نہ ہوئے ہوں.(۱)

اب دیکھیے ایک بڑی مثال اس بات کی کہ غیر مسلمین پر اسلامی حکومت میں جو ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، اُنکی مخالفت میں کیا کچھ بیٹھے ہیں:

Differences of taxation demonstrate distinctions in citizenship. As a symbol of subjection, it signifies that the state is not really the common property of all its permanent residents, but only the Muslims. The non-Muslims are conquered outsiders. It demonstrates their inferior condition. It also punishes them for their disbelief in Islam. Islamic law makes it very clear that the Jizyah is punitive in character. Further, it is to levied with humiliation. Hence, it is in no way comparable to Western tax systems. Even progressive taxation is not a 'punishment' for economic success, nor is any tax specifically humiliating in character. This illustrates that essentially, in an Islamic State, the non-Muslims are in a worse situation than prisoners out on parole, since they are still being punished – they are not considered 'good, law-abiding citizens' however exemplary their conduct, but rather criminals given day-leave. Their crime is their faith. Moreover, their crime is capital in nature – they deserve death. This demonstrates the unique character of the Jizyah tax – unlike Western taxes, payment does not grant equality and liberty to the payee, but rather merely permission for another tax period to live; failure to pay it results in death. Again, it is rather analogous to a convict on parole regularly visiting the police station or parole officer to register. This is different from the case of someone in the West who refuses to pay his tax for whatever reason; he is punished, though it must be stated not by execution, for breaking the law. The reverse is true with the Jizyah – the tax itself is punishment, and the payee lives in the permanent condition of being punished for his faith until he converts. Essentially, non-Muslims live under a permanent death-threat. (2)

ترجمہ: ٹیکسوں کی مختلف مدوں میں وصولی شہریت میں تفریق پیدا کرتی ہے. اور مسلمانوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ریاست کسی بھی پرانے رہائشی کی ملکیت نہیں ہو سکتی ماسوائے مسلم حکمرانوں کے. جبکہ غیر مسلموں کو مفتوحہ سمجھا جاتا ہے، جو کہ مسلمانوں کی کمظرفی کی علامت ہے. اور یہ ایک طرح سے غیر مسلموں کو اسلام پر ایمان نہ لانے کی سزا ہے، اور یہ کہ جزیہ کو اسلامی قانون میں انکے لئے جرمانہ ظاہر کیا جاتا ہے. بحرحال یہ انسانیت سوز ٹیکس ہے. لہذا مغربی ممالک کے ٹیکسوں سے اسکا کوئی موازنہ نہیں ہے. حتی کہ اقتصادی قوا کو مضبوط کرنے والے ٹیکس نہ تو انسانیت سوز ہوتے ہیں اور نہ کسی قسم کی سزا. اور یہی وہ بات ہے جو اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ برتی جارہی ہے جیسا کہ ایک ضمانت پر رہا کیا گیا قیدی ہو.

(۱) بلال، محمد، اُمتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور انکا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں بحوالہ مقالاتِ سیرت (مرد حضرات)، سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، شعبہ تحقیق و مراجع، وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، ص:۲۲۵

(2) Walter Short "The Jizyah Tax:Equality And Dignity Under Islamic Law?"
http://debate.org.uk/topics/history/xstnc-5.html ; accessed on 27-10-2008

اس لئے انہیں ایک شریف اور قانون کا پاسدار شہری بھی تصور نہیں کیا جاتا اور انکا جرم صرف انکا عقیدہ ہے، یا زیادہ سے زیادہ انہیں اس جرم کی سزا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ٹیکس کی رقم سے کوئی سروکار نہیں، لیکن اس ٹیکس کا مغرب کے ٹیکس سے کوئی تقابل نہیں، کیونکہ یہاں یہ ٹیکس (جزیہ) ادا نہ کرنے کے سبب موت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ بات مغرب میں ٹیکس ادا نہ کرنے والے کی سزا سے بالکل مختلف ہے، جو موت کے مقابلے میں ٹیکس کا قانون توڑے جانے کی معمولی سزا سنا دی جاتی ہے۔ اور آخر کار جزیہ ایک سزا ہے اور اسکو ادا کرنے والے مستقل ایک سزا میں جلا رہتے ہیں جبتک کہ وہ اسلام کے مذہب کو نہ اپنالیں۔ خصوصی طور پر غیر مسلم تو مستقلاً ہی موت کی دھمکی میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

درجہ بالا پیرگراف محض ایک اقتباس ہے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ پوری ملّتِ مغرب نے اسلام کو بدنام **Exploit** کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ کہیں کا سر کہیں کا پیر لاکر کتابوں اور رسائل کے ذریعے یہ مواد مسلمان لائبریریوں میں بھی بھر دیا گیا ہے کہ عام قاری انکی تحریں پڑھ کر اسلام سے متنفر ہو جائے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اور یہ اسلام کی اتنی لمبی تاریخ جس سے آج تک کوئی واقعہ ثابت نہ کر سکے جس میں انسانیت سوز سزا محض ٹیکس ادا نہ کرنے پر دی گئی ہو۔ اسلامی سزاوؤں پر تو غیر مسلم کجاء ہماری مسلم برادری بھی نکیر کئے بغیر نہیں رہتی بس کچھ لحاظاً اپنے دین کا سامنے آہی جاتا ہے جو زبان بے لگام نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کہ اسلام نے ذمّیوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا، فتح مکّہ سے لیکر جبرالٹر تک اور سندھ سے لیکر برِصغیر تک اگر کسی نے اپنی فتح کا ڈنکا انسانی کھوپڑیوں کو نیزوں پر سجا کر منایا ہوگا تو وہ چنگیز خان اور ہولوکاسٹ کھیلنے والی اقوام تو ہوسکتیں ہیں۔ لیکن اسلام کے فاتح عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مکّہ کے باسیوں کو تو صرف اتنا فرمایا تھا کہ جو آج ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے یا کعبہ میں یا پھر اپنے گھر میں اپنے آپ کو رکھے اُسکو امان دے دی گئی۔ اس واقعہ سے تاریخ اور سیرت طیّبہ کی کتب بھری ہوئی ہیں۔

اسی طرح پاکستان کی مثال لے لی جائے تو کون سا ایسا غیر مسلم تھا جسے پاکستان سے نکال باہر کھڑا کیا گیا ہو، یا جس سے اُسکا دین تبدیل کروایا گیا ہو، اسکے علاوہ آج پاکستان میں رہنے والی اقلیتوں میں سب سے بڑی جماعت عیسائیت کی پیروکار ہے۔ کسی اقلیت سے بحیثیت ذمّی اس مملکتِ خداداد پاکستان میں کوئی جزیہ نامی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا، جسکے باوجود انہیں دنیا کی ہر سہولت فراہم کی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ عام شہریوں کی طرح حکومت کے ہر محکمہ اور کاروبار میں بالکل آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود محض اپنے آپ کو اقلیت کہلانے سے نالاں ہیں:

We are Pakistanis. As full Pakistanis no one can or should minimise our status as equal citizens of our country. Sometimes we are called a "Sacred Trust". I would like to say with great emphasis: please do not call us a "Sacred Trust". We are not a Sacred Trust. It is an insult to us. How can you be a Sacred Trust in your own country. We are Pakistanis and would like to be treated as equal citizens. We have not been conquered and we have not made any pact with the government. We are not Zimmis, we are sons and daughters of this soil. (1)

ترجمہ: ہم پاکستانی ہیں، ہمیں بحیثیت پورے پاکستانی ہونے کے کوئی ہماری شہریت کا درجہ کم نہیں کرسکتا۔ کبھی کبھار لوگ ہمیں 'سیکریڈ ٹرسٹ' معصوم اقلیت کہتے ہیں۔ جسکے لئے میں آپ سے پُر زور اپیل کرونگا کہ برائے مہربانی ہمیں 'اقلیت' شمار نہ کریں۔ ہم اقلیت میں سے نہیں ہیں، ایسا کہنا گویا ہماری توہین ہے، ایک شہری اپنے ملک میں اقلیت کیسے ہوسکتا ہے۔ ہم پاکستانی ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں پاکستانی شہری کے برابر درجہ دیا جائے۔ ہمیں فتح نہیں کیا گیا اور نہ ہی ہم نے حکومت (پاکستان) سے کوئی اس سلسلہ میں معاہدہ کیا ہے۔ ہم ذمّی نہیں ہیں، بلکہ ہم اس دھرتی کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔

---

(1) FR James Channan OP, Christian-Muslim Dialogue in Pakistan, Dominican Vice-Province, Ibn-e-Mariam, Pakistan, National Commission for Christian-Muslim Relations, Pakistan, 1995/Page-145

یہاں پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ باوجود تمام قسم کی شہریت وآزادانہ حرکات وسکنات کے بغیر جزیہ ادا کئے، ہمارے ملک کے عیسائی قوم کو آخر اور کیا مراعات دستیاب ہیں، بات یہاں ختم نہیں بلکہ شروع ہوئی ہے کہ مراعات میں اگر کسی قوم کی جرأت اتنی ہو کہ وہ وزارت عظمہ کی بات کرے تو یقیناً وہ قوم بڑی بہادر اور نڈر قوم تصور کی جانی چاہئے! موصوف جیمز شینن اپنے دعوے میں لکھتے ہیں:

We are discriminated against in Pakistan on the basis of religion and are deprived of high civil posts. If we are equal citizens why can't a member of the minority community become the president or prime minister of Pakistan. The present Constitution does not even leave room for a Christian to be considered a candidate for that highest post. (1)

ترجمہ: ہمیں پاکستان میں اونچے درجے کی ملازمتیں نہ دیے جانے کی وجہ ہمیں مذہبی بنیادوں پر پاکستان مخالف عناصر شمار کیا جاتا ہے. اب اگر ہم شہریت میں برابر ہیں تو ہماری اقلیت میں سے کسی نمائندہ کو صدارت یا وزارت عظمہ پاکستان کیوں نہیں دی جاتی. اور موجودہ آئین تو ہماری مسیح براوری کے لئے کسی بھی اعلیٰ سطح کی اسامی کے لئے کوئی نمائندہ چننے کے لئے تیار نہیں.

یہاں تک تو وہ بات ثابت ہوگئی کہ جو گزشتہ صفحات پر والٹر شارٹ نے ذمّی ہونے پر اعتراض کرتے ہوئے اسلام کے نظامِ ٹیکس 'جزیہ' کو بجز سزائے قوم جتلانے کی کوشش کی ہے. والٹر شارٹ صاحب کی دانست میں یہ بات گوش گزار کرانی مقصود ہے کہ کیا کوئی پاکستانی بھی ایسی جرأت کرسکتا ہے کہ وہ امریکہ کی صدارت کی بات اپنے مسلم ہونے کے ناطے چلا سکے. اور دیگر اس بات کا جواب آگے آرہا ہے کہ مغرب میں ٹیکس اور جزیہ میں کیا تفریق سامنے آسکتی ہے، کون سا نظام زیادہ جبر وذلت انسانی کا باعث ہے. لیکن اس سے پیشتر درج ذیل موصوف جیمز شینن کا ایک اور بیان ملاحظہ کرلیا جائے:

Regarding this grave injustice Bishop John Joseph of Faisalabad, and chairman of the Catholic National Commission for justice and peace, challenged this matter in the Supreme Court, in 1988. A Full Bench of the Supreme Court heard the case, but till today there is no decision. It is hoped that this decision will be made soon. (2)

ترجمہ: چنانچہ اس گہری ناانصافی کو 'کیتھولک نیشنل کمیشن برائے انصاف وامن' کے چیئرمین، جناب یوسف بشپ جان فیصل آباد والے، نے پاکستان کی سپریم کورٹ میں سنہ ۱۹۸۸ء میں چیلنج کیا تھا، جس پر سپریم کورٹ کے فل بینچ نے کیس کو سنا، لیکن اس پر فیصلہ آج تک متوقع ہے. ہم امید کرتے ہیں کہ جلد اس پر فیصلہ سامنے آجائیگا.

ہم بھی منتظر ہیں کہ وہ فیصلہ کب ہوگا، بجائے وزارت عظمہ اور صدارتی کرسی دیئے جانے کہ ہمارے قانون دان حفظ اللہ کی رضاء کے لئے یہ دھیان فرمالیں کہ ہم نے غیر مسلم اقوام سے جزیہ نہ لیکر آخر کار اللہ تعالیٰ کو نہ صرف ناراض کیا، بلکہ اپنی قوم کو اسکے نتیجے میں کشکول والا بننے دیا، اور اسکے آخر میں یہ کہ ہمارا ملک آج اُسی سامراج کے ہاتھوں گروی رکھا جاچکا ہے، جس کے باعث ہم نے دوقومی نظریہ پر اپنی قیمتی جانیں صرف کی تھیں. آیئے اب ان احوال کا تسلی بخش جواب بھی دے دیا جائے جس پر آئیندہ انشاءاللہ مسلم ملک پر کسی غیر مسلم کو صدارت کا خواب دیکھنا ممکن نہ صحیح مشکل ضرور ہوجائیگا.

---

(1) FR James Channan OP, Christian-Muslim Dialogue in Pakistan, Dominican Vice-Province, Ibn-e-Mariam, Pakistan, National Commission for Christian-Muslim Relations, Pakistan, 1995/Page-145

(2) ibid/page-146

اسلامی حکومت میں ''ذمّی'' کسے کہتے ہیں :

بات چلی تھی، جزیہ کی ادائیگی سے، جسمیں ذمّیین کا ذکر آنا ایک ناگزیر عمل ہے۔ اور جب، بقول انکے پیرو کے، بات پہنچتی ہے ذمّیین کی عزتِ نفس مجروح ہونے تک، تو اب اسکا مدلّل جواب دینا فرضِ عین ہو جاتا ہے، عوام النّاس کے اذہان میں پیدا کیے جانے والے شبہات کا ازالہ ضروری ہے۔

اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ جو غیر مسلم اسکی قلمرو میں بستے ہیں اور حکومت نے اُنکی ذمہ داری قبول کرلی ہے، اُنکی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی آزادی پر حرف نہ آنے دے اور جسطرح بھی ممکن ہو، سب سے پہلے اُنکی خبرگیری کر کے اپنی ذمہ داری کو پورا کرے اسلئے کہ یہ معاہد ہیں، گو ان کا مذہب حکومت کے مذہب کے خلاف ہے، ایسا کبھی نہ ہو کہ مذہب کا اختلاف ظلم و جور کا ذریعہ بن جائے اور خدا کے یہ بندے اسلام کے انصاف و مساوات سے محروم رہ جائیں۔(۱) جسطرح اللہ تعالیٰ اس روئے زمین پر اپنے تمام بندوں کو خواہ اسکا مذہب و دین کچھ بھی ہو، رزق عطا کرتے ہیں، آرام و عافیت کے سامان میں مساوات برتتے ہیں، اسی طرح حکومت اللہ تعالیٰ کے قوانین پر عمل پیرا ہے، اسکا بھی فریضہ ہے کہ اُن بنیادی معاملات میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھے۔ اور مسلم و غیر مسلم سبھو کے ساتھ یکساں معاملہ کرے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:(۲)

''عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما عن النّبی ﷺ قال: من قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنّة وان ریحها توجد من مسیرة اربعین عاما''. (۳)

ترجمہ: جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا، جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنّت کی بو سے بھی محروم رہے گا اور بلاشبہ اسکی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

چنانچہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جزیہ دے کر حفاظت میں آنے کے مستحق کون لوگ ہیں۔ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے جزیہ لینے پر تو سب متفق ہیں، کیونکہ یہ دونوں کتاب و سنّت سے ثابت ہیں: (۴)

'' قاتلوا الّذین لا یؤمنون بالله ولا بالیوم الاخر ولا یحرّمون ما حرّم الله و رسوله ولا یدینون دین الحق من الّذین اوتوا لکتب حتّی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون ہ''(۵)

ترجمہ: ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے حرام کی ہیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اور وہ محکوم و مطیع ہونا قبول کرلیں۔

یہاں پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشرکین عرب کے سوا ہر کافر و مشرک سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ خواہ مجوسی ہوں یا صابی یا بُت پرست۔(۶) امام شافعیؒ کے نزدیک جزیہ اہل کتاب و مجوس (عرب ہوں یا عجمی) سے خاص ہے۔(۷) امام مالکؒ کے نزدیک مرتد کے سوا ہر کافر سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔(۸)

---

(۱) ندوی، مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی، اسلام کا نظامِ امن، ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ص: ۱۴۸

(۲) ایضاً

(۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بُخاری، تفہیم البخاری، حدیث نمبر ۱۰۴۳/ باب اثم من قتل معاهدا بغیر جرم ۲۶۷، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، س ن/ص: ۱۸۹ حوالہ سابقہ

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۱ء، جلد ۷/ص: ۲۲۳

(۵) قرآنِ کریم، سورۃ التوبہ/۹: ۲۹

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۱ء، جلد ۷/ص: ۲۲۳، مزید دیکھیں، روح المعانی، ۱۰: ۷۹

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جزیہ اہل عجم سے خاص ہے، خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرک۔ اہل عرب خواہ اہل کتاب ہو یا مشرک، ان سے صرف اسلام یا تلوار قبول ہے.(۱) رسول اللہ ﷺ نے یہود ونصاریٰ (اہل کتاب) اور مجوس (جو اہل کتاب کے مشابہ قرار دیئے گئے) سے جزیہ قبول فرمایا اور انہیں مذہبی آزادی عطا کی؛ البتہ بت پرست اور مشرک عربوں سے صرف اسلام ہی قابل قبول تھا، جزیہ سے اُنکی جان و مال کی حفاظت کی ذمّے داری کبھی قبول نہیں کی.(۲) درجہ بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ ذمّی کی جان کا بدل 'جزیہ' وہ مال ہے، جس پر وہ حفاظت اور ذمّے داری میں آنے کا معاہدہ طے کرے.(۳)

اسلامی حکومت نے غیر مسلم کو مسلم برادری کے ساتھ برابری کا درجہ دیا ہے:

موصوف جیمز شین کی یہ بات قطعی قابلِ قبول نہیں کہ پاکستان جیسی اسلامی سلطنت نے نصرانیوں کو کم درجہ کا شہری تصور کیا ہے. اسلامی تعلیمات کے مطابق جب حکومتِ وقت نے بحیثیت ''ذمّی'' انکی ذمہ داری قبول کرلی اور انہوں نے وفاداری کا اقرار کرلیا، اور انکا اقرار کرلینا یہ ہے کہ پاکستان کی وزارتوں میں سے ایک وزارت اقلیت کی بھی نمائندگی کرتی ہے جسمیں منتخب نمائندہ اسمبلی میں حلف اٹھاتا ہے کہ وہ پاکستان کا وفادار رہے گا، تو گویا یہ اقرار ہو چکا کہ پاکستان میں حکومتِ اسلامی نے جس حیثیت سے غیر مسلم کو جگہ دی ہے وہ ایک قابلِ احترام قومیت کی نشانی ہے. پھر یہ سوال پیدا کیونکر پیدا ہو کہ کوئی غیر مسلم دوسرے نمبر کا شہری ہو. اور اُس وقت اور بھی جب کہ اُن لوگوں نے جزیہ کی رقم دیکر اپنی حفاظت کا بار حکومتِ وقت پر ڈال دیا ہو. چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو ارشاد فرمایا کہ:(۴)

''انما بذلوا الجزية لتكون دماء هم كدمائنا واموالهم كاموالنا''. (۵)

ترجمہ: ان غیر مسلموں نے جزیہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور انکا مال ہمارے مال کے درجہ میں آ جائے.

چنانچہ جب کسی بھی غیر مسلم کو اسلامی مملکت کا شہری تسلیم کرلیا جاتا ہے تو پھر اسے نقل وحمل، سکونت و ترکِ سکونت کسی بھی قسم کی زیادتی کے خلاف اپنی جان کی حفاظت کرنے ملک سے باہر جانے اور پھر واپس آنے کا حق ہے اس پر کسی بھی قسم کی کوئی زیادتی روا نہیں رکھی جاسکتی جو شخصی آزادی کے منافی ہو. امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اہل ذمہ پر زیادتی کرنے سے باز رہیں.(۶) شرح السیر الکبیر میں تو یہاں تک لکھا ہے:

''ان المسلمين حين اعطوهم الذّم فقد التز موادفع الظلم عنهم وهم صاروا من اهل دار السّلام.''(۷)

ترجمہ: یعنی جب کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہو جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اُسے ظلم سے بچائیں اسلیے کہ وہ شخصی آزادی کے معاملہ میں مسلمانوں کے برابر ہے.

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۱ء، جلد ۷/ص:۲۲۳-نیز دیکھیں الجصاص ۳:۹۶

(۲) ایضا

(۳) ایضا/ص:۲۳۰

(۴) ندوی، مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی، اسلام کا نظامِ امن، ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ص:۱۳۹

(۵) ایضا/ بحوالہ نصب الرایہ ج ۳،ص:۳۸۱

(۶) غلام حسین، حافظ، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن/ص:۴۱-۴۲ بحوالہ شافعی امام، کتاب الام ۴:۱۲۷ تا ۱۲۸

(۷) ایضا/ بحوالہ کشاف القناع؛ ۱:۲۹۷

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جن قوموں پر جزیہ لگایا گیا، اور اس سلسلہ میں آپ نے انکو جو حقوق عطا کئے وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں ان واقعات سے بڑی آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلم رعایا کا کس قدر لحاظ و پاس کیا ہے۔(۱) اس سلسلہ کی ایک مثال یہ ہے کہ نجران اور یمن سے سیّد و عاقب خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے قبول فرمالیا اور طے پایا کہ دو ہزار حلّہ ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں دیا کریں اور کچھ دوسری معمولی چیزیں، اسکے بعد ان کو ذمہ داری کا پروانہ عطا کیا گیا۔

"وجعل لهم ذمة الله وعهده وان لا يفتنوا عن دينهم و مراتبهم فيه والا يحشروا ولا يعشروا۔"(۲)

ترجمہ: ان غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی ذمہداری اور عہد دیا جاتا ہے ان کو نہ تو انکے مذہب سے روکا جائے گا، نہ انکے مرتبے گھٹاوے جائیں گے اور نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ عُشر لیا جائے گا۔(۳)

اسلام میں اہل ذمہ سے جزیہ لینے کی حکمت :

جزیہ کی حکمت کے بارے میں اہل علم نے بہت سے نکات بیان کئے ہیں، مثلاً چونکہ ذمّی لوگ ایک طرف کفر پر مصر ہیں اور دوسری طرف وہ اپنی جان و مال کی حفاظت تو چاہتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ مل کر دارالاسلام کے دفاع میں اور دارالحرب کے خلاف جہاد میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اس لئے ان کے سامنے ایک آسان متبادل صورت رکھی گئی ہے اور وہ یہ کہ شہری حقوق کے بدلے وہ مالی ذمّے داری قبول کریں، چنانچہ ایک شہری کے طور پر جزیے کی مناسب مقدار انہیں ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس میں ایک نفسیاتی نکتہ بھی ہے، چونکہ دارالاسلام کے باشندے اسکی حفاظت و دفاع کے لئے اپنی رغبت سے جان و مال کی قربانی دیتے ہیں اور ایک غیر مسلم سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ دارالاسلام کے باشندے اسکی حفاظت و دفاع کے لئے اپنی رغبت سے جان و مال کی قربانی دیتے ہیں اور ایک غیر مسلم سے یہ توقع نہیں کہ دارالاسلام سے اُسے قلبی وابستگی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ قدرۃ اسکا اندرونی میلان دارالحرب ہی کی طرف ہوتا ہے، اسلئے اس سے سچّی قربانی اور کامل امداد کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب اسلامی فوجیں حمص (شام) سے ہٹ آئیں تو حضرت ابوعبیدہؓ نے وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا کر کئی لاکھ کی رقم جزیہ یہ کہہ کر واپس کردی کہ چونکہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کرسکتے اس لئے یہ جزیے کی رقم بھی نہیں رکھ سکتے۔ (۴) اس سے ثابت ہوا کہ جزیہ ان شہری حقوق کے جواب میں ایک ٹیکس ہے جو جان و مال کی حفاظت کی ذمّے داری کی شکل میں انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ مسلم آبادی حقوق کے لئے دوسری طرح کے فرائض بجالاتی ہے، یعنی فوجی خدمات، مگر غیر مسلم اس سے مستثنیٰ ہوکر صرف ٹیکس کے مکلف ہوتے ہیں۔ (۵)

---

(۱) ندوی، مولانا محمد ظفیر الدّین مفتاحی، اسلام کا نظامِ امن، ایچ ام سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء/ص:۱۳۹

(۲) ایضاً/بحوالہ نصب الرایہ ج۳،ص:۳۸۱

(۳) ایضاً/بحوالہ فتوح البلدان،ص:۷۱

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اوّل- ۱۹۷۱ء/جلد ۷؛ ص:۲۳۱-۲۳۲ بحوالہ روح المعانی، ۱۰:۸؛ البلاذری،ص۱۳۷؛ الجزیہ والاسلام،ص۱۰۲، بین القرآن،ص:۸۳۵

(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اوّل- ۱۹۷۱ء/جلد ۷؛ ص:۲۳۱-۲۳۲

اسلام میں اہل ذمہ سے حکومتی معاملات میں مدد لینا جائز قرار نہیں دیا۔

اور آخر میں پاکستان کے وزیر اعظم یا صدر پاکستان بننے کی خواہش کے بارے میں عرض ہے کہ مسلم حکومت میں مسلمانوں کے معاملات میں اہل الذمہ سے مدد لینا جائز نہیں ہے، مثلاً کسی ذمی کو مسلمانوں کے کسی علاقے کا انتظام سپرد کر دینا یا کسی حاکم یا عامل کا کسی ذمی کو اپنا کاتب یعنی اسٹینو بنا لینا وغیرہ؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ جب آپ کو پتا چلا کہ آپ کے مقرر کردہ گورنر حضرت ابو موسی اشعری نے کسی ذمی کو اپنا کاتب بنالیا ہے تو آپؓ نے فوراً انہیں تحریری طور پر سرزنش کی اور دلیل کے طور پر اس آیت ''**یایها اللذین امنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم**''(۱) کا حوالہ دیا یعنی اللہ تعالی نے جب انہیں ذلیل کر دیا ہے تو تم اب انہیں عزت کا مقام نہ دو۔ ابو حیان تیمی نے فرقد بن صالح سے، انہوں نے ابو دہقانہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے گزارش کی کہ ایک شخص حیرہ کا رہنے والا ہے، (ہم نے اس جیسی یادداشت کا مالک اور اس جیسا خوش نویس کسی کو نہیں پایا) میرا خیال ہے کہ آپؓ اُسے اپنا کاتب مقرر کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر جواب دیا: ''اگر میں ایسا کرلوں تو گویا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا راز دار بنانے کے جرم کا ارتکاب کروں گا'' ہلال طائی نے وسق رومی سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔ آپؓ ہمیشہ مجھے مسلمان ہو جانے کے لئے کہتے اور فرماتے کہ اگر تو مسلمان ہو جاتا تو میں مسلمانوں کے معاملات میں تجھ سے مدد لیتا کیونکہ میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ میں مسلمانوں کے معاملات میں کسی ایسے شخص سے مدد لوں جو ان میں سے نہ ہو۔ میں انکار کر دیتا، پھر آپؓ فرماتے کہ ''**لا اکراہ فی اللدین**'' (۲) یعنی دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ (۳)

لیکن ان سب کے باوجود جو صلہ رحمی نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی ﷺ نے غیر مسلموں کے مختلف وفود کے ساتھ کیا اسکی مثال تاریخ میں نہ ملے گی۔ غیر مسلموں کے جو وفود بیرونی وفود حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے اُنکی حضور نبی اکرم ﷺ خود میزبانی فرماتے۔ چنانچہ مدینہ منورۃ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے اُنکو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اُنکی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

'**انهم کانوا لأصحابنا مکرمین، وانی أحب ان اکافئهم**' (۴)

ترجمہ: یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لئے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود اُن کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ان تعلیمات کی روشنی میں چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آپ ﷺ کے زمانے سے لیکر ہر اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو حقوق کا تحفظ حاصل رہا۔ (۵)

---

(۱) قرآن کریم؛ سورۃ آل عمران/۳:۱۱۸

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۵۶

(۳) الجصاص الحنفی، علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، جلد سوئم، مترجم، عبد القیوم مولانا، طبع، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، س ن/ص:۹۳

(۴) بیہقی، شعب الایمان، ۶:۵۱۸، رقم: ۹۱۲۵/ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱:۹۷/ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲:۳۱ بحوالہ، القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، اسلام میں انسانی حقوق، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع سوم، مارچ ۲۰۰۶/ص:۵۲۴

(۵) القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، اسلام میں انسانی حقوق، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع سوم، مارچ ۲۰۰۶/ص:۵۲۴

خلاصۂ بحث :

حضور اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے، آپ کا مشن عالمگیر حیثیت رکھتا ہے، ختم رسالت دائمی شان نبوت کی مظہر ہے اور یہ کہ رسالت محمدیہ قدیم اور جدید ازمنہ کے درمیان ایک قوت رابطہ ہے، بہ اعتبار سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے حضور اکرم ﷺ قدیم زمانے سے مرتب ہیں، مگر اپنی دعوت، پیغام اور استقرائی راہنما تعلیم کے ذریعے وہ جدید دنیا سے بھی وابستہ ہیں. یوں ختم دراصل قدیم وجدید کا نقطہ ارتکاز ہے.(۱)

درج بالا فصل میں ابن حزمؒ کا دیا ہوا نسخہ دراصل اُس بحث کا نقطۂ آغاز ہے، جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے. آخر وہ کونسی روحانی تربیت تھی جسکی بناء پر مسلمانوں کی خلافتِ راشدہ سے خلافتِ عثمانیہ اور برصغیر پر ہزار برس کامیاب حکومتِ اسلامیہ قائم ودائم رہی. اور ۱۶ ویں صدی کے اوائل میں مغربی ممالک سے اُبھرنے والے سیاسی اقتصادیات کی ایک منظم تحریک سامنے آتی ہے تو اُس تحریک میں لامحالہ مسلم حکمرانوں کے اوصاف کے تحت ـ 'روٹی، کپڑا اور مکان' جیسے نعروں نے ایک نہیں کئی ناموں مثلاً، اشترا کیت، اشتمالیت، جمہوریت، وغیرہ جیسے لادین فرقے دنیا کے سامنے رکھ دیئے اور دیکھا دیکھی، امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ریاستوں نے اپنے قوانین میں ابن حزم کے فارمولے پر پورا پورا عمل کرنا شروع کردیا. جبکہ اللہ تعالی کے یہاں دنیا میں نیتِ خالص کو کامیابی کا عندیہ ہے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم؛ اور آخرت کا دارومدار تو محض آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے سے مشروط ہے. چنانچہ آج امریکن لاء ہو یا کینیڈین لاء، برطانوی ہو یا کسی اور مملکت کا قانون ہو، وہاں، بیواؤں، یتیموں، بیکسوں، بیروزگاروں جیسے ابتلائے مرض انسانوں کے لئے ایسا خاطر خواہ ہمدردانہ سلوک کرنے کی بنیادیں پڑ گئیں، کہ لوگ اسلام کو بھول گئے اور آج اُن ہی ممالک کے گن گاتے نظر آتے ہیں. اور ساتھ ہی یہ بھی بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اسلامی اقتصادی اصول کی مرتبہ مکتوبات کو ایک منظم طریقے پر اسطرح ناپید اور منظرِ عام سے غائب کردیا گیا ہے کہ گویا ایسا کوئی معاملہ اُن مسلم حکمرانوں کے ساتھ کبھی گزرا ہی نہ ہوگا. جبکہ یہ بات نہ ممکن ہے کہ ایسا معاشی نظام اُن مسلم حکمرانوں کے پاس نہ ہو جو سراسر کامیابی وکامرانی کا مظہر ہو، اور وہ ہزار ہا برس کامیاب حکومتیں کر کے اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہوں. لہذا آج کی نسلوں کے لئے یہ بات لمحہ فکریہ ہے اور خصوصاً یہ بات اُس وقت دوبارہ کہی جارہی ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام نے اپنی جڑیں مضبوط کرلی ہیں اور مسلم ہو یا غیر مسلم تمام معاشروں کو سود کے چکّر میں جکڑ لیا ہے. آج روئے زمین پر ہر سمت وہر جا سرمایہ دارانہ تمدن محکم واستوار نظر آتا ہے اور ابلیسی تدبیر کی جادوگری کا یہ کمال دیکھئے کہ مشرق ومغرب کے رہنے والے سرمایہ دارانہ ملوکیت کے بے دام بندے بن کر رہ گئے ہیں اور

ـ شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو ٭٭٭ کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

مقامِ عبرت وافسوس ہے کہ سرمایہ دارانہ ملوکیت کی غلامی وفرمانبرداری میں آج خُدا کے بندے 'مسلمان' سب پر بازی لے گئے ہیں.(۲)

لیکن اگر ہم ماضی کے جھرونکوں سے سبق حاصل کرنا چاہیں تو اب بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی کا دین آفاقی دین ہے اور قیامت تک راہنمائی کا ذمہ دار ہے. جسمیں وقت کا دھارا یا انسانی طاقت کا استعمال کچھ بھی تبدل نہ لاسکا اور نہ لاسکے گا. حضور انور ﷺ کی مدنی زندگی کا آغاز ہی انسانیت کی کفالت وبہبود سے ہوتا ہے. اور اب جبکہ درجہ بالا بحث میں بیت المال اسلامی حکومت کا ایک پایۂ مضبوط ثابت ہو چکا ہے. تو یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جتنا خیال اسلامی بیت المال نے کفالت کے زمرے میں انسانیت کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیا ہے اسکی مثال آج کے دور کی Non Governmental Organizations/NGOs یا ہمارے دور کی بے دین حکومتیں بھی نہ دے سکیں گی.

---

(۱) احمد، ڈاکٹر نثار، خطبہ حجۃ الوداع، بیت الحکمت لاہور، ۲۰۰۵ء / ص:۱۰۰

(۲) چغتائی، محمد اشفاق، شعلہ نوا، مدیر، سلیمان طاہر، ماہنامہ الفجر، کراچی، جلد ۵، شمارہ ۸، اپریل ۱۹۹۴ء / ص: ۲۴

یادر کھنے کے قابل ہے کہ مادّہ **material** اور مادّی پیداوار اخلاق کے تابع اور روحانی عوامل سے وابستہ ہیں. کیونکہ سب انسان برابر ہیں–اجتماعی پیداوار، اجتماعی مِلک ہیں. ہر انسان کو روٹی، کپڑا اور مکان ملنا چاہئے. حکومت کے عہدیداروں کا معاشی حق فردِ جمہور کے برابر ہے. یہ سب اصول سب سے پہلے مذہب واخلاق ہی نے پیش کیے ہیں، اگر یہ دونوں نہ ہوں ہوانسان کا پیٹ تو بھر جائے گا روح کبھی مطمئن نہیں ہوگی.(۱) اور جب روح مطمئن نہ ہوتو انسانوں میں لالچ، طمع اور حسد جیسے بُرے امراض پیدا ہوکرا ُسے چوری اور ڈکیتی جیسے گھناؤنے جرائم میں مبتلا کرنے کے موجب ہوتے ہیں. اللہ تعالی نے انسانوں کو حق دیا ہے کہ غریب محنت کرے اور اپنی محنت کا مالک ہو اگر معاشی فساد کی وجہ سے ملّی بیت المال قائم کیا جانا ضروری ہے اور اجتماعی محنت، اجتماعی سرمایہ اور برابر کی تقسیم ہی انسانی مصائب کا واحد علاج ہے تو یہ کام شوری انسانوں کی سب سے بڑی پارلیمنٹ طلب کرکے قانونی ذرائع سے مرضی عامّہ کے مطابق کرنا چاہئے، افارد اپنی مرضی سے اپنی محنت کے حاصلات کو ملّی بیت المال کی امانت میں دے سکتے ہیں اور حق کے مطابق لے سکتے ہیں. اسکے بغیر لوگوں کی محنت اور پیداوار کو ایک بڑی سرمایہ دارانہ حکومت کے ہاتھ میں دینا اور ایک حاکم مطلق کے سپرد کردینا انصاف نہیں بلکہ زیادتی ہے، اشتراک نہیں بلکہ جبر ہے، مساوات نہیں بلکہ اضداد کا مجموعہ ہے. جس سے ترقی کی جگہ تنزل ہوگا اور جسے اسلام کا قانون پسند نہیں کرتا. اسلام کی سرماہ کے جمع آوری اور سرمایہ کو ایک طبقہ میں محدود کرنے کے خلاف ہی وہ اپنے نظام اقتصادی، زکوۃ، صدقات، امداد، خیرات، محاصل، بیت المال کی امداد سے عام ضروریات کی حدتک سرمایہ کی مساوی تقسیم کا حامی ہے. اور فاسد سرمایہ داری کو ختم کرتا ہے، اسلامی حکومت محنت کش غریبوں کو امیروں سے افضل سمجھتی ہے. اسکے معنی یہ ہیں کہ اشتراکیت کی تمام خوبیاں اسلام مس ی موجود ہیں اور تمام حرابیاں اُس سے خارج ہیں.(۲)

غنائم، الفی، الخراج، الجزیہ، الخمس، العشور، الوقف، اموال فاضلہ، مزید محاصل 'عارضی ٹیکس' سمیت تمام قسم کی اسلامی حکومت کی آمدنی کے خرچ کرنے کا طریقہ کار یہ رہا ہے. کہ سب سے پہلے مملکتِ اسلامیہ میں اخوت وبھائی چارگی کی فضاء قائم کی جاتی ہے. اگر مہاجر وانصار اس مملکت میں موجود ہیں تو چونکہ یہ فطری بات ہے کہ مہاجرین ہمیشہ لٹے پٹے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر بے سہارا حالت میں اپنا دین وملّت بچانے کی خاطر ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں. اسلئے اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے سب سے پہلے اخوت وبھائی چارگی کی بنیاد ڈالی. جس میں نہ صرف زبانی کلامی مہاجر وانصار بھائی بھائی بنائے گئے، بلکہ ایک دوسرے کی جائیداد میں وراثت کے حقوق بھی شاملِ حال ہوگئے. جس کے باعث اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل ہوئی. اور بے سہاراؤں کی زندگیوں میں معاشی سکون نصیب ہوا.(۳) چنانچہ ہمیں اپنے ماضی سے سبق حاصل کرتے ہوئے اس بات سے مایوس نہ ہونا چاہئے کہ آخر مسلمانوں کا تاریخ کے کسی گوشئے میں جو عروج ملتا ہے، وہ دوبارہ حاصل ہوسکے گا یا نہیں؟ لیکن تعلیماتِ نبوی ﷺ چونکہ پائیدار ومکمّل حالت میں قیامت قائم ہونے تک ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتی رہے گی، اسلئے مسلمانوں کو مایوس ہونے کے بجائے اپنے اندر ایک عزم وہمت پیدا کرکے ایسی شرعی حکومت کے قیام کا راستہ تلاش کرنا چاہئے جو اسلامی اصولوں پر کاربند ہوکر دنیا میں امن وآشتی کا گہوارا کہلا سکے. دعا ہے کہ اللہ تعالی ہماری نسلوں میں سے رسول کے ایسے پیروہمیں عطاء فرمادے، جن کے باعث اسلام کی عظمت وہیبت رہتی دنیا تک قائم ودائم ہوکررہ جائے. (آمین!)

✿✿✿

(۱) غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت، مطبوعہ جید برقی پریس، دہلی ۱۹۴۲ء/ص:۵۷۶

(۲) ایضاً/ص:۵۷۷

(۳) ندوی، سیّد سلیمان، سیرت النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی، اگست ۱۹۸۴ء/ج ۲-ص:۲۳

چھٹا باب

اسلام کی معاشی تعلیمات
اور اُسکے اثرات

فصل اوّل

معاشی تعلیمات، زکواۃ، صدقات وغیرہ

تعارف

معاشی تعلیماتِ اسلام سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو حضرتِ انسان کی پیدائش کے مقاصدِ اعلیٰ میں ممدّ و معاون ہوتی ہیں، کیونکہ انسان کا اصل مقصد تو بطور قرآنِ کریم یہ ہے کہ:

'وماخلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون' (۱)

'اور نہیں پیدا کیئے گئے انسان وجن مگر یہ کہ ہماری (اللہ عزّ وجل) کی عبادت کے واسطے'.

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان نے اس زمین پر رہتے ہوئے جو کچھ حرکات وسکنات کرنی ہیں، وہ دراصل دو کاموں سے وابستہ ہیں. ایک یا تو وہ اللہ کو راضی کرنے والے اعمال ہوں یا پھر معاذ اللہ، اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال ہوں. جسمیں درمیان کی کوئی راہ موجود نہیں ہے. چنانچہ انسان کے لئے جتنا اس دنیا میں رہنا نصیب کر دیا جاتا ہے، اُتنا ہی اُسکی معیشت بھی وسیع کر دی جاتی ہے. یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے:

' وهو الذی جعلکم خلآئف الارض ورفع بعضکم فو ق بعض

در جات لیبلو کم فی مآتکم ' (۲)

یعنی ہم نے ایک کو دوسرے پر (مال کے اعتبار) سے فضیلت دی ہے، تا کہ ہم آزمائیں کہ مال والا کتنا شکر ادا کرتا ہے، اور بے مال والا کتنا صبر.

اسلام کی معاشی تعلیمات کی بنیاد

یہاں سے مزید دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں؛ ایک یہ کہ معاشی تعلیمات کی بنیاد بھی توکّل ہے اور فوقیّت کا اصل بھی توکّل ہی ہے. کیونکہ ایک کا امتحان شکرانہ ہے، تو دوسرے کا صبر، لہذا صبر وشکر ایسی غیر مرئی حالت ہوتی ہے کہ جو اس دنیا

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ الذاریت/۵۱:۵۶

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ الانعام/۶:۱۶۵

میں کسی صورت بھی مادّیت کی شکل میں وجود نہ پا سکے:

چنانچہ صبر و شکر ہی میں ساری کی ساری معیشت کو پنہاء کر دیا گیا ہے. اب رہا یہ سوال کہ مقصد اعلیٰ کیا تھا، تو اُسکی پرکھ کے لئے بھی فارمولا دے دیا کہ:

'فلا تزکوا انفسکم ، ھو اعلم بمن اتّقیٰ' (۱)

اپنے جی کو اچھا نہ کہو، وہ جانتا ہے کہ تم میں کون پاکیزہ ہے.

اس آیت سے مراد یہ ہوئی کہ عبادتِ الٰہیہ میں بھی انسانی عزّت و شرف کسی صورت حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں، اگر یوں ہوتا تو دنیا میں سب سے بڑا اور مکرّم و معزّز شخص معاذ اللہ- نبی یا رسول ہوا کرتا، کیونکہ وہ دنیاوی زندگی میں سب سے زیادہ عابد اور معاشرے میں عزت دار تھا. لیکن اِسپر بھی قرآنِ کریم نے رہنمائی کا دامن نہ چھوڑا، حتیٰ کہ اُن کُفّار کو جواب دے ہی دیا، جو اس قسم کا خیال باطن میں تو رکھا ہی کرتے تھے، لیکن اُن سے جب رہا نہ گیا تو جنابِ محمد ﷺ کے سامنے اظہار کر ہی بیٹھے.

'وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علیٰ رجُل من القریتین عظیم' (۲)

اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟

اس آیت میں کہنے والے کفارِ مکّہ ہیں، اور دونوں بستیوں سے مراد مکّہ اور طائف ہے، اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکّے کا ولید بن مغیرہ اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے. بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں، تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو. یہاں چونکہ مکہ اور طائف حجاز کے مرکز تہذیب و تمدّن تھے. اور قریش کے یہاں اکثر جاہلی قوموں کی طرح کسی شخص کا اولادِ اکبر میں سے ہونا ایک بڑا معیار ریاست و سرداری کا تھا، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے والد اوّل تو اپنے والد کی

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ النجم/۵۳:۳۲

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ الزخرف/۴۳:۳۱

(۳) یوسف، حافظ صلاح الدّین، ترجمہ، جوناگڑھی، مولانا محمد، تفسیر احسن البیان، دارالسّلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض، سعودی عرب، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۸ء، ص:۱۱۵۱

اولادِ اکبر نہ تھے، پھر آپ ﷺ کی پیدائش یتیمی، جس کی بناء پر آپ ﷺ اپنی کفالت کے لئے پہلے دادا اور پھر نسبتاً ایک مفلس چچا کے دستِ نگر رہے. یہ سب باتیں مل ملا کر آپ ﷺ کو کسی طرح بھی قریشِ مکہ کی نظر میں عظیم نہیں بننے دیتی تھیں.(۱)

اھم یقسمون رحمت ربک ط نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذبعضھم بعضا سخریاط ورحمت ربک خیر مما یجمعون ۝ (۲)

تو کیا آپ کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم یہ لوگ کرتے ہیں؟ ہم نے تو انکے درمیان اُنکی نیوی زندگی میں انکی روزی تقسیم کر رکھی ہے. اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں، تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے. اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے یہ لوگ سمیٹتے رہتے ہیں.

کیا یہ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت جو اللہ کا سب سے بڑا عطیہ ہے، اور خاص الخاص رحمت وعنایت اسکی تقسیم ان لوگوں کے صلاح ومشورہ سے کی جاتی ہے؟ اللہ ہی سب کی صلاحیتوں، اہلیتوں استعدادوں کا علم کامل رکھتا ہے. اور اسی نے اپنے اس ہمہ گیر علم کی مناسبت سے موزوں ترین شخص 'حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ' کو اس منصب پر معمور کیا ہے. اس سب کے معنی یہ ہوئے کہ دنیوی نعمتیں جو اس قدر حقیر ہیں. ان تک کی تقسیم اور انکا انتظام اللہ نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے، تو نبوّت جیسے گراں بہا نعمت کسی عام مخلوق کے ہاتھ میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی؟ اسکی تقسیم اور اسکا انتظام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے. آیت سے دو اور امور بھی مستنبط ہوتے ہیں: نمبر۱- دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی الکل پچّو نہیں، ایک خاص نظام تکوینی کے ماتحت چل رہی ہے. نمبر۲- معاشی حیثیت سے بھی درجات کا فرق بالکل فطری وطبعی ہے. کوئی دائن ہوگا، کوئی مدیون، کوئی دولتمند، تو کوئی بے مایہ ...معاشرہ میں فرق مراتب بالکل فطری وطبعی ہے. کوئی دولتمند ہوگا کوئی نادار، کوئی افسر کوئی ماتحت، بے طبقات معاشرہ classless society کا لفظ ہی سرے سے بے معنی ہے. اسلام صرف جور وجبر کو روکتا ہے، کسی پر ظلم کی گنجائش شریعتِ اسلامی میں نہیں. باقی بڑے چھوٹے کا نفس فرق تو قائم رہے گا اور اسے قائم بھی رہنا چاہئے.(۳)

درجہ بالا تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقاصد اعلیٰ کو ہر شعبہ زندگی میں خاص حیثیت حاصل ہے. چنانچہ

---

(۱) دریآبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص:۹۸۲

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ الزخرف/۴۳:۳۲

(۳) ایضاً/تفسیر ماجدی/ص:۹۸۲

یہاں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مقصد جو ہمیں اکابرینِ اسلام کے طفیل ملا ہے اسکی اصل 'اخلاص' ہے۔ **'لیعبد الله مخلصین له الدّین '**(۱) **یعنی 'دین کو اللہ ہی کے لئے خالص رکھیں'**۔ جس سے مراد دین کے مخلص لوگ ہیں۔ اس تمام بحث سے مراد دین اسلام میں عبادت کی اصل 'خلوص' ہے۔ جس کے باعث اللہ ربّ العزّت کا تقرّب حاصل ہوتا ہے، جب تقرّب حاصل ہو جائے، تو ایسی صورت از خود نہیں، بلکہ خاص الخاص اللہ تعالیٰ کی حمایت سے حاصل ہوتی چلی جاتی ہے کہ انسان کو دنیا میں کسی کا محتاج نہیں بننے دیتی، جسکے لئے ارشاد ہوا: **'ومن یتق الله مخرجاه ویرزقه من حیث لا یحتسب ط'**۔(۲) **'اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہاں اُسے گمان بھی نہیں ہوتا'**۔ پس اب سمجھ میں آ جانا آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پانے کا ذریعہ محض عبادت ہی نہیں بلکہ وہ تمام اعمال ہیں، جن سے عبادت کے لوازم کو پورا کیا جانا ضروری ہے اور ان سب کا ایک خاص شکل میں مرتّب بن کر رہنا ازحد ضروری ہے، وگرنہ ایک بھی نقطہ کے اپنی جگہ ہٹ جانے کے باعث تمام کی تمام عبدیت کی عمارت اپنا وجود گرا بیٹھتی ہے اور ہم بے سروسامانی کے عالم میں حیران و پریشان رہ جاتے ہیں، جسکے لئے کل قیامت کی حاضری میں یہ بات اگر خدانخواستہ ہمارے ساتھ ہو تب ہمارا کیا بنے گا؟ **'یاحسرتا علی عباد ط مایاتیهم من رسول الا کانو به یستهزؤن o'**(۳) **یعنی 'اے میرے بندوں آج کیوں حسرت کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا، جسکی ہنسی تم نے نہ اڑائی ہو'**۔ لیکن مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنے امّتِ رسول ﷺ ہونے کا ازحد خیال رکھنا بھی ضروری ہے؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری بداعمالیاں ہمیں کفار کا ساتھی نہ بنا دے، جب وہ کہیں گے: **'ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا'**(۴) **یعنی '(روزِ محشر، کافر کہے گا، اے کاش میں مٹی ہو جاتا'**۔ اللہ تعالیٰ اِس بڑی مصیبت سے ہم سب مسلمانوں اور مؤمنین کی حفاظت فرمائے اور جس طرح ہمیں اسلام کے دائرے میں بن مانگے دین عطاء فرمایا ہے، پس ہماری دعا ہے کہ ہماری زندگی میں نبیِّ پاک حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں بھی ہماری راہنمائی فرمائے۔ آمین! پس اب حاصل یہ ہوا کہ معیشت کی تعلیم بھی انہیں اعمالِ صالحہ کا ایک خاص حصّہ ہے، جسکے باعث عباداتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کا اصل اصول، حاصل و وصول ہو پائے گا۔

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ البیّنۃ/۹۸:۵

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ الطلاق/۶۵:۲-۳

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ یٰس/۳۶:۳۰

(۴) قرآنِ کریم، سورۃ النبأ/۷۸:۴۰

زکواۃ وصدقات کا نظام انسان کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے ہے:

دنیا کا وہ واحد مذہب جس نے دنیا میں انسانیت پر جو رحم و کرم فرمایا ہے، اُسکی مثال نہیں. البتہ یہ بات قرآن ہی ہمیں بتلاتا ہے کہ پچھلی اقوام پر نماز، روزہ، زکواۃ اور حج جیسے فرائضِ دینیہ مقرر کئے جا چکے تھے، جن کی ادائیگی کی صورت محض دینِ اسلام سے کچھ مختلف تو نہ تھی، لیکن ایسی بھی نہیں جیسا کہ دینِ کامل میں سکھلائی گئی ہے. چنانچہ زکواۃ وصدقات کے علاوہ ایک لفظ 'خیرات' بھی ہمیں ملتا ہے. اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ ساری مددود انسانیت کے لئے فائدہ مند ہوئی تھیں یا محظ کسی ایک سے دینِ اسلام کو زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے. لہٰذا اسلام کی خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے چند ایک کو کھڑا رہنے کا موقع نہیں دیا بلکہ کسی نہ کسی مد کو پورا کرنے کی صورت میں انسانیت کے طبقات میں سے ہر شخص ثواب و اجر کا حق دار ہوسکتا ہے. اب دیکھتے ہیں کہ زکواۃ، صدقات وخیرات میں بنیادی طور پر کیا فرق ہوتا ہے؟

اسلام میں زکواۃ کی فرضیت پر مختصر تاریخی جائزہ :

اسلام میں زکواۃ کا فرض ہونے کا سال گوکہ بعض مفسرین کے نزدیک ۱ھ یا ۲ھ ہجری کا ہے، لیکن امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ ہجرت سے پہلے فرض ہوئی جیسا کہ ہجرتِ حبشہ کے واقعہ میں امّ سلمہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب نجاشی شاہِ حبشہ نے حضرت جعفرؓ سے سوال کیا کہ تمہارے نبی تم کو کس چیز کا حکم کرتے ہیں تو حضرت جعفرؓ نے یہ جواب دیا 'انّہ **یامرنا بالصّلواۃ والزکواۃ**' یعنی یہ کہ واقعی وہ نبی ہمیں نماز اور زکواۃ کا حکم دیتے ہیں.(۱) زکواۃ کی فرضیت کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، جن میں صحیح تر یہ ہے کہ فرضیت زکواۃ تو ہجرت سے پہلے مکّہ مکرمہ ہی میں ہوچکی تھی، لیکن اسکا مفصل نصاب مقرر نہیں تھا، نیز اموال ظاہرہ کی زکواۃ حکومت کی طرف سے وصول کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا، کیونکہ حکومت ہی قائم نہ تھی، البتہ مدینہ طیبہ میں فرضیت زکواۃ کیلیے نصاب مقرر کیا گیا اور اسکی تفصیلی مقادیر مقرر کی گئیں.(۲)

چنانچہ قرآنِ کریم میں صریح دلیل آئی ہے کہ:

---

(۱) قاسمی، مولانا محمد حبیب اللہ، تعلیم سیرت سوال جواب کے آئینے میں، ادارۃ القرآن، کراچی، ستمبر ۱۹۹۸ء/ص:۸۶ مزید دیکھیں، فتح الباری، ج ۳/ص:۱۱۲

(۲) سیفی، مولانا رشید اشرف، درسِ ترمذی، مولانا محمد تقی عثمانی کی تقریر 'جامع ترمذی'، مکتبہ رشیدیہ، محلّہ مفتی سہارنپور، ۱۹۹۵ء/ص:۳۹۵

واذ اخذنا میثاق بنی إسرآئیل لا تعبدون الا الله قف وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتمی والمسکین وقولو للناسِ حسنا واقیمو الصلوة واتوا الزکوة ط ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم معرضون ٥ (۱)

اب جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے رہنا اور زکوۃ دیتے رہنا تو چند شخصوں کے سوا تم سب اُس عہد سے منہ پھیر کر بیٹھ گئے۔

یہاں یہ بات سمجھنا از حد ضروری ہے کہ اقامتِ الصلوۃ و زکواۃ ، یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحات ہیں، یہ نہ سمجھا جائے کہ اسرائیلیوں کو یہ سب احکام انہیں مخصوص ہیئتوں اور انہیں متعین قیود کے ساتھ ملے تھے، انہیں جو احکام ملے تھے وہ تھے انہیں عبادتوں سے متعلق، لیکن اُن کی مخصوص بولی میں اور انکے حالات و ماحول کے مطابق. خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دعا اور عبادت کی تاکید اب بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہیں.(۲) جیسا کہ آخری آیت پر عہد نامہ قدیم میں آیا ہے کہ 'وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے' (۳) اس سے ثابت ہوا کہ زکواۃ کا مخصوص نظام اسرائیلیوں نے مسخ کر کے رکھ دیا، جو بظاہر اسلامی زکواۃ کی طرح اب بالکل ناپید ہے.

لیکن اسکا پایۂ ثبوت قرآنِ کریم کی سورۃ القصص میں موجود ہے کہ زکواۃ کا نظام پچھلی قوموں پر بھی فرضیت کے ساتھ اترا تھا.حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ قارون، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا چچازاد بھائی تھا، دنیاوی علوم میں بہت ترقی کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے حسد کرتا تھا.حضرت موسیٰ نے اُس سے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہ نے مجھے تم سے زکواۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے، اُس نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ موسیٰؑ اس نام سے تمہارے مالوں کو کھانا چاہتا ہے اس نے نماز کا حکم کیا تم نے برداشت کیا، اُس نے اور احکام جاری کئے جن کو تم برداشت کرتے رہے، اب وہ تمہیں زکواۃ کا حکم دیتا ہے اسکو بھی برداشت کرو.(۴) چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ موسوی شریعت میں زکواۃ فرض تھی.

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ البقرۃ/۲:۸۳

(۲) برائے تفسیر ایضا/دریآبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر ماجدی القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن/ص:۳۳

(۳) عہد نامہ قدیم، خروج/۳۲:۸

(۴) زکریا، شیخ الحدیث مولانا محمد، فضائل صدقات، مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان، س ن/ص:۲۷۷، مزید دیکھیں؛ قرآنِ کریم، سورۃ القصص/۲۸:۴۳-۵۰

زکواۃ کی فرضیت پر قرآنی ترغیبات:

اسلام میں داخل ہونے کی شرائط میں جس طرح نماز کی فرضیت اولی درجہ کی شئے ہے اسی طرح زکوۃ کا ادا کرنا بھی اوّلین فریضہ کہلاتا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم کی نص میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ:

فان تابوا واقاموا الصّلواۃ واتوالزکوۃ فخلوا سبیلھم ط (۱)

اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکواۃ دینے لگیں تو اُنکا راستہ چھوڑ دو۔

یہاں پر توبہ سے مراد عقائدِ کفروشرک ہے، اور نماز و زکواۃ سے مراد یہ ہے، ظاہری عبادت میں شمولیت لازم ہے، خواہ دل میں کچھ بھی ہو. چنانچہ راستہ چھوڑنے سے مُراد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام میں ظاہری طور پر داخل ہوجائنگے اُن سے کسی قسم کی للہ بغاوت قائم نہیں کی جائیگی اور نہ جنگ کی حالت میں اُن پر اب کوئی جبر کیا جائیگا حتی کہ اگلی چند آیتوں کے بعد انہیں لوگوں کی کُل اتنی ہی صفات پر انہیں، دینی بھائی کا درجہ دے دیا جاتا ہے.

فان تابوا واقاموا الصّلواۃ واتوالزکوۃ فاخوانکم فی الدّین ط (۲)

اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکواۃ دینے لگیں تو اب وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

چنانچہ یہ وہ علامت ہے جو ظاہری طور پر مسلمان کی دینی فرائض میں اوّل درجہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور مؤمنین کی کامیابی کی دلیل بھی زکواۃ کو بتلادی.

قد افلح المؤمنونo الذین ھم فی صلوتھم خاشعونo (۳) والذین ھم للزکوۃ فاعلونo (۴)

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی- جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں- جو زکواۃ ادا کرنے والے ہیں-

یہاں فلاح سے مُراد دین و دنیا کی کامیابی ہے. اور نماز میں خشوع سے مُراد ایسی نماز جو خالصتاً اپنے ربّ اللہ کے لئے ہو اور اسمیں کوئی دنیا کا مفاد شامل نہ ہو. اور زکواۃ اُس نماز کے ساتھ پنہاں کرکے یہ بتلایا گیا ہے، اسلام کے بقیہ اراکین مثلاً، روزہ جسے عربی میں 'صوم' کہتے ہیں اور 'حج' ایسے اراکین ہیں جنکا تعلق محض انسان کے ذاتی افعال کی درستگی سے ہیں، یعنی روزہ سے تقوی و پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور حج سے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا ہے، جب کہ ان دونوں اراکین کے لئے اجرِ

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ التوبہ/۹:۵

(۲) قرآنِ کریم، سورۃ التوبہ/۹:۱۱

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ المؤمنون/۲۳:۱-۲

(۴) قرآنِ کریم، سورۃ المؤمنون/۲۳:۴

عظیم اللہ تعالی کے یہاں انسانی احوال پر منحصر ہیں.نماز اجتماعیت دین کی علامت ہے اور زکواۃ انسانی ہمدردی و فلاح کی ضامن، یہ ہی وجہ ہے کہ اِن دونوں میں اجر کا معاملہ انسانی معاملات کی درستگی کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، کہ نماز کے بعد زکواۃ سے انسانیت کی فلاح ہورہی ہے کہ نہیں وگرنہ تمام کے تمام اعمال اکارد چلے جائیں گے.

زکواۃ کا ادا کرنا قربتِ الٰہیہ کا ذریعہ ہے:

اب یہ بات کہ کون کس نیت سے زکواۃ ادا کرتا ہے، اسکے لئے اللہ تعالی نے اعرابی و بدیوین کی مثال دے کر سمجھا دیا کہ جو بھی زکواۃ ادا کرے گا، وہ دراصل قربت الٰہیہ حاصل کرنے کا موجب ٹھہرے گا.

ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الاخر ویتخذ ماینفق قربت عند اللہ وصلوات الرسول ط الا انہا قربة لهم ط سیدخلهم اللہ فی رحمته ط ان اللہ غفور رحیم٥ (١)

اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں، سو بیشک یہ خرچ کرنا اُنکے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے، ضرور اُن کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کریگا، یقیناً اللہ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے-

چنانچہ کسی مسلمان کو اب کسی بھی غیر مسلم کے ایمان لانے پر شک کی گنجائش نہیں رکھنی چاہئے نہ جانے کون اپنی اس فراخدلانا صفت سے قُربِ الٰہی حاصل کر کے کامیابی حاصل کرلے اور مسلمان بھی دیکھتے رہ جائیں.

سود سے مال میں کمی ہونے اور صدقات و زکواۃ میں برکات ہونے کا تقابلی جائزہ:

مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی اور غیروں کو بھی سود کے گھاٹے اور زکواۃ و خیرات کی برکات سے آگاہی دلائیں. جیسا کہ اللہ تعالی نے صدقات و خیرات کی برکات اور سود کے گھاٹے کی نشانی ہمیں بتلائی ہے کہ:

یمحق اللہ الرِّبوا و یُربی الصّدقات ط (٢)

اللہ تعالی سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا ہے اور صدقہ (کی برکت) کو بڑھا دیتا ہے-

بالکل اسی طرح اللہ تعالی نے زکواۃ کے فرض ہونے کی دلیل یہ ارشاد فرمائی ہے کہ سود کے ذریعے مال میں ظاہری اضافہ تو نظر آتا ہے، لیکن جو لوگ زکواۃ ادا کرتے ہیں دراصل انکی زکواۃ و خیرات کا بدلہ اللہ تعالی کے خاص الخاص انعامات سے ملتا ہے.

---

(١) قرآنِ کریم، سورۃ التوبہ/٩٩:٩

(٢) قرآنِ کریم، سورۃ البقرۃ/٢٧٦:٢

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے :

وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال النّاس فلا یربوا عند الله ج وما آتیتم من زکوة تریدون وجه الله فاولٓئک هم المضعفون ٥ (١)

اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں (بڑھتا رہے) افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضا مندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں.-

چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سود کی تاریخ جتنی پرانی ہے، اتنی ہی مال کے صدقہ وخیرات اور زکواۃ کی بھی ہے. لہٰذا آ ج جن مسلمانوں نے ان اعمال زکواۃ سے اپنے آ پکو کنارے پر بٹھا رکھا ہے، انکو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالی کے نزدیک اُن کا کوئی عمل قابلِ قبول نہ ہوگا، جب تک کہ وہ کھلے اور چھپی حالت میں اللہ کی رضاء کے لئے زکوۃ دینے والے نہ بن جائیں.

اسلام میں زکواۃ کی اہمیت وحیثیت کا تعیّن:

لفظِ زکواۃ کے لغوی معنی، طہارت و پاکیزگی کے ہیں، اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اخراج زکواۃ سے بقیہ مال کی تطہیر ہوجاتی ہے (۲). پچھلی اقوام میں زکواۃ کا خواہ کوئی بھی تصوّر ہو، لیکن اسلام میں اسکی اہمیت وحیثیت کا تعیّن خود آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے:

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله، واقام الصلوة وایتاء الزکوة، وصوم رمضان، وحج البیت لمن استطاع الیه سبیلا .(٢)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے ایک یہ کہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، دوسرا یہ کہ نماز قائم کر، تیسرا یہ کہ زکواۃ اداء کر، چوتھا یہ کہ رمضان کے مہینہ کے روزے رکھ اور پانچواں یہ کہ بیت اللہ کا حج کر، یہ اُن کے لئے جو سفرِ حج کی طاقت رکھتے ہوں.

درجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ زکواۃ نظام اسلام میں تیسرا اہم ترین رکن ہے. جس پر دنیا کا کوئی قانون زکواۃ کی اہمیت کو کم نہیں کرسکتا. جیسا کہ مال کے دبانے والے اپنی مرضی سے زکواۃ ادا کرنا چاہیں. چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جسقدر تفصیل سے اللہ سبحانہ وتعالی نے زکواۃ کی مد کو ادا کرنیکے طریقے قرآنِ کریم میں نازل فرمائے ہیں ویسے کسی اور رکنِ اسلام پر نہیں ملتے، جسمیں نماز وحج خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں جو نبی علیہ السّلام کی تعلیمات کے بغیر کسی صورت اداء نہیں کئے جاسکتے.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الرّوم/۳۰:۳۹

(۲) بخاری: کتاب الایمان، باب دعاء کم ایمانکم، رقم ۸/ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء بنی الاسلام علی خمس، رقم ۲۶۰۹

اور شاید یہ سب کچھ اس لئے کے بقیہ تمام عبادات تو جسمانی کہلاتی ہیں، لیکن زکواۃ کی عبادت کا شمار مالی عبادت میں کیا جاتا ہے، جس سے اسلام میں اقتصادی نظام کی ہمہ گیریت کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں. لہذا زکواۃ کے نظام کے تحت تزکیۂ نفس سمیت مال کی تطہیر کا ہونا اہم ترین مقاصدِ زکواۃ میں سے ہے. تطہیر مال سے مراد دراصل حُبِّ مال سے بچنا اور اپنے مال میں غربا و مساکین کو شامل کرتے ہوئے، مال کی اپنی برائیوں سے بچنا شامل ہے. مثلا جب مال آجاتا ہے تو اس کے پیچھے انسان میں سات امعاء جمع ہوجاتی ہیں جنہیں امام نوویؒ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

بعض المومنين ياكل فى معى واحد و بعض الكافرين يا كل فى سبعة امعاء .

یعنی مقصود انکا یہ ہے کہ تقلیل طعام تعلیم زہد ہے اور دنیا و اکل شرب کی لذتوں میں انہماک سے اجتناب کی ترغیب ہے وگرنہ کفار کہ یہ سات صفات انسان میں جمع ہوجاتی ہیں: ۱- حرص، ۲- شر، ۳- طول امل، ۴- طمع، ۵- سوءِ طبع، ۶- حسد اور ۷- دنیا کی محبت (۱) اور زکواۃ ادا کرنے سے تزکیۂ باطن کے ساتھ بخل، حرص، حب مال وغیرہ کا ازالہ اور غریبوں، معذوروں کے ساتھ ہمدردی، غم خواری، تعاون اور انفاق کا جذبہ پیدا کرنا ہے. (۲) اسکی تاریخ میں ایسی مثال قائم ہے کہ حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت یاسر رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اموال پر للچائی ہوئی نظر نہ ڈالیں، نہ انکے سامنے دست طمع دراز کر کے اپنی تکریم ذات کو ختم کریں. مگر دوسری طرف حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ سختی سے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی فاضل دولت لے کر ان حضراتِ گرامی کے مکان تک جائیں اور اُنکی حاجت روائی کریں. (۳) جنکی عزتِ نفس کے تحفظ پر قرآنِ کریم نے جو تعریف ان حضرات کے بارے میں اتاری ہے، وہ قابلِ تقلید ہے: **'ولا يسئلون النّاس الحافا'** (۴) وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے.

---

(۱) الحق، سمیع، اسلام کا نظام اکل و شرب اور شریعت کا فلسفہ حلال وحرام، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، س ن/ص: ۲۳۱

(۲) قاسمی، مولانا عتیق احمد، زکواۃ کے مصارف سادات اور زکوۃ، ادارۃ القرآن، کراچی، ستمبر ۲۰۰۲ء/ص: ۱۳

(۳) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس اور اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء/ص: ۱۶۸

(۴) قرآنِ کریم، سورۃ البقرۃ/۲: ۲۷۳

مصارف زکواۃ میں رسول اللہ کے اختیارات :

قرآنِ کریم میں جہاں کہیں نماز کا ذکر آیا ہے وہیں زکواۃ کا ذکر بھی موجود ہے. گویا یوں محسوس ہوتا ہے کہ پورا قرآنِ کریم '**اقیموا الصّلواۃ واتوالزّکوۃ**' (۱) سے بھرا ہوا ہے. چنانچہ زکوۃ کے مصارف کا جو ذکر تفصیلا بیان کر دیا گیا ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ذکر کردہ آٹھ مصارف کے علاوہ زکواۃ کا استعمال وصرف کسی اور مد میں جائز نہیں. ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر صدقات وزکواۃ کے مال میں سے مانگا. اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

'ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الدصقۃ حتی حکم ھو فیھا فجزاھا ثمانۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک'' (۲)

'صدقہ وزکوۃ کی تقسیم میں اللہ تعالی نے کسی نبی وغیرہ پر فیصلہ نہیں چھوڑا بلکہ اسکا اسنے خود فیصلہ کی ہے اور اُسے آٹھ خانوں میں تقسیم کیا ہے اب اگر تم ان مصارف میں سے ہوگے تو میں تمہارا حق دوں گا، پس اب اس میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوسکتا جو ان آٹھ قسموں سے الگ کوئی چیز ہو.'

یہ اس دین کا اعجاز ہے کہ دین الٰہی اور ابدی پیغام ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے غریبی کے علاج اور غریبوں کے حقوق کی بحالی کے لیے پہل کی، لیکن اس طرح نہیں کہ غریبوں کے سامنے حقوق اور مطالبات کی فہرست پیش کی، یا انہیں کسی خونیں انقلاب کے لئے استعمال کیا، بلکہ اس کی بجائے ایسی مثبت تدابیر کی طرف رہنمائی کی، جن سے کسی سیاسی اتھل پتھل اور ہنگامے کے بغیر صحیح معنی میں غریبی کا ازالہ ہو، اور کسی کا بال بیکا نہ ہو. (۳) اور ایسے موقع پر اپنی نبی علیہ السّلام کو بھی اپنے حکم الٰہیہ کے آگے بے بس کر دکھایا، تو ہما شما کی کیا حیثیت ہے، کہ ہم منجملہ سرکاری کھاتوں میں زکواۃ کی مقدار تو پوری وصول کر ڈالیں لیکن انکے مصارف میں ہیرا پھیری کریں، تو یقیناً ایسے مسلمان حکمرانوں کا احتساب ماسوائے ربّ القھار کی ذات کے اور کوئی نہیں کرسکتا. اللہ تعالی اسکی ہم سب کو ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے. (آمین)

---

(۱) قرآنِ کریم: سورۃ البقرۃ /۲: ۸۳: ۲: ۱۱۰ سورۃ النور/۲۴: ۵۶ وغیرہما

(۲) ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الزکواۃ، ج ۱، دہلی کتب خانہ رشیدیہ، ۱۲۰ھ/ص: ۲۳۰؛ مزید بحوالہ: علوم فی القرآن-/ص: ۷۸ اور قاسمی، مولانا عتیق احمد، زکواۃ کے مصارف سادات اور زکوۃ، محولہ سابقہ/ص: ۱۴

(۳) القرضاوی، علامہ یوسف، مترجم، ملی، نصیر احمد، اسلام میں غریبی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، اگست ۲۰۰۲ء/ص: ۱۱۵

مصارفِ زکواۃ کی قرآنی ترتیب :

قرآنِ کریم کی اس آیتِ مبارکہ میں وہ تمام مدارج بیان کردیئے گئے ہیں، جنکی تاکید آپ ﷺ نے خود فرمائی ہے:

انما الصّدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھاوالمؤلّفة قلوبھم وفی الرّقاب والغرمین وفی سبیل اللہ وابن السّبیل فریضة من اللہ والله علیم حکیم ٥ (١)

صدقات یعنی زکواۃ تو مفلسوں، محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں (ہی یہ مال خرچ کرنا چاہیے) یہ حقوق اللہ کی طرف سے مقرر کردیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے.

بڑے سے بڑا فلسفی یا ماہر اقتصادیات اس گتھی کبھی سُلجھا نہ سکتے تھے کہ لوگوں کی امانتوں کا صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے. یہ تو محض اللہ ربّ العزت کا انسانوں پر فضل وکرم ہے کہ جتنا بڑا احسان انسانوں پر فلاحِ انسانی کی مد میں فرمایا اُتنا ہی بڑا کرم اُسکے مصارف کا صحیح تعیّن عطا کرکے فرمایا. اب ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ کی تفہیم سلسلہ وار کی جائے تو کیا نتائج برآمد ہونگے:

انما الصّدقات: یہاں لفظِ صدقہ سے زکواۃ ہی مراد ہے کیونکہ جو صدقہ آپ ﷺ کے اوپر کرنا فرض کے درجہ میں اترا ہے اُسے زکواۃ ہی کہا جاتا ہے، جبکہ ایک جان کا صدقہ جو فطرانہ کہلاتا ہے، وہ واجب ضرور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسکا درجہ زکواۃ کے برابر نہیں رکھا. یہ صدقہ 'صدقہ فطر' کہلاتا ہے یہ روزوں کی ادائیگی اور عید کی آمد کی خوشی میں شکرانے کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، اسکے اندر دو حکمتیں ہیں: نمبر١- یہ روزوں کی ادائیگی میں جو قصور اور نقص شامل ہوگیا ہو، اسکی تلافی ہوجائے. اور نمبر٢- یہ کہ غریبوں کی دل جوئی کی جائے اور اُن میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ اسلامی معاشرہ اور تمام مسلمان اُنکے بھائی بند ہیں اور اُن کے دُکھ درد میں برابر کے شریک ہیں. چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (٢)

فرض رسول اللہ ﷺ زکاة الفطر طھرة للصیام من اللغو والرّفثِ وطعمة للمساکین .(٣)

صدقۂ فطر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ روزہ دار کے نقائص اور خامیوں کا ازالہ ہواور غریبوں کے لئے روزی مہیا ہو، اسلیے یہ فرض ہے.

---

(١) قرآنِ کریم؛ سورۃ التوبہ/ ٦٠:٩

(٢) القرضاوی، علامہ یوسف، مترجم، ملی، نصیر احمد، اسلام میں غریبی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، اگست ٢٠٠٤ء/ص: ١١٣-١١٤

(٣) ابن ماجہ: کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، رقم ١٨٢٧؛ ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر، رقم ١٦٠٩

صدقۂ فطر ایک سالانہ فریضہ ہے، جو اپنے اندر کچھ خصوصیات رکھتا ہے:

(الف)- یہ جان کا صدقہ ہے، اسلئے اسکی ادائیگی کے لئے مالی استطاعت شرط نہیں.

(ب)- زکواۃ جس طرح صاحب نصاب مالداروں پر فرض ہے، صدقۂ فطر عام مسلمانوں پر فرض ہے. حضور اکرم ﷺ نے اسکی ادائیگی ہر مسلمان پر عائد کی ہے. خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام، مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، البتہ اسکے پاس اتنا غلہ ہونا ضروری ہے کہ جو اسکے اور اسکے اہل وعیال کی ایک روزہ ضروریات سے فاضل ہو.

صدقۂ فطر کی فرضیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمان خواہ دولت مند ہو یا تہی دست، اپنے جیسے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی اور انکے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے ہمہ تن تیار ہو اور یہ یادر کھے کہ اُسکا ہاتھ سدا اونچا رہے. اسلیے کہ نیچے والے ہاتھ سے اوپر والا ہاتھ ہر حال میں اچھا ہوتا ہے، اور اگر خدانخواستہ اسکے دل کے کسی گوشہ میں یہ خیال پرورش پا رہا ہو کہ لینے والوں سے اسکی حالت کہاں بہتر ہے؟ تو اسے اسکا چنداں غم نہ ہونا چاہئے. اسلیے کہ آج اسکے پاس جو قدرے زائد سرمایہ ہے. اگر اسکو وہ دوسروں پر خرچ کر رہا ہے، تو خدانخواستہ کل اگر اسکے پاس نہ رہا تو وہ محروم بھی نہ ہوگا. اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: 'جو دولت مند ہویں اور زکواۃ ادا کرتے ہیں (اسکے ذریعہ) خدا ان کی دولت کو پاک وصاف فرمائیں گے اور جو نادار ہیں (اپنی ناداری کے باوجود) اگر انہوں نے فراخدلی سے خیرات کی تو اللہ تعالیٰ انہیں اُس سے کہیں زیادہ دے گا، جتنا آج انہوں نے خرچ کیا ہے.'(۱)

چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ صدقہ کی تعریف میں زکواۃ اور صدقۂ فطر دونوں آتے ہیں، لیکن زکواۃ، صدقۂ مال ہے اور صدقۂ فطر، صدقۂ جان ہے. اب جب زکواۃ بحثیت صدقۂ مال ہے تو ایک نظر یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ کس مال پر زکواۃ کا اجراء ہے اور کس پر نہیں؟ بظاہر اموال کی دو اقسام ذکر کی جاتی ہیں: اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ: واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضراتِ شیخینؓ کے زمانے میں ہر قسم کے اموال کی زکواۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی. اس عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب قابل زکواۃ اموال کی کثرت ہوگئی اور اسلامی فتوحات دور دراز تک پھیل گئیں تو آپؓ نے یہ محسوس فرمایا کہ اگر ہر قسم کے اموال کی زکواۃ سرکاری طور پر وصول کی گئی تو لوگوں کے ذاتی مکانات، دکانوں اور گوداموں کی تلاشی لینی ہوگی اور انکے املاک کی چھان بین کرنی پڑے گی، جس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور انکے محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی، جس سے فتنے پیدا ہونگے، اسلئے آپؓ نے یہ تفریق قائم فرمادی کہ حکومت صرف اموال ظاہرہ کی زکواۃ وصول کرے گی. اور اموالِ باطنہ کی زکواۃ مالکان خود ادا کریں.

---

(۱) القرضاوی، علامہ یوسف، مترجم، ملی، نصیر احمد، اسلام میں غریبی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، اگست ۲۰۰۲ء/ص:۱۱۴

حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ کی تفصیلات امام ابوبکر جصاص نے 'احکام القرآن' میں اور علامہ کاسانیؒ نے 'بدائع' میں بیان فرمائی ہیں.
اس وقت اموالِ ظاہرہ میں مویشی اور زرعی پیداوار کو شامل کیا گیا اور باقی بیشتر اموال نقدی سونا چاندی اور سامانِ تجارت کو اموال باطنہ قرار دیا گیا.(۱) اسکے بعد تاریخی اعتبار سے اس فارمولے میں تبدیلیاں رونما ہوئیں انہیں بعد میں کسی مناسب موقع پر پیش کیا جائیگا.
یہاں فقراء، مساکین اور عاملین کے درجات کو سمجھنا از حد ضروری ہے، جس کے بعد مؤلفتہ القلوب کا مسئلہ سمجھ میں آئے گا.
جیسا کہ پچھلے باب ششم میں فقرا و مساکین کی تمیز پر بحث ہو چکی ہے، بس یہاں مختصراً عرض کیا جا رہا ہے کہ:

فقراء: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال و دولت نہ ہو، یا اس قدر دولت ہو جو انکی ضرورت کو کافی نہ ہو- یا بیوہ یتیم اور اپاہج ہو. غرضیکہ وہ سب لوگ شامل ہیں جو اپنی معیشت میں دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں.

مساکین: مسکین، سکن سے مشتق ہے. جس کے معنی ہیں کہ وہ خاموش یا بے حرکت ہو گیا. یعنی جو اپنی ضرورت کے پانے میں عاجز ہو. وہ طالب علم بھی اس میں شامل ہو سکتا ہے جسکا کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو.(۲)

یہاں پر فقراء و مساکین کے درمیان بہت باریک لکیر ہے جسے واضح کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جسکے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو. یہاں اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کا صحیح علم نہ ہونے کی بناء پر لوگوں نے غلطی سے زکوٰۃ کا حقدار ان بھکاریوں اور گداگروں کو سمجھ لیا ہے جن کی لمبی لمبی قطاریں، مسجدوں، مزاروں اور بازاروں میں نظر آتی ہیں. عوام الناس کی اسی غلط فہمی کے ازالے کے لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:(۳)

لیس المسکین الذی تردّہ التّمرۃ والتّمرتان والا اللقمۃ ولا اللقمتان انما المسکین الذی یتعفف اقرؤا ان شئتم. (۴) . " لایسئلون النا الحافا" (۵)

---

(۱) سیفی، مولانا رشید اشرف، درسِ ترمذی، مولانا محمد تقی عثمانی کی تقریرِ جامع ترمذی، مکتبہ رشیدیہ، محلہ مفتی سہارنپور، ۱۹۹۵ء/ص:۳۹۸

(۲) مطیع الرحمٰن، قاضی محمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت (تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں) بسلسلہ مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس، ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۳۸۱-۳۸۲

(۳) القرضاوی، علامہ یوسف، مترجم، ملی، نصیر احمد، اسلام میں غریبی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، اگست ۲۰۰۳ء/ص:۱۲۷

(۴) بخاری؛ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البقرۃ، باب قولہ تعالی لایسئلون الحافا؛ رقم ۴۵۳۹- ابوداؤد؛ کتاب الزکاہ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، رقم ۱۶۳۱-نسائی؛ کتاب الزکاۃ، باب تفسیر المسکین، رقم ۲۵۷۴. مسند احمد: ۱/۳۸۴، رقم ۳۶۲۹

(۵) قرآن کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۳

'ایک دو کھجوروں یا روٹی کے چند لقمو کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھانے والا فقیر نہیں، فقیر وہ ہوتا ہے، جو سرے سے سوال نہ کرے۔ چنانچہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔"وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے"۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیت اسی مفہوم کو واضح کرتی ہے کہ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے وار نہ بلا حاجت اور ضرورت کے کسی سے کچھ مانگنے کی جسارت کرتے ہیں۔اس لیے کہ بقدر ضرورت اسباب رکھتے ہوئے سوال کرنا الحاف ہے۔اس آیت کے مصداق درحقیقت فقرا مہاجرین تھے۔رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جنہوں نے اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ کی محبت میں سب کچھ تج دیا اور سخت ضرورت مند اور محتاج رہتے ہوئے کبھی کسی سے کچھ طلب نہیں کیا۔انہیں کی شان میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:(۱)

للفقر آء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض ز یحسبهم الجاهل اغنیآء من التعفف ع تعرفهم بسیماهم ج لا یسئلون الناس الحافا۔(۲)

صدقات اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں اور اسی وجہ سے وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادتا امکان نہیں رکھتے۔اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے اُنکے سوال سے بچنے کے سبب سے، البتہ تم اُن کو اُن کے طرز سے پہچان سکتے ہو کہ فقر و فاقہ سے چہرے پر اثر ضرور آ جاتا ہے۔وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔

بلاشبہ آج ہم نے حق والے فقراء و مساکین کو تلاش کرنے میں کسل بازی سے کام لیتے ہوئے غیر حق والے بھکاریوں کو اپنے صدقات و خیرات سمیت زکوۃ جیسی مذہبی دینا شروع کر دی ہے، جس سے ہماری زکوۃ کا ادا ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔

عاملین : یعنی وہ لوگ جو زکواۃ کا ریکارڈ رکھنے اور اسلامی حکومت کی طرف سے زکواۃ جمع کرنے پر مامور ہوں۔

مؤلفۃ القلوب : امام زہریؒ نے مؤلفۃ القلوب کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ جو عیسائی یا یہودی یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوا ہو، اگر چہ یہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ دوسرے مذہب سے آنے والوں کو خاندان، عزیز و اقارب اور دیگر احباب کی طرف سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس مصرف کا مقصد یہی ہے کہ اگر نومسلموں کو اپنوں کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑے تو مسلمان اُسکا ساتھ اتنا حسن سلوک کریں کہ وہ اپنی تکالیف بھول جائے۔(۳)

فی الرقاب : یعنی غلاموں کو آزاد کرانا، گردن چھڑوانا۔جس طرح اللہ تعالی کی ربوبیت عام ہے، مسلم و غیر مسلم کی تمیز نہیں۔اس طرح یہ حکم بھی عام ہے اور اس میں اپنوں اور بیگانوں کی کوئی تخصیص نہیں۔اسلامی بیت المال کو اس مد میں تین طریقوں سے

---

(۱) القرضاوی، علامہ یوسف، مترجم، ملی، نصیر احمد، اسلام میں غربی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، اگست ۲۰۰۴ء/ص:۱۲۷

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۳

(۳) مطیع الرحمٰن، قاضی محمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت (تعلیمات نبوی کی روشنی میں) بسلسلہ مقالات سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۳۸۱-۳۸۲

استعمال کیا جاسکتا ہے: ۱- حکومت مالکوں سے غلام خرید کے آزاد کرے.
۲- اسیرانِ جنگ کا فدیہ دیا جائے.
۳- ان غلاموں کی مدد کی جائے جو مالک سے مکاتبہ کر کے آزاد ہونا چاہتے ہیں. لیکن چونکہ آجکل عملا غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے اسلئے اس مد پر عملدرآمد ساقط ہے اوپر صرف امکانی صورت پیش کی گئی ہے.(۱)

فی سبیل اللہ : فی سبیل اللہ، زکوۃ کے آٹھ مصارف میں سے ساتواں مصرف ہے. اس لفظ کے معنی و مفہوم میں بڑی وسعت ہے. مصارف زکوۃ کے تعلق سے اسکے معنی و مفہوم کی کوئی جامع و مانع تفسیر احادیث میں نہیں ملتی. یہی وجہ ہے کہ اس کے مدلول کی تعیین میں قدیم و جدید فقہائے کرام کے درمیان افراط و تفریط پر مبنی کافی اختلافات پائے جاتے ہیں. ایک طرف بعض فقہاء نے اس میں اسقدر تنگی سے کام لیا کہ اسکی فقیر و محتاج مجاہدین تک محدود کر دیا جس سے 'فی سبیل اللہ' بجائے ایک مستقل مصرف ہونے کے فقراء و مساکین کی ایک ذیلی قسم بن کر رہ گیا. دوسری طرف بعض حضرات نے اس سلسلہ میں اتنا توسع اختیار کیا ہے کہ ہر کارِ خیر کو 'فی سبیل اللہ' مان لیا. کچھ اعتدال پسند حضرات نے جہاد کی ہر قسم، مصالح عامّہ کے ہر کام اور تعلیم و تعلّم سے متعلق ہر کوشش کو فی سبیل اللہ میں شامل کر لیا.(۲) 'فی سبیل اللہ' قرآنِ مبین کی ایک اصطلاح ہے. اور ارشادِ خداوندی کے بموجب قرآنِ مجید میں بیان شدہ ہر چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے.(۳) سبیل کے لغوی معنی راستہ کے ہیں. عربی کے مشہور لغت لسان العرب میں ہے:

السبیل الطریق وماوضح منه ویذکر و یونث و سبیل الله طریق الهدی الذی دعا الیه . (۴)

سبیل کے معنی ہیں راستہ یا نشانِ راہ. یہ مذکر و مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے. اللہ کے راستہ کا مطلب ہے وہ راہِ ہدایت جس کی طرف اُس نے بلایا ہے.

لیکن قرآنِ کریم 'سبیل' کو اکثر مجازی و اصطلاحی معنی میں استعمال کرتا ہے اور جب یہ اللہ کی طرف اضافت کے ساتھ آئے تو اسکے معنی ہوتے ہیں، نبیوں کے ذریعہ بتایا ہوا اللہ کا سچّا راستہ، ایمان و اسلام کی راہ جو آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار

---

(۱) مطیع الرحمٰن، قاضی محمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت (تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں) بسلسلہ مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص: ۳۸۱-۳۸۲

(۲) اصلاحی، عبدالعظیم، مصرفِ زکوۃ 'فی سبیل اللہ' کی تفسیر و تحدید قرآنِ مبین سے، علوم فی القرآن- تحقیقی مقالات، مرتبہ رانا محمد اقبال، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص: ۷۰

(۳) ایضاً/ص: ۵۵

(۴) ایضاً/ص: ۵۷ بحوالہ ابنِ منظور، لسان العرب، المجلد ۱۳، ص: ۳۴۰، بدون مقام، 'الدار المصریہ للتالیف والترجمہ، بدون تاریخ

کرے.(۱) جسطرح ایمان کے مختلف شعبے اور درجات ہیں اسی طرح سبیل اللہ کے کام بھی مختلف النوع ہیں مگر ان سارے کاموں کے لیے ایمان اور اخلاص نیت شرط ہے کہ اسکے بغیر کوئی کام اللہ کے راستہ کا نہیں ہوسکتا. ریا کار شہید، عالم اور سخی سے متعلق مشہور حدیث ہے کہ روزِ حساب ان کا بظاہر قربانیوں اور محنت کو یہ کہہ کر رد کردیا جائے گا کہ وہ خالصۃ لوجہ اللہ نہ تھیں.(۲) حتی کہ اللہ تعالی نے مسجد جیسی بابرکت ورحمت والے گھر کے لئے قرآنِ کریم میں ارشادفرمادیا کہ:

لمسجد اُسِس علی التقوی من اوّل یوم احق ان تقوم فیه ط (۳)

وہ مسجد جسکو یومِ اوّل سے تقوی کی بنیاد پر رکھا ہو، (اے نبیؐ) ایسی مسجد میں آپ نماز ادا کرسکتے ہیں.

چنانچہ اس سے پچھلی آیت میں اللہ تعالی نے اللہ کی رضاء کے بغیر بننے والی مسجد میں آپ ﷺ کو منع فرمادیا کہ وہاں جائیں اور نماز ادا کرسکیں. الغرض سبیل اللہ ایسے اغراض کے لئے مستعمل ہے جو خالصۃ رضائے الٰہی کے متقاضی کاموں میں سے ایک ہو. یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر قدم میں سیرتِ طیبہ ﷺ کی سہارا لینا پڑتا ہے اور ہمیں چاہئے کہ اسی راستہ سے راہنمائی حاصل کرتے چلیں.

عہدِ نبوی ﷺ سے لیکر عہدِ حاضر تک اسی آیت کی روشنی میں زکواۃ کے مال کی تقسیم ہوتی رہی، اسلامی حکومتیں اور مسلم اغنیاء انہیں مصارف میں زکوۃ صرف کرتے رہے. اس آیت کی روشنی میں زکوۃ کا ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے. جمہور مفسرین وفقہاء کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد راہِ خدا میں جہاد وقتال کرنے والے لوگ ہیں، احادیث صحیحہ اور آثارِ صحابہ و تابعین سے بھی اسی مفہوم کی تائید وتعیین ہوتی ہے. بعض صحابہ اور بعض فقہاء سے منقول ہے کہ حجاج بیت اللہ بھی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں شامل ہیں، فی سبیل اللہ کی یہی دو تفسیریں صحابہ وتابعین، مفسرین ومجتہدین سے منقول ہیں، غزوہ وحج کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کا فی سبیل اللہ میں شامل نہ ہونا قرونِ اولی میں اجماعی رہا.(۴)

ابن السبیل :سفر کی حالت میں مدد کے محتاج لوگوں کی مدد کی جائے گی. اگر چہ وہ اپنے گھروں میں بہتر مالی حیثیت کے

---

(۱) اصلاحی، عبدالعظیم، مصرف زکوۃ 'فی سبیل اللہ' کی تفسیر وتحدید قرآن مبین سے، علوم فی القرآن۔ تحقیقی مقالات، مرتبہ رانا محمد اقبال، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۵۸

(۲) ایضا/ بحوالہ الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، المجلد ۴، ص:۳۷۷، بیروت، دار الندوہ الجدیدۃ بدون تاریخ.

(۳) قرآنِ کریم، سورۃ التوبہ/۹:۱۰۸

(۴) قاسمی، مولانا عتیق احمد، زکواۃ کے مصارف سادات اور زکوۃ، محولہ سابقہ/ص:۱۵

مالک ہی کیوں نہ ہوں.(۱) چنانچہ راہ گزر مسافر بھی زکوۃ کا استحقاق رکھتے ہیں.ابتداء اسلام کے زمانے میں نہ کوئی سرائیں تھیں، نہ کہیں موجودہ دور کی طرح کے سفر کے مناسب انتظامات تھے اور نہ ہی ہوٹل تھے.مزید برآں یہ کہ سفر میں ڈاکے پڑتے تھے، چوریاں ہوجاتی تھیں، کوئی حفاظت نہیں تھی، لہذا ایسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کوئی کھاتا پیتا شخص بھی اثنائے سفر میں کسی بپتا اور مصیبت کا شکار ہوجاتا تھا اور یہ صورت آج بھی پیش آسکتی ہے.لہذا ایسے راہ گیر اور مسافروں کی بھی زکوۃ کے ذریعے مدد کی جاسکتی ہے.(۲) مصارف زکوۃ پر عمومی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کا مستحق یا تو اپنی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے ،فقیر،مسکین ، رقاب، ابن سبیل یا اس وجہ سے کہ عامۃ المسلمین کو اسکی ضرورت ہوتی ہے ، جیسے عاملِ زکوۃ ، غارم لاصلاح ذات البین، مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ. (۳) ان مصارف کی افادیت پر مولانا ابوالکلام آزاد نے جو روشنی ڈالی ہے وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے کہ ہم اُسے سمجھیں اور اسپر عمل پیرا ہوکر اپنے دین اسلام کے اس اہم رکن 'زکوۃ' کے مصارف کا صحیح مصرف حاصل کرسکیں:

> ''یہ آٹھوں مصارف جس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہوجائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب بھی یہی ہے.سب سے پہلے ان گروہوں کا ذکر کیا گیا جو استحقاق میں سب سے مقدم ہیں، کیونکہ زکوۃ کا مقصود انہیں کی اعانت ہے، یعنی فقراء ومساکین.پھر اس گروہ کا ذکر کیا گیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا.اور اس اعتبار سے اُن کا تقدم ظاہر ہے،لیکن چونکہ اُن کا استحقاق بالذات نہیں تھا اس لیے اوّلین جگہ نہیں دی جاسکتی ، پس دوسری جگہ پائی ''العالمین علیھا '' پھر''المؤلفۃ قلوبھم'' کا درجہ ہوا کہ اُن کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لئے ضروری تھا.پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے ، جو نسبتاً مؤقف اور محدود تھے.پھر فی سبیل اللہ کا

---

(۱) مطیع الرحمٰن، قاضی محمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت (تعلیمات نبوی کی روشنی میں) بسلسلہ مقالات سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۳۸۱-۳۸۲

(۲) احمد، ڈاکٹر اسرار،'قرض اتارو، ملک سنوارو، سکیم میں زکوۃ کی رقم کا استعمال،ماہنامہ، میثاق، مدیر مسئول، ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، جلد،۴۶، شمارہ۳، مارچ ۱۹۹۷ء/ص:۷۹

(۳) اصلاحی ، عبدالعظیم ، مصرف زکوۃ 'فی سبیل اللہ' کی تفسیر وتحدید قرآن مبین سے، علوم فی القرآن- تحقیقی مقالات، مرتبہ رانا محمد اقبال، حیدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۷۰

مقصد رکھا گیا کہ مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہوگئی ہوں یا کم ہوگئی ہوں یا مقتضیات وقت نے انکی اہمیت کم کردی ہو یا مال زکوۃ کی مقدار بہت زیادہ ہوگئی ہو تو ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے. جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں. سب کے آخر میں ابن السبیل کی جگہ ہوئی، کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔"(۱)

بعض مفسرین نے اسکے برعکس رائے اپنائی ہے:

'زکوۃ کے چار مصارف- فقراء، مساکین، عاملین اور مؤلفۃ القلوب کا ذکر حرف جر لام (ل = لئے) کے ذریعہ آیا ہے. **انما الصدقات للفقراء والمساکین والعالمین علیها و المؤلفة قلوبهم** - اور باقی چار-رقاب، غارمین، سبیل اللہ اور ابن السبیل - کا فی (میں) کے ذریعہ - **وفی الرقاب والغارمین و فی سبیل الله وابن السبیل** - لام استحقاق وتملیک کے لیے آتا ہے اور فی میں ظرفیت کے معنی ہوتے ہیں.

چنانچہ اس فرق کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے چار کے لیے زکوۃ یوں خرچ کی جاتی ہے کہ وہ اس کے مالک بن کر اس میں تصرّف کرتے ہیں. اور باقی چار پر زکوۃ یوں خرچ ہوتی ہے کہ وہ اسکے مالک نہیں بنتے بلکہ اُن کو اسکی منفعت ملتی ہے.(۲) آخیر میں ہم پھر زکوۃ کے مصارف کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا قولِ مبارک دوبارہ ذکر کرتے ہیں، کہ جسمیں آپ ﷺ نے ان مصارف کی قیدو بندی کی حد بتلائی اور ہمیں اسکے صحیح استعمال کا طریقہ سکھلا دیا:

'ان الله لم يرض بحكم نبی ولا غيره فی الدصقة حتی حكم هوفيها فجزاها ثمانة اجزاء فان كنت من تلك الاجزاء اعطيتك حقك " (۳)

'صدقہ وزکوۃ کی تقسیم میں اللہ تعالی نے کسی نبی وغیرہ پر فیصلہ نہیں چھوڑا بلکہ اسکا اسنے خود فیصلہ کی ہے اور اُسے آٹھ خانوں میں تقسیم کیا ہے اب اگر تم ان میں سے ہوگے تو میں تمہارا حق دوں گا، پس اب اس میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوسکتا جو ان آٹھ قسموں سے الگ کوئی چیز ہو.

---

(۱) آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد۲، دہلی ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۹ء/ص:۳۱۷-۳۱۹؛ بحوالہ علوم فی القرآن-/ص۷۲

(۲) الشوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر، المجلد ۲، ص:۲۷۳، بدون مقام، دار الفکر، بدون تاریخ / بحوالہ علوم فی القرآن-/ص:۷۳

(۳) ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، ج۱، دہلی کتب خانہ رشیدیہ ۱۲۰ھ/ص:۲۳۰؛ مزید بحوالہ: علوم فی القرآن-/ص:۷۸

حاملینِ زکوۃ پر نصابِ زکوۃ کا تعین:

زکوۃ بذاتِ خود ایک معاشرتی فلاح کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک ایسا عمرانی پہلو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، کہ اس سے تمام دنیا کے تمام خطوں میں مسلمانوں کے معاشی و معاشرتی تکالیف کا ازالہ ممکن ہو جاتا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ یہ ایک بات تو یہ کہ یہ نظام تا حیات مسلم معاشرے کی اقتصادی نگہبانی کا ایسا ذریعہ ہے جسکی صحیح ادائیگی کے باعث کسی مسلم ملک کو غیر مسلم ممالک سے قرضے حاصل کرنے کے لیے کشکول پھیلانے کی کبھی ضرورت نہ پڑے۔ زکوۃ کا رکنِ دین ہونا خود ایک ایسی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم ہونے کا اظہار ہے، جسمیں کوئی انسان یہ دعواع نہیں کر سکتا کہ وہ دنیا میں انسانیت کا ہمدرد ترین شخص ہے۔ ماسوائے آپ محمد ﷺ کے کہ جنکے باعث ہمیں یہ دین حاصل ہوا۔ دوسری بات یہ کہ زکوۃ کی مد سے مسلم معاشرے کی خوشحالی کا سلسلہ نا ختم ہونے والا ہے۔ کیونکہ سالانہ زکوۃ ادا کرنا، قیامت تک کے غرباء و مساکین کی پرورش کرنے کا موجب ٹھہرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ زکوۃ کے احکامات پچھلی آسمانی کتب میں آ چکے تھے، جسمیں چھابین سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی مدّت و نصاب کا تعین کا کوئی اندازہ نہیں، جس سے یہ گمان غالب آتا ہے کہ اُس زمانہ میں ایسی کوئی قید و بند وقت و نصاب کے اعتبار سے نہ ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہم اپنی اس بات کی تائید میں ڈاکٹر نیازی صاحب کے اس جملے کو من وعن پیش کر رہے ہیں:

> 'زکوۃ کے احکام تورات اور انجیل میں بھی موجود ہیں، لیکن ان میں مدّت مقرر نہیں تھی، جیسے اسلام میں ایک سال کی مدّت مقرر ہے۔'(۱)

حاملینِ زکوۃ:

حاملین زکوۃ سے مراد وہ افراد ہیں جن پر شرعی اعتبار سے زکوۃ ادا کرنا فرض ہو جاتی ہے، جسکی وجہ انکے قبضے میں ایک خاص تناسب سے مال و اسباب کا موجود ہونا یا اس پر بچت ہونے کی کوئی صورت ہونا پائی جائے۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ شخص مسلمان، عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔

---

(۱) نیازی، ڈاکٹر لیاقت علی خان، جدید دور کے مسائل اور انکا حل قرآن اور سیرت طیبہ کی روشنی میں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء/ص:۱۳۸

نصابِ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے نصاب سے مراد، وہ مقررہ مال کی ایسی مقدار ہے جو کسی خاص تناسب سے شریعت نے مقرر کردی ہو، جن اموال ظاہرہ اور باطنہ پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے انمیں ایسا نہیں کہ ہر قلیل وکثیر پر زکوٰۃ فرض کردی جائے. بلکہ ان کے لئے نبی اکرم ﷺ نے خاص مقدار مقرر فرمائی ہے جسے اصطلاح فقہاء میں نصاب کہتے ہیں. چند اموال کا نصاب درج ذیل ہے؛ جن کو وصولی کے اعتبار سے زکوٰۃ ہی کہا جاتا ہے:

۱- **چاندی** : چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے جس کا وزن ہمارے مروجہ اوزان کے اعتبار سے ۵۲ تولے چھ ماشے اور ۵ رتی ہوتا ہے، جو ۶۱۲ء۳۲ گرام کے برابر ہے اسکو موجودہ قیمت مروجہ سکوں میں بنا کر اسپر ۲/۱-۲ (ڈھائی) فیصد لازم ہوگا.

۲- **سونا**: سونے کے لئے ۲۰ مثقال کا نصاب مقرر کیا گیا ہے، جو ہمارے پاکستانی اوزان کے مطابق ۷ تولے وار چھ ماشے ہوتا ہے، جو ۸۷ء۴۸ گرام کے برابر ہے اور اسکی قیمت بھی مروجہ سکوں میں اندازہ کرکے اسپر ۲/۱-۲ (ڈھائی) فیصد لازم ہوگا.

۳- **اموال تجارت** : تجارت کے لئے جو مال خریدا جاتا ہے اور اسکی قیمتا وراس کے نفع اور نقصان کا بالکل صحیح اندازہ مروجہ سکوں میں کیا جاتا ہے پھر اس ساری رقم سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس سے کتنے تولے چاندی خریدی جاسکتی ہے، چاندی کا صحیح اندازہ مقرر کرکے اسپر زکوٰۃ مقرر کی جاتی ہے .گویا اموالِ تجارت کا نصاب بھی یہی سونے اور چاندی کا نصاب ہوگا.(۱)

۴- **نقد روپیہ پر زکوٰۃ** : اگر روپیہ ضرورت سے زائد گھر میں یا بینک میں پڑا ہے اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اسکی شرح ۲/۱-۲ (ڈھائی) فیصد ہے.

۵- **کارخانوں کے اموال** : کارخانوں کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ تھی، باقی سامان پیداوار کا سالانہ نفع ونقصان وغیرۃ کا صحیح حساب کرکے اسپر ۲/۱-۲ (ڈھائی) فیصد کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی. کمپنیوں کے حصہ داران اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ الگ الگ دیں گے.

۶- **مواشی پر زکوٰۃ** : ان مسائل کی تفصیل کا اندارج ہمارا موضوع مقالہ بھی نہیں ہے، صرف اتنا ضرور بتاتے چلیں کہ اونٹ کا نصاب ۵ ہے، گائے بھینس کا ۳۰ اور بھیڑ بکری کا ۴۰ ہے، انمیں سے ہر ایک مویشی اتنی تعداد کے ہوں یا زیادہ ہوں اُن پر سال کے بعد زکوٰۃ لاگو ہوگی.

---

(۱) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظام انشورنس اور اسلام کا نظام کفالتِ عامہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء/ص:۱۲۴ بحوالہ مفتی محمد شفیع، قرآن کا نظام زکوٰۃ، ص ۲۲، ۲۳، ادارہ المعارف، کراچی ۱۹۶۳ء

نصابِ عُشر :

اسکے بعد آنے والی مد پر زکوۃ کے بجائے عُشر کہتے ہیں :

۷- **زمینی پیداوار پر زکوۃ** : زمینی پیداروار کی زکوۃ کا دوسرا نام عُشر ہے. جس زمین کی پیداوار سے عُشر لیا جائے گا اُسے "عُشری زمین" کہتے ہیں. عشری زمین کی تفصیل یہ ہے کہ وہ زمین جو مسلمان قوم کی ہو مجاہدین اور غانمین (یعنی غنیمت حاصل کرنے والے اشخاص) کے حصّہ میں آئی ہو. وہ بنجر زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو اور وہ زمین جو کسی ذمّی کی موت کے بعد مسلمان کے قبضہ میں آئی ہو. اگر عشری زمین دریا، ندی، نالے اور تالاب وغیرہ سے سیراب ہو یا بارانی زمین اور محض بارش کے رحم وکرم پر ہو. اس کی پیداوار سے ۱/۱۰ حصّہ لیا جائے گا. عشر کے وجوب میں قرآنِ مجید میں نص صریح وارد ہوتی ہے: (۱)

'واتو احقہ یوم حصادہ' (۲) یعنی اور فصل کی کٹائی کے وقت اسکا حق پیداوار ادا کرو.

امام قرطبیؒ نے حضرت انس بن مالک و ابن عباس، حضرت طاؤس رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ زکوۃ ہے جو مزین کی پیداوار پر فرض ہوتی ہے. ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

'یاایّھاالذین آمنوا انفقوا من طیّبت ماکسبتم وممّا اخرجنا لکم من الارض'

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ تم پاکیزہ مال (بذریعہ تجارت وصنعت) کماتے ہو اسمیں سے خرچ کرو اور اسمیں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا (اناج وغیرہ کی صورت میں).(۳)

تقسیم زکوۃ وعشر کا ایک اور پہلو تقسیم بلحاظِ علاقہ ہے، اسلام کے دورِ اوّل کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف علاقو کے عاملین/گورنر زکوۃ وصول کرتے اور وہیں خرچ کردیتے. البتہ اگر بچ جاتی تو دارالخلافہ میں امیر المؤمنین کے پاس بھیج دیتے. ابو عبیدؒ کتاب الاموال میں عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے عمالِ زکوۃ کو حکم دیا کہ وہ استطاعت نہ رکھنے والوں کے قرضہ ادا کریں. اُنکی شادی کے اخراجات برداشت کریں اور نادار غیر مسلم افراد کی ساری ضرورت پوری کریں. (۴)

---

(۱) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس اور اسلام کا نظام کفالتِ عامہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء/ص: ۱۲۷

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الانعام/۷: ۱۴۲

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ - ایضاً/ص: ۱۲۸

(۴) محمد ایوب، پاکستان میں نظامِ زکوۃ وعشر کی اصلاح کے لئے تجاویز ومنصوبۂ عمل، بحوالہ مدیر، حسین، حافظ غلام، سہ ماہی منہاج، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جلد ۱۰، شمارہ ۱-۲ جنوری و اپریل ۱۹۹۲ء/ص: ۴۵۴

نصابِ عشور یا ٹیکس:

عشور سے مراد ایک ایسا ٹیکس ہے جو مالِ تجارت پر مملکت کی حدودِ سرحد میں داخل ہونے والے تجار سے محصول وصول کیا جاتا تھا.ایران وروم کی تاریخی سلطنتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر اُن کی سرحد میں مالِ تجارت لے کر داخل ہوتا تو وہ اُس سے مقررہ محصول (ڈیوٹی) لیا کرتے تھے .اور اگر وہ سال میں متعدد بار آمدورفت رکھتا تو ہر دفعہ اسی قدر محصول ادا کرنا پڑتا تھا.لیکن جب غیر مسلم اسبابِ تجارت لے کر اسلامی ممالک میں آتے تو وہ اس قسم کے محصول سے بری رہتے .اس طرح گویا مسلمانوں کو تجارتی خسارہ تھا اور غیر مسلم اس خسارہ سے محفوظ تھے.(۱) کہا جاتا ہے کہ یونان اور روم میں سب سے پہلے استعمال ہونے والی اشیاء پر ٹیکس لگایا گیا. درآمدی ڈیوٹی کو اندرونِ ملک بننے والے مال پر وصول ہونے والی ڈیوٹی پر ترجیح دی جاتی تھی. جنگ کے دنوں میں جائداد پر بھی عارضی طور پر ٹیکس عائد کر دیا جاتا تھا.پھر اسکا دائرہ کار جائداد کی خرید و فرخت تک وسیع کر دیا گیا . یونان اور روم میں آزاد اور غلام اور اسی طرح قومی اور غیر قومی باشندوں میں ٹیکس کے بارے میں امتیاز کیا جاتا تھا.(۲)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہوا. آپؓ نے مفصل روئداد سُن کر صوبوں کے عاملوں (گورنروں) کو تحریر فرمایا کہ تم بھی اموالِ تجارت پر اسی قسم کا ٹیکس لیا کرو.اور نہ صرف غیر مسلموں سے بلکہ جو مسلمان یا ذمّی بھی دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار کو جاری رکھتے ہیں، اُن سے یہ بھی محصول لیا جائے مگر جس شخص سے ایک مرتبہ وصول کر لیا جائے اندرونِ سال وہ کتنی ہی مرتبہ آمدورفت کا سلسلہ کیوں نہ جاری رکھیں دوبارہ اس سے نہ لیا جائے.(۳)

ٹیکس TAX بنیادی طور پر انگریزی کا لفظ ہے اور یہ اس رقم کے لئے استعمال ہوتا ہے ؛ جو حکومت کے چلانے کے لئے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کی جاتی ہے. اسکی وصولی ایک نظام کے تحت ہوتی ہے اور جن لوگوں پر ٹیکس عائد ہوجاتا ہے. اگر وہ وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کریں تو اُنکے خلاف باقاعدہ قانونی کاروائی کی جاتی ہے. موجودہ دور میں

---

(۱) سیوحاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن ، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۳ء/ص: ۱۲۵

(۲) بن محمد، مولانا فضل الرحمان، ٹیکس کی شرعی حیثیت، بحوالہ مدیر، حسین، حافظ غلام، سہ ماہی منہاج، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جلد ۱۰، شمارہ ۱-۲ جنوری و اپریل ۱۹۹۲ء/ص ۳۱۸

(۳) سیوحاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن ، اسلام کا اقتصادی نظام، /ص: ۱۲۵

ٹیکس کی عمومی دو صورتیں ہیں. ایک بالواسطہ **Direct** اور بلاواسطہ **Indirect** . بالواسطہ سے مورادوہ ٹیکس ہیں جو عوام الناس ادا تو کرتے ہیں لیکن اُنکو پتہ نہیں چلتا. جیسے پیٹرول ، بجلی ، گیس اور دوسری اشیاء کہ جن کی خرید وفرخت میں ٹیکس شامل ہوتا ہے اور جو ٹیکس کسی شخص کی ذاتی آمدنی اور کمائی پر عائد ہوتا ہے، اسکو بلاواسطہ کہا جاتا ہے.(۱)

اسلام سے پہلے کا ٹیکس۔ 'مکس' اب حرام ہے:

اسلام سے پہلے انسانی معاشر میں جو مختلف قسم کے ٹیکس رائج تھے اُنمیں ایک 'مکس' تھا. جو زمانہ جاہلیت میں لوگوں سے زبردستی لیا جاتا تھا. علاّمہ ابن منظور نے نقل کیا ہے:

'دراهم كانت تؤخذ من بائع السلع فى الاسواق فى الجاهلية' (۲)

یہ وہ درہم تھے جو جاہلیت کے زمانے میں بازاروں میں مال فروخت کرنیوالوں سے وصول کئے جاتے تھے.

ایسے شخص کے بارے میں سیّدالانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'ان صاحب المكس فى النّار' (۳) یعنی بے شک ٹیکس وصول کرنے والا جہنم میں ہوگا.

'لا يدخل الجنّة صاحب مكس يعنى العشّار' (۴) یعنی تجارتی عُشر وصول کرنے والا جنّت میں داخل نہیں ہوگا.

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں جو زبردستی ٹیکس جسے عام فہم زبان میں 'بھتہ' سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ دراصل 'مکس' ہی کی ایک شکل ہے اور جسکے بارے میں درج بالا وعید کا آجانا ، کافی ہے اس بات کے سمجھنے کے لئے کے یہ ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی وصولی ہے. جس میں یقیناً رشوت بھی ایک لعنت کی طرح سے ہمارے معاشرے میں سرائیت کرگئی ہے. اور اسی طرح حکومتی اداروں کی جانب سے کوئی ایسا ٹیکس جو سراسر ظلم پر مبنی ہو جیسا کہ ٹی وی لائسنس کی فیس وصول کرنے میں اسلامی شعار والی جگہوں، مسجد و مدرسہ کو بھی نہیں بخش رہا ہے، وہ مکس ہی ہے.

---

(۱) بن محمد، مولانا فضل الرحمان، ٹیکس کی شرعی حیثیت، بحوالہ مدیر، حسین، حافظ غلام، سہ ماہی منہاج، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جلد ۱۰، شمارہ ۱-۲ جنوری واپریل ۱۹۹۲ء/ص ۳۱۸

(۲) بن محمد، مولانا فضل الرحمان، ٹیکس کی شرعی حیثیت، بحوالہ مدیر، حسین، حافظ غلام، سہ ماہی منہاج، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جلد ۱۰، شمارہ ۱-۲ جنوری واپریل ۱۹۹۲ء/ص ۳۲۲ بحوالہ کتاب الاموال؛ ص:۳۶۹ ولسان العرب ج ۶ ص:۲۲۰

(۳) ایضا/ بحوالہ کتاب الاموال ص:۳۶۹؛ مسند احمد ج ۴ ص:۱۰۹

(۴) ایضا/ بحوالہ الفتح الربانی ج ۱۷

اسلام میں ضرائب کی گنجائش ہے:

اسلامی حکومت کی آمدنی عام حالات میں اس قدر ہوتی ہے کہ اس سے محتاجوں کی کفالت ہوتی رہتی ہے. مگر بعض اوقات ایسے ناخوشگوار اور غیر متوقع حالات پیش آتے ہیں؛ مثلاً زمانہ جنگ، قحط، سیلاب، آسمانی آفات کی وجہ سے موسمی بے روزگاری، وباء عام وغیرہ؛ جب کہ عام رفائیت اور کفالت کے لئے زکوۃ، صدقات وغیرہ کافی نہیں ہوتے تو ان حالات میں حکومت اغنیاء اور اہل ثروت پر 'عوامی بہبود' ٹیکس عائد کرسکتی ہے. اس قسم کے ٹیکس کا نام 'ضرائب' ہے. لیکن ضرائب سے مراد وہ ٹیکس نہیں ہیں جنھیں آج کل کی حکومتیں اپنے اراکین کی آسائش اور مفاد کے لئے عائد کرتی ہیں، جو سراسر انصاف اور عدل کے اصولوں کے خلاف ہے. علامہ ابن حزمؒ نے فقراء کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے: اگر بیت المال کا اثاثہ اور مال فئے فقراء اور اہل حاجات کی معاشی ضروریات کو پورا نہ کرسکیں تو خلیفہ اہلِ ثروت پر مزید ٹیکس عائد کرکے اُن کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے. اور اگر اہل دول اس سے انکار کریں تو 'یجبرهم السلطان علی ذالك' یعنی سلطان انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے، وہ مزید فرماتے ہیں: 'واتِ ذالقربی حقه والمسكين وابن السّبيل' (۱) یعنی اور تم قرابت داروں، مسکین اور مسافروں کا وہ حق ادا کرو جو تم پر واجب ہے، اپنی عمومیت کے ساتھ اس ٹیکس کی دلیل بن سکتی ہے اور یہ آثارِ صحابہ اسکی تائید کرتے ہیں:

عن علی ابن ابی طالب يقول : " ان الله فرض علی الاغنياء فی اموالِ هم بقدر ما يكفی فقراء هم فان جاعوا اورعروا او جهدوا فبمنع الاغنياء ." (۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں! یقیناً اللہ تعالی نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کردیا ہے جس قدر کہ اُنکے فقراء کی کفالت کرسکے پس اگر فقراء بھوکے ننگے اور خستہ حال ہیں تو اسکا سبب یہی ہے کہ اغنیاء اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں.

'وعن ابن عمرؓ ؛ انه قال فی مالک حق سوی الزكوة ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تیرے مال میں زکوۃ کے سوا بھی اجتماعی حقوق ہیں. یہ ٹیکس غرباء کی امداد کے علاوہ جہاد کے لئے بھی لگایا جاسکتا ہے دراصل اس ٹیکس کی وجہ ہنگامی صورتحال ہے. نبی اکرم ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اس قسم کی اعانت کی ترغیب دلاوی تھی، جس پر پر جوش طریقہ سے لبیک کہا گیا. (۳)

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ بنی اسرآئیل/۱۷:۲۶

(۲) غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس اور اسلام کا نظام کفالتِ عامہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء/ص:۱۴۲ بحوالہ: ابن حزمؒ؛ المحلی؛ ج۶، ص:۱۵۶

(۳) ایضا

نصابِ زکوۃ وعُشر کا خلاصہ:

علامہ حافظ ابن قیم جوزیؒ اپنی تصنیف 'زادالمعاد میں لکھتے ہیں :

''نبی ﷺ نے زکوۃ کے سلسلے میں مکمل طریقہ پیش فرمایا. اسکا وقت ، مقدار نصاب ، کس پر واجب ہے ، مصارف زکوۃ ان تمام چیزوں کو آپ ﷺ نے واضح فرمایا ہے . مال داروں اور مسکینوں کے فائدے کا آپ ﷺ نے لحاظ فرمایا ہے . آپ ﷺ نے زکوۃ کو مال اور صاحب مال کے لئے باعث پاکی بتایا ہے. نیز زکوۃ مال کی حفاظت اور اضافہ کا سبب ہے.'' (۱)

زکوۃ کی ادائیگی ہر سال ضروری ہے. پھل اور غلّہ جب بھی مکمل طور پر تیار ہوجائے اس میں زکوۃ واجب ہوجائیگی اور یہی قرین انصاف ہے. کیونکہ ہر ہفتہ یا ہر مہینہ زکوۃ ضروری قرار دینے میں مال کے مالکوں کا نقصان ہے اور پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ادائیگی میں مسکینوں کا نقصان ہے. پھر شریعت نے مال کے حصول میں آسانی یا محنت کے لحاظ سے زکوۃ میں واجب ہونے والی مقدار میں کمی بیشی رکھی ہے. چنانچہ مجموعی طور پر اتفاق سے حاصل ہوجانے والے مال مدفون (رکاز) میں پانچواں حصہ واجب ہے اور سال گزرنے کی شرط نہیں ہے. اسی طرح زیادہ مشقت سے حاصل ہونے والی یعنی بارش سے سیراب ہونے والی زمین کے غلّے اور پھل میں دسواں حصہ واجب ہے. لیکن جسے انسان خود سینچے اسمیں بیسواں حصہ ؛ جس مال میں مالک کی مسلسل کوشش اور تگ ودود کے بغیر اضافہ ممکن نہیں اسمیں چالیسواں حصہ واجب ہے.(۲)

لہذا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عاقل ، بالغ مسلمان مرد وزن اگر وہ صاحب نصاب ہوں تو اُن پر زکوۃ واجب ہے. یتیم کے مال کی زکوۃ اسکے ولی کے ذمہ ہے ، مجنون اور فاتر العقل کے مال کی زکوۃ اسکے ولی کے ذمہ ہے ، اور اسی طرح جو شخص قید میں چلا جائے اس پر زکوۃ ساقط نہیں ہوتی ، اسلئے قریبی رشتہ دار کے ذمہ واجب ہے کہ وہ ادا کریں. اور مسافر خواہ اپنے سفر میں کتنا ہی دور ہو اُسپر زکوۃ واجب ہونے کی صورت میں ساقط نہ ہوگی بلکہ ادا واجب رہے گی ، چاہے وہ مقامِ منزل پر پہنچ کر اداء کرے یا دورانِ سفر.

---

(۱) ترمذی، ڈاکٹر خالد محمود، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں؛ مقالات سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص ۳۶۶

(۲) ایضا/ص:۳۶۶

زکوۃ ادا نہ کرنے والوں پر قرآن وحدیث کی وعیدیں:

قرآنِ پاک میں بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں سے متعدد آیات دوسری فصل میں یعنی مال خرچ نہ کرنے کی وعید میں گذر چکی ہیں. جن کے متعلق علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ زکوۃ ادا نہ کرنے میں ہیں. اور ظاہر ہے کہ جتنی وعیدیں گذری ہیں وہ زکوۃ ادا نہ کرنے پر جب کہ زکوۃ بالاجماع فرض ہے. بطریقِ اولی شامل ہونگی چنانچہ:-

"والذین یکنزون الذهب و الفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم o یوم یحمی علیها فی نارِ جهنّم فتکوی بها جباههم و جنوبهم و ظهورهم ط لهذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون o " (۱)

جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ (ﷺ) اُنکو بڑے دردناک عذاب کا خوش خبری سنا دیجئے وہ اُس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے، چاندی کو) اوّل جہنّم کی آگ میں تپایا جائے گا. پھر اُن لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائیگا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کرکے رکھا تھا. اب اسکا مزہ چکھو جس کو جمع کرکے رکھا تھا.

یہاں پر 'کنز' سے مراد وہ مال ہے جو جمع کرکے بخالت کے باعث جمع کیا جاتا ہے. سونے چاندی کے متعلق علماء کرام نے بڑی فصاحت سے بیان فرمایا ہے کہ 'سونا اور چاندی تو اللہ پاک نے بنائے ہیں گردش کے لئے اور اقتصاد کی روح یہ ہے کہ سونا چاندی اور دولت گردش میں ہو تو معاشرے میں معاشی بحران پیدا نہ ہوسکے گا استحصال بھی نہ ہوگا. اب اگر سونے اور چاندی کے برتن بنائے گئے اور اس سے چارپائی (جیسا کہ پچھلے زمانوں میں بادشاہوں کے تخت) تیار کی گئی ہیں کسری اور قیصر تو اس اسراف اور عیاشی کے باعث وہ تباہ ہوگئے تو اسکے ساتھ زوال آتا ہے. اسلئے اسلام نے ابتداء ہی سے لوگوں کو منع کررکھا ہے ان تکلفات اور تعیشات سے کہ انسان اسکا غلام نہ بن جائے.' (۲) شیخ الحدیث مولانا ذکریاؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور متعدد صحابہ کرامؓ سے نقل کیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ میں خزانہ سے مراد وہ مال ہے جسکی زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو. اور جس کی زکوۃ ادا کردی گئی ہو، وہ خزانہ نہیں ہے. حضرت ابنِ عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ حکم زکوۃ کا حکم نازل ہنوے سے پہلے تھا جب زکوۃ کا حکم نازل ہوگیا تو حق تعالی شانہ نے زکوۃ ادا کردینے کو بقیہ مال کے پاک ہوجانے کا سبب قرار دیا. (۳)

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ توبہ/ ۹: ۳۴-۳۵

(۲) الحق، سمیع، اسلام کا نظام اکل وشرب اور شریعت کا فلسفہ حلال وحرام، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، س ن/ ص: ۲۰۲

(۳) ذکریا، شیخ الحدیث مولانا محمد، فضائل صدقات، مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان، س ن/ ص: ۱۵۷

دوسری اور سخت ترین وعید میں قرآنِ کریم کی یہ آیت آئی ہے:

"ولا یحسبن الذین یبخلون بمآاتھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم ط بل ھو شر لھم ط سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ ط وللہ میراث السموٰت والارض ط واللہ بما تعملون خبیر o" (۱)

ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بُخل کرتے ہیں جو اُن کو اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بات (یعنی بخل) اُن کے لئے کچھ اچھی ہوگی، ہرگز نہیں بلکہ یہ بات اُن کیلئے بہت بُری ہوگی اسلئے کہ وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس کے ساتھ بُخل کیا تھا۔ اور آخر میں آسمان و زمین اللہ ہی کا رہ جائے گا اور اللہ تمہارے سارے اعمال سے باخبر ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ کافروں کے بارے میں اور اُس مومن کے بارے میں جو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بُخل کرتا ہو، نازل ہوئی ہے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ مال میں سے جب اللہ جل شانہ کے حقوق ادا نہ ہوتے ہوں تو وہ مال گنجا سانپ بن کر قیامت میں اسکے پیچھے لگ جائے گا اور وہ آدمی اس سانپ سے پناہ مانگتا ہوا ہوگا۔(۲) اس بات کی دلیل میں حضور نبی اکرم ﷺ کی درجِ ذیل حدیث پیش کی جاتی ہے:

"عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من اتاہ اللہ مالا فلم یؤدِ زکوتہ مثل لہ مالہ یوم القیمۃ شجاعا اقرع لہ زبیبتان یطوّقہ یوم القیمۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ یعنی شدقیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک ثم تلا ولا یحسبنّ الذین یبخلون (الایۃ)". (۳)

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ جل شانہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا جو گنجا ہو اور اسکی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں پھر وہ سانپ اسکی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں، اسکے بعد حضور اقدس ﷺ نے اسکی تائید میں قرآن پاک کی آیت ولا یحسبن الذین یبخلون، تلاوت فرمائی۔

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ آلِ عمران/۳:۱۸۰

(۲) زکریا، شیخ الحدیث مولانا محمد، فضائل صدقات، مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان، س ن/ص:۱۵۴

(۳) ایضاً/ص: ۲۸۰ بحوالہ رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ وقد وری من مسند ثوبان و ابن مسعود و ابن عمر بمعناہ فی الترغیب

شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریاؒ اس حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ نماز پر جو ثواب اللہ جل شانہ کے یہاں سے ملتا وہ بھی نہیں ملے گا اگر چہ فرض ادا ہو جائیگا لیکن اسکے بعد جس حدیث کا ذکر آ رہا ہے وہ بیان کردہ قرآنِ کریم کی تشریح ہے:

'عن عبد الله بن مسعودؓ قال اُمرنا باقام الصلوة وایتاء الزکوة ومن لم یُزکّ فلا صلوة له' (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے کا اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے اور جو شخص زکوۃ ادا نہ کرے اس کا نماز بھی قبول نہیں۔

زکوۃ ادا کرنے کی ترغیب اور اُسکی حکمتیں:

زکوۃ ادا کرنے میں انسان چونکہ اپنے ہاتھ سے رقم خرچ کرتا ہے اسلئے دل سے اُس (مال) کی محبت جاتی رہتی ہے اور اگر وہ اس عمل کو زندگی میں بار بار نہ دھرائے تو مال کی محبت میں ذلیل ہوتا ہے، اشرفِ انسانیت کو ضائع کرتا ہے، زکوۃ ادار کرنے سے اُس بیماری کا علاج ہو جاتا ہے. اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کنرے کی ترغیب ہوتی ہے؛ انسان کی فطرت میں جمع کرنے کی خواہش ہے، خرچ کی نہیں، زکوۃ ادا کرنے سے اُس عادت کی اصلاح ہو جاتی ہے. مال انسانوں کی آپس کی محبت میں سب سے بڑی دیوار ہے، جنہیں زکوۃ دی جاتی ہے، جیسا کہ ترغیب دی گئی ہے کہ اقرباء کی پہلے فکر کرنی ہے، تو اگر وہ رشتہ دار ہوں تو حدیث نبوی ﷺ ہے" **لهما اجران اجر القرابة واجر الصدقة** " یعنی دھرا ثواب ہے زکوۃ ادا کرنے کا، اس اجر کے ساتھ رشتہ دار ہو یا اجنبی وہ بھی محبت کرن لگتا ہے. اور جو مال دوسروں کے حق کی وابستگی کی بنا پر آلودہ ہو جاتا ہے جب حقِ غیر ادا ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے، (۲) چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے" **لیطیب ما بقی من اموالکم** "یعنی زکوۃ اسی لیے ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائے. (۳)

---

(۱) رواه الطبرانی فی الکبیر، باسانید احدھا صحیح کذا فی الترغیب، بحوالہ ذکریا، شیخ الحدیث مولانا محمد، فضائل صدقات، مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان، س ن/ص:۲۸۲

(۲) ثانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد صلاح الدین، اسلامی نظمِ معیشت اور کفالتِ عامہ میں زکوۃ کی اہمیت، مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص: ۱۴۰-۱۴۱ بحوالہ: المسلم، باب فضل الصدقۃ علی الاقربین؛

(۳) ایضا/بحوالہ: مشکوۃ المصابیح کتاب الزکوۃ

نظامِ زکوۃ ادا کرانے کی حکومتی ذمہ داریاں :

اسلام نے معیشت کے استحکام کے لیے مال و دولت ، سونا اور چاندی کو گردش میں رکھنے کا مکمل بندوبست کیا ہے .
چنانچہ: "**کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم** "(۱) یعنی دیہ دولت تمہارے امیروں کے درمیان گردش کرتی نہ رہ جائے.
اس آیت میں معاشیات کی روح کی طرف اشارہ ہے .دولت کے معنی یہ ہیں کہ دولة گردش کو کہتے ہیں کہ مال وہ ہے جو گردش میں ہو، تاکہ کمیونزم اور سوشلزم کی لعنت اور سرمایہ داری جیسے عناصر جڑ نہ پکڑ سکیں.اس کے لیے یہ اصول بیان کئے گئے کہ یہ صرف سرمایہ داروں کے درمیان محصور ہو کر اُنکے بینکوں میں ذخیرہ نہ بنے.(۲) لہذا حکومتِ اسلامیہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس مد یعنی زکوۃ کی ٹھیک ٹھیک پیانہ پر وصولی کر کے اُن آٹھ مصارف میں سے جن کا ذکر آچکا ہے ، جو مصارف موجودہ وقت کے عین مطابق ہوں انہیں ، زکوۃ ادا کرانے کا بندوبست کروائے. یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زکوۃ ایک ٹیکس نہیں بلکہ ہر صاحبِ نصاب مرد وعورت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ایک معیّن مقدار فقراء ومساکین میں تقسیم کرے جو اُن کا حق ہے.(۳) یہاں صرف ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مملکت کی نگرانی کسی بھی شرعی مسئلہ پر عملدرآمد کرانے میں بہت زیادہ ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے.جیسا کہ نماز پڑھوانا اور مارکیٹوں کے کھولنے اور بند کرنے کے انتظامی امور وغیرہ.

شیخ محمد ابوزہرہ نے ایسے نظامِ مالیات کا خاکہ پیش کیا ہے، جسمیں زکوۃ کی صحیح تنظیم کی جاسکے.ملک ومملکت میں اور اسکے ہر علاقے میں ایسی انجمنیں ، ادارے اور بیت المال قائم کئے جائیں جو سرمایہ داروں سے اُنکی زکوۃ وصول کریں اور خود سرمایہ دار حضرات اہتمام سے زکوۃ نکال کر اس قسم کے اداروں تک پہونچائیں اور پھر اس سلسلہ میں حاصل ہونے والی تمام رقم حسبِ مصلحت وضرورت ، اُن لوگوں کو دی جائے جو زکوۃ کی مصرف ہوں ، زکوۃ دینے والے کی اجازت سے حسبِ مصلحت یہ رقوم بطور قرض بھی دی جاسکیں گی.(۴)

---

(۱) قرآنِ کریم ؛ سورۃ الحشر/۵۹:۷

(۲) الحق، سمیع، اسلام کا نظام اکل وشرب اور شریعت کا فلسفہ حلال وحرام، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، س ن/ص:۳۰۳

(۳) مطیع الرحمان ، قاضی محمد ، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں؛ مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص ۳۸۳

(۴) اسعدی ، مولانا محمد عبید اللہ ، سود کیا ہے؟ ، ادارۃ القرآن ، گارڈن ایسٹ کراچی ، جولائی ۲۰۰۲ء ، بحوالہ: شیخ محمد ابوزہرہ/ص:۲۷۰

زکوۃ ادا کرنے آداب:

چونکہ زکوۃ ادا کرنا ایک دینی فریضہ ہے اس لئے جن اشخاص پر زکوۃ فرض ہوا نہیں چاہیے کہ پورے ادب واحترام سے زکوۃ کے فریضہ کو ادا کریں، تاکہ اللہ کی رضاء حاصل ہو، اور قیامت میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی معیت بھی. اسکے لئے درج ذیل چند اشارات پر عمل پیرا ہوں تو یقینا مقصد حاصل کرنے میں انشاء اللہ کامیابی ہوگی:

۱- زکوۃ رضائے الٰہی کے لئے دی جائے.

۲- زکوۃ وخیرات پاک اور طیب مال سے اداء کی جائے.

۳- زکوۃ جس کو دی جائے اُس پر احسان نہ جتلایا جائے بلکہ محتاجوں اور حق داروں کا حق سمجھ کر اداء کیا جائے اور نہ صرف یہ بلکہ اُنکا ہم پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک اہم فریضہ زکوۃ کو پورا کرانے میں ہماری زکوۃ کو قبول کیا اور ہم پر سے یہ فریضہ پورا کروایا.

۴- زکوۃ اعلانیہ بھی دی جاسکتی ہے، تاکہ دوسروں کو تشویق یعنی ترغیب ہو، اور خفیہ بھی دی جائے تاکہ نمود ونمائش کی آلائش سے بچا جائے اور زکوۃ لینے والی کی عزت نفس مجروح نہ ہو.

۵- زکوۃ وخیرات اگر کوئی اقرب یا مستحق مصارف نظر نہ آئے تو بہتر ہے کہ بیت المال میں جمع کرادی جائے، لیکن اسپر مستحق کے ملنے کے انتظار میں وقت نہ گزرنے پائے.

۶- مستحقین میں تقسیم کرنا افضلیت ہے تاکہ غریب طبقہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے اور قوم مولمت کی تقویت کا باعث بن سکے.

۷- خیرات وزکوۃ ادا کرکے دل میں کسی قسم کی تنگی وتردّد نہ آنے دینا چاہئے. (۱)

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو صحیح مصارف میں اپنے خیرات وصدقات اداء کرنے کی توفیق عطاء فرمائے. اور جو حضرات اسکی کوشش کرتے ہیں، انکی اس کوشش کو قبول ومنظور فرمائے. (آمین)

---

(۱) مطیع الرحمان، قاضی محمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت تعلیمات نبوی کی روشنی میں؛ مقالات سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۱-۲۰۰۰ء، شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص ۳۸۳

دوسری فصل

تقابلی مطالعہ و امتیازات

ابتدائیہ:

مصارفِ زکوۃ اور اسکی اہمیت کا مطالعہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ تمام مصارف وہ ہیں جن کا پایا جانا ہر معاشرے میں لازمی ہے اور اگر غور کیا جائے تو غربت و افلاس کی یہی صورتیں بنتی ہیں. حکومت یا معاشرے کی جانب سے اپنی کفالت کے منتظر طبقات انہیں میں سے کسی طبقے سے تعلق رکھنے والے ہوں گے .دورِ جدید میں بھی غربت و افلاس اور مالی کفالت کے مستحقین کی کوئی ایسی صورت سامنے نہیں آسکی جو قرآن کریم کی ان بیان کردہ صورتوں سے ہٹ کر ہو. یہ قرآن مجید کا اعجاز تو ہے ہی، نبوی دعوت و نظام کا کمال و امتیاز بھی ہے.(۱) یہی وجہ ہے کہ اسلام نظامِ زکوۃ کے ذریعے معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرتا ہے.اور اس میں امدادِ باہمی کی روح کو جاری و ساری کردیتا ہے. جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصوّر بہت نیا ہے، لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصوّر پیش کیا اور زکوۃ کی شکل میں معاشرے کے کمزور اور مجبور انسانوں کی ضروریات کی فراھمی کی ضمانت دی. اسلامی حکومت نے ابتداء ہی سے اس نظام کو عملاً قائم کیا، آبادی کی مردم شماری کی ، ناداروں کے رجسٹر بنائے ،ضرورت مندوں کو سرکاری وظیفے دیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہوگیا کہ بقول مؤرخ طبری زکوۃ دینے والے تو سینکڑوں تھے مگر زکوۃ لینے والے نہ ملتے تھے.(۲)

غربت کے احترام کی سب سے افضل تعلیم اسلام نے دی:

حکیم سعید مرحوم فرماتے ہیں کہ دنیا میں صرف دو بڑے خاندان ہیں: ایک خاندان تو وہ ہے جسکے پاس سب کچھ ہے ،اور دوسرا خاندان وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے .ان دونوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور اسکی تصدیق بھی کی جاچکی ہے، یہ الفاظِ دیگر دولت کی فتح مندی اور غربت کی ذلت کے چرچے بہت ہو چکے ہیں.غربت ہر فن اور ہر پیشے کی جڑ ہے .غربت کوئی عیب نہیں .لیکن جیسا کہ ٹامس فلر نے کہا ہے 'غربت کی بناء پر شرمندہ ہونا عیب ہے' .غرباء ایک ایسا

---

(۱) عزیز الرحمان ،سید ، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں؛ مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۳۱۹

(۲) احمد، پروفیسر خورشید، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء ص:۴۳۸

طبقۂ شرفا پیدا کرتے ہیں جس کی بنیاد دولت و منصب پر قائم نہیں ہوتی. اس طبقے کے لوگ انتہائی حساس محتاط اور دلیر ہوتے ہیں. اُن میں سے ہزاروں گمنامی کا شکار ہو جاتے ہیں. صرف چند لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکا نام باقی رہ جاتا ہے. تاریخ کی انتہائی عظیم ہستیاں یعنی پیغمبرانِ دین انتہائی غریب لوگ تھے. خود ہمارے رسول پاک ﷺ نے غایت انبساط سے غریب آدمی کی تعریف کی اور فرمایا کہ میں ایک غریب آدمی کی طرح جینا چاہتا ہوں اور حشر کے دن بھی غریبوں ہی کے ساتھ اُٹھنا چاہتا ہوں.

معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: 'مؤمن کے لئے اس دنیا میں غربت ہی بخشش ہے'' مشکوۃ شریف میں لکھا ہے'' حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اے اللہ! میری زندگی ایک غریب آدمی کی طرح بسر ہو اور میری موت بھی ایک غریب آدمی ہی کی طرح ہو اور حشر کے دن جب اٹھوں تب بھی غریبوں ہی کے درمیان ہوں'. حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) یہ آخر کیوں؟ تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ 'یقیناً یہ لوگ امیروں سے چالیس برس پیشتر جنّت میں داخل ہوں گے. اے عائشہ کسی غریب کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دو، کچھ دے دو، خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو. اے عائشہ غریبوں سے محبّت کرو اور انہیں اپنے پاس آنے دو. کیونکہ قیامت کے دن اللہ تم کو اپنے قریب بلالے گا. اللہ قادرِ مطلق ان ہی کو غربت دیتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے. دولت مند لوگوں کے فرائض اور ذمّے داریاں بہت زیدہ ہیں، مثلاً انہیں زکوۃ دینی پڑتی ہے، جبکہ غرباء اس سے مستثنیٰ ہیں. غربت تمام فنون اور تمام پیشوں کی جڑ ہے. ترقی اور پیش قدمی کے لیے یہ رکاوٹ ہرگز نہیں. لہذا ہم سب کا فرض ہے کہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھیں جو غربت کے بارے میں بتائی جا چکی ہیں اور اُس کے جو حقوق اور رعایتیں ہیں انہیں بھی پہچانیں.(۱)

اسلامی تعلیمات کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ دین ہی کے سنوارنے کے لیے اس نے دنیا کے سنوار بنے کا حکم دیا تھا اور یہی انسانیت کی سب سے بڑی خدمت تھی، لیکن انسان کو محض دنیاداری کی ہوس میں گرفتار ہونے کے لیے بے راہ چھوڑ دینا جیسا کہ مغربی تمدّن نے کیا ہے، ظاہر ہے کہ دین تو دین اسکی وجہ سے لازم تھا کہ آدمی کی دنیا بھی بگڑ جائے اور دنیا کا یہی وہ بگاڑ ہے. جس میں آج مغربی ممالک مبتلا ہیں. جو کچھ ہے یہیں ہے آئندہ کچھ نہیں. اس عقیدے کا لازمی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے جو یورپ میں نکلا. ہر شخص ہر شخص کے تمام ذرائع صرف اپنے لیے خاص ہو کر رہ گئے دوسروں کے متعلق اس پر کوئی ذمہ داری نہ رہی بلکہ کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر زوروالے اپنا زور بڑھانے لگے اور اس راہ میں وہ اتنی دور تک چلے گئے کہ یورپ کے سامنے وہ 'معاشی عفریت' آ کھڑا ہوا جس کا نام سرمایہ داری کا نظام ہے.(۲)

---

(۱) سعید، حکیم محمد، مقالات شام ہمدرد، ہمدرد کمیٹی، کراچی، ۲؍۱۹۷ء/ص: ۳۰۴

(۲) یوسف الدین، محمد، اسلام کے معاشی نظریے، جلد اوّل، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، س ن/ص: ۱۴۸

Tyrannical capitalism expresses in word and deed the attitude that all things - science and craft, war and peace, government, society, and morals - exist to augment wealth.; The advanced collectivist schools say rather that all of these arise from wealth in its varous phases. Thus it is no exaggeration to say that both groups look upon wealth and its increase as divinity and creator; they express their essential agreement over this principle in two different wordings.(1)

درجہ بالا پیراگراف ہمیں بتا رہا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ جس کے لئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ''برصغیر کے مسلمانوں میں معاشی پس ماندگی کا آغاز مغلیہ دور کے خاتمے کے بعد سے شروع ہوا اور اسمیں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا.ایک عمومی سوچ یہ تھی کہ اسکی وجہ ہندو سود خور اور سرمایہ دار ہے''.(۲) پھر علامہ فرماتے ہیں :''یوں تو غربت ہندوستان کی ایک عمومی پہچان ہے تاہم مسلمانوں کی عمومی اقتصادی حالت زیادہ خراب اور ناگفتہ بہ ہے.شہروں کے عام غریب مسلمان انتہائی قلیل اجرت کے ساتھ انتہائی غلیظ اور ناقابل بیان حالات میں زندگی گزرانے پر مجبور ہیں جو بھوک سے جان تو دے دیتے ہیں لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے.قوم کی یہ پسماندگی کی وجہ فروعی اور ثانوی مسائل نہیں بلکہ یہ غربت ہے جو قوم کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے''.(۳) لہذا یہی وہ ام الخبائث ہے جس کی طرف قوم کے مصلحین کو سب سے پہلے توجہ دینی کی ضرورت ہے اور ان اسباب وعلل پر بھی جنکی وجہ سے قوم اقتصادی لحاظ سے تباہ ہوگئی.اس تباہی کے پیچھے بین الاقوامی قوتوں کا کتنا ہاتھ ہے اور کس حد تک اہل ملک کی اپنی خامیاں اور کوتاہیاں اس کی ذمے دار ہیں اس حوالے سے حکومت کا کیا کردار ہے؟ ان تمام امور پر گہرے غور و تدبر کی ضرورت ہے تا کہ اس تباہی کے اسباب کا تعین کیا جا سکے.(۴)

---

(1) Taleghani, Aytaullah Sayyid Mahmood,
Society and Economics in Islam, mizan Press Berkeley,1982/page-69

(۲) عزیز، ڈاکٹر فاروق، اقبال اور مسئلہ غربت، سہ ماہی مجلّہ 'اقبال' مدیر، ذوالفقار، پرفیسر ڈاکٹر غلام حسین، بزمِ اقبال، کلب روڈ لاہور، جلد ۵۴، شمارہ ۲، اپریل جون ۲۰۰۷ء/ص:۵۱ بحوالہ، کلیاتِ اقبال مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی، ص:۲۱۸

(۳) ایضا/ص:۵۰ بحوالہ، مقالاتِ اقبال، مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی، ص:۱۸۰

(۴) ایضا/ص:۵۱ بحوالہ، مقالاتِ اقبال، مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی، ص:۱۸۰-۱۸۲

اسلام میں غریبی سے مراد فقیری و بیگاری نہیں ہے:

گزشتہ صفحات پر آنے والی بحث سے قطعی یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ اسلام جس غریبی کی بات کررہا ہے، اُسکا مطلب یہ ہو کہ وہ فقیر، قلاش یا مسکین بن کر زندگی گزارے، بلکہ اس سے مراد تو یہ ہے کہ اسلام نے اپنے ہاتھ کی کمائی کرنے والے کو پسند اور محنت ومشقت نہ کرنے والے کو سخت ناپسند قرار دیا ہے:

عن المقداد بن معد یکرب قال قال رسول اللہ ﷺ ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یکل من عمل یدیه وان نبی اللہ داؤد علیه السّلام کان یکل من عمل یدیه (۱)

حضرت مقداد بن معد یکربؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کا بہترین رزق اسکے اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے. بے شک اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السّلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے روزی کماتے تھے.

اس حدیث کو انسان کے عمل وحرکت، جدوجہد اور سعی وکوشش کے سلسلے میں بینادی اہمیت حاصل ہے. اسمیں ہر شخص کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی تاکید کی گئی ہے اور کسبِ مال وطلب رزق کے لیے تگ ودو کی تلقین فرمائی گئی ہے. اسلام لوگوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ بے کار نہ رہو اور کسی پر بوجھ نہ بنو، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا اور دوسرے سے توقع رکھنا کہ وہ اسے کچھ دے اور اسکی مالی مدد کرے، اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے. اس سے انسانی شرف مجروح ہوتا ہے اور خودداریٔ نفس کو ٹیس پہنچتی ہے. وہ رزق جو انسان خود کما کرنہیں کھاتا اور محنت اور مشقت سے حاصل نہیں کرتا، وہ انسان کو ناکارہ بنادیتا ہے اور اسکی تگ وتازِ فکر وعمل کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے. (۲)

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گو مفکرین وطن مسلم یہ بات اچھی طرح سمجھتے اور جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کی وجوہات کیا ہیں، لیکن ایک ضروری محنت ومشقت وہ نہیں اٹھاتے کہ قرآن وحدیث کا مطالعہ خود بھی کریں اور اُسکے ماہرین 'وارث الانبیاء' یعنی علماء ومفتیان سے اسکی تربیت بھی حاصل کرلیں تو یقیناً وہ ایسے اقدام کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے کہ اسلامی ممالک میں کوئی یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ بھوک وافلاس کا علاج یہود ونصاری سے قرضہ لینے میں ہی ممکن ہے، بلکہ وہ بہت آسانی اور ایمانداری کے ساتھ نظامِ زکوۃ وخیرات سمیت ایسا بیت المال تیار کرا کے صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہ وقت دوبارہ لاسکتے ہیں کہ کہنے والے کہنے پر مجبور ہوجائیں کہ اس مملکتِ جمہوریہ اسلامیہ میں آج زکوۃ دینے والے تو ہیں لینے والا کوئی نہیں.

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب البیوع، یب کسب الرجل وعملہ بیدہ،

(۲) بھٹی، محمد اسحاق، ایک حدیث، بحوالہ المعارف، لاہور، شمارہ جولائی ۱۹۹۳ء، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، اص: ۵۷

دیگر اہل کتاب کے درمیان صدقہ، خیرات وزکوۃ کی اہمیت وطرزِ عمل

(الف) یہودیت

اسلامی تعلیمات سے اس جزئی مماثلت کے باوجود اسلام اور یہودیت کے نظامِ زکوۃ وصدقات میں ایک بڑا فرق یہ ملتا ہے کہ یہودیوں میں صدقات قبول کرنے اور اسکا نظام انتظام کرنے والا ایک مذہبی گروہ پایا جاتا ہے جسکی بنیاد خاص نسل ونسب اور اکابر سے انتساب پر ہے اور یہ منصب موروثی اور نسلی ہے۔ یہودی مصنف جی ایف مو اپنی کتاب جوڈازم میں لکھتا ہے: ''اس تنظیم (مذہبی امور کے لئے ٹیکس کی وصولیابی) کا بنیادی اصول یہود کے بنیادی قانون میں اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ زرعی پیداوار کا عُشر قوم لادی (لاویین) کو دیا جائے اور اسکا عشر دینی پیشواؤں کو دیا جائے۔'' اسکا قدرتی نتیجہ یہ نکلا جو ایسے مستقل اور موروثی طبقوں اور گروہوں کے پیدا ہو جانے پر نکلا کرتا ہے یعنی حد سے بڑھی ہوئی حرص، استحصال بالجبر اور دوسروں کی حق تلفی۔ جی ایف مور لکھتا ہے: ''۶۶ء (یہودیوں) کی بغاوت سے پہلے بڑے بڑے اونچے یہودی علماء طاقتور آدمیوں کی جماعت بھیج کر عشر کو خرمن ہی سے زبردستی وصول کر لیتے تھے۔ اور ان چھوٹے مذہبی پیشواؤں کو جو خاص طور اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے زدوکوب کرتے تھے۔''(۱) یعنی ایسے گھناؤنی عادات کی ابتداء ہی مذہبی پیشواؤں س ہوتو غرباء و مساکین کو جرائم پیشہ ہونے سے کون روک سکتا ہے۔ قرآنِ مجید نے یہود کے مذہبی رہنماؤں کے اسی مالی استحصال کی مذمت کی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

"ان كثيرا من الاحبارِ والرّهبان ليا كلون اموال النّاس بالباطل ط " (۲)

بے شک اہل کتاب کے بہت سے علماء ومشائخ لوگوں کے اموال ناجائز طریقوں سے کھاتے رہتے ہیں۔

اس مذہبی فریضہ کی ادائیگی میں یہودیوں کی مستعدی اور سرگرمی اور احساس ذمہ داری کا کیا حال تھا اور کہاں تک اس مذہبی فریضہ پر یہودیوں کے مختلف ادوارِ حیات میں عمل درآمد ہوتا رہا۔(۳) اسکو سمجھنے کے لئے پہلے یہود کے علماء کی اپنی سوچ وفکر کا اندازہ لگانا ضروری ہے کہ کس طرح اُنکے یہاں غرباء کو اچھوت تصوّر کیا جاتا ہے اور پھر گو کہ وہ شریعت کو لاگو کرنا چاہتے ہوں لیکن خلوصِ نیّت شامل نہ ہونے کے نتیجے میں کوئی حربہ کامیاب ہوتا نظر نہیں آتا:

---

(۱) الازہری، پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت'، تاج کتب خانہ، پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۰۶

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ التوبہ/۹:۳۴

(۳) الازہری، پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت' محولہ سابقہ/ص:۱۰۷

یہودیت میں غرباء کی حیثیت

بیران **Baron** نے اپنی کتاب یہویت کی زندگی **Jewish Life** میں سماجی بہبود کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

With developmentof village or urban civilization in the Diaspora, this transformation accelerated. Now the biblically and Talmudically mandated requirements of aid to the poor, comprised under the two headings of *Gemiluth Hasadim* (volutary acts of charity) and *Zedakah* (enforceable obligations of justice, became the resposiblity of special communal institutions.(1)

Psalm 24.1: "The earth is the Lord's and the fulness thereof" - that material resources are not the eclusive posession of any human owner but are goods bestowed by God and held in trust for him. for the rabbis, this supported the conviction that needy persons who call on the communtiy's assistance do so as a mtter of right, not charity. This belief is evidenced in a Talmudic story concerning a poor man who had visited Raba. The sage inquired what his guist usually had for dinner and the poower man replied. "Fatted Checken and Old wine". Surprised, Raba asked. "But do you not feel worried that you are a burden to the community?" To which the man replied, " Do I eat what is theirs? I eat what is God's". Although this story certainly exaggerates the reality of Jewish Charitable practices, it captures their underlying rationale. In rabbanic thing *Zedakah* was not a favour that might be withheld but an obligation of justice stemming from God's ownership and from his conditional bestowal of his property.(2)

---

(1) Green, Ronal M."Religion and Moral Reason"(a new method for Comparative Study), Oxford University Press, New York, 1988/p-173-with Reference: Discussionsof classical Jewish approaches to the issue of social welfare include Abrahams, Jewish Life; Baron, Jewish Community; Vol-2, ch.16.

(2) ibid/Kethuboth, tr. Samuel Daiches and Israel Slotiki, pt.3, Vols,3-4 of Babylonian Talmud, ed. E[stein (London; Soncino, 1936), 496, Maimonides-Book of Agriculture, treat 2 ch. 9,3. Kethuboth, 67b.

In the words of *Maimonides*, "Gifts to the poor are not benevolence but debts". Some commentators also drew from this the idea that welth is bestowed by God in order that it might be given away. In keeping with this idea, the poor exist partly to assist the spiritual advancement of the rich; so that if the poor need the support of the rich, even more do the rich need the poor to gain religious merit. With this idea we are on the threshold of a complex new way religious beliefs may be used to subvert ordinary notions of material entitlement. However desrved they may be, riches exist only to be transmuted into the higher religious merit of giving.(1)

---

(1) Green, Ronal M."Religion and Moral Reason"(a new method for Comparative Study), Oxford University Press, New York, 1988/p-173 with reference:Maimonides, Book of Agriculture treat,. 2, ch. 7, 10(quoted in Frisch, Historical Survey p.79). and This view is forcefully stated by Rabbi Meir in Baba Bathra, tr. Maurice Simon and Israel slotki, pt. 4, vols. 3-4 of Babylonian Talmud, ed. Epstein (Londo: Soncino, 1935), 10, a, A Similar idea is found in various Christian Writings. In the "She[herd of Hermas: Second Parable," the rich and poor arecompared to an elm and a vine, as being linked together in mutual need. (Glimm, Mrique, and Walsh, Apostolic Fathers, I, pp, 288-290.

توراۃ میں زکوۃ وعشر کے نصاب کا تعیّن موجود ہے:

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عُشر یعنی دسواں حصہ.

Here are the laws and commands that the LORD gave to Moses on Mount Sinai, for the people of Israel.

The Lord gave Moses the following regulations for the people of Israel. when a person has been given to the LORD in fulfilment of a special vow, that person may be set free by the payment of the following sums of money, according to the official standard:

-- adult male, 20 to 60 years old: 50 pieces of silver

-- adult female: 30 pieces of Silver

-- young male, 5 to 20 years old: 20 pieces of silver

-- young female: 10 peices of silver

-- infant male under 5 years: 5 peices of silver

-- infant female: 3 peices of silver

-- male above 60 years of age: 15 pieces of silver

-- Female above 60 years of age: 10 peices of silver

If the man who made the vow is too poor to pay the standard price, he shall bring the person to the priest, and the priest will set a lower price, according to the ability of the man to pay. (1)

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ: بنی اسرائیل سے کہہ کہ جب کوئی شخص اپنی منت پوری کرنے لگے تو منت کے آدمی تیرے قیمت ٹھہرانے کے موافق خداوند کے ہونگے۔ سو بیس برس کی عمر سے لیکر ساٹھ برس کی عمر تک کے مردکے لئے تیری ٹھہرائی ہوئی قیمت مقدس کی مثقال کے حساب سے چاندی کی پچاس مثقال ہوں.. .... پر اگر کوئی تیرے اندازہ کی نسبت کم مقدور رکھتا ہو تو وہ کاہن کے سامنے حاضر کیا جائے اور کاہن اُسکی قیمت ٹھہرائے یعنی جس شخص نے منت مانی ہے اُسکی جیسی حیثیت ہو ویسی ہی قیمت کاہن اُسکے لئے ٹھہرائے.(۲)

یہاں پر ہم اردو میں اشارۃ ترجمہ دے رہے ہیں، بقیہ حساب انگلش پیرے میں اوپر دیا جاچکا ہے.

---

(1) Old Testament; Leviticus 27:1-8 / Good News Bible -Today's English Version, United Bible Societies, London, 1980/p-130

(۲) کتاب مقدس، احبار/۲۷:۱-۸؛ بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۸۰ء/ص:۱۳۳

توراۃ میں مال کی زکوۃ کا نصاب مقرر ہے :

بیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے پر خواہ امیر ہو یا غریب آدھا مثقال سونا دینا واجب تھا.

No one may sell or buy back what he has unconditionally dedicated to the LORD, whether it is a human being, an animal, or land. It belongs permanently to the LORD. Not even a huyman being who has been unconditionally dedicated mya be bought back; he must be put to death.
One-tenth of all the produce of the land, whether grain or fruit, belongs to the LORD. If a man whishes to buy any of it back, he must pay the standard price [lus an additional twenty per cent. One out of every ten domesti animals belongs to the LORD. The owner mya not arrange the animals so that the poor animals are substitutions. If he does substitute one animal for another, then both animals will belong to the LORD and may not be bought back.
These are the commands that the LORD gave Moses on Mount Sinai for the people of Israel. (1)

تو بھی کوئی مخصوص کی ہوئی چیز جسے کوئی شخص اپنے سارے مال میں سے خُداوند کے لئے مخصوص کرے، خواہ وہ اُسکا آدمی یا جانور یا موروثی زمین ہو بیچی نہ جائے اور نہ اُسکا فدیہ دیا جائے. ہر ایک مخصوص کی ہوئی چیز خُداوند کے لئے نہایت پاک ہے. اگر آدمیوں میں سے کوئی مخصوص کیا جائے تو اُسکا فدیہ نہ دیا جائے. وہ ضرور جان سے مارا جائے. اور زمین کی پیداوار کی ساری دہیکی خواہ وہ زمین کے بیج کی یا درخت کے پھل کی ہو خُداوند کی ہے اور خُداوند کے لئے پاک ہے. اور اگر کئی اپنی دہیکی میں سے کچھ چھڑانا چاہے تو وہ اُسکا پانچواں حصّہ اس میں اور ملا کر اُسے چھڑالے. اور گائے بیل اور بھیڑ بکری یا جو جانور چرواہے کی لاٹھی کے نیچے سے گزرتا ہو اُنکی دہیکی یعنی دس پیچھے ایک ایک جانور خُداوند کے لئے پاک ٹھہرے. کوئی اسکی دیکھ بھال نہ کرے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا ہے اور نہ اُسے بدلے اور اگر کہیں کوئی اُسے بدلے تو وہ اصل اور بدل دونوں کے دونوں مقدس ٹھہریں اور اُسکا فدیہ بھی نہ دیا جائے. جو احکام خُداوند نے کوہ سینا پر بنی اسرائیل کے لئے موسیٰ کو دئے وہ یہی ہیں.(۲)

---

(1) Old Testament; Leviticus 27:28-30 / Good News Bible -Today's English Version, United Bible Societies, London, 1980/p-130

(۲) کتابِ مقدس، احبار/ ۲۷: ۲۸-۳۰؛ بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۸۹ء/ ص: ۱۲۳

توراۃ کے مطابق جان کا فدیہ بھی ضروری ہے:

Tax for the Tent of the LORD's Presence:

The LORD said to Moses, "when you take a census of the people of Israel, each man is to pay me a price for his life, so that no disaster will come on him while the census is being taken. Everyone included in the census must pay the required amount of money, weighed according to the official standard. Every one must pay this as an offering to me. Everyone being counted in the census, that is, every man twenty years old or older, is to pay me this amount. The rich man is not to pay more, nor the poor man less, when they pay this amount for their lives. Collect this money from the people of Israel and spend it for the upkeep of the Tent of my presence. This tax will be the payment for their lives, and I will remember to protect them". (1)

اور خُداوند نے موسیٰ سے کہا: جب تو بنی اسرائیل کا شمار کرے تو جتنوں کا شمار ہوا ہو وہ فی مردشمار کے وقت اپنی جان کا فدیہ خُداوند کے لئے دیں تا کہ جب تو اُنکا شمار کر رہا ہو اُس وقت کوئی وبا اُن میں پھیلنے نہ پائے. ہر ایک جو نکل نکل کر شمار کیے ہوؤں میں ملتا جائے وہ مقدس کی مثقال کے حساب سے نیم مثقال دے. مثقال بیس جیرہ کی ہوتی ہے. یہ نیم مثقال خُداوند کی نذر دے. جب تماری جانوں کے کفارہ کے لئے خُداوند کی نذر دی جائے تو دولتمند نیم مثقال سے زیادہ نہ دے اور نہ غریب اُس سے کم دے. اور تو بنی اسرائیل سے کفارہ کی نقدی لیکر اُسے خیمۂ اجتماع کے کام میں لگانا تا کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف سے تمہاری جانوں کے کفارہ کے لئے خُداوند کے حضور یادگار ہو..(۱)

اسکے علاوہ غلہ کاٹتے وقت گرا پڑا اناج کھلیان کی منتشر بالیں اور پھل والے درختوں میں کچھ پھل چھوڑ دیتے تھے جو مال کی زکوۃ تھی اور یہ عملاً ہر تیسرے سال واجب الادا ہوتی تھی یہ رقم بیت المقدس کے خزانہ میں جمع کی جاتی تھی، اسکا ساٹھواں (۶۰ واں) مذہبی عہدہ دار پاتے تھے. دسواں حصہ حضرت ہارونؑ کی اولاد (لاویین) قومی خاندانی کاہن ہونے کی حیثیت سے لیتی تھی اور ہر تیسرے سال میں سواں حصہ بیت المقدس کے حاجیوں کی مہمانی کے لئے رکھا جاتا تھا، اس مد سے عام مسافروں، غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کو روزانہ کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا تھا اور نقد آدھے مثقال والی زکوۃ کی رقم جماعت کے خیمہ یا مسجد بیت المقدس اور قربانی کے ظروف و آلات کی خریداری کے خرچ کے لئے رہتی تھی. (۳)

---

(1) Old Testament; Exodus 30:11-16 / Good News Bible -Today's English Version, United Bible Societies, London, 1980/p-91

(۲) کتاب مقدس، خروج/۳۰:۱۱-۱۶ ؛ بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۸۰ء/ص:۸۳

(۳) ایضاً/خروج/۳۰:۲۶-۳۸؛ بحوالہ الازہری، پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ یہودیت، تاج کتب خانہ، پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۰۳

یہودیت میں اسلام کے احکامات سے مماثلت ضرور ہے مگر؟

یہودی مذہب میں کسی نہ کسی درجہ میں خیرات وصدقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اقدار سے زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے. یہودیوں کی مقدس کتابوں میں مفت خواری اور خیرات پر گزارا کرنے کو بہ نظرِ استحسان نہیں دیکھا گیا ہے اور نہ ہی اسکی ہمّت افزائی کی گئی ہے بلکہ اسکے برخلاف غرباء کے طبقہ میں خود اعتمادی اور خودداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے. بنسرا کا کہنا ہے کہ ایک غریب انسان کا اپنی لٹھوں کی جھونپڑی میں رہنا دوسرے شخص کے مکان کے آرام وآسائش سے کہیں بہتر ہے. دربدر پھرنا ایک بڑی خرابی ہے. زکوۃ وخیرات کے فضائل اور اسکے دنیوی واخروی منافع کے متعلق بھی جو کچھ کہا گیا ہے وہ اسلامی تعلیمات سے زیادہ قریب ہے. خیرات کی انواع واقسام کی مثرت اسکے تصوّر میں وسعت اور ہر اس چیز پر اسکے حاوی ہونے کا عقیدہ جو کسی دوسرے آدمی کے لئے راحت رساں اور مسرّت بخش ہو. اسلامی تعلیمات اور قرآن و حدیث کی ہدایت سے مشابہ نظر آتا ہے. ان تعلیمات میں انسانی جذبات کی رعایت اور نازک احساسات کی جھلک بھی نظر آتی ہے. جن کا اعلی وارفع نمونہ اسلامی تعلیمات میں نظر آتا ہے. یہودی تعلیمات کے مطابق خیرات دہندہ کو اپنی آمدنی کا دسواں حصّہ (یعنی عشر) خیرات میں دینا لازمی ہے، لیکن پانچویں حصّہ سے زیادہ خیرات نہ دینا چاہئے. مبادا خیرات کا دینے والا خود خیرات کا طالب ہونے پر مجبور ہوجائے. خیرات کے حصول میں بوقت ضرورت حکومت کی مداخلت کی بھی اجازت دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ”بخیل لوگ جو کہ خیرات دینے سے انکار کریں یا جو اپنی حیثیت کے مطابق خیرات نہ دیتے ہوں انکو حکام کی طرف سے مجبور کیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو مجرم کو مارا جائے یہاں تک کہ وہ حکم کی تعمیل کرے اس طرح سے اسلام کی تعلیم کی طرح خیرات دینے والے کے خاندان کو اس سے مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے.(۱)

نیٹ پر موجود معلومات سے استفادۃ اٹھانے کے لئے ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے جسمیں چیریٹی اور اس سے متعلق مذہبی اصطلاحات کی تعریف بیان کی گئی ہیں:

---

(۱) الازہری، پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ 'یہودیت'، تاج کتب خانہ، پشاور، جولائی ۱۹۸۹ء/ص:۱۰۴

Rabbi Shraga Simmons is giving an Answer about the following question asked to him:
Question :What is the difference between Charity and Tzedakkah? Is there a difference? I grew up thinking that Tzedakkah was our responsibility as a Jew, a mitzvah to do. I did a little studying and found out in the Talmud that Charity is equal in importance to all the other commandments combined. My students ask me where is it better to give to tzedakkah or charity and why?

Answer : I can share with you some ideas from Rabbi Noah Weinberg, and I'll leave it to you to adapt it to your students. The Hebrew word "tzedakah" is commonly translated as "charity" or "tithe." But this is misleading. "Charity" implies that your heart motivates you to go beyond the call of duty. "Tzedakah," however, literally means "righteousness" -- doing the right thing. A "tzaddik," likewise, is a righteous person, someone who fulfills all his obligations, whether in the mood or not. The verse says: "Tzedek, tzedek you shall pursue" -- justice justice you shall pursue (Deut. 16:20). There's a basic human responsibility to reach out to others. Giving of your time and your money is a statement that "I will do whatever I can to help."

The Torah recommends giving 10 percent. (Hence the popular expression "tithe," meaning one-tenth.) The legal source is Deut. 14:22, and the Bible is filled with examples: Abraham gave Malki- Tzedek one-tenth of all his possessions (Genesis 14:20); Jacob vowed to give one-tenth of all his future acquisitions to the Almighty (Genesis 29:22); there are mandated tithes to support the Levites (Numbers 18:21, 24) and the poor (Deut. 26:12). Ten percent is the minimum obligation to help. For those who want to do more, the Torah allows you to give 20 percent. But above that amount is unrealistic. If you give too much, you'll come to neglect other aspects of your life. Of course, don't just impulsively give your money away. The Almighty provides everyone with income, but it comes conditionally: Ten percent is a trust fund that you're personally responsible to disperse. God is expecting you to spend His money wisely. (1)

---

(1) http://judaism.about.com/library/3_askrabbi_o/bl_simmons_charitytzedakah.htm ;

dated:10-08-2009

If you were running a humanitarian foundation, you'd make a thorough study of the best use of your money. It's the same with tzedakah. When you choose one project over another, you have to calculate why it is more effective than the other. Consider it the "Your-Name-Here Save the World Foundation." Put this money aside in a separate account. That way it will be available when the need arises. And it is a constant reminder of your obligation to help. There are so many possible projects: the poor, the sick, the uneducated, drug abuse, domestic violence, the homeless. Which one should you pick? Tzedakah begins at home. If your parents are hungry, that comes before giving to a homeless shelter. From there it is concentric circles outward: your community, then your country. (For Jews, Jerusalem and Israel are considered as one's own community, since every Jew has a share in the homeland.)

Once you've defined "who" to give to, what's the best method to do so? Maimonides lists eight levels of tzedakah in order of priority (Laws of Gifts to the Poor 10:7). Many people think the highest level is to give money anonymously. Actually there's an even higher level: helping a person to become self-sufficient. This includes giving him a job, or a loan to start a business.

This is the source of the Jewish concept of a free loan fund, called a Gemach. If you help someone start a business, he can feed himself and 10 other people besides. As the old saying goes: Rather than give him fish to eat, teach him to be a fisherman. This represents a higher level of Tikkun Olam, because now the fisherman can go out and help others. You've really fixed something.

There's actually one higher level of tzedakah: being sensitive to someone before he's in trouble. As the Sages explain: It takes one person to support something before it falls, but after it falls, even five people may not be able to lift it. (see Rashi, Leviticus 25:35) - (1)

---

(1) http://judaism.about.com/library/3_askrabbi_o/bl_simmons_charitytzedakah.htm ; dated:10-08-2009

مدینۃ النبی ﷺ کے یہودیوں کا اقتصادی غلبہ:

مدینہ منورۃ کے دورِ اوّل یعنی جب اسلام کی بنیاد جناب محمد ﷺ نے یثرب نامی مقام پر اسلام کی بنیاد ڈالی تو سب سے پہلے اس علاقے کا نام مدینۃ النبی ﷺ رکھا جس کے معنی 'نبی ﷺ کا شہر' ہے۔ اور اسکے بعد داخلہ پالیسی یعنی مہاجرین و انصار میں یگانگت و بھائی چارگی پیدا کر کے اسلام کے سپاہیوں کا حال مضبوط فرمایا، اسکے علاوہ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر اور صفہ یعنی پہلے اسلامی مدرسہ کا آغاز کرنے کے بعد جو سب سے اہم کام سرانجام دیا وہ مدینہ میں اور اسکے اطراف رہنے والے یہودیوں کے تین بڑے قبائل 'بنونضیر'، 'بنو قریظہ' اور 'بنو قینقاع' سے معاہدہ طے کیا جو تاریخ میں 'میثاقِ مدینہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جہاں تک یہودی قبائل کی معاشی حالت کا تعلق ہے تو مدینہ کے دوسرے طبقات کی بہ نسبت وہ کچھ بہتر تھی۔ ان میں سے بیشتر قبیلوں کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں۔ صرف تین اہم قبیلوں کے بارے میں اقتصادی شواہد ملتے ہیں۔ بنو قینقاع کا قبیلہ سب سے زیادہ طاقتور بھی تھا اور متمول بھی وہ تاجر تھے اور زرگری کا کاروبار کرتے تھے۔ (۱) ایک مستشرق مونٹگمری واٹ کا یہ خیال صحیح ہے کہ 'وہ غالباً اسلحہ ساز بھی تھے، مدینہ میں انکا ایک بڑا بازار تھا جو انہیں کے نام سے 'سوق بنی قینقاع' کہلاتا تھا'۔ (۲) سرمایہ دارانہ معیشت کا ایک لازمی تقاضا سودی کاروبار ہے اور اسمیں یہ تینوں یہودی طبقات پوری طرح سے ملوث تھے۔ مشہور روایت ہے کہ بنو قینقاع نے ۲ھ/۶۲۴ء میں اپنی شکست کے بعد مدینہ سے باہر نکالے جانے پر اور اسی طرح ایک سال بعد بنونضیر نے اپنی جلاوطنی پر مسلمانانِ مدینہ پر واجب قرض کی رقمیں بمع سود وصول کر لی تھیں۔ (۳) ایسے موقع پر جب کہ مسلمانانِ مدینہ سخت کسمپرسی اور غربت کا شکار تھے؛ وہاں صدقات و خیرات یا زکوۃ کی توقع کسی بھی یہودی قبیلہ سے کرنا غیر فہم تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو درج ذیل آیات سے تسلی دی:

"لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقير و نحن اغنياء سنكتب ما قالوا"۔ (۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں، انکے اس قول کو ہم لکھ لیں گے۔

---

(۱) صدیقی، ڈاکٹر محمد یسن، عہدِ نبوی ﷺ کے معاشی حالات، تحقیقاتِ اسلامی، ص:۲۳

(2) Watt, Mintgumri, Muhammad at Madinah, Oxford, 1956/p-23

(۱) صدیقی، ڈاکٹر محمد یسن، عہدِ نبوی ﷺ کے معاشی حالات، تحقیقاتِ اسلامی، ص:۲۳

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ آلِ عمران/۳:۱۸۱

یہود و نصاریٰ کے علماء مالِ خیرات و زکوۃ حق والوں تک نہیں پہنچنے دیتے:

پچھلے بیان سے مطابقت رکھتے ہوئے عرض ہے کہ صرف یہود ہی نہیں بلکہ نصاریٰ کے علماء بھی اس مرض تکبر کے ساتھ ساتھ اس بات کے عادی ہو چلے تھے کہ مالِ خیرات و زکوۃ کو حقداروں تک پہنچنے نہ دیتے یا پھر یہ مالِ حرام کے طور پر کھانے والوں کو اس بُرائی سے منع بھی نہ کرتے تھے. جیسا کہ قرآنِ کریم میں بیان ہوا کہ:

"لو لا ینھھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت ط لبئس ما کانوا یصنعون o وقالت الیھود یداللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا.... ". (۱)

انہیں انکے رہبر و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے، بے شک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں. اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انھی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول پر....

درجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود جو دولتمند اور سرمایہ دار ہونے کے باعث مدینہ کے علاقے پر قابض تھے، انہوں نے صدقات و خیرات سمیت زکوۃ اداء کرنے میں کوتاہی برتنا شروع کر دی تھی، جسکا بڑا سبب انکے رھبان تھے، جنہوں نے اپنے پیٹ کی خاطر اتنی بڑی قوم کو کفالتِ عامّہ کے فریضہ سے روکے رکھا اور یہی وجہ ہے کہ میثاقِ مدینہ میں حضور ﷺ نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اسمیں باوجود مسلمانوں کی غربت کے کسی بھی قسم کا یہود کی جانب سے مالی اعانت حاصل کرنے کا کوئی پہلو سامنے نہ رکھا. بلکہ خطبہ حجۃ الوداع پر آپ ﷺ نے کائنات کے تمام سود کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا.

اور پھر درجہ بالا آیت کی تشریح تو از خود عہد نامہ جدید میں مرقس کی انجیل سے واضح ہو جاتی ہے کہ:

''اور پھر اُس (داوٗد) نے اپنی تعلیم میں کہا کہ فقیہوں سے خبردار ہو، جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنا اور گر بازاروں میں سلام. اور عبادتخانوں میں اعلیٰ درجہ کی کُرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے ہیں. اور وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں. ان ہی کو زیادہ سزا ملے گی.'' (۲)

اس سے ثابت ہوا کہ صدقات و خیرات سمیت زکوۃ اداء کرنے کی سب سے زیادہ پابند جماعت اہل کتاب میں دین اسلام ہی ہے. آگے آنے والے نصاریٰ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات من و عن اہل کتاب کے احوال کی ترجمانی کرتی ہے.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ المائدہ/۵: ۶۳-۶۴

(۲) عہد نامہ جدید؛ مرقس کی انجیل/۱۲: ۳۸-۴۰

دیگر اہل کتاب کے درمیان صدقہ، خیرات و زکوۃ کی اہمیت و طرزِ عمل

(ب) عیسائیت

چونکہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے پیروؤں کے لئے کوئی مستقل اور فیصل قانون اور شریعتِ موسوی کے متوازی کوئی شریعت لے کرنہیں آئے تھے، (۱) اسلئے اسلام کے متوازی بھی کسی شرعی حکم نامہ کا صحیح پتہ تاریخ سے نہیں چلتا. عیسائیت کے پاس محض عہد نامہ جدید میں موجود معلومات انتہائی ناکافی ہیں، کیونکہ آج تک کی پوری عیسائیت عقیدہ تثلیث کے گرد گھوم کر اپنے وجود کو سمیٹ لیتی ہے. جس سے معاشرتی پہلوؤں میں کفالتِ عامہ کا اہم ترین تصوّر نا قابلِ شناخت بن کر رہ جاتا ہے. پھر بھی کوشش ہے کہ معاملہ کی تہہ تک پہنچا جائے.

> "حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پہاڑی وعظ میں اور دوسرے موقعوں پر خیرات دہی کے فریضے کو اتنے عزم و خلوص سے بیان کیا جیسا کہ علمائے یہود کیا کرتے تھے. اصل مذہب جس پر خُدا اور باپ کی نظر میں کوئی دھبہ نہیں ہے وہ یہ ہے.
> یتیموں اور بیواؤں کے پاس جانا اور اُنکے رنج و غم میں شریک ہونا اور اپنی ذات کو فخر و مباحات سے پاک رکھنا"(۲)

بنیادی طور پر بائبل میں "زکوۃ" کی تعلیمات کے لئے 'لفظِ زکوۃ' کو تلاش کرنے کی سعیٔ لاحصل کر ڈالی، جیسا کہ 'مضامین کتابِ مقدّس'، (۳) جیسی انڈیکس بھی شامل ہیں. جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظِ زکوۃ کے جیسا فریضہ یا تو دینِ موسوی سے جاری و ساری رہا ہوگا، یا پھر درجہ بالا پیراگراف میں بیان شدہ 'غرباء پر خیرات دہی کے فریضے' تک کی حد پر بات ختم ہو جاتی ہے. البتہ اس کتاب میں لفظِ 'خیرات' سے تمام مسائل کے حل ہونے کی صورت نظر آتی ہے.(۴)

---

(۱) قاسمی، پروفیسر رشید احمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں؛ مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس، ۲۰۰۱ء، شعبہ تحقیق و مراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:۲۵۳

(۲) ایضا/بحوالہ Encylopaedia of Religion and Ethics

(۳) مؤلفین، گرین فیلڈ، مس ایم، آر؛ اور ویسٹرن، ڈاکٹر آر، ایچ؛ 'مضامینِ کتابِ مقدّس'، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروزپور روڈ، لاہور، ۲۰۰۳ء

(۴) ایضا/ص:۱۰۸

عیسائیت میں خیرات وصدقات کی منظوری خُداوند کے اختیار میں ہے:

نیا اور پُرانا عہد نامہ دونوں ہی پیسہ دینے پر بہت زور دیتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ پیسے کے موضوع پر کلامِ مقدّس میں جو آیات ملتی ہیں اُن میں اکثریت پیسہ دینے والی آیات کی ہے. مختاری کے اِس پہلو کے بارے میں کلامِ مقدّس میں حکم، عملی تجاویز، مثالیں اور نصیحتیں دی گئی ہیں. بائبل میں ہر جگہ لالچ کی مذمّت اور سخاوت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے:(۱)

''میں نے تمکو سب باتیں کرکے دکھادیں کہ اس طرح محنت کرکے کمزوروں کو سنبھالنا اور یسوع مسیح کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اُس نے خود کہا 'دینا لینے سے مبارک ہے'.''(۲)

خیرات کی اہمیت پر مصنف ڈیٹن لکھتے ہیں کہ پیسہ دینے میں ہمارے رویّے کو بہت اہمیت حاصل ہے. کرنتھیوں میں لکھا ہے کہ:

''اور اگر اپنا سارا مال غریبوں کو کھلا دوں یا اپنا بدن جلانے کو دیدوں اور محبت نہ رکھوں تو مجھے کچھ بھی فائدہ نہیں''.(۳)

غریبوں کو سب کچھ دے دینا ایک احسن قدم ہے لیکن اگر یہ غلط نیّت سے کیا جائے یعنی بغیر محبت کے تو دینے والے کو اس سے کچھ فائدہ نہیں.(۴) ایک اور مصنف ایون وارن لکھتے ہیں کہ روپے پیسے کا تعلق خدا سے ہے. ''چاندی میری ہے، سونا میرا ہے، رب الافواج فرماتا ہے''.(۵) خُدا جس طرح آپ کی زندگی کے دیگر شعبوں میں شریک ہونا چاہتا ہے اُسی طرح مالیات کے شعبے میں بھی. بعض مسیحی شروع ہی سے اپنی کُل آمدنی پردہ یکی دیتے ہیں، گویا وہ یہ کہتے ہیں کہ روپیہ پیسہ خُدا کا ہے اور یہ ہمارے لئے اُسکی امانت ہے. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے بہم رسانی کے لئے اس پر مکمّل اعتماد کرتے ہیں. یہ طریقہ پرانے عہدنامہ سے شروع ہوا اس سے خُدا کے لوگ اقرار کرتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے خدا کا دیا ہوا ہے اور اُسے خُدا کے جلال کے لئے استعمال کرنا ہے.(۶)

---

(۱) ڈیٹن، ہاورڈ، ترجمہ: سنگھ، وکلف، اے، 'آپ اور آپکا پیسہ' ایم، آئی، کے، ۳۶، فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء/ص:۹۹

(۲) عہد نامہ جدید، رسولوں کے اعمال/۲۰:۳۵

(۳) عہد نامہ جدید: کُرنتھیوں/۱۳:۳

(۴) ڈیٹن، ہاورڈ، 'آپ اور آپکا پیسہ' ایم، آئی/ص:۹۹

(۵) حجی/۲:۸ بحوالہ: ایون وارن، ترجمہ سنگھ، وکلف اے، ازدواجی زندگی کا آغاز، ایم آئی کے، فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۱ء/ص:۳۰

(۶) ایون وارن، ترجمہ سنگھ، وکلف اے، ازدواجی زندگی کا آغاز، /ص:۳۰

بائبل میں خیرات وزکوۃ کی تعلیمات کے اثرات:

پرنس ڈائرک کہتے ہیں کہ دینا لینے سے مبارک تو لیکن نیت صاف ہونا چاہئے:

A complet Christian, or a complete Christian church, must be able to excel in the grace of giving. Paul emphasiszes that this not law, but rather grace. Paul has been speaking to the Corinthians about the generosity of Macedonian Christians. then he says, "Now i want to see if your love is really sincere, and I'll find out by measuring what you give with what the Macedonian Christians gave".(1)

Laying down our lives for our brothers includes helping them with our material includes helping them with our material resources if they are in need and we are in a poswition to help. There is a saying in our contemporary culture which I think is pretty good: "Put your money where your mouth is". That is exactly what John is saying. He said, "You've said it, now do it! Don't love just with words and in tongue, but with actions and in truth". John continues with an amazing statement about love in action:(2)

"This then is how we know that we belong to the truth, and how we set our hearts at rest in his presence - Whenever our hearts condemn us. For God is greater than our hearts, and he knows everything". (3)

یسوع المسیح کی زندگی انسانی حاجت اور دکھ کے عین وسط میں بسر ہوتی تھی. آپ لوگوں کی ضرورتوں کے درمیان اُنکے ساتھ تھے نہ کہ دُکھ اور ناانصافی کی حقیقت سے بچنے کی خاطر معاشرے سے الگ تھلگ سکونت پذیر تھے. آپؐ کے تعلیم اور مشن اس روئے زمین پر کہیں زیادہ ٹھوس بنیادوں پر اُستوار تھا بہ نسبت ایک محدود سیاسی پروگرام کے جو صرف ایک مخصوص معاشی ڈھانچے اور وقت سے متعلق ہوتا ہے.(۴) انسانی دُکھ کو دیکھ کر یسوع مسیح کا دل ہمیشہ بھر آتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اُسے دور کرے اور لوگ شکر گزار ہوں اور جواب میں محبت کرنے لگیں.(۵)

---

(1) Prince , Derek, God's Plan for your Money, Whitaker House, USA, 1993/p-68

(2) ibid/p-71

(3) New Testament; John 1 /3:19-20 with ref to ibid.

(۴) فارنہیم، ڈاکٹر بی، مترجم، یونس عامر، المسیح کی حیات وتعلیمات، ایم آئی کے ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۹/ص:۷۶

(۵) کارسن، جین، ترجمہ سموئیل، جیک، خواتین کے ساتھ مسیح کا رویہ، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۸: لاہور، ص:۱۳۰

عیسائیت میں خیرات کرنے میں نیت کو صاف رکھنے کا شرعی حکم موجود ہے:

پولس رسول کے دوسرے خط میں لکھا ہے کہ نیت کی درستگی کے بغیر کوئی صدقہ، خیرات قابلِ قبول نہیں ہے:

"پس اب اس کام کو پورا بھی کرو تا کہ جیسے تم ارادہ کرنے میں مستعد تھے ویسے ہی مقدور کے موافق تکمیل بھی کرو. کیونکہ اگر نیت ہو تو خیرات اُسکے موافق مقبول ہوگی جو آدمی کے پاس ہے نہ اُسکے موافق جو اُسکے پاس نہیں. یہ نہیں کہ اوروں کو آرام ملے اور تم کو تکلیف ہے. بلکہ برابری کے طور پر اِس وقت تمہاری دولت سے اُنکی کمی پوری ہوتا کہ اُنکی دولت سے بھی تمہاری کمی پوری ہو اور اِس طرح برابری ہو جائے."(۱)

اس سے مراد یہ ہے کہ گو کہ اہلِ یہود کی طرح خیرات کی یعنی زکوۃ کی کوئی مقررہ مدّ تو نہیں ٹھہرائی گئی البتہ اس بات پر زیادہ زور دیا گیا کہ خیرات فقراء کی حالت کو یکسر بدلدینے کی نیت سے دینی چاہئے تا کہ مستقبل میں وہ مزید کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا سکے. اور یہی مماثلت اسلام کے زکوۃ کے نظام سے ہے کہ جس کا مقصد سالانہ زکوۃ نکالنے کا مقصد غرباء کی زندگی کا پہیہ مستقل چلتا رہے، رو کے نہ. پھر آگے آنے والی بات اسی بات کی مزید تشریح کرتی ہے کہ:

"جس قدر ہر ایک نے اپنے دل میں ٹھہرایا ہے اُسی قدر دے نہ دریغ کر کے اور نہ لاچاری سے کیونکہ خُدا خوشی سے دینے والے کو عزیز رکھتا ہے. اور خدا تم پر ہر طرح کا فضل کثرت سے کر سکتا ہے تا کہ تم کو ہمیشہ ہر چیز کافی طور پر ملا کرے اور ہر نیک کام کے لئے تمہارے پاس بہت کچھ موجود رہا کرے."(۲)

اس آیت سے تو صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ خیرات کی رقم کی کوئی مقدار مقرر نہیں، لیکن جیسا کہ قرآنِ کریم نے صدقہ کے متعلق تصدیق کی ہے کہ یہ مال کو بڑہاتا اور سود مال کو گھٹاتا ہے. تو اے کاش عیسائیت پر یقین رکھنے والے حضرات کھلے دل سے اسلام کی اِن آیات کی تشریحات کو جو بائبل میں من وعن وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، پر یقین رکھتے ہوئے ؛ لوگوں کو مالِ سود کھانے سے روکنے اور صدقات و خیرات بڑھانے کی ترغیب دینے کو سعی کریں:

"يمحق الله الربوا ويربى الصّدقات ط" (۳)

اللہ تعالی سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے.

ہم نے نوشتۂ دیوار دکھلانے کی سعی کی ہے، اے کاش اہل کتاب اس بات کو سمجھ لیں کہ دراصل اسلام دینِ مکمّل ہے، جس کے مضامین ہر حال میں قابل عمل ہیں اور اسی بات کی اس مذہب میں تعلیم دی جاتی ہے، جو بائبل میں بھی موجود تھیں.

---

(۱) عہد نامہ جدید، کرنتھیون-۲/۸:۱۱-۱۳

(۲) ایضاً/۹:۷-۸

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۶

آج کی عیسائیت میں صدقات، خیرات وزکوۃ کا تصوّر؟

اللہ تعالی اپنے بندوں پر رحم فرماتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انجیل مقدّس میں نصاری کی جانب سے کی جانے والی دانستہ تحریفوں کا قرآن کریم میں اشارہ دے دیا تا کہ عام مسلمان اُن کے اہل کتاب ہونے اور اُسکی اسلام سے مماثلت کی نشانیاں دیکھ کر دینِ اسلام کے بارے میں شک وشبہات میں نہ پڑ جائیں. اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

" ومن الذين قالوآ انا نصارى اخذنا ميثاقهم فنسوا حظا مما ذكروابه ص فاغرينا بينهم العداوة والبغضآء الى يوم القيمة ط وسوف ينبئهم الله بما كونا يصنعون ٥ " (۱)

اور جولوگ اپنے آپکو کہتے ہیں کہ ہم نصاری ہیں ہم نے اُن سے بھی عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جواُن کو کی گئی تھی، ایک بڑا حصّہ فراموش کردیا تو ہم نے بھی اُن کے باہم قیامت تک کیلئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا. اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ عنقریب اُن کو اس سے آگاہ کردے گا.

درجہ بالا آیت مبارکہ بتلارہی ہے کہ باوجود انجیل میں صریح احکامِ خیرات وزکوۃ موجود ہونے کے نصاری کے یہاں اس قسم کے دینی فریضہ کی ادائیگی کا آج شائبہ تک نہیں ملتا. تب ہی تو اس تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہود ونصاری کی نہ صرف بائبل میں قدیم وجدید کا فرق ہے بلکہ ایک دوسرے کے عقائد بھی ایک دوسرے کے لئے عقائدِ باطلہ بن کر رہ گئے ہیں. چنانچہ قرآنِ کریم بھی درجہ ذیل آیت میں اسکی دلیل دیتا ہے:

" فاختلف الاحزاب من بينهم ج فويل للذين ظلموا من عذاب يوم اليم ٥ "(۲)

پھر (بنی اسرآئیل) کی جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا پس ظالموں کے لئے خرابی ہے، دکھ دینے والے دن کے عذاب سے.

پس یہود ونصاری کے باہمی اختلافات اور اُنکی نظریاتی فرقہ بندی علیحدہ ایک طرف رہ جاتی ہے. لیکن جو بات عملاً دونوں فرقوں کی جانب سے عوام الناس کی تسلیوں کا باعث ہوسکتی تھیں وہ بالکل ایک دوسرے کے قوانین شریعہ کی پابندی کا ہونا تھی؛ لیکن آج ہم ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنی شریعتوں پر کتنے درجے کے حجت تمام کئے بیٹھے ہیں.

---

(۱) قرآنِ کریم، سورۃ المائدہ/۵:۱۴

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الزخرف/۴۳:۶۵

خلاصہ بحث:

قرآن کریم ہمیں سکھلا رہا ہے کہ جب حق بات سامنے آجائے تو انسان کو نہ تو مکرنا چاہیئے اور نہ ہیں قرآنِ کریم میں شک وشبہات کرنا چاہیں، جسکا کہ آج کے دور میں باقائدہ فتنہ کے طور پر میڈیا کے استعمال کو عام فہم زبانوں میں اور خرچ کرانے میں بہت حد تک کمی ہے:

"الحق من ربک فلا تکونن من الممترین ٥" (١)

یہ ایک قطعی امرِ حق ہے، جوتمہارے ربّ کی طرف سے ہے، لہذا اسکے متعلق تم ہرگز شک میں نہ پڑو۔

آپ ﷺ نے دنیاوی بادشاہت کے برعکس حاکمیت کا ایک نیا تصوّر پیش کیا. جس کی اساس اللہ کی حاکمیت اور شورائی خلافت تھی. آپ ﷺ کے رائج کردہ نظام میں امیر وغریب، اپنے اور غیر بھی قانونِ خداوندی کے پابند تھے.(٢) چنانچہ آپ نے یہود جیسے امیر طبقہ کی پرواہ کئے بغیر فلاحِ انسانی کے سب سے اہم مسئلہ 'معیشت' کو سنبھالنے کے لئے قانون صدقہ وفطر وخیرات و زکواۃ کی اہمیت کو باقاعدہ قانونی شکل دے کر تاریخ کو یہ بتلادیا کہ مسلمان کسی بھی طرح غیر مسلم امراء طبقہ کے کبھی محتاج نہ ہونگے. یہی وجہ ہے کہ بعد کی مسلم ریاستوں کی کامیابی بھی اس بات کی علامت ہے کہ زکوۃ ادا کر کے اسلامی ریاست کے ضرورت مند افراد میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ وہ معاشی بدحالی کا شکار نہ ہوں اور گردشِ دولت سے معاشرے کی اقتصادی حالت مستحکم ہو.(٢)

چنانچہ یہ مذہبِ اسلام ہی ہے جس کے نظام میں غرباء ومساکین کے لئے اغنیاء اور اہل ثروت کی دولت پر عائد کردہ، ایک اسلامی ٹیکس ہے. یہ ٹیکس اللہ تعالی نے عائد کیا ہے. دارصل اللہ تعالی ہی دولت کا حقیقی مالک ہے. بندے کو اسکا مجازاً مالک بنایا گیا ہے اور اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے اس پر کچھ شرائط عائد کی گئی ہیں اور انھیں سے اہم اور لازمی شرط ادائیگی زکوۃ ہے. زکوۃ کا ذکر عام انفاق فی سبیل اللہ کے عام حکم کے بعد کیا گیا ہے. جس کا ذکر اوپر ہوگیا ہے کہ دولت محبت کے باوجود اقرباء وغیرہ پر صرف کی جائے. اسکا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ مذکورہ بالا تمام صرف مال اور انفاق فی سبیل اللہ سے علیحدہ ایک مستقل مدّ ہے. یہ لازمی ٹیکس اور منصوص فرض ہے. جب کے عام انفاق فی سبیل اللہ صرف ترغیب ہے.(٣)

---

(١) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/٢:١٤٧

(٢) تشنہ، ایم نذیر احمد، اسلامی نظم معیشت اور کفالت عامہ میں زکوۃ کی اہمیت تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں؛ مقالاتِ سیرت، قومی سیرت کانفرنس ١٤٢١ھ؍٢٠٠١ء، شعبہ تحقیق ومراجع وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد/ص:٢٦٦

(٣) شہید، سیّد قطب، مترجم شیرازی، سیّد معروف شاہ، فی ظلال القرآن، منشوراتِ اسلامی، رحمان مارکیٹ اردو بازار، لاہور، س ن/ص:٣٢٦

قرآن نے زکوۃ کو علیحدہ اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ ایک لازمی اور فرض مدّ ہے. جب کہ مذکورہ بالا دولت کا عام خرچ نفلی ہے. لیکن ہر انسان کی زندگی میں دونوں کا پایا جانا ضروری ہے اور ایک پر عمل کرنے سے دوسرا ہرگز ساقط نہیں ہوسکتا.
(۱) مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو سارا سال اتنی خیرات کر دیتا ہوں کہ گویا میری زکوۃ سے زائد خرچہ بنتی ہے، تو اُسکے کہنے سے اُسکی زکوۃ ثابت نہیں ہوسکتی جب تک وہ زکوۃ نکالنے سے پہلے زکوۃ کا نصاب نہ مقرر کرلے اور نیت نہ کرلے. اسی طرح زکوۃ کی ادائیگی اُسکی شرعی مقدار مثلاً ڈھائی فیصد سے زائد عائد ہونے کی صورت میں تین فیصد ادا نہیں کرنی، بلکہ مقررہ مقدار کا ٹھیک ٹھیک نصاب اداء کرنا لازم بقیہ خیرات میں شامل ہوگا.

زکوۃ کی ادائیگی کی اگرچہ بنیادی مصلحت یہی ہے کہ اس سے زکوۃ ادا کرنے والے کا اپنا بقایا مال پاک وصاف ہوجاتا ہے اور خود اس میں اخلاقی اچھائیاں راہ پکڑنے لگتی ہیں. لیکن اسکے ساتھ ساتھ اسکے اثرات جماعت اور معاشرہ پر بھی پڑتے ہیں اور انکی مصلحتوں کی بھی تکمیل ہوتی رہتی ہے. زکوۃ کی ادائیگی سے معاشرہ خود کفیل ہوجاتا ہے. آدمی میں آزادی کا احساس باقی رہتا ہے، زکوۃ کی ادائیگی سے غرباء کی اہم ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں، معاشرے کے ہر فرد اور سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے باعزت اور شریفانہ زندگی کے مواقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرسکے اور مقصد حقیقی و مقصدِ کمال تک پہنچ سکے.(۲)

اب معاملہ آتا ہے اسلام اور دیگر آسمانی مذاہب کے درمیان مماثلت کا، تو عرض ہے کہ اہل یہود کے یہاں تو زکوۃ کا نظام کسی حد تک بغیر پیچیدگی کے باقاعدہ اپنے اوقات کے ساتھ دولت کی کمی وبیشی پر منحصر ضرور ہے، لیکن بحرحال اسلامی قوانین زکوۃ کی طرح متعین نہیں. اور نصارای کے یہاں تو محض صدقات وخیرات ہی سب کچھ بتلایا گیا ہے. اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام نے جب بھی کوئی دنیاوی نظام بہبود بہم پہنچایا ہے وہ ایک مربوط ومضبوط نظام کا حصّہ ہے. جیسا کہ آج کے دور میں یہود ونصاری دونوں کے یہاں یہ خیرات وصدقات محض اپنی اقوام کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے. جبکہ اسلام کے نظام کا تعلق مع اللہ ہونے کی وجہ سے یہ تمام تر تعلیمات انسان کی فلاح ونصرت میں اضافی اجر کا باعث بنتی ہیں. اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اس تمام نظام زکوۃ کو انسانوں کی فلاح وبہبود کا ذریعہ بننے میں مسلمانوں کے دلوں کو انفاق فی سبیل اللہ کے لئے کھول دے. (آمین)

❁❁❁

---

(۱) شہید، سیّد قطب، مترجم شیرازی، سیّد معروف شاہ، فی ظلال القرآن، منشورات اسلامی، لاہور، /ص:۳۲۶

(۲) عزیز الرحمٰن، حافظ، نظامِ زکوۃ کی برکات، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، س ن /ص:۳۹

ساتواں باب

تقابلی مطالعہ و اسلامی تعلیمات کے امتیازات

پہلی فصل

تقابلی مطالعہ

تعارف

کسی بھی مضمون کے مطالعہ کا ایک منطقی راستہ تو یہ ہے کہ یہ پرکھا جائے کہ یہ کن اشیاء پر مشتمل ہے، اسکا کس حساس نوعیت سے مشاہدہ کیا جائے جبکہ اسمیں کئی پیچ وخم بھی موجود ہوں. چنانچہ خاص طور پر معاشی نظام کے تقابلی مطالعہ کے وقت تو یہ بات انتہائی ضروری ہے کیونکہ معاشیات ایک وسیع تر میدان ہے، جس کے مطالعاتی آلات میں درسی وضاحتیں، سماجی و سیاسی احوال شامل ہیں. لہذا دنیا میں رائج مختلف معاشی نظاموں کے مطالعاتی عناصر کا جائزہ لینے سے یہ بات آشکارا ہوجاتی ہے، کہ روایتی معاشیات کے درمیان تفریق کے مختلف پہلوجات موجود ہیں جس کے تقابلی مطالعاجات کا ایک انبار دنیا کی لائبریریوں میں بھرا ہوا ہے، جو خود ایک مستقل مضمون کی صورت میں پڑھایا جاتا ہے. لیکن جب اسلام کی معاشیات کا مطالعہ زیر بحث ہو تو ہمیں انتہائی دُکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنی اس گمشدہ میراث کی تلاش وحفاظت کی طرف قطعی توجہ نہ دی، جسکی تعلیم ہماری پیدائش کے ساتھ ہمیں ودیعت کردی گئی تھی. اگر ہم بہت دور نہ جائیں تو ماضی قریب میں ہی ہمیں اسکا پایۂ ثبوت حاصل ہوجاتا ہے کہ آخر وہ کون سے علوم تھے جنکی بناء پر مسلم حکومتیں صدیوں کامیابی کے ساتھ گزار گئی.

لیکن مسلمانوں پر ایک وقت وہ بھی آیا جب انکو مغربی تہذیب کا سامنا کرنا پڑا تو مسلمانوں نے مختلف موقف اختیار کئے. کیونکہ انہیں متنوع حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا. بعض اوقات مسلمانوں نے اسلام کی پیمائش دوسرے پیمانوں سے اور اسکے مسائل کا اندازہ ان اقدار سے کرنا شروع کردیا، جو مسلمانوں کے اپنے نہیں تھے.(۱)

چنانچہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جب کہیں ذکر آیا تو اس سے مراد ایسے مفروضات کو تسلیم کرنے سے لی گئی جن پر جمہوریت اور اشتراکیت کی بنیادیں ڈالی گئی تھیں. جبکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں ایسے رجحانات پائے جاتے ہیں. جو جمہوریت اور اشتراکیت سے مطابقت رکھتے ہیں، تاہم ان رجحانات کو مسلمانوں کی زندگی میں شعار عام کا درجہ حاصل نہیں. نہ یہ ہماری ہئیتِ اجتماعیہ کا عنوان بن سکتے ہیں. یہ اسلامی تہذیب کی بعض صفات کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں؛ لیکن دوسری بہت سی صفات اور بنیادی تصورات کو نظرانداز کردیتے ہیں، جو اُن سے کہیں زیادہ اہم ہیں.(۲) مثلاً معاشرتی عدل اور تقسیم دولت

---

(۱) مبارک، پروفیسر محمد، دین رسول اور دیگر مذاہب فکر، مدیر، محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، جلد-۴، شمارہ-۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء/ص:۵۱۲

(۲) ایضا/ص:۵۲۳

کے لئے قانون بنانے اور اپنی نشأۃ ثانیہ کے لئے اشتراکیت کو عنوان اولیں قرار دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے. اسلام کی اجتماعی تحریک ایمان باللہ کے عقیدے اور افراد کی مساوات سے شروع ہوتی ہے. جسکی غایت معاشرتی عدل کا قیام ہے.(۲) نہ کہ لوگوں کو دین و مذہب سے انحراف کی دعوت. اسی لئے اسلام کے اقتصادی نظام کے تقابل کے لئے کوئی بھی ایسا نظام جسکا مذہب و ملّت کی روحانی تسکین سے نہ ہو، ممکن نہی بلکہ بے مقصد بھی ہے. چنانچہ تقابلِ ادیان کے نقطہ نظر سے اسلام کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابل کرنا ناگزیر ہوگیا تا کہ دنیا کو لادینت کی چنگل سے چھڑا کر ربّ العالمین کو راضی کرنے والے اعمال پر لایا جا سکے. مثلا جس فلسفہ کے تحت نظامِ اقتصادیات دنیا کو دیا گیا تھا، وہ محض دین و مذہب سے دور کی بستیاں بسانا جنھیں Colonization اور معاشرتی تمدّن بھی کہا گیا تھا، انمیں گو کہ مذہب سے دوری کے باوجود بظاہر لوگوں سے ربط کو بظاہر جتلایا جاتا ہے لیکن اصولی طور پر معاشرے میں طبقاتی نظام اسی ایک حالت سے جنم لیتا ہے جب وہ نظام امیر و غریب میں تمیز کا باعث بن جائے. لیکن مذہب اسلام کی کیا بات ہے جس نے قدم قدم پر حضرتِ انسان کی راہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ یہ بات منافقین کی عادات دیکھ کر ہی سب کچھ بتلا دیا گیا ہے کہ اُنکی سرگوشیوں میں قوموں کی بھلائی ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ اُنکے دل میل کچیل سے صاف نہ ہو جائیں:

'لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین النّاس ط و من یفعل ذالک ابتغآء مرضاتِ اللہ فسوف نوتیہ اجرا عظیما ۝' (۲)

سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں، ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی. اور جو کوئی اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا سو ہم اسکو عنقریب اجرِ عظیم دیں گے.

اس سے مراد قطعی یہ نہیں کہ انسان سرگوشی نہ کر سکے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اغراض کے لئے خفیہ سرگوشی کی ضرورت پڑ جائے تو اسمیں البتہ کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسے موقع پر خیر و برکت ہوگی. نجواھم میں ضمیر ھم مطلق انسان کی جانب ہے.(۳) یہاں سے معلوم ہوا کہ تمدّنی و معاشرتی پلاننگ کرنا کوئی جرم نہیں لیکن جب اللہ کی رضاء کے لئے کیا جائے تو اسمیں یہ برکت از خود موجود ہوگی کہ نیک کام اور صدقہ اور لوگوں کے درمیان صلاح کرنا ایک پُر امن معاشرے کو جنم دیگا. اور لفظِ صدقہ سے یہ بھی مراد ہوگی کہ وہاں مہنگائی یا کساد بازی کی انتہاء درجہ تک کمیابی ہوجائے گی. لوگ جب معاشی اعتبار سے یکسانیت پر نظر آئیں گے تو بھائی چارگی بھی پھیل جائیگی.

---

(۱) مبارک، پروفیسر محمد، دینِ رسول اور دیگر مذاہب فکر، مدیر، محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، جلد-۳، شمارہ-۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳ء/ص: ۵۲۳

(۲) قرآن کریم: سورۃ النسآء/۴:۱۱۴

(۳) دریاآبادی، مولانا عبد الماجد، تفسیر قرآن مجید، تاج کمپنی، کراچی/ص: ۲۱۵

معاشی نظام کا مذہب سے تعلق اور اسکی بنیادیں:

بنیادی طور پر مذہب انسانوں میں تہذیب کی رمق پیدا کرنے اور انسانوں کی عادات و اطوار کو سنوارنے کے لئے بھیجا جاتا ہے. جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ھدی للمتقین -(۱) یہ قرآن ازخود تقوی اختیار کرنے یعنی ڈرتے رہنے والوں کے لئے ہرطرح کی رہنمائی ہے. غور کیا جائے تو محض دو الفاظ میں پوری کائنات کا فلاحی نظام سمایا ہوا ہے. جسمیں تقوی کا اختیار کرنا ایک پہلو سے غیر اختیاری عمل ہے. جیسا کہ اکثر بچے ازخود کسی بھی بلاء کے ڈرانے کی دھمکی سے ایک غیر مانوس تصوّر قائم کرکے سہم جاتے ہیں اور کچھ بچّوں کو مثالی اشیاء سامنے دکھلانے کے بعد اُنکا خوف دل میں بٹھا کر فوائد ضرور یہ حاصل کئے جاتے ہیں. لیکن یہاں دونوں قسم کے بچوں میں ایک بات مشترک ہے اور وہ اُنکا ڈر. اب چاہے اُسے بیرونی عوامل سے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے یا ازخود انسان اُسے محسوس کرکے اپنے آگے آنے والے خطرات سے بچنے کا سامان کرنے پر آمادہ ہوجائے. چنانچہ ہدایہ انسان کی ہر طرح سے راہنمائی کرنے کا واحد ذریعہ اس لئے ٹھہرتی ہے کہ یہ انسان کو آنے والے خطرات سے محفوظ رہ سکنے کا مؤثر راستہ دکھلاتی ہے.

(الف) ہدایت بذریعہ فطرتِ انسانی

یہاں ہدایت کا مفہوم سمجھے بغیر آگے بڑھنا بے کار ہوگا. ہدایت کے معنی راہ دکھانے، راہ پر لگانے اور رہنمائی کرنے کے ہیں.(۲) مراتب و اقسام کے اعتبار سے ہدایت کئی اقسام کی ہوتی ہے؛ لیکن یہاں صرف اس ابتدائی مرتبۂ ہدایت کا ذکر کرنا ہے جو تمام مخلوقات پر اُنکی پرورش کی ضروری راہیں کھولتا، انہیں ذنگی کی راہ پر لگاتا اور ضروریاتِ زندگی کی طلب وحصول میں راہنمائی کرتا ہے. فطرت کی یہ ہدایت ربوبیت کی ہدایت ہے اور اگر یہ ہدایت ربوبیت کی دستگیر نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی دنیا کے سامانِ حیات و پرورش سے فائدہ اٹھا سکتی اور زندگی کی سرگرمیاں ظہور میں آسکتیں. اسکے بغیر سازِ ہستی ہی خاموش ہوجاتا. قرآن کہتا ہے کہ یہ ہدایت وجدان کا فطری الہام اور حواس و ادراک کی قدرتی استعداد ہے. یہ فطرت کی رہنمائی ہے. ہمارے اندر پہلے وجدان کا الہام بن کر نمودار ہوتی ہے پھر حواس و ادراک کا چراغ روشن کردیتی ہے. یہی وہ باطنی قوت ہے جو ہر مخلوق کو زندگی اور پرورش کی راہوں پر لگادیتی ہے. انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا، جو ہی شکمِ مادر سے باہر آتا ہے، جبلی طور پر معلوم کرلیتا ہے کہ اسکی غذا ماں کے سینے میں ہے اور جب پستان منہ میں لیتا ہے تو حود بخود انہیں چوسنا شروع کردیتا ہے.(۳)

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ /۲:۲

(۲) مدیر، طفیل، جاوید، نقوش قرآن نمبر، شمارہ نمبر ۱۴۳، جلد-۱، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۹۸ء/ص: ۳۷۱

(۳) ایضا

(ب) ہدایت بذریعہ احساس وادراک

ہدایت کا دوسرا مرتبہ حواس اور مدرکات ذہنی کی ہدایت ہے اگرچہ حیوانات اس جوہر دماغ سے محروم ہیں جسے فکر وعقل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاہم فطرت نے انہیں بھی اُنکی ضرورت کے مطابق احساس وادراک کی اتنی قوت عطا کردی ہے کہ جو انہیں اپنی زندگی اور معیشت کے لئے درکار تھی اور جسکی مدد سے وہ اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے، توالدو تناسل اور حفاظت ونگرانی کے تمام وظائف حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ لیکن حواس وادارک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لئے ایک ہی طرح کینہیں ہے بلکہ ہر ایک کو اُسکی ضرورت اور مقتضیات کے مطابق عطا کی گئی ہے۔ چیونٹی کی قوتِ شامہ بہت دورس ہوتی ہے، اسے اسی قوت کے ذریعہ سے اپنی غذا حاصل کرنا ہوتی ہے۔ چیل اور عقاب کی نگا بہت تیز ہوتی ہے کیونکہ اگر انکی نگاہ تیز نہ ہوتو بلندی میں پرواز کرتے ہوئے وہ اپنا شکار دیکھ نہ سکیں۔ یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے کہ حیوانات کے حواس وادراک کی یہ حالت اوّل دن سے تھی یا احوال و ظروف کی بخشی ہوئی استعداد ہے۔ اب یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کے مطابق ہر مخلوق کے لئے اسکی پرورش ومعیشت کا ایک مکمّل نظام کارفرما ہے۔ جو ربوبیّتِ الٰہی کا مظہر ہے۔(۱)

(ج) ہدایت بذریعہ اصطلاحاتِ کلامِ الٰہیہ

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے انسان کی جسمانی زندگی، اسکے تقاضوں اور اسکی مادّی ضرورتوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا، یہ نہیں کہا کہ آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ترکِ دنیا ناگزیر ہے۔ وہ رہبانیت کا سخت مخالف ہے۔ اسکے نزدیک معاشی سرگمیاں نہ صرف جائز اور مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری ہوجاتی ہیں۔ وہ کسب حلال کو 'فریضة بعد فریضة ' قرار دیتا ہے اور تجارت کو 'فضل الله '، اموال کو 'خیر ' اور 'التی جعل الله لکم قیاما '، خوارک کو 'الطیبات من الرزق ' لباس کو 'زینة الله ' اور رہائش کو 'مسکن ' 'سکون واطمینان کی جگہ' سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ بیک وقت دین ودنیا دونوں کی فلاح وکامیابی اور کفالت کا ضامن ہے۔(۲) اسلام میں دیگر دنیاوی اقتصادی نظام کی طرح معیشت کے وسائل بھی زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت کو بہت اہمیت حاصل ہے، بلکہ تمام معیشت کی ترقی کا دارومدار ان تین چیزوں پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انکی اہمیت کا پورا پورا احساس کرتے ہوئے ان پر خصوصی توجہ دی، خاص خاص اصلاحات فرمائیں اور انکے فروغ کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی فرمائی، حتیٰ کہ خلافتِ راشدہ اور بعد کی اسلامی حکومتوں میں ان ذرائع کی ترقی کی طرف خاص توجہ دی گئی۔(۳)

---

(۱) مدیر، طفیل، جاوید، نقوش قرآن نمبر، شمارہ نمبر۱۴۳، جلد-۱، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۹۸ء/ص:۳۷۲

(۲) ہاشمی، پروفیسر سید ازکیا ہاشمی، اسلامی فلاحی ریاست کا تصور اور اسکے تقاضے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں، بحوالہ مقالات سیرت النبی ﷺ، قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۲ھ، وزارت مذہبی امور، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء/ص:۳۹۵

(۳) ایضاً/ص:۴۱۷

(د) محصولِ ہدایہ کیا ہیں؟

دنیا میں رائج نظاموں میں اقتصادی نظاموں پر حاوی نظام دو ہی ہیں ایک سرمایادارانہ یعنی **CAPATALISM** اور دوسرا اشتمالیت یعنی **COMMUNISM**، جبکہ تیسرا نظام جسے اشتراکیت یعنی **SOCIALISM** کہتے ہیں اسکا تعلق تمدّنی ارتقاء سے زیادہ اور اقتصادی ترقی کم درجہ کا ہے. لہذا خیال کیا جاتا ہے کہ سرمایادارانہ نظام کا مرکزی خیال 'آزادی' یعنی **Freedom** ہے جبکہ اشتمالیت کا مساوات یعنی **Equality** (۱) جواُن اذھان کی پیداوار ہیں جو فلاسفہ کے ذریعے لوگوں کے اذھان پر قبضہ اور اُنکو عقلی طور سے خُدا کی تلاش میں مصروف کردیتے ہیں، جسکا ماحصل لادینی عناصر کی کثیر تعداد کا بڑھتے رہنا ہے. جبکہ اسلام کا بنیادی خیال ''عدل'' یعنی انصاف **JUSTICE** ہے، وہ آزادی ومساوات دونوں کو عدل کا پابند کرتا ہے. گویا وہ آزادی ومساوات کے درمیان بھی عدل قائم کرتا ہے تاکہ نہ آزادی اتنی بڑھ جائے کہ مساوات کو بالکل ہڑپ کرجائے یعنی ***Freedom at the cost of equality*** نہ ہو اور نہ ہی مساوات کا ہوّا اتنا بڑھ جائے کہ وہ آزادی کو بالکل نگل جائے یعنی ***Equality at the cost of freedom*** بھی ہو. (۲)

معیشت کی اصطلاح میں جب لفظِ ''عدل'' سامنے آتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایماندارانہ صلاحیتوں سے جو بھی کاروبار کیا جائے گا اُس سے عدل کے قائم کرنے میں مدد ملے گی. ڈاکٹر حمودہ عبدالعطی کے مطابق اسلام کا اقتصادی نظام محض ریاضی کے اصولوں کے مطابق حساب لگا کر اور پیداواری صلاحیتوں کے اندازوں کے مطابق مرتب نہیں کیا گیا ہے. اِسکے برعکس اسکی تشکیل وترتیب جامع اخلاقیات اور اصولوں کے نظام کی کی روشنی میں عمل میں آتی ہے. وہ شخص جو کسی دوسرے شخص یا کسی فرم یا کسی ادارے کا لئے کام کررہا ہوتا ہے، اُسکے لئے اللہ تعالی کا حکم ہے کہ وہ اپنا کام اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار لاتے ہوئے اور دیانتداری سے انجام دے. (۳) چنانچہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جس معاشی نظام کی بنیاد مذہب کے اصولوں پر مرتب ہوگی وہ خواہ کسی مذہب سے ہو اُسمیں عدل وانصاف کے ساتھ پیداواری صلاحیتوں میں ایماندارانہ حکمتوں کے باعث خیر وبرکت ہمیشہ برقرار رہے گی، اور اگر یہ صورتِ حال نہ رہے تو پھر یقنا یہ ہی نتیجہ نکلے گا کہ باوجود اس کے کہ آج کا مغرب جتنا مہذب نظر آتا ہے اتنا ہی اخلاقی اقدار سے دور بھی ہے. جسکی محض وجہ دین ومذہب سے دوری ہے. اور یہ بات صرف غیر مسلم کے ہی لئے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی نے تو مسلمان کو بھی نہیں بخشا کہ اگر وہ اپنے دین کو اصل بنیادی فلسفہ کے ساتھ جاری نہیں رکھیں گے تو اللہ تعالی انہیں دنیا وآخرت دونوں میں ناکام کردے گا. جسکا واضح اثر آج کی مسلم دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے اور قرآنِ کریم

---

(۱) احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام کا معاشی نظام، مرکزی انجمن خُدّام القرآن، لاہور، طبع ہفتم ۲۰۰۵ء/ص:۱۱

(۲) ایضا

(۳) عبدالعاطی، ڈاکٹر حمودہ، مترجم، خاں، شریف احمد، اسلام ایک روشن حقیقت، ہندوستان پبلیکیشن، دہلی ۶، س ن/ص:۲۴۶

میں سخت وعید آئی ہے: 'ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلی یقبل منه ط' (۱)

جوشخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش کرے گا اب اُسکا دین قبول نہ کیا جائے گا.

آج مسلم امۃ کو اس بات کی قطعی پرواہی نہیں رہی ہے کہ وہ کس جانب ہنکائے جارہے ہیں، لیکن مال کی محبت میں مستغرق یہ قوم بین الاقوامی سودی کاروبار کے جاھنسے میں جکڑ کررکھ دی گئی ہے جسکا احساس امت کے مفکرین بار بار کراتے رہ گئے لیکن جو امت قرآن وحدیث کے دروس کا اثر لینے سے قاصر رہے تو ماسوائے اسکے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے پھر فیصلہ فرمادیا کہ میں بھی اُس قوم کی حالت بدلنے کو تیار نہیں جسکو اپنی حالت کے بدلنے کا خیال تک نہ ہو:

'ان الله لا یغیر مابقوم حتی یغیروا مابانفسهم ط' (۲)

بے شک اللہ تعالی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کے بدلنے کو تیار نہ ہوں.

چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ لادینی نظامِ معیشت کو اپنا کر اپنی حالت کو ابتر کرنے کے ذمہ دار بھی ہم خود ہیں اور اب سے سے چھٹکارا بھی نہیں چاہتے تو کیونکہ اللہ کی نصرت ہمیں اس حالت سے نکالے گی. لہذا اب ملاحظہ کرتے ہیں کہ لادین تحریکوں نے کن کن حربوں سے مسلم امۃ کے مسلم رہنے تک کو گوارہ نہ کیا حتی کہ لوگوں کے یقین میں تبدیلی لاکر انہیں بھی حبِّ مال وجاہ میں مبتلا کردیا.

مذہب سے لاتعلق معاشی نظام کا مختصر جائزہ

باربرہ وارڈ کے مطابق دنیا میں تبدیلی لانے کے پانچ مؤثر ذرائع ہیں. ان پانچ کے ترتیب وار نام تو یہ ہیں:

(1) Nationalims
(2) Industrialism
(3) Colonialism
(4) Communism
(5) Internationalizm (3)

یہاں ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ان پانچوں کے ذرائع پر بات کریں گے:

نیشنلزم : رومن ایمپائر کے خاتمہ سے مغربی یورپ ایک خطرناک جاگیردارانہ نظام میں جکڑ گیا تھا، جسکے باعث تیزی سے ابھرتے ہوئے گروپ سامنے آتے چلے گئے اور لوگوں کی آواز کو یکجا کرنے کی جدوجہد شروع ہوگئی. (۴)

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ آلِ عمران/۳:۸۵

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الرعد/۱۳:۱۱

(3) Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton London, November, 1959 /page-13

(4) ibid

اور رومن شہنشاہیت کے خاتمہ کے بعد یہ اپنی نسلی فکر کے ساتھ دوبارہ وجود میں آیا تو یہ یورپ کی تاریخ بن کر ابھرا.(۱) حتیٰ کہ نیشنلزام کے ارتقاء میں روزِ اوّل سے یہ بات تسلیم کرلی گئی تھی کہ قومیت کی مدحت میں زیادتی نے یہ اثرات مرتب کئے کہ شہریوں کے انفرادی حقوق ہی پر ڈاکہ ڈالدیا جسکے لئے انکا اعتراف قابلِ ذکر ہے کہ:

The nation could become complete unfettered in its dealings with other states while enslaving its own citizens. In fact, over-glorification of the nation might lead invevitably to the extinction of individual rights. The citizen could become just a tool of the national will, of the so-called 'general will'. But in the first explosion of revolutionary ardour, the idea of the Rights of Manand of the Rights of the Nationa went together. And, formally, that is where they have remained. At the end of the First World War, it was the world's leading democratic statesman, President Woodrow Wilson, who write the right of self-determination, the right of nation groups to form their own sovereign government, in to the Peace Treaties and at no time in human history have so many independent national states been formed as after the Second World War.(2)

گویا اس نظام کا اعتراف ہے کہ انسان ایک چلتا پھرتا آزاد پرزا نہیں بلکہ قومیت کا غلام ثابت ہوتا ہے اور ایسے نظام میں جب انکی جنگِ عظیم اوّل قائم ہوچکی تھی تب لاکھوں جانوں کی بربادی کے بعد انسانیت کے حقوق پر وڈرو ولسن کو خیال تو آیا، لیکن اسلام کے نقطہ نظر سے انکا یہ دعواع قطعاً غلط ہے، انسانی حقوق کا اس سے پہلے کوئی ذکر تاریخ میں نہیں ملتا جبکہ اسلام کے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی جانب سے یہ فلاحی کام ساتویں صدی عیسوی میں سرانجام دیا جاچکا تھا- جسے اسلام کی تاریخ میں خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں. جو انسانیت کی تاریخ کا عظیم ترین قانونِ حقوقِ انسانیت بن کر ابھرا. اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نیشنلزم کی بنیاد بھی لادین طبقہ کی لادین ذہنیت کی اختراع ہے. اور پھر اسکے نقصانات سے خود ہی معترف ہیں کہ:

But the greatest danger of nationalim in our modernworld is that its loyalties are too narrow. It does not admit of obligations beyond its own frontiers, of rights and duties which tanscend the state. Yet in a world where space is conquered, where Sputniks circle above us and we can move faster than sound, we cannot confine our interests and responsibilites behind our own frontiners. that way leads to suicide for all states, great or small.(3)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہی نہیں بلکہ دلچسپی کا باعث بھی ہوگی کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے مطابق قرآنِ کریم کے معاشی تصوّرات کی روشنی میں جب وہ یورپ میں برپا سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں قرآن مزدور کا

---

(1) Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton London, November, 1959 /page-15

(2) ibid/page-16

(3) ibid/page-31-32

دستگیر دکھائی دیتا ہے۔'بانگِ درا' کی ای ایک چھوٹی سی نظم میں وہ کہتے ہیں:

کارخانے کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار — عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اسے ناسازگار
حکم حق ہے لیس للانسان الا ماسعی — کھائے کیوں زمدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار(۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال بھی کس حد تک ایک انسان کی عظمت کے قائل تھے کہ جس کا احساس دلانے کے لئے انکا یہ اظہار انسانیت کی ہمدردی کی نشانی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ نیشنلزم کے ساتھ آنے والے اگلے دورے جسے صنعت وحرفت کا انقلاب کہاجاتا ہے، ان دونوں میں اگر کوئی بات مشترک ہے تو وہ محض انسان کے حقوق کا صلب ہونا ہے اور سرمایہ دار کے سرمائے میں مزدور کا خون پسینہ شامل ہونا۔

انڈسٹریلیزم: بقول باربرہ وارڈ انسان خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے گزارتے اپنی تاریخی ارتقاء پر پہنچنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا چلا گیا جسکے نتیجے میں اُس نے جانوروں کو ہنکانے سے لیکر درختوں کی پیداوار بڑھانے کی صلاحیت میں روزافزوں ترقی کی۔ جسکی واضح مثال اُن پرانے مصریوں اور سماربین قوموں کی ہے جنہوں نے دریاوؤں کے پانیوں کا رخ اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے نت نئے جتن کئے، حتی کہ وہ پانی کو روکنے کی مٹی ناپتے ناپتے، جیومیٹری اور ٹرگنومیٹری جیسے کارآمد علوم ایجاد کر بیٹھے کہ جس سے یہ پتہ چلانے میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی کہ ایک بڑی مقدار پانی کے فوری چڑھاؤ کو کتنے کیوبک فٹ مٹی مکمل طور پر روک سکتی ہے۔ جو اپنے زمانے کی پہلی صنعتی ترقی کہلائی۔

> In learning to control the waters of their rivers, the early Egyptians and Sumerians had to accomlish many other things as well; for instance they had to have precise reckoning of how much soil would be covered by the rising waters and in all probability it was in measuring the soil for this purpose that geometry and trigonometry were evolved - all the techniques of measurement upon which modern science is based.(2)

صنعت کاری کی ابتداء ہی سے انسانوں کی ایک بڑی آبادی کھیتی باڑی سے علیحدہ ہوکر دنیا بھر کی صنعتوں کو پروان چڑھانے میں لگادی گئی۔ پھر کیا تھا ۱۸۲۰ء تا ۱۸۶۰ء کے صنعتی انقلاب نے ورکروں کے ہاتھ کچھ نہ لگا ماسوائے اسکے کہ اُنکی زندگیاں صنعتوں کی ترقی میں کھپنے لگیں۔ یہ وہی مارکس کا زمانہ تھا، جس نے برطانیہ کی حالت کو یکسر بدل ڈالنے کا بیڑا اٹھایا۔(۳)

---

(۱) ملک، پروفیسر فتح محمد، اقبال اور معاشی انصاف کی تلاش، شہید حکیم محمد سعید میموریل لیکچر، ہمدرد یونیورسٹی مشاہراہ مدینۃ الحکمہ، محمد بن قاسم ایونیو، کراچی، ۱۱ اپریل ۲۰۰۵ء/ص:۹

(2) Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton London, November, 1959 /page-38

(3) ibid/page-48

جسکا اعلیٰ ترین مقصد کاروباری ترقی میں منافع کی شرح کا مسلسل بڑھنا ہی نہیں بلکہ کسی بھی صورت میں نقصانات کا نہ ہونا لازمی شرط ہو۔

"The most important thing about the profit motive is that it is really the avoidance-of-loss motive. In other words, your cannot carry on a business if you do not sell your goods for the amount of money it costs to provudce them. This is the fundamental proposition, incidentally, for all industries, including public or state industry, because in the long run, the fact that you cannot pay out more than your are receiving is a law of nature from which no economy can escape.

In the private sector, the profit motive is the measure by which you estimate that the public is prepared to pay for your goods roughly what it has cost you to produce them. These costs, of course, include much more than the cost of labour, materials and present and future capital.(2)

انڈسٹریلائزیشن کی درجہ بالا اصطلاح جس میں منافع کو محض یکطرفہ کاروائی کا ذریعہ بنا کر صنعت وحرفت کو پروان چڑھانا دکھایا گیا ہے، وہ قرآن کے معاشی نظام کے سراسر مخالف روش ہے۔ جسمیں مسلمانوں کو حکم ہے کہ:

'قل لآ املک لنفسی ضرا و لانفعا الا ماشآء الله ط' (۲)

کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہے...

گویا نبی علیہ السّلام کسی بھی کام کی نوعیت میں اپنے لئے نفع ونقصان کے پہلو کو ازخود طے کرنے کے مجاز نہیں ہیں تو کاروبار میں کیونکر کسی بھی معاملے کے لین دین کے وقت وہ نبی کسی ایک خاص نوعیت کے لئے محض نفع حاصل کرنے کا درس دے سکتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ صنعت وحرفت کو محض پیسہ کمانے نفع حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ قرار دینا بے دین طبقے کا اصول ہے۔ جس میں ظلم کا پہلو بھی ازخود شامل ہوجاتا ہے اور وہ یوں کہ صنعت کار جو بھی قیمت مادر آئے محنت ومزدوری محض اپنے نفع کی مناسبت پر مہنگی ترین قیمت میں اشیائے صرف بازار میں لانے کا ارادہ کرے جو عوام کی قوتِ خرید سے دور ہوں لیکن وہ اُسے خریدنے پر مجبور بھی ہوں تو یہ ظلم کے زمرے میں آجاتا ہے اور جو عمل بھی ظلم سے لدا پھندا ہوگا وہ سود کے زمرے میں بھی داخل ہوجاتا یا ناجائز منافع خوری میں شمار ہوگا۔ جسکے لئے قرآنِ کریم میں اشارۃ ہے درجہ ذیل آیت کا:

لاتظلمون ولا تظلمون ۃ(۳) یعنی نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

---

(1) Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton London, November, 1959 /page-56

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ یونس/۱۰:۴۹

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۹

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سرمایادارانہ نظام معیشت میں عوام الناس پر خواہ ظلم ہو یا نہ ہو لیکن ہر حال میں پیداواری قوتوں کی سطح محنت کی بارآوری سے ناپی جاتی ہے. اکتوبر انقلاب کے بعد لینن نے لکھا تھا کہ نئے معاشرتی نظام میں وہ خاص بات جو پُرانے نظام پر اُسے فاتح بناسکتی ہے معاشرتی محنت کی بارآوری کی بلند تر سطح ہے. یہی سبب ہے کہ اشتراکی ملک معاشی ترقی کی شرح بڑھانے پر اتنی زیادہ توجہ دیتے ہیں. یہ نہ صرف انکی معاشی اور دفاعی قوت کو مضبوط کرنے کے لئے بلکہ سرمایہ داری پر اشتراکیت کی برتریوں کے بنیادی مسئلے کے حل کی خاطر بھی مقصود ہے.(۱) یہی وجہ ہے کہ جاگیردارانہ نظام کی مناسبت سے قرونِ وسطٰی میں سیاسی اختیارات بادشاہ اور جاگیردار میں منقسم تھے اور اسی بناء پر بادساہ اور اسکے نوابوں میں اقتدار کی رسہ کسی رہتی تھی. بادشاہ ملک کے انتظام میں زیادہ سے زیادہ دخل رکھنا چاہتا تھا اور جاگیردار اسکے اختیارات کو کم سے کم کرنے کی فکر میں رہتے تھے. تاجر طبقے کو اپنا مفاد اسی میں نظر آیا کہ جاگیروں کی سرحدوں کا خاتمہ کرنے اور اپنی تجارت کو وسیع تر کرنے کے لئے وہ ہر طرح بادشاہ کے ھاتھ مضبوط کریں. چنانچہ یورپ کے تقریبا ہر ملک میں اس طبقے نے بادشاہ کا ساتھ دے کر کہیں قوت کے ذریعے اور یک لخت اور کہیں بلا جبر اور تدریجی طور پر جاگیرداروں کو انکے سیاسی حقوس سے بے دخل کردیا اور اس طرح قومی ریاست کی بنیاد پڑی.(۲) اور اس ساری قوت و طاقت کا مقصد بے دینی اور مادر پدر آزادی کا پھیلانا ہے. پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ پچھلی چار صدیوں میں میکیاولی کی تعلیم کو جو قبول عام نصیب ہوا اسکی بڑی وجہ یہی نظریہ ہے. گوبلز کے مندرجہ ذیل الفاظ اس فکر کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں:

'ساری قوت اور طاقت کا مقصد صرف ایک ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مخالف کو شکست دی جائے.
ہماری تحریک مذہب کی پیش کردہ اخلاقی قیود سے یکسر آزاد ہے.

یہ ہیں مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی اور انکے انسانی زندگی پر اثرات. خواہ یورپ کی لادینی جمہوریت ہو یا روس و چین کی اشتراکیت یا ھٹلر اور مسولینی کی فسطائیت، یہ سب اسی ایک تہذیب کے مختلف رخ ہیں. انکی اساس اور بنیادی روح ایک ہی ہے اور یہ سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد کی مانند ہیں، انکے باہم اختلافات بجا، لیکن انکا بنیادی مزاج ای ہی ہے انکی جڑیں ایک ہی تہذیبی راوایت میں پیوست ہیں.(۳)

---

(۱) ولادیسلاف کیلے، ماتوے کوائزون، مترجم، بیگ، مرزا اشفاق، تاریخی مادیت، سٹی بک پوائنٹ، اردو بازار کراچی، ۲۰۰۷ء/ص:۲۷۶

(۲) احمد، پروفیسر خورشید، اسلامی نظریہ حیات ج شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۶۴

(۳) ایضا/۷۷

کالونیلزم: کالونی ازم ایک ایسا جوہر خالص ہے.جس نے یورپ کے لادینی مقاصد میں انتہاء درجہ کا کمال حاصل کیا.

It seems to be a fact of human nature that when one group of people becomes more powerful than another group, its instinct is to take over the weaker neighber.(1)

اس کا مقصد غریب پڑوسی پر امیر طبقہ کا حاوی ہونا ہے.جسکے باعث لازم ہے کہ ایک امراء کا اور دوسرے غرباء کا طبقہ بننا ایک فطری عمل ہے.لیکن اسلام میں اس کی تعلیم دی ہے کہ بیشک اللہ تعالی نے انسان کو ایک دوسرے پر مال وعمر میں فوقیت ضرور دی ہے.جسکا اصل مقصد محض دنیاوی ضرورتوں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے، نہ کہ ایک دوسرے پر برتی حاصل کرنا.جسکے لئے اللہ تعالی نے پیمانہ مقرّ رفرمادیا ہے؛'انّ اکرمکم عنداللہ اتقکم ط'(۲) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں وہ معتبر ومعزّ ز ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو. چنانچہ یورپ کی اس تحریک نے غرباء کے بستیوں کو'کالونی' اور امراء کی بستیوں کو'سوسائٹی' کا نام دے کر مستقل طبقاتی جنگ میں مبتلاء کردیا.جبکہ ہمارے نبیؐ محترم حضرت محمدﷺ کی تعلیمات تو یہ ہیں:'لایدخل الجنۃ من لا یامن جارہ بوائقہ'(۳) یعنی وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جسکی اذیتوں سے اسکا پڑوسی محفوظ نہ رہ سکے.

چنانچہ غریب طبقہ کی سب سے بڑی ذہنی اذیت یہی ہے کہ یورپ کی اس تحریک نے بھی انسانوں کے اذہان پر قبضہ جما کرانہیں انتہائی ناامیدی کا شکار بنا کرانہیں اپنے سرمایادارنہ نظام کا ایک حصہ بنا کررکھ دیا.اور اسکے ذریعے تمام طبقات کو مذاہب سے دورکرنے کے لئے غریب کے لئے امراء کے مال ودولت اور وسیع وعریض بنگلوں کی چاشنی ***attraction*** رکھدیا گیا اور امیر کی امارت غریب پر جتلانے کے لئے راستہ کھولدیا.تو گویا سرمایہ دار طبقہ ناصرف فیکٹریوں اور ملوں میں سرمایہ دار رہا بلکہ غریب کے لئے چوبیس گھنٹہ کا درد سری بن کر رہ گیا.کیونکہ وہ بار بار اپنے ہر عمل سے غریب پر قارون کی طرح یہ جتانے کی کوشش کرتا ہے کہ: قال انمآاوتیتہ علی علم عندی ط(۴) یعنی یہ سب کچھ مجھے اپنے علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے.گویا یہ میرے علم وفہم، میری ذہانت، فطانت، میری پیش بینی وپیش بندی، میری پلاننگ اور دوراندیشی ***foresight*** کا نتیجہ ہے.قرآنِ مجید اسکی نفی کرتا ہے، اسکی تعلیمات کی رُو سے محنت انسان ضرور کرتا ہے مگر جو کچھ اسکو ملتا ہے وہ سراسر اللہ کا فضل ہے نہ کہ اسکی محنت کا حاصل یا صلہ.اسلام کے اخلاقی نظام کے لئے اصل بنیاد یہی تصوّ رفراہم کرتا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کا اصل بنیاد ہے' قارونیت'.(۵)

---

(1) **Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World,London,1959 /page-61**

(۲) قرآنِ کریم؛سورۃ الحجرات/۴۹:۱۳

(۳) متفق علیہ

(۴) قرآنِ کریم؛سورۃ القصص/۲۸:۷۸

(۵) احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام کا معاشی نظام، مرکزی انجمن خدّام القرآن، لاہور، طبع ہفتم ۲۰۰۵ء/ص:۳۶-۳۷

کمیونزم: فی زمانہ دنیا میں دو ہی نظام معیشت عملی طور پر نافذ العمل ہیں، ایک سرمایہ دارانہ اور دوسرا اشتراکیت یعنی کمیونزم.

"To understand the modern impact of Communism we have to take up again some of the facts that have been out lined on earlier pages. One is the process by which enough capital was saved to set the industrial revolution in motion, another the effect of that revolution when it spread beyond the Atlantic basin to embrace all the peoples of mankind. In both cases, as we have seen , the procvess involved much that was brutal, haphazard and catastrophic; to these upheavals Communism is the response, brutal in its turn, catastrophic, too, and - for all its claim to have deciphered the 'objective' laws of history in very large measure equall haphazard and blind." (1)

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اگر چہ اشتراکیت **Communism** اور سرمایہ داریت **Capitalism** دونوں بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک مشرق ہے تو دوسرا مغرب، لیکن اسلام کے مقابلے میں ان دونوں میں ایک قدر مشترک ہے. یہ آپس میں تو متضاد اور مقابل ہیں لیکن اسلام کے مقابلے میں اپنے فکری پس منظر کے ساتھ ایک ہی تنے کی دو شاخیں ہیں. اسلام جہاں مادّیت کے مقابلے میں روحانیت اور اس دنیوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی عوت دیتا ہے یہ دونوں نظام صرف اور صرف مادہ پرستی کی بنیاد پر قائم ہیں. یہ فلسفۂ مادّیت ہی تھا جس نے ایک قدم آگے بڑھا کر جدلی مادّیت **Dialectical materialism** کی شکل اختیار کرلی اور **Communism** وجود میں آیا. اسلام کا معاملہ ان دونوں سے مختلف ہے. یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی ہی قائم کردہ بنیادوں پر اپنے مکمل ڈھانچے میں قائم ہوسکتا ہے اور کسی قسم کی پیوندکاری قبول نہیں کرتا. لہٰذا جب تک وہ نظریاتی بنیاد استوار نہ ہو اسلامی نظام کے ڈھانچے کا خیال گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنے کے مترادف ہوگا. پہلے نظریاتی بنیاد کا استحکام ضروری ہے اسلئے کہ اسلام تو 'ایمان' ہی کی بنیاد پر قائم ہوگا. اسکے علاوہ کسی اور جڑ یا بنیاد پر اسکے قیام کا تصوّر ہی بے کار ہے. (۲) اسکے برعکس کارل مارکس نے اپنا فکری خاکہ ھیگل سے مستعار لیا مگر اسمیں خود اپنے وجدان سے رنگ بھرا. اس نے روح کے تصور کو الگ کرتے ہوئے مادی اسباب، یا معاشی محرکات کو تاریخی ارتقاء کی بنیاد قرار دیا. (۳) مارکسی فکر کی اساس یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے. (۴) مارکس کے اس فلسفہ کے مطابق وہ معاشرے جو ایک ہی سا معاشی نظام رکھتے ہیں، لازمی طور پر ای ہی جیسا تمدن اور ایک ہی قسم کی اقدار رکھتے ہونگے. (۵) پس آگے چلکر یہ ہی فکر دنیا میں لادینیت سمیت یک رنگی قومیت پرستی کی بنیاد بنی. جسکا لازم نتیجہ پہلے انٹرنیشنلزم اور آج کے ماڈرن دور میں گلوبلائزیشن جیسے غیر مذہبی رجحانات کا ذریعہ بنا.

---

(1) **Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World, London, 1959 /page-90**

(۲) احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام کا معاشی نظام، مرکزی انجمن خدّام القرآن، لاہور، طبع ہفتم ۲۰۰۵ء/ص:۳۲

(۳) احمد، پروفیسر خورشید، اسلامی نظریۂ حیات ج شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء/ص:۷۳

(۴) ایضاً/ص:۷۸

(۵) ایضاً/ص:۸۱

انٹرنیشنلزم: دنیا گول ہے کا جملہ بہت پرانا ہو چکا، اب تو دنیا کو ایک گاؤں کا تصوّر دینے والی استعماری قوّتیں دنیا سے بہت کچھ مال ومتاع حاصل کرنے کے علاوہ ایک رجحان جو سب سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ کہ تمام اقوام کی مذہبی اقدار یکسانیت کی بنیاد پر جمع ہوجائیں۔ یہ گو کہ ایک ناممکن کام ہے، لیکن اسکا امکان محض اُسی صورت ممکن ہوسکتا ہے، جبکہ تمام دنیا کے لوگ لادینیت اختیار کرلیں جیسا کہ اہلِ یہود کے یہاں لادین طبقہ صہونیت یا ژونسٹ Zonist بن گیا، اہلِ نصاریٰ کے یہاں پہلے دودھڑے یعنی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے علاوہ مشرقی، مغربی، روسی وجرمنی بنیاد پرستی Orthodoxism کا شوشا دراصل مذہب سے دوری ہی کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے۔ دیگر مذاہب کو چھوڑکر اگر اسلام کی بات کی جائے تو اسمیں بھی استعماری قوتوں کے ہتھکنڈوں نے کیا خوب کمال دکھلایا، کہ فرقہ ورایت کی ہوا دیکر مسلمانوں کو اصل مذہب یعنی وہ دین جو اُسکی نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ دیکر گئے تھے، سے محض چند غیر شرعی رسومات کا غلام بنا کر رکھ دیا۔ جیسا کہ میں اکثر یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں کہ پاکستان جیسے ترقی پذیر مملکت میں غیر شرعی وغیر ضروری رسومات کے چراغاں کے لئے تو کئی کئی دن تک قمقمے جلانے کے لئے بجلی موجود ہوتی ہے، لیکن رمضان المبارک جیسے عظیم الشان ماہ شعار میں بجلی کا مصنوعی فقدان پیدا کرکے یہ بات کہہ کر جان چھڑالی جاتی ہے کہ لوڈشیڈنگ ناگزیر ہے۔

انٹرنیشنلزم کی بنیاد سائنس وفنیات کی ترقی کو دیا جارہا ہے، جبکہ اسکی پشت پر دیگر عوامل بھی کارفرماہیں:

"The first fact about our world is that owing to the activites of the scientist, the industrialist and the technician, it is, in a very real sense, physically one world.(1)

In one sense this is not perhaps a new insight. Western civiliztion has always been haunted by the vision of a just and compassionate human order. Western democrats and Western Communists both draw on the apocalyptic vision of the Bible in which 'God shall wipe away all tears from their eyes; and there shall be no more death, neither sorrow nor crying, neither shall there be any more pain: for the former things are passed away'. But in a static subsistence economy, the physical means of banishing misery are strictly limited.(2)

What is certain is that nothing in the West corrresponds to the driving, expansive Communist vision of a world system under sole Communist control.(3)

---

(1) Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World,London,1959 /page-115

(2) ibid/page-119

(3) ibid/page-123

انٹرنیشنلزم کی بنیاد سائنس وفنیات کی ترقی کو دیا جارہا ہے، جبکہ اسکی پشت پر دیگر عوامل بھی کارفرما ہیں:

"Barbra says: I am not at this point allotting blame. Let us take the most generous view of Soviet motivation and amdit that special defensive measures were reasonable in Eastern Europe. But in the same measure, we must admit the inevitability of the Western response. Apart from the atomic bomb - when America offered to internationalize -- there was precipitate disarmament in the West between 1945 and 1948.(1)

The European Powers have sloughed off colonialism too recently to be fully alive to the realities of the new world they have helped to create. America is by tradition too prosperous, too fortunate, too protected to fee, naturally and urgently, the necessity of world policieis or of a world strategy for peace."(2)

درجہ بالا پیراگراف سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب ازخود کمیونزم کے خیالات سے تنگ آ کر یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہوگیا کہ اسکے برخلاف کئی قسم کے محاذ کھڑے کرکے کم ازکم کمیونزم کی توبیخ کنی کی جاسکے۔ چنانچہ امریکہ کی یہ مداخلت بنیادی طور پر اُسے عالمی سطح میں گلوبل سرمائے کی محافظ عالمی ریاست بنکر ابھرا فی الحقیقت امریکہ ایک قومی ریاست ہے، لیکن وہ اس وقت ایک عالمی ریاست کا کردار ادا کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ دنیا کے لئے ایک گلوبل سرمائے کی پشت پناہی کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر ہم یہ بات عرض کریں گے کہ "اے کاش امریکہ جیسے مدبر ملک کو ہمارا یہ پیغام وصول ہوجائے کہ سرمایادارانہ اقتصادی نظام کے متبادل آسمانی مذاہب میں موجود روحانی اقتصادی تعلیمات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، پوری دنیا کو امن و بھائی چارگی کا سبق عطاء کرے۔" اور یہ کیوں ممکن نہ ہو، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وقت کسی ایک انسان کی غیر معمولی شخصیت اور اُسکے جذبہ نمود یا اسکی ھوس اقتدار عظیم انقلاب کا باعث بن گئی ہے۔ اسی طرح مذہبی تبلیغ اور اخلاقی اصلاح کے محرکات بھی تاریخ پر اپنے اثرات ڈالتے رہتے ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ تاریخی واقعات و حالات اور انسان کے اکثر افعال کی تہ میں اسباب ومحرکات کی طرح معاشی عوامل بھی پنہاں ہوتے ہیں اور زندگی پر اسکے اثرات بھی پڑتے ہیں۔(۳) یہی وجہ ہے کہ مذاہب کے مابین مکالمہ کا جتنا فائدہ آج ہے، شاید اس سے پہلے کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ ہماری اس بحث کا ابتک یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کی ہر طاقت نے اپنی جانب سے مکمل زور آزمائی کرڈالی کہ شاید دنیا میں معاشی استحکام کی کوئی راہ نکل آئے، لیکن جن نظاموں کی مذہب سے ہٹ کر پرکھ کی گئی ان نظاموں نے ثابت کردیا کہ انسان کی فلاح روحانیت ہی میں پنہاں ہے۔

(1) Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World,London,1959 /page-124
(2) ibid/page-139
(۳) ماہنامہ معاشیات، جلد-۵، شمارہ نمبر-۱۰، اکتوبر ۱۹۵۱ء، کراچی/ص:۵۱۰

علامہ اقبال کی لادین تہذیبوں پر تنقید کا خلاصہ

علامہ اقبال نے لینن کے جذبات سے اپنی بات کا آغاز فرمایا تھا، جسمیں کہا گیا ہے کہ لینن اپنی دہریت پسند کی ذمہ داری بڑی حد تک مغرب کے سرمایہ داری نظام، اس نظام کے پروردہ علوم وفنون اور اس نظام کی کوکھ سے پیدا ہونے والے فرنگی استعمار پر ڈالتے ہیں. ہر دم بدلتے ہوئے نظریات سے عبارت بے خُدا تہذیب میں پنپتے ہوئے علوم کی نارسائی کا یہ عالم ہے کہ:

محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے — بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت — پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری وعریانی وے خواری وافلاس — کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کے فیضانِ سماوی سے ہو محروم — حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ایک لادین تہذیب کی سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کا حاصل فقط ہلاکت آفریں ہتھیار ہیں. فرنگی مدنیت نے اگر ایک طرف بے کاری وافلاس کو پروان چڑھایا ہے تو دوسری جانب عریانی اور اوباشی کو ایک پسندیدہ معاشرتی چلن بنادیا ہے. لینن حریم کبریا میں اس بے خُدا تہذیب کی غارتگری کے خلاف فریاد کرتا ہے:

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں — حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے — کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا — جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود — وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات؟
مشرق کے خُداوند سفیدانِ فرنگی — مغرب کے خُداوند درخشندہ فلزات

گویا دہریت کے فلسفے کو مغرب کی سرمایہ دارانہ تہذیب نے ہی جنم دیا ہے. سرمایہ داری نظام نے خُدا کو دنیا بھر سے عملاً بے دخل کررکھا ہے. مشرق کے محکوم اپنے فرنگی آقاؤں کی پرستش میں مصروف ہیں تو اہل فرنگ زر کی پرستش میں منہمک ہیں. ایسے میں لینن خُدا سے یہ چبھتا ہوا سوال پوچھتے ہیں کہ وہ آدم کہاں ہے جو خُدا پرست ہو؟ سرمایہ داری نظام نے لوگوں کو اپنے استحصالی چنگل میں یوں دبوچ رکھا ہے کہ وہ اپنے خالق اکبر تک کو بھول بیٹھے ہیں.(۱)

---

(۱) ملک، پروفیسر فتح محمد، اقبال اور معاشی انصاف کی تلاش، شہید حکیم محمد سعید میموریل لیکچر، ہمدرد یونیورسٹی مشاہراہ مدینۃ الحکمہ، محمد بن قاسم ایونیو، کراچی، ۱۱ اپریل ۲۰۰۵ء/ص:۴

اہل کتاب کو غور و فکر کی دعوت

درجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ ہم نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے گو کہ اسپر لکھا تو کم گیا ہے، لیکن یہ بات قطعی ہے کہ اسلامی فلاسفرز حضرات نے اس موضوع کو زیر بحث لانے کی سعی ضرور کی ہے. نتیجہ یہ ہے کہ ہم دیگر مذاہب اہل کتاب سے گزارش کرتے ہیں کہ خُدارا سرمایہ دارانہ نظام معیشت کو پسِ پشت ڈالکر محض الہامی کتب کی ہدایات سے مدد لیتے ہوئے ایسا نظامِ معیشت اپنانے کی کوشش کریں جس کے لئے ہمارے خالق و مالک ازخود ہماری فطرت کے عین مطابق قوانین معیشت مرتب کردیئے ہیں، جنکو اپنا کر ہم نہ صرف امن وسکون کی زندگی گزار سکتے ہیں اور صدقہ وخیرات جیسی مدود سے ہم اس دنیا کے بھوک وافلاس میں مبتلا انسانوں کو غربت کے جھنجال سے نکال سکتے ہیں، جس سے نہ صرف انسانیت کی ایک بڑی تعداد خوش وخرم ہوسکے گی بلکہ ہمارا ربّ بھی ہم سے راضی ہوجائے گا.

اب ہم اسکی ایک مثال بطور خاکہ پیش کرتے ہیں؛ ۶ اگست ۱۹۵۰ء کو دوسری تین روزہ ''کُل پاکستان معاشی کانفرنس''، بروز اتوار، صبح ۹ بجے ڈھاکہ یونیورسٹی کے کرزن ہال میں منعقد ہوئی جسکی افتتاحی تقریب میں اُس وقت کے کُل پاکستان معاشی انجمن کے صدر نے جناب زاہد حسین صاحب، گورنر اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا.(۱) جسمیں دیگر گزارشات کے علاوہ جو سب سے اہم بات پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ:

> دنیا میں اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کا واحد طریقہ اسلامی اصولوں پر سختی سے کاربند ہونا ہے. اشتراکیت نے مادیّت کا درس دے کر انسان کو روٹی اور کپڑے کی ایسی بندھنوں میں جکڑ دیا ہے کہ اُسکے لئے روحانی ترقی کا کوئی ذریعہ نہیں چھوڑا. اسلام روحانی ضروریات پر زور دیتے ہووے انسان کی تمام مادّی مشکلات کا حل پیش کرتا ہے. وہ روحانی اور جسمانی دونوں پہلوؤں کو پیش کرتا ہے. انسانی شخصیت کی نشوونما روحانی ترقی کے بغیر ناممکن ہے. مادّیت کی بھول بھلیوں میں پھنس کر انسان اپنی شخصیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے. اشتراکیت بھوک اور عسرت میں پیدا ہوتی ہے. اگر ان حالات کو ختم کر دیجئے تو اشتراکیت خود بخود ختم ہوجاتی ہے. اور ان خرابیوں کو دور کرنے کا واحد علاج اسلام ہی میں مضمر ہے. حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ وہ ایک اسلامی جامعہ قائم کرے جہاں عوام اسلامی معاشیات کی تعلیم حاصل کرکے اشتراکیت کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ سکیں. (۲)

---

(۱) ماہنامہ معاشیات، انجمن ترقی اردو، کراچی، جلد-۳، شمارہ نمبر۹؛ ستمبر ۱۹۵۰ء/ص:۳۶

(۲) ایضا/ص:۳۹

کانفرنس کے اختتام پر انجمن کے صدر نے جناب زاہد حسین صاحب، نے کہا کہ" صدیوں کے بدیسی راج اور مغربی برتری نے ہمارے شاندار ورثہ اور اس سے بھی شاندار مستقبل کے سلسلے میں ہمارے ایمان کو متزلزل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ہمیں اپنی آنکھوں کو مصنوعی چکاچوند سے بچانا ہوگا۔ اپنے ذہنوں کو غلط راستہ اختیار کرنے سے روکنا ہوگا۔ اور اپنے دلوں کو کمزوری سے محفوظ رکھنا ہوگا۔ اس فلسفے سے جس کا آغاز مغرب سے ہوا اور جس نے انسانیت کو خوف و ہراس کی ان تھاہ گہرایوں میں گرادیا ہے ہمیں مضبوط دل، یقین محکم اور مستحکم ارادہ سے اپنے مستقبل بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔ یہ مستقبل ہمیں پکار رہا ہے اور یہ کچھ ہم سے زیادہ دور بھی نہیں ہے"۔(۱)

درجہ بالا خاکہ اسلام کا قلعہ بننے والی مملکت، اسلامی جمہوریہٗ پاکستان کے اُن سپوتوں کی اسلام کی خدمت میں ایسی مثال ہے، جو رہتی دنیا کو یہ بتلا رہی ہے، دنیا بھر میں کمیونزم کی تباہ کن قوتوں کے خاتمہ کے لئے پاکستان بھی اُسی وقت سے صف ماتم برپا کرنے میں امریکہ کا ہم نواء ہے، جب امریکہ میں انٹرنیشنلزم کا نعرہ بلند ہوا۔ اور کیوں نہ ہو، جبکہ پاکستان جس دین و ملّتِ اسلامیہ کا علمبردار بن کر دنیا کے کینوس پر برضائے الٰہی ظاہر ہوا، اُسکے پیرو جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی تو امن و آشتی کے زمانے میں حبشہ کے بادشاہ نجاشی و ہرقلِ روم، جیسے قیصرِ روم بھی کہا جاتا ہے، جیسی اُس وقت کی سُپر پاور کو یکجہتی کے خطوط ارسال فرمائے تھے جسمیں قرآنِ کریم کی درجہ ذیل آیتِ مبارکہ آپ ﷺ نے بطورِ پیغام الٰہی لکھوائی تھی،

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سو آء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله ولانشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاارباباً من دونِ الله ط فان تولوا فقولوا اشھدو بانّا مسلمون o (۲)

اے اھل کتاب آؤ ہم سب ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہم میں مشترک ہو اور وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں نہ اسکے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی ربّ بناویں۔ پس اگر وہ (اہل کتاب) منہ پھیرلیں تو آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ از خود اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ بجائے لڑائی کے، امن و آشتی کے ساتھ اہل کتاب کو مل جلکر ایسی معیشت کو جلا بخشنی چاہئے جو تمام سماوی مذاہب میں یکسانیت کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ میری تحقیق کی اصل روح درجہ بالا خطوطِ نبوی ﷺ اور قرآنِ کریم کا یہ پیغام ہے۔ جس کے لئے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس خدمت کو

(۱) ماہنامہ معاشیات، انجمن ترقی اردو، کراچی، جلد-۴، شمارہ نمبر ۹؛ ستمبر ۱۹۵۰ء/ص:۳۹

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ آلِ عمران/۳:۶۴

قبول فرمائیں گے۔اور یوں بھی مسلمانوں کو غیر مسلم اقوام سے بلا مقصد عناد رکھنے سے نہ صرف منع کیا گیا ہے بلکہ قرآنِ کریم میں ان سے دوستی کا باقائدہ حکم بھی بھیجا گیا ہے:

وان جنحوا للسلم فجنح لها وتوكل على الله ط انه هوا السميع العليم ٥ (١)

اگر وہ (غیر مسلم) صلح کی طرف جھکیں تو آپ (ﷺ) بھی صلح کی طرف جھک جائیں، اور اللہ پر بھروسا رکھیں یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سننے والا ہے۔

یہاں گزشتہ آیت کے حوالے سے جب یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ربّ بھی نہ بنائیں، تو اس سے مراد یقیناً مجازی خداؤں کا گھڑلینا ہے، جیسا کہ آج کے معاشی دوڑ میں لوگوں نے پیسہ کو مجازی خدا کا درجہ دیا ہے تو لامحالہ پیسہ فراہم کرنے والے افراد کی وقعت ایک مجازی خُدا سے کسی طرح کم نہیں۔اسی طرح درجہ بالا آیتِ مبارکہ میں اشارہ ضرور بالضرور دوستی وامن وآشتی سے رہنے کا ہے، لیکن ان سب کے باوجود اللہ ربّ العزّت نے اپنے بھروسے کو یاد دلانے کی تلقین اس آیت کے آخر میں فرما کر یہ یقین دلا دیا کہ دوستی کسی حد تک ایسی نقصان کا باعث بھی بن سکتی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا کرنے کے بجائے مکمل غیر مسلم معاشرے کے دئے ہوئے نظامِ معیشت پر کامل یقین کر کے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے بھروسے سے خالی ہوسکتے ہیں۔لہٰذا ایسے موقع پر بار بار اس بات کی یاد دھانی کرانا گویا انسان کی فطری بھول کو بے لگام ہونے سے بچانا مقصود ہے۔اور اس میں بھول کا پہلو بہت اہم کہ انسانیت کے جدِّ اوّل حضرت آدم وحوا علیہما السّلام پر شیطان کا نرغہ جنّت میں محض بھول ہی کا نتیجہ تھا، جسکے باعث آپ سے جنّت کی اعلیٰ درجہ کی معاشرت ومعیشت فطری طور پر جُدا ہوگئی، پھر جسکے حصول کے لئے کثرت سے رجوع الی اللہ اور اپنے گناہوں پر شرمندگی اور احساسِ جرم پر دعائیں سکھلائی گئیں، جسکے بعد کہیں جا کر آپ دونوں کی خلاصی ممکن ہوسکی۔ بالکل اسی طرح یہاں بھی اللہ پر بھروسے سے خالی لوگوں کی دوستی میں خطرات کا ذکر بھی کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس مسئلہ میں کسی بھی بڑی آفت میں پھنسنے سے بچ سکیں۔اور یہ فارمولا اگر دیکھا جائے تو اب بھی تمام اہل کتاب کے لئے یکسانیت کے ساتھ قابلِ عمل ہے کہ گو وہ کسی بھی آسمانی کتاب کے پیرو ہوں لیکن شیطٰن سے بچنا تو اُنکی آخرت میں کامیابی وناکامی سے متعلق مسلم امّۃ کے بالکل برابر ہے، اگر کوئی سمجھ سکے تو! پس یہ ہی وہ کاوش ہے جسکے لئے اس تحقیق کا بیڑا اٹھایا گیا کہ اگر مسلمان سمیت دیگر آسمانی مذاہب محض آسمانی کتب کی ہدایاتِ کے تناظر میں ایک یک جہتی معیشت کی بنیاد ڈالیں جس کی اصل ''سود'' سے پاک اور حلال وحرام کے پیمانوں سے لبریز ہو تو یقیناً دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الانفال/ ۸:۶۱

دوسری فصل

اسلامی تعلیمات کے امتیازات

تعارف

الحمدللہ میری تحقیق میں 'امتیازات' سب سے آخری موضوع بحث ہے. اس سے یقیناً میری مرادوہ اسلامی امتیازات ہیں جو معیشت کی دنیا میں دیگر آسمانی مذاہب کو بالخصوص اور روایتی نظام معیشت **Conventional Economic System** کو بالعموم راہ راست دکھانے کا موجب بن سکتی ہے. کیوں کہ اب تک ہم یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ کسی بھی معاشرے کی بنیادوں میں اگر مذہب کا عنصر نکال دیا جائے تو اُسکا نظام بظاہر عمل پیرانظر آتا ہے لیکن انتہائی کھوکھلے پن کے ساتھ، اور دیگر بنیاوں کو بھی کھوکھلا کرتے رہنے کا باعث بنا کرتا ہے، جسکی سب سے بڑی مثال کمیونزم کی محض ساٹھ تا ستر برس میں بُری طرح ناکام ہوجانے کی لی جاسکتی ہے، جسے آج کے معاشرے میں مسلمان تو کیا خاک ردّ **reject** کرتا، غیر مسلم اقوام میں یہود و نصاریٰ کے پیرو ہی نے اُسے اپنے مذہب میں رخنہ آمیز تصوّر کرتے ہوئے اس کے مدّ مقابل دوسرے نظامہائے جدید لیکر آئے. خواہ انکی کامیابی و ناکامی کے نتائج اب تک اُنکے نزدیک کچھ بھی ہوں لیکن یہ بات طئے ہے کہ اسلام کی آواز کو نقارہ خُدا تصوّر کیا جانا ان اہل کتاب کے ذریعے، میری نظر میں ایک فطری عمل ہے. جیسا کہ آج مغرب میں جو اقتصادی سہولیات بیروزگاری الاؤنس یا بیواؤں کی مدد کی صورت میں قائم ہیں، جنکے باعث مسلم امّۃ آج یہ تصوّر کئے بیٹھی ہے کہ ایسی ہمدردانہ قوم کے پاس یہ نظام انکے جدّت پسندی کا شاخسانہ ہوسکتی ہے، محض خام خیالی ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ آج کا مسلمان اپنی تاریخ سے نابلد ہے، اور جسکے نتیجہ میں وہ کسمہ پرسی کے عالم میں عالم مغرب کی چکاچوند روشنیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، جب کے اُسے نہیں علم کہ مغرب میں تمام معاشرت و معیشت کا نظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب کے دورِ حکومت سنہ ۱۴ھ تا ۲۴ھ یعنی ۶۳۵ء تا ۶۵۷ء تک کے دس ۱۰ سالہ دور میں مدّتِ خلافت میں اسلامی سلطنت کی جملہ وسعت ۳۶ لاکھ مربع میل تک وسیع ہوگئی، اتنی بڑی وسیع سلطنت کا انتظام خلیفہ نے اس خوبی سے کیا کہ کسی سپہ سالار یا صوبہ دار کو اُنکے حکم کی عدولی کی کبھی جرأت نہ ہوئی. (۱) جنکے دور سے یہ تمام مراعات شروع ہوئیں. اسمیں کوئی شک نہیں جو قوم بھی انصاف کی بات کو اپناتی ہے تو اللہ غنی ہے، اور مسلمانوں کا کسی حالت میں غیر محل کامیابی کا وعدہ نہیں کرتا کہ جب انہوں نے اپنے نبی وصحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کے راستے کو چھوڑا تو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور جنہوں نے باوجود ایمان نہ لانے پر اُسے

---

(۱) انصاری، محمد عبداللطیف، تاریخ عالم اسلام، الموتمر العالم الاسلامی، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء/ص: ۵۰

اپنایا وہ دنیا میں ایک پُرآسائش زندگی گزارنے میں کامیاب قرار دیئے گئے ہیں. چنانچہ اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں خود فیصلہ فرمادیا کہ: **ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیرو ما بانفسھم** ط (۱)

بے شک اللہ تعالی اُس قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلنے کی کوشش کریں.

یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا غیر مسلم کی کامیابی پر للچائی ہوئی نگاہ رکھنے سے کبھی بھی کامیابی نہیں مل سکتی، اسی طرح ان ممالک کے اندر بھی کبھی امن و آشتی کی ہوا برقرار نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ اپنے ممالک میں مذاہب کی بنیادوں کو مٹانے والے حربوں سے اپنے اپنے مذاہب کی حفاظت کی سعی نہ کریں.

ابھی گزشتہ فصل میں ہم نے دیکھا کہ لادین قوتوں کا لایا ہو نظامِ معیشت ایک کھوکھلا نظام ثابت ہو چکا ہے اور جس پر امریکہ جیسے جاہندیدہ مملکت کی بُردباری سے کمیونزم جیسے نظام کی بیخ کنی کی جا چکی ہے، لیکن یہ نظام جاتے جاتے اپنا بچولہ چھوڑ چلا جسے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کہتے ہیں. چنانچہ جن پانچ نقاط پر ماہرینِ معیشت کی لادین معیشت کے نظام کو چلانے کا دعواع موجو ہے، اسی کے برعکس اور اُس سے بہتر خطوط پر اسلامی معیشت کی بنیادیں استوار ہیں. جسمیں ہم پیچیدگی سے بچتے ہوئے مختصراً یوں نمبروار مقرر کر سکتے ہیں:

(۱) اسلام کا نظام ربّ العالمین کے پرتوئے رحمت، پورے عالم کے لئے بلاتفریق دین و مذہب، یکسانیت سے اپنانے کی دعوت دیتا ہے.

(۲) اسلام کا معاشی نظام آمدن سے زیادہ خرچ کے اصول سکھلاتا ہے.

(۳) تمام کا تمام اسلامی معاشی نظام عادلانہ نظام کی بنیاد پر قائم ہے.

(۴) اسلامی تعلیمات میں سود کا خاتمہ اور تجارت کے فروغ کا حکم ہے.

(۵) اسلام زکواۃ و صدقات کے ذریعے غربت کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیتا ہے.

اب ہم ان نقاط کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الرعد/۱۳:۱۲

(۱) اسلام کا نظام ربّ العالمین کے پرتوئے رحمت، پورے عالم کے لئے بلاتفریق دین ومذہب، یکسانیت سے اپنانے کی دعوت دیتا ہے.

اللہ تعالیٰ کا آخری قانون کلام اللہ کی صورت میں لفظِ 'قُرآن' کے نام سے پیغمبرِ آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ اطہر پر نازل کیا گیا.امام شعریؒ کے نزدیک قرآن ،لفظِ ' قَـرَنَ ' سے مشتق ہے.جسکے لغوی معنی "ملانے اور جوڑنے" "to make relationship" کے ہیں.جیسا کہ حج قِران کو قِران اس لئے کہتے ہیں کہ اسمیں حج اور عمرہ دونوں کوجمع کیا جاتا ہے.(۱) جس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ قرآنِ مجید بذاتِ خود دنیا کے تمام مذاہب میں رشتہ باھم پیدا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے نہ کہ آپس میں رنجشیں اور کدورتیں ؛ بلکہ قرآن میں کئی جگہ پر وار ہوا ہے کہ تم غیر مسلموں کے اُن خُداؤں کو جنکو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ،قطعاً بُرا نہ کہنا ،جسکے باعث کہیں وہ جہالت کی بناء پر تمہارے (مسلمانوں کے) ربّ کو بُرا بھلا نہ کہہ بیٹھیں:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم ط (۲)

اور تم بُرا بھلا نہ کہو اُن کو، جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ،کہیں ایسا نہ ہو کے پھر یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں.

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الاتقان فی علومِ القرآن میں فرماتے ہیں،قرآنِ مجید جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اُتارا گیا ہے وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نہایت جامع قانونِ ہدایت ہے. وہ اصول وکلیات کا جامع ہے اور اسکے جزئیات کی تفصیل و تعیین رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے عبارت ہے.(۳) یہی تو وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کی دوسری بڑی صورت کی دوسری ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے فرمادیا کہ بلا تفریقِ مسلم ومؤمن جو کوئی اللہ کا ڈر اور اُسکی محبت اپنے دل میں رکھے گا یہ کتاب یقیناً اُسے راہ راست دکھلائے گی.فرمایا گیا؛ **ذالک الکتاب لاریب فیه، ھدی للمتقین**o (۴) یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ جو تمام شکوک سے خالی اور اغلاط سے پاک ہے.اور اسمیں ہدایت اُس کے لئے ہے جو اللہ کا ڈر رکھتا ہے. چنانچہ قرآن دنیا کی وہ عجیب کتاب ہے جو اپنے آپ کو غلطیوں سے پاک ہونے کی تصدیق از خود کرتی ہے ،اِس جیسا دعوای کرنا کسی عام کتاب کی بساط میں شامل نہیں اور پھر جو بات سب سے اہم ہے وہ یہ کہ جس مقصد و فائدے کے لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے وہ

---

(۱) خان صاحب ،مولانا محمد اجمل، آدابُ القرآن ، مکتبہ اشاعتِ اسلام ، لاہور ، نومبر ، ۱۹۶۸ء/ص:۵

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الانعام/۶:۱۰۸

(۳) سیوطیؒ، علامہ جلال الدّین، ترجمہ انصاری، مولانا محمد حلیم، الاتقان فی علومِ القرآن، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن/ص:۵۶

(۴) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ /۲:۲

محض دنیا کی بھلائی ہے اور اسمیں کسی بھی صورت اسے مسلمان قوم کے لئے محدود نہیں کیا گیا، کہ اگر صرف مسلمان اللہ سے ڈرتا ہوگا تو کیوں نہ صرف اُسے ہدایت جیسی نعمت سے نوازا جائے گا، بلکہ یہ حکم عام ہے اور اس کتاب کو دیکھنے سے پہلے جن لوگوں کو ایک انجانے خُدا کی تلاش رہتی تھی وہ بھی اس کتاب کے الفاظ کو سُن کر یا دیکھ کر فوراً ایمان لے آئے، جیسا کہ تاریخ سیرت النبی ﷺ میں حضرت عمر فاروقؓ اور سلمان فارسیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ رسول ﷺ گزرے ہیں. چنانچہ اہل کتاب بھی اگر پوری کتاب نہ صحیح، اسکے معاشی فوائد والی آیات سے فائدہ اٹھانے کا عزم کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے مذہب میں رہتے ہوئے قرآنِ کریم کو رسول اللہ ﷺ کا چلتا پھرتا، زندہ و جاوید معجزہ تسلیم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے.

رسول اکرم ﷺ کی تشریحات کے بغیر قرآن سمجھ میں آنے والی کتاب نہیں!

یہ بات تو طے ہے کہ دنیا میں سب سے مقدّس ہستیاں جو انبیاء علیہم السّلام کے بعد پائی جاتی ہیں، وہ رسولوں کے براہ راست شاگرد ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ حضرتِ مسیح علیہ السّلام کے انصاری جو کہ اُنکے 'حواریّن' کہلاتے ہیں.

قال عیسی ابن مریم للحواریّن من انصاری الی اللہ ط قال الحواریون نحن انصاراللہ ..... (۱)

حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسی علیہ السّلام نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں.

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عیسی علیہ السّلام خود ایک یہودی نبی تھے اور اُنکی دعوت و رسالت بھی یہودیوں تک محدود تھی، ان ابتدائی یہودی عیسائیوں کو حضرت عیسیؑ کے نام ''مسیح ناصری'' کی نسبت سے ''نصاری'' کہا جاتا تھا حضرت عیسیؑ کے ماننے والوں کا یہ نام کئی صدیوں تک مستعمل رہا، پھر جب پولس نے مذہبِ عیسوی میں تبدیلی کی اور غیر قوموں کے لوگوں کو شریعت موسوی کی پابندی اٹھا کر مذہب عیسوی میں داخل کرنا شروع کیا تو ان نو عیسائیوں کو امتیاز کے لئے ''مسیحی'' **Christian** کہا جانے لگا.(۲)

لیکن یہ بات بھی ہمیں قرآن ہی کے ذریعے بتلائی گئی کہ مسیح علیہ السّلام کے حواریّن کا ذکر انکے دور کے بعد ہی ختم ہوگیا تھا. کیونکہ مسیح علیہ السّلام کے بعد نصاری فرقوں میں بٹ گئے:

فاختلف الاحزاب من بینھم ج فویل للذین کفروا من مشھد یوم عظیم ٥ (۳)

پھر (اہل کتاب نصاری) فرقوں نے باہم (عیسیؑ کی حقیقت کے بارے میں) اختلاف کیا، سو جن لوگوں نے کفر کیا اُنکے لئے وہ وقت بڑی تباہی کا ہوگا جبکہ وہ ایک بڑا دن دیکھیں گے.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الصف/۶۱:۱۴

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۲۲، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۹ء/ص:۲۹۳

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ مریم/۱۹:۳۷

بالکل اسی طرح اللہ تعالی نے اس امت پر جو کرم فرمایا ہے وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھی یعنی انہیں اصحابِ رسول کا درجہ دیا جاتا ہے. چنانچہ اللہ تعالی نے اُن حضرات کی محمد رسول ﷺ سے پُرخلوص محبت و ایثار کے باعث اللہ تعالی نے انہیں جو درجہ دیا ہے وہ دنیا کی کسی ہستی کو نہیں ملا: رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ٥ (١) یعنی اللہ تعالی اُن سے راضی ہوئے اور وہ اللہ سے راضی! اسی کو کسی اللہ والے نے بہت خوب کہا: ؎ اپنے یوسف کو میرے یوسف پہ مت ترجیح دے

اے زلیخا اِس پہ سر کٹتے ھیں اُس پر اُنگلیاں (٢)

یعنی محمد ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال وحُسن سے کہیں زیادہ خوبصورت تھے، اور حضرت یوسفؑ پر تو انکے جمال کو دیکھ کر عورتوں نے اپنی اُنگلیاں کاٹ ڈالی تھیں، لیکن آپ محمد ﷺ کے اصحاب تو آپ ﷺ پر ایسے فِداء ہوئے کہ اپنی جانوں کا نذرانہ ہی پیش کرڈالتے تھے. تو ایسے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو درس نبی پاک ﷺ کا ہمیں ملا ہے وہ بالکل مصدّقہ ہے. کیونکہ یہ بات بھی اسلام میں خصوصیت رکھتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریحات کو اوّل درجہ پر سمجھنے کی صلاحیت بھی وہ ہی صحابہؓ کی جماعت رکھتی تھی. چنانچہ جب نبی علیہ السلام نے یہ فرمادیا کہ

'وقد ترکت فیکم ما ان اعتصم بہ فلن تضلوا ابدا، امرا بینا کتاب اللہ وسنة نبیہ (٣)

اور میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ اگر ان کو تھامے رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے صاف و روشن اللہ کی کتاب اور اسکے نبی ﷺ کی سنت. (٤)

یہاں سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر کی اصل حضرت محمد ﷺ کا دکھلایا اور سمجھایا ہوا راستہ ہے. چنانچہ اقتصادیات کی اصل روح کو پرکھا جائے تو ہمیں حضور نبی علیہ السلام کی وہ اوّل چالیس سالہ مبارک زندگی نظر آتی ہے، جسمیں آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور پورے عرب کے جہالانہ معاشرے میں 'صادق وامین' کہلائے گئے. تو یہ کیونکر ممکن نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک بگڑے ہوئے معاشرے میں سچّائی و دیانت داری کی تجارت کو پھیلایا ہو اور تجارتی اصولوں کو مسلمانوں سے چھپایا ہو. چنانچہ یہ بات ہم مسلمانوں کے لئے باعث شرم تو ہے ہی کہ ہم اپنے نبی علیہ السلام کی دی ہوئی شریعت کو بالائے طاق رکھ کر لادین طبقے کے فلسفیوں کے دیئے ہوئے اقتصادی نظاموں پر کُلی بھروسہ کرکے، آج کے دور میں بڑے بڑے دین

---

(١) قرآنِ کریم؛ سورۃ البیّنۃ/٩٨:٨

(٢) شاہ، حکیم محمد اختر، راہِ مغفرت، کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی، س ن/ص:٧

(٣) احمد، پروفیسر ڈاکٹر نثار، خطبۂ حجۃ الوداع -حقوقِ انسانی کا عالمی منشور، دفعہ-٣٢؛ شق-٨٦؛ ناشر: بیت الحکمت، لاہور، ٢٠٠٥ء/ص:١٨١

(٤) ایضاً/ص:١٩٥

دار یہ بات حیران ہوکر پوچھتے ہیں کہ 'کیا سود سے پاک تجارت بھی سود مند ہوسکتی ہے؟' چنانچہ یہ بات اُن حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ آخر اپنی تاریخ کو کیوں نہیں کھنگالتے کہ نبی پاک ﷺ کے بعد سے خلفاء راشدین کے دور یعنی ۱۱ ھ تا ۴۰ ھ اور اسکے بعد سے ۱۹۲۴ء تک ترک عثمانیہ کے انحطاط شروع ہونے تک کے طویل دور میں کیا مسلمان کسی IMF جیسے ادارے کے مقروض تھے یا کسی اور مغربی طاقت سے بھیک مانگا کرتے تھے. اسی طرح برصغیر پاک و ہند کی تاریخ گواہ ہے کہ یہ ایک ہزار برس مسلم حکومت دنیا کی طاقتور ترین حکومتوں میں سے ایک تھی. تو یہ سب کچھ کہاں گیا، اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی ہدایات سے دوری کے باعث یہ تمام نعمتیں مسلم امۃ سے چھن گئی، اور انکا حصول صرف پیروئ رسول وشریعتِ الٰہیہ کے مکمل اپنانے میں ہی ممکن ہے.

(۲) اسلام کا معاشی نظام آمدن سے زیادہ خرچ کے اصول سکھلاتا ہے.

اسلام میں تجارت کے اصولوں میں سے بنیادی تعلیم جو اللہ تعالی نے قرآنِ کریم دی ہے وہ معاد یعنی آخرت کے تصوّر کو سامنے رکھ کر چلنے کی ہے:

یـایها الذین آمنوا هل ادّلکم علی تجارۃ، تنجیکم من عذاب الیم ٥ تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون فی سبیل الله باموالکم وانفسکم ط ذالکم خیرلکم ان کنتم تعلمون ٥ (۱)

اے ایمان والو، کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتلادوں، جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچالے. اللہ تعالی پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو.

اس آیتِ مبارکہ میں آخرت کی کامیابی کو تجارت بتلایا گیا ہے، اور اپنے مال اور جانوں کا صحیح مصرف اللہ اور اسکے رسول پر فِداء ہونے پر جتلایا گیا ہے. حضرت مولانا عبدالماجد دریآبادی اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

چونکہ قرآن کے مخاطبین اوّل قریش عرب ایک زبردست تجارت پیشہ قوم اور بڑے کاروباری لوگ تھے ،قرآن مجید کا ان مخاطبت تجارتی، معاشی، کاروباری اصطلاحیں، بیع، شراء، مال، ربح، خسران، اشتراء ثمن، قرض، قرضِ حسن، دین، ربوا وغیرہ لانا ان مخاطبین کی خاص رعایت رکھنا ہے- (حقائق امور کا) انوکھی تجارت کی تفسیر اس آیت نے خود کردی. جو قومیں آخرت پر یقین رکھنے کا دعوی کرتی ہیں، وہ اسے خوب سمجھے رہیں کہ انسان کی اصلی کامیابی یہی عالمِ آخرت کی مستقل پائیدار کامیابی ہے- لازوال مسرّت بے پایاں راحت اور غم والم سے نجات. (۲)

---

(۱) قرآن کریم: سورۃ الصف/۶۱:۱۰-۱۱

(۲) دریآبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی، کراچی، س ن/ص:۱۱۰۴-۱۱۰۵

خلاصہ یہ ہوا کہ آج کل کی معاشیات یا علم المال کی دو بڑی بحثوں (الف) مال کا کسب وحصول اور (ب) اس کا استعمال و انفاق ، ان میں نفس کسب کے تدابیری مشاغل یا سرگرمیوں پر کوئی زور تو قرآنی یا اسلامی معاشیات میں سرے سے ندارد ہے۔اور جو کچھ ہے وہ کسب کی ناجائز یا باطل تدبیروں اور طریقوں کو روک تھام پر، ورنہ اصل زور کسب کے بجائے انفاق ہے اور جس پر تذکرہ اتنا ملتا ہے کہ اسلامی معاشیات کو معاشیاتِ انفاق کہنا بے جانہ ہوگا۔(۱)

اسلامی معاشیات کا پہلا اصول 'انفاق' ہے!

انفاق کے معنی اس تحقیق میں جابجاء بحث کا حصّہ رہے ہیں، یہاں یہ بات عرض کرنا ہے کہ موجود دور کی لادین معاشیات کا اصول ہی من مانی راہوں پر خرچ کرنے پر اکتفاء کرتا ہے، جو کہ سراسر انسان کو خودسر بنادیتا ہے کہ جب اُسے اسراف کی عادت قبیحہ پڑجائے تو اب اُسے لامحالہ ناجائز ذرائع سے اپنی آمدنی کا بجٹ پورا کرنا ہی پڑے گا جسکے لئے رشوت، قمار، سٹہ جیسی بداعمالیاں وجود پاتی ہیں، جنکی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہی۔ چنانچہ اللہ تعالی نے انفاق پر کثیر تعداد میں آیاتِ قرآنی نازل فرمائی ہیں۔جس کا مقصد انسانیت کو اصل منزل کی جانب گامزن کرنا ہے۔البتہ انفاق میں جو چیز سب سے اہم ہے وہ یہ کسب کو انفاق کا ذریعہ بتانے کے بعد انفاق کو نیکی کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا ہے اور وہ تب پورا ہوگا جب انفاق مکمل صاف نیت کے ساتھ اور اپنے مصرف کی عزتِ نفس کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ہو۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے تربیت دی ہے کہ:

یاایھاالذین امنوا انفقوا من طیبت ماکسبتم ومماآخرجنا لکم من الارض ص ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الآان تغمضوا فیه ط واعلوما ان الله غنی حمید ٥ (۲)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو، ان میں سے بُری چیز کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا، جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں اگر آنکھیں بند کرلو تو، اور جان لو کہ اللہ تعالی بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔

اسی لیے جناب رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

عن انس رض قال؛ قال رسول الله ﷺ، والذی نفسی بیده لایؤمن عهد حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه۔(۳)

نبی پاک ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ایسی چیز اپنی بھائی کے لئے پسند نہ کرے جو وہ خود پسند کرتا ہوا اپنے لئے۔

---

(۱) ندوی، مولانا عبدالباری، تجدید معاشیات، نفیس اکیڈمی، بلاسس اسٹریٹ، کراچی، جولائی ۱۹۶۲ء، ص:۹۲

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۶۷

(۳) متفق علیہ

اس سے ثابت ہوا کہ خرچ کرنے کی جب نیّت خالص ہوگی تو لامحالہ اُس کی آمدن کی نیّت بھی خالص اور پاکیزہ حلال ذرائع سے ہوگی. جو نفسیاتی طور پر پورے معاشرے سے باطل رقوم کا بٹورنا، ذخیرہ اندوزی، چوری چکاری اور دیگر جرائم پیشہ آمدن سے انسان ازخود پرہیز کرتا نظر آئے گا. اور یوں ایک فرد سے پورے معاشرے کی اصلاح ممکن ہوتی چلی جائیگی. جبکہ انفاق کا اپنا علیحدہ فائدہ یہ ہوگا، کہ بیروزگار لوگوں کو خود بخود فی سبیل للہ کے یا بیتِ المال کی کفالتی عضو کے ذریعے روزگار یا الاؤنس ملتا رہے گا، تو پھر معاشرے میں بدامنی کا سوال ہی کیا ہے.

لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟

یسئلونک ماذا ینفقون ط قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمکین وابن السّبیل ط وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم ٥ (١)

آپ (ﷺ) سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے. اور تم جو کچھ بھلائی کروگے اللہ تعالی کو اس کا علم ہے.

یعنی جو اصحابِ رسول ہیں وہ بھی اللہ تعالی کے رسول ﷺ سے پوچھ پوچھ کر چلتے ہیں تو جب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے! مال و دولت، وقت وقوت اور دل و دماغ علم وفہم کی ہر چھوٹی بڑی صلاحیت جو کچھ تم کو دی گئی ہے، سب خرچ ہی کرنے کے لئے تو دی گئی ہے. ہاں پوچھنے کی بات یہ البتہ ہے کہ کس کام میں خرچ کریں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ خود اپنی مسرفانہ عیش وعشرت، زیب و زینت پر نہیں، بلکہ 'جو کچھ بھی تم خرچ کرو، ماں باپ پر، بھائی بندوں پر، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں پر اور ایک خرچ کرنے ہی پر کیا موقوف ہے جو بھی نیکی کا کام تم کرو اللہ اسکو خوب جانتا ہے. (٢) تو گویا اب یہ مسائل سب کے لئے آسانی سے حل شدہ ہیں کہ عام آدمی کو مصارف میں کہاں خرچ کرنا افضل ہے اور کہاں بالکل نہیں کرنا چاہئے.

اسلامی تعلیمات میں اسراف کی ممانعت اور بچت کی اجازت ہے

کیونکہ اسراف اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں خرچ کی مد میں قید کی ایک مثال اسراف سے بچنا بھی ہے. قرآنِ کریم میں اسراف کے لئے لفظ 'تبذیر' استعمال ہوا ہے، جسکی اصل بذر یعنی بیج کے ہیں، جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ صحیح جگہ پر پڑرہا ہے یا اس سے ادھر ادھر، بلکہ کسان بیج ڈالے چلا جاتا ہے. تبذیر یا فضول خرچی بھی یہ ہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج ڈالنے کی طرح اڑاتا پھرے اور خرچ کرنے میں حدشرعی سے تجاوز کرے اور بعض کہتے

---

(١) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ /٢:٢١٥

(٢) ندوی، مولانا عبدالباری، تجدید معاشیات، نفیس اکیڈمی، بلاسس اسٹریٹ، کراچی، جولائی ١٩٦٢ء/ص:١٠٠

ہیں تبذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تھوڑا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تبذیر میں آجاتی ہیں.اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اسکے مرتکب کو شیطان سے مماثلت تامہ ہے اور شیطان کی مماثلت سے بچنا، چاہیے، چاہے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو، انسان کے لیے واجب ہے پھر شیطان کو کفور یعنی بہت ناشکرا کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کردی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اسکی طرح کفور یعنی بہت ناشکرے قرار دے دیئے جاؤ گے.(۱) پس اسی لئے قرآنِ کریم نے سخت وعید اتاری ہے:

وآتِ ذا القربی حقّه والمسکین وابن السّبیل ولا تبذر تبذیرا ○ ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین ط وکان الشّیطن لِربّه کفورا ○ (۲)

اور رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔ بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں.اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے.

یہاں پر اس سے اگلی آیتِ مبارکہ نفسیاتی دباؤ سے نکلنے کے لئے ایک راہنماء علامت بتائی جارہی ہے:

واِمّا تعرِضن عنهم ابتِغآء رحمة من ربک ترجوها فقل لهم قولا میسورا ○ ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا ○ (۳)

اور اگر تمہیں اُن سے منہ پھیر لینا پڑے، اپنے ربّ کی اُس رحمت کی جستجو میں، جس کی آپؐ امید رکھتے ہیں تو بھی چاہئے کہ عمدگی اور نرمی سے انہیں سمجھا دیں، اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھیں اور نہ اسے بالکل کھول دیں کہ پھر ملامت کیے ہوئے درماندہ بیٹھے رہ جائیں.

ان دونوں آیات میں دو مسائل اللہ تعالی نے حل فرمائے ہیں، اگر ہم آج کے جدید معیشت کے نظام سے منہ موڑنا چاہیں تو اُس کے لئے یہی فارمولا ہے کہ ہمیں حکمت و بصیرت سے لوگوں کو سمجھانا پڑے گا، کیونکہ لوگ تو زیادہ منافع اور کم سے کم زحمت اٹھانا چاہتے ہیں۔ تب ہی تو لوگ حیرانگی سے یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ غیر سودی معاملہ تجارت میں کامیابی کی کیا دلیل ہے.اسی دوسرا مسئلہ یوں ہے کہ اپنا ہاتھ گرن سے بندھا ہوا اور بالکل آزاد نہ چھوڑنا، ایسا ہے کہ اسلامی تعلیمات بچت کے پہلوؤں کو بھی مدِّ نظر رکھتی ہی کہ تمام کا تمام مال خرچ کردینا کوئی عقلمندی نہیں بلکہ کچھ بچت کرنا بھی جائز ہے تاکہ ہمارے اچانک اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ہماری اولا ہمارے ہی کفن دفن کے لئے کسی سے قرضہ یا بھیک مانگتے نہ رہ جائیں.

---

(۱) یوسف، حافظ صلاح الدین، ترجمہ جونا گڑھی، مولانا محمد، تفسیر احسن البیان، دارالسّلام پبلشرز، ریاض، سعودیہ عربیہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۸ء/ص:۶۸۱

(۲) قرآنِ کریم؛سورۃ بنی اسرآئیل/۱۷:۲۶-۲۷

(۳) ایضا/۱۷:۲۸-۲۹

اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا اجرِ عظیم کا باعث ہے

عن ابی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ : دینار انفقته فی سبیل الله ، ودینار انفقته فی رقبة ، دینار تصدقت به علی مسکین، ودینار انفقته علی اهلک ، اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلک . (۱)

ابو ہریرہؓ نے ارشاد فرمایا، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم جو ایک دینار اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور پھر کوئی ایک دینار خرچ کر کے کسی کی گردن چھڑائے تو ان سب سے افضل یہ ہے کہ تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے، کہ خرچ کا کرنا اپنے گھر والوں پر اجرِ عظیم کا باعث ہے۔

گھر یا مکان کا انسان کی بنیادی ضرورت ہونا عقلی اور تجرباتی طور پر تو مسلم ہی ہے .شرعی اعتبار سے بھی انسان کی ایک بنیادی اور واقعی ضرورت ہے. چنانچہ بیویوں کے ضروری نان نفقہ جس کا مہیا کرنا خاوند کی شرعا ذمہ داری ہے، کے ضمن میں ارشادِ باری تعالی ہے:(۲) اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم ٥ (۳) انکو گھر یعنی رہائش دو رہنے کے واسطے جہاں تم خود رہتے ہوا پنے مقدور کے موافق. بالکل اسی طرح ایک آدمی کی بنیادی ضروریات کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس لابن آدم حق فی سوی هذا الخصال بیت یسکنه و ثوب یواری به عورته و جلف الخبز والماء – هذا حدیث صحیح . (۴)

ابن آدم کا اِن چیزوں کے علاوہ کسی چیز میں کوئی حق نہیں:

۱- گھر، جسمیں وہ سکونت اختیار کرے. بیت یسکنه

۲- کپڑا یا لباس، جسکے ذریعے وہ اپنے قابلِ ستر بدن کو چھپائے. ثوب یواری عورته

۳- روٹی کا ٹکڑا اور پانی حلف الخبز و الماء (۵)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ نے حق کے معنیٰ 'حاجۃ' یعنی 'ضرورت' لکھا ہے اور درج بالا اشیاء کو 'ضروریاتِ بدن' قرار دیا ہے.(۶) جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے گھر میں کھانا اور مشروب تناول کرتے تھے، ان میں سے ایک وہ ہے جس کے مطابق آپ ﷺ اپنے گھر میں کھانا اور مشروب تناول کرتے تھے انمیں سے ایک وہ ہے جس کے مطابق

---

(۱) احمد بن حنبل، مسند، مرویاتِ ابی هریرة رضی اللہ عنہ وترجمہ، مسلم: الصحیح، ج ۲ کتاب النفقات عن ثوبان رضی اللہ عنہ.

(۲) سعد اللہ، حافظ محمد، نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، برائٹ بکس، اردو بازار، لاہور، مئی ۲۰۰۳ء/ص:۱۰۵

(۳) قرآن کریم؛ سورة الطلاق/۶۵:۶

(۴) حدیث فی جامع ترمذی، طبع کلاں نور محمد کراچی، ص:۳۳۹/مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، طبع کلاں، کراچی ص:۴۴۲

(۵) بحوالہ: غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۴۳ء/ص:۵۳۶

(۶) قاری، ملا علی: مرقاة شرح مشکوة: ۹: ۳۶۸ مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن

آپ ﷺ اپنے ربیب میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا. آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی کہ بسم اللہ کہہ کر اپنے سامنے سے کھانا کھایا کرو.(۱)

ہمارے راہنمائے اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایثار و قربانی کی مثال اس معاملہ میں بالکل انوکھی ہے، جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینۃ النبی ﷺ تشریف لائے تو رہائش کی ضرورت دیگر مہاجرین مکّہ کو بھی درپیش تھی اسکے لئے آپ ﷺ نے پہلے انصارِ مدینہ اور مہاجرین مکّہ کے درمیان 'مواخات' **Fraternity** کا تاریخی اور مثالی عقد قائم فرما کر مہاجرین کی رہائش کا انتظام فرمایا، پھر اللہ کا گھر یعنی مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر فرمائی. اور اسکے بعد اس شاہِ عرب اور تاجدارِ مدینہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لئے دنیا کے عام حکمرانوں اور بڑے لوگوں کے برعکس پُر تکلف محلات یا پُر تعیش بنگلے اور لمبی چوڑی کوٹھیاں نہیں بلکہ انتہائی سادہ اور مختصر جھونپڑے نماں حجرے تعمیر کرائے اور یہ حجرے آپ ﷺ کے وصال تک جب کہ اسلامی حکومت کا دائرہ حجاز، یمن، نجد، طائف اور بحرین سمیت دس لاکھ مربع میل تک پھیل چکا تھا. جوں کے توں رہے اور آخر تک اُنمیں کوئی فرق یا تبدیلی نہ آئی.(۲)

(۳) تمام کا تمام اسلامی معاشی نظام عادلانہ نظام کی بنیاد پر قائم ہے.

عادلانہ نظامِ معیشت سے مراد یہ ہے کہ ہر معاملہ لین دین میں عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائیگا. چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں عدل اور احسان پر سب سے زیادہ زور دیا ہے:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآئ ذی القربی وینھی عن الفحشآء ولمنکر والبغی ج یعظکم لعلکم تذکرون ٥ (۳)

اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے. وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو.

یہاں عدل سے مراد، انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے. اور احسان سے مراد حسن سلوک و عفو و درگزر اور معاف کرتے رہنے سے ہے اور دوسرے معنی تفضّل کے ہیں، یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا. مثلاً کسی کام کی مزدوری سو روپے طے ہے، لیکن دیتے وقت ۱۰، ۲۰ روپے زیادہ دے دینا، طے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور

(۱) صدیقی، ڈاکٹر محمد یسین، معیشتِ نبوی مدینہ منورہ میں؛ بحوالہ - سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی، فارم ۴، رول ۹، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ، یوپی، ہندوستان/ص:۲۸

(۲) سعد اللہ، حافظ محمد، نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، /ص:۱۰۶ بحوالہ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، کراچی، ۱۹۸۱ء/ص:۲۴۴

(۳) قرآن کریم؛ سورۃ النحل/۱۶:۹۰

یہ عدل ہے، مزید ۱۰، ۲۰ روپے یہ احسان ہے.(۱) چنانچہ نبی پاک ﷺ کی تعلیمات میں لین دین کے معاملے میں انتہائی عدل و انصاف اور حسن وسلوک پایا جاتا ہے. آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: اعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه .(۲)

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مزدور کی مزدوری اُسکے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو.

لہٰذا لین دین کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کی محنت کا حاصل وصول کرنے میں اُسے کوئی دقت نہ اٹھانی پڑے. جیسا کہ دنیا میں یہ رواج عام پکڑتا جارہا ہے کہ پرائیوٹ ادارے لوگوں سے کانٹرکٹ کے نام پر کام تو لے لیتے ہیں، لیکن اُنکی مزدوری کی ادائیگی میں کئی کئی دن یا مہینے گزار دیتے ہیں، جبکہ اس عرصے میں یا تو حکومت کی جانب سے لاگو ٹیکس کی شرح میں اضافہ ہو چکا ہوتا ہے، یا پھر اِس محنت کرنے والے شخص کے گھریلو معاملات میں انتہائی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں. اسی طرح انصاف و عدل کا دوسرا رخ ناپ تول میں ٹھیک ٹھیک پیانے کا استعمال کرنا بھی شامل ہوتے ہیں. جسکے لئے راہِ راست پر لانے والے ذرائع کا استعمال انتہائی ناگزیر ہوجاتا ہے: **واقیموا الوزن بالقسطِ ولاتُخسروا المیزان**o (۳)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو.

یہاں پر بالقسط سے یہی مراد ہے کہ انصاف کا تقاضا پورا اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ لین اور دین والے اشخاص میں اشیائے صرف اور عوض یعنی اُجرت کا معاملہ ایک مقررہ کسوٹی کے ساتھ پوری نہ ہو. چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مساوات کا درجہ محض ناپ تول میں کمی ہی کو نہیں بتلایا بلکہ اسلام کا مزاج تو ایسا ہے کہ جتنا مساوات میں خلل پڑنے کو ناپسند کرتا ہے، چاہے وہ کسی صورت اور کسی بھی وضع میں ہو، اتنا کسی اور چیز کو ناپسند نہیں کرتا. وہ اپنے ماحول سے کسی چیز کی ایسی نفی بھی نہیں کرتا جیسی پیدائش، جنس، رنگ یا مال و دولت کے باعث پیدا ہونے والے تفاوت کی نفی کرتا ہے. وہ طاقت اور مقدور میں فرق کے قاعدے کو تسلیم کرتا ہے لیکن اسکے نزدیک سب کو یکساں مواقع کا بہم پہنچانا واجب ہے. سو جب کوئی آدمی صرف خداداد ذہانت سے دوسروں پر سبقت لے جاتا ہے نہ کہ کسی اور سبب سے پس یہی وہ سبقت ہے جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے.(۴) تو گویا لوگوں نے وزن اور ناپ تول کو تو محض ترازو تک محدود اصول سمجھ لیا ہے جبکہ اسکی وسعت پوری زندگی کے آنے والے پیچ وخم سے جس سے ایک مؤمن کو گزرنا ہوتا ہے اور جس پر اوّل درجہ پر حساب کتاب ہونا ہے.

---

(۱) یوسف، حافظ صلاح الدین، ترجمہ جوناگڑھی، مولانا محمد، تفسیر احسن البیان،/ص: ۲۶۴

(۲) ابن ماجة: السنن، ج ۲ كتاب الأحكام، باب أجر الأجير

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ الرحمٰن/ ۹:۵۵

(۴) شہید، سیّد قطب، معرکۂ اسلام اور سرمایہ داری، ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار، لاہور، جون، ۱۹۸۹ء/ص: ۹۸

محنت اور معاوضے پر اسلام کا حسنِ اُجر

چونکہ اسلام میں محنت ہی مالک ہونے اور دولت کی نشونما کا ذریعہ ہے لہذا وہ اجتماعی اور اقتصادی قدروں میں سے ایک بنیادی قدر ہے۔ اسلام نے محنت کو تقدس بخشا ہے اور محنت کش ہاتھ کا وقار قائم کیا ہے۔ اسلام کے پیغمبر بزرگ ﷺ نے اس ہاتھ کے متعلق جو محنت کی وجہ سے سوج گیا تھا، ارشاد فرمایا ہے: "یہ وہ ہاتھ ہے جسے اللہ اور اُسکا رسول پیار کرتے ہیں"! محنت کے تقدس کے بارے میں حضور ﷺ کی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً جو شخص محنت کی وجہ سے تھک گیا وہ بخشا ہوا ہے۔ اللہ تعالی پیشہ ور بندے کو پسند کرتا ہے اپنے ہاتھ کی محنت سے بڑھ کر اچھا کھانا کسی نے نہیں کھایا۔(۱) چنانچہ محنت پر جو درجہ بندی اسلام نے کی ہے اُس میں انصاف کے تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے:

محنت و مزدوری، معاشی دائرہ میں محنت اور مزدوری کی متعدد صورتیں قائم ودائم ہیں: ان سعیکم لشتّی ٥ (۲) یقیناً تمہاری محنت کی متعدد صورتیں ہیں۔

(الف) لاتنس نصیبک من الدنیا - (۳) ہر انسان کو ہدایت ہے کہ وہ دنیا سے اپنا حصّہ لینا نہ بھولے۔

معاشی دائرہ میں ہر انسان کا ایک حق ہے اور دنیا کی پیداوار میں اسکا حصّہ ہے۔

(ب) محنت کا حق مزدور کی محنت کا پھل ہے جو بحیثیت 'اُجرت' مزدور کو ملنا چاہیئے۔

وان لیس للانسان الا ماسعی ٥ (۴) اور بے شک انسان جتنی محنت کرتا ہے اُتنا ہی پھل کھاتا ہے۔

(ج) امدادِ باہمی یعنی محنتِ مشترکہ - اچھے اور مفید کاموں میں امدادِ باہمی لازمی شئی ہے۔

وتعاونوا علی البرّ والتقوی ٥ (۵) نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لو۔ کیونکہ باہمی تعاون کے بغیر معاشی زندگی اپنی بہار نہیں دکھا سکتی۔ انتہا یہ کہ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی تیار نہیں ہوسکتا۔ تمام انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور اسلامی سوسائٹی جسمِ واحد کی مانند ہے۔ ایک کی تکلیف تمام جماعت کی تکلیف ہے۔(۶) جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) شہید، سیّد قطب، معرکۂ اسلام اور سرمایہ داری، ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار، لاہور، جون، ۱۹۸۹ء/ص:۹۵

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ الیل/۹۲:۴

(۳) غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، ۱۹۴۳ء/ص:۵۳۶

(۴) قرآنِ کریم؛ سورۃ النجم/۵۳:۳۹

(۵) قرآنِ کریم؛ سورۃ المآئدۃ/۵:۲

(۶) غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، ۱۹۴۳ء/ص:۵۳۵

وعن النعمان بن بشير قال: قال رسول الله ﷺ : ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو منه تداعى له سائر الجسد بالسهر ولحمى. (۱)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تم دیکھو گے کہ مؤمنین ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے اور ایک دوسرے پر رحیم و شفیق ہونگے، جیسا کہ ایک 'جسم' ہو، جسکا کوئی حصہ اگر درد کے سبب سے تکلیف میں ہو تو پورا جسم اسکا اتنا اثر لیتا ہے کہ اُسے بخار میں مبتلا کر دیتا اور اُسکی نیند اُڑا دیتا ہے.

دین اسلام کی پُر شکوہ عمارت کی اساس دراصل یہ ہی ملت واحدہ ہے، جو اصل میں پرتو ہے 'توحید' کا، کہ جس خالق کی اپنی ذاتِ گرامی 'واحد' ہو اسکے ماننے والے بھی اپنی تمامتر احوال میں 'کانهم بنیان مرصوص ۰' (۲) ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوں. اور پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: 'انما المؤمنون اخوة' (۳) تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں.

اسکا اظہار علامہ اقبال کے اس مصرعہ سے بھی ہوتا ہے: ملت بیضا تن و جاں لا اله ۔ فلہٰذا ملّت یا امہ ایک وحدت ہے نہ کہ بہت ساری قوموں کا اتحاد! وحدت اور اتحاد کا فرق ملحوظ رکھے بغیر تصورِ امت کو سمجھنا محال ہے. 'اتحاد ایک سے زیادہ اشیاء میں ہوتا ہے- جبکہ وحدت میں دوئی کا تصور بھی نہیں ہوتا' بفرمودہ علامہ محمود شبستریؒ صاحب گلشن رازؒ

حلول و اتحاد ایں جا محال است که　　در وحدت دوئی عین ضلال است

یعنی دین اسلام ایک ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا داعی ہے اور اس ہیئت اجتماعیہ سے الگ ملّت سے جدا ہو کر اسلامی زندگی کا تصور بھی باطل ہے.(۴)

بات چلی تھی مزدور کی محنت و اجر کے معاملے سے؛ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امۃ وحدت کا کیا تعلق اس تمام بحث سے؟ تو جواب اسکا یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں جو مزدور یا محنت کش کی جو حثیت ہے وہ معاشیات کی نئی تہذیب کے کارخانہ دار کا غلام ہونے کی نہیں ہے. بلکہ برادرانہ تعلقات کی بنیاد پر اُس مزدور سے جو کام لیا جائے گا، وہ انتہائی انصاف پسندی اور برکت والا کام ہوگا. یہ بات ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کمائی کے اعتبار سے ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے، لیکن اللہ کے نزدیک تو تقویٰ والا انسان معتبر و معزز ہے. لہٰذا اس فارمولے کے تحت دیکھا جائے تو اقتصادیات کا ہر پہلو یکجہتی کی فضاء قائم کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے، جب

---

(۱) البخاری صحیح، ج ۱، کتاب الایمان، باب رحمۃ الناس البھائم

(۲) قرآن کریم؛ سورۃ الصف/۶۱:۴

(۳) قرآن کریم؛ سورۃ الحجرات/۴۹:۱۰

(۴) چغتائی، پروفیسر محمد اشفاق، وحدت لتہ بحوالہ ہفت روزہ تسخیر، قومی پریس، لاہور، مدیر اعلیٰ، گیلانی، صاحبزادہ خورشید احمد، جلد ۲ شمارہ نمبر ۴۸، یکم جولائی تا ۷ جولائی ۱۹۹۷/ص:۱۹

انسان ایک دوسرے کا ساتھی وساجھی ہوگا تو کیونکر وہ اپنی ہر تکلیف کا مسئلہ بذریعہ احتجاج protest or agitation کے مالکان تک لیکر جائے گا۔اُسکا مسئلہ تو اُسکی دو رکعت نماز پڑھنے اور اُسکے اللہ سے مانگنے سے حل ہوجائے گا، پھر اللہ کی طرف سے اُسے دوست اُسکا ساجھی بنکر اُسکی پوری پوری مدد کرسکیں گے.قصہ مختصر یہ کہ کارخانہ داروں کے مسائل بھی اسی بیراہ روی کا شکار ہونے کا باعث آئے دن احتجاجی ریلیوں سے معاملات بھگتانے میں گزرتے رہیں تو کیا خوب پیداوار ہوسکے گی.اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی تعلیمات میں ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے انسان کے لئے عافیت کا پہلو نمایاں ہے.

(۴) اسلامی تعلیمات میں سود کا خاتمہ اور تجارت کے فروغ کا حکم ہے.

(الف) سود کا خاتمہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

اسلام کی تعلیمات میں سود کا خاتمہ سب سے اعلیٰ وافضل کام ہے.سود ہر سوء انسان کے لئے ظلم و جبر کا پہلو لئے ہوتا ہے. یہ اقتصادیات کے شعبہ میں ناسور کی حیثیت سے اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے اور اسکی جڑیں مضبوط کرانے میں جو عناصر شامل ہوتے ہیں وہ ازخود لادینیت کا جرثومہ لئے ہوتے ہیں.اسکی مثال اس تحقیق کے تیسرے باب میں تفصیل سے آچکی ہے، یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اسلام جس کی بنیاد دینِ ابراہیمی پر قائم ہے، ہمیشہ سے سود کا مخالف رہا ہے، اور ایسا کوئی دور نہیں گزرا کہ جسمیں مذہبی اعتبار سے کسی جگہ سود کھانے کی حمایت کی گئی ہو.

سود جیسا کہ جان چکے ہیں، رباء یا آج کے جدید دور میں مستعمل لفظ انٹرسٹ **Interest** سب ایک ہی شئے کی مختلف صورتوں کے نام ہیں جو کہ ہمیشہ سے اللہ تعالی نے انسانیت کی بہبود میں 'حرام' ٹھہرایا ہے. اس سے بھی جو انسانیت کے شرف پر حرف آتا ہے، وہ اقتصادیات کی بداخلاقی صورت ہے.جو کسی نہ کسی طرح انسانیت کا گلا گھوٹنے کا کام کرتی ہے. جسمیں ایک طبقہ سودخوری کرکے پروان چڑھتا رہتا ہے، اور بقایا طبقہ زوال پذیر ہوتا رہتا ہے. دنیا میں جن اقوام نے سود کو عام کرنے کا بیڑا سر پہ اٹھایا ہوا ہے، وہ دارصل اپنے مذہب کی بھی نہ رہی ہیں، جس پر مدلل بحث موجود ہے. چونکہ اسلام میں سود کو اللہ اور رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا جاچکا ہے؛ اسلئے، اب حجت کی ضرورت نہیں رہتی کہ ہم میں سے کوئی بھی مسلمان یہ پوچھتا پھرے کہ کون سا سود حرام ہے اور کونسا نہیں؟ جیسا کہ **Interest** کو لفظِ **Profit** کہہ کر دل کی تسلّی کرلیجائے بغیر یہ سمجھے کہ اسلام کا اسکے بارے میں کیا حکم ہے.اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ وہ اقوام جو سود کو رائج کرنے میں ممدومعاون ہیں، لادین ہوچکی ہیں، تو آج ہم مسلمان بھی تو دیندار کہاں رہ گئے، اور ہم میں کتنے ہیں جو محظ اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو سود کی گردوغبار سے محفوظ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور پھر بھی اچھا کھاتے اور پیتے ہیں.یہی وجہ ہے کہ سود خور کو اللہ اور اُسکے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ٹھہرایا حتی کہ اللہ اور اُسکے رسول

ﷺ کے قانون کے مطابق سود کے کام میں ملوث ہر شعبہ زندگی کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے. جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے:

عن جابرؓ قال: لُعِن رسول الله ﷺ آکل الرباء ومؤکله و کاتبه واشاهدیه ، وقال: هم سواء (۱)

جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی اُس شخص پر جو سود کھائے ، یا کھلائے ، جو سودی کھاتہ لکھے یا اسکا گواہ بنے وہ تمام لوگ اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رباء کیوں حرام ہوا؟ اس سوال کے جواب روایتی اسلامی فکر کے نزدیک محض اخلاقی ہے . باالفاظ دیگر یہ فعل اخلاقی نقطۂ نگاہ سے درست نہیں ہے. تاہم ایسا نہیں ہے قرآنِ مجید اس کے ٹھوس سائنٹفک نقصانات بیان کرتا ہے یعنی ایسے نقصانات جنہیں کہیں بھی ، کسی بھی وقت جانچا جاسکتا ہے اور وہ یکساں نتائج دیتے ہیں. ازروئے قرآن حُرمتِ ربا کی تین بنیادی وجوہات ہیں، جنکا خلاصہ یہ ہے:

۱- رباء محنت سے ماسوا حاصل ہونے والی آمدنی ہے. جس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے.

۲- رباء ایک ظلم ہے جس کے نتیجے میں سودخور کی شخصیت کا توازن ختم ہوجاتا ہے اور

۳- رباء اثم (اضمحلال) پیدا کرتا ہے.

ان تین وجوہات کا مختصرا انفرادی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے: (۲)

۱- رباء کی آمدنی محنت سے حاصل نہیں ہوتی

قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے: افحسبتم انما خلقناکم عبثا ط (۳) یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے. اور پھر اُسکا جواب بھی مرحمت فرمادیا: لیبلوکم ایکم احسن عملا ج (۴) تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم میں کون اچھے عمل لیکر ہمارے پاس آتا ہے. زندگی کا کوئی کام، کوئی مقصد بغیر محنت و جدوجہد کے ممکن نہیں. انسان اس پر قادر ہی نہیں اور نہ ہی کبھی ہوسکے گا پھر آمدنی کو اس اصول سے استثنیٰ کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ لہذا آمدنی کے منجملہ ایسے تمام ذرائع جہاں سے بغیر کسب کے آمدنی حاصل ہوسکتی ہے. قرآن نے انہیں ایک ایک کرکے بند کردیا ہے. اسی وجہ سے رباء اور اس نوع کی تمام سرگرمیوں سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے. (۵)

---

(۱) مسلم: الصحیح ، ج۲، کتاب المساقاۃ ، باب لعن اٰکل الربا وموکلہ.

(۲) عزیز، پروفیسر ڈاکٹر فاروق، مروجہ اسلامی معاشی تصورات قرآنی تناظر میں، اسلامک بک سینٹر، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۲ء/ص: ۱۵۵

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ المؤمنون/۲۳: ۱۱۵

(۴) قرآنِ کریم؛ سورۃ الملک/ ۶۷: ۲

(۵) عزیز، پروفیسر ڈاکٹر فاروق، مروجہ اسلامی معاشی تصورات قرآنی تناظر میں، بحولہ سابقہ/ص: ۱۵۵

۲- رباءایک ظلم ہے جس کے نتیجے میں سود خور کی شخصیت کا توازن ختم ہو جاتا ہے

اللہ تعالی نے رباء کوظلم کا درجہ دیا ہے؛ لاتظلمون ولاتظلمون ○ (۱) نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے .اس اعتبار سے جولوگ سودخوری کے عادی ہیں وہ دراصل ظالم کے درجہ میں آتے ہیں اور جو سود میں جکڑ جاتے ہیں وہ مظلوم کہلاتے ہیں .لیکن یہ سب کچھ کب تک ! یہ اُس وقت تک کے لئے ہے جب کوئی ایک اس عمل کا عادی نہ ہو گر نہ اللہ تعالی نے اُسکا حشر تو قیامت میں جسطرح اٹھایا جائے گا ، سنا ہی دیا ہے:الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس ط (۲) یعنی جولوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں ایسے اٹھیں گے گویا اُنکو شیطان نے چھوکر خبطی بنادیا ہو. چنانچہ دنیا میں اسکی مثال بھی نظر آنے لگتی ہے اور وہ یوں کہ لوگوں میں سود خوری کا چسکہ انکو کہیں کا نہیں چھوڑتا اوّل تو وہ کاہل وسست رو ہو جاتے ہیں ، دوسرا یہ کہ اپنے پیسے سے انکو حد درجہ محبت ہو جاتی ہے ، کہ وہ اُسے اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے رہتے ہیں ، اور ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کس طرح یہ دولت دن دوگنی رات چوگنی دھری یا تہری ہوتی چلی جائے .اس مرض میں مبتلا ہونے کے باعث وہ اپنے اقرباء کو بھی بھول جاتے ہیں ، پھر دوسروں کا کیا خیال کرنا ، کہ نہ صدقہ کی اور نہ زکوۃ کی انہیں توفیق باقی رہتی ہے .تب اللہ تعالی نے نے انہیں ایک اور وعید سنادی:

> ویل لکل همزة لمزة ○الذی جمع مال وعدده ○ یحسب ان ماله اخلده ○ کلا لینبذن فی الحطمة ○ ومآادراک مالحطمة ○ نارالله المؤقدة ○ التی تطلع علی الافئدة○ انها علیهم موصدة○ فی عمد ممددة○ (۳)
>
> بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو؛ جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے ، وہ سمجھتا ہے کہ اسکا مال اسکے پاس سدا رہے گا ؛ ہرگز نہیں ! یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا ؛ اور تمہیں کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی ؟ وہ اللہ تعالی کی سُلگائی ہوئی آگ ہوگی ؛ جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی .اوران پر بڑے بڑے ستونوں میں ؛ ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی.

دولت کے پیچھے اندھادھند بھاگنا زندگی کے ارفع واعلی مقاصد کی صریحا توہین ہے انسان کی زندگی کوئی فضول یا بے معنی شئے ہے جسے اس قسم کے حیوانی مقاصد کی نذر کردیا جائے .یہ انسان کی اپنی ذات پر ظلم کی ایک بدترین مثال ہے .انسانی زندگی کا بنیادی مقصد انسانی ذات کی نشونما پرورش ہے تا کہ وہ مزید ارتقائی مراحل گزارنے کے قابل ہو سکے .یہی وجہ ہے کہ ہر وہ

---

(۱) قرآن کریم ؛ سورۃ البقرۃ /۲:۲۷۹

(۲) قرآن کریم ؛ سورۃ البقرۃ /۲۷۶

(۳) قرآن کریم ؛ سورۃ الھمزۃ /۱۰۴:۱-۹

کام جس سے انسانی ذات کو کوئی نقصان پہنچتا ہو وہ جُرم ہے اسی وجہ سے خودکشی حرام ہے. رباء کی وجہ سے انسان کا زاویہ فکر ونظر تبدیل ہوجاتا ہےاور وہ اعلی مقاصد کے حصول کی بجائے ایک انتہائی کم تر مقصد کے حصول پر آمادہ ہوجاتا ہے، یعنی محض حصول زر اسی طرح انسانی سوچ محدود ہوجاتی ہے .یہ وہ ظلم ہے جوانسان خود اپنے آپ پر کرتا ہے .دوسری طرف اسلام کا مقصد ہی ہر قسم کے ظلم کا خاتمہ ہے اسی وجہ سے رباء حرام قرار دیا گیا ہے.(۱)

(ب) تجارت کا فروغ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

اوپر آنے والی آیت میں اللہ تعالی نے جو یہ فرمایا ہے کہ ُکل قیامت میں سودخور شیطان کے چھوئے جانے سے خبطی بن کر کھڑے ہونگے'، کی سزا جو سنائی ہے، اسی آیت میں اسکی وجہ خود اُن لوگوں کا قول دھرادیا ہے:

ذالک بانهم قالوا انما البيع مثل الربوا ، (۲) کیونکہ وہ کہتے ھیں کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے.

کیونکہ اللہ تعالی کا فیصلہ تو صاف اُتر چکا تھا کہ: **واحل الله البيع وحرّم الرّبوا** ط (۳) حالانکہ اللہ تعالی نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا ہے. چنانچہ قرآنِ کریم کے ذریعے اللہ تعالی نے انسانیت کو تسلی دے دی کہ وہ ایک بہتر حلال روزی حاصل کرنے کے لئے تجارت کے پیشے کو اپنا سکتے ہیں، جسمیں اللہ تعالی نے برکت وفضل رکھا ہے.اور جسکے بارے میں نبیؐ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن نعيم بن عبدالرحمان الأزدى قال رسول الله ﷺ : تسعة اعشار الرزق فى التجارة، والعشر فى المواشى .(۴)

حضرت نعیم بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تجارت میں ۹۰ فیصد اور مویشی میں ۱۰ فیصد منافع ہے.

لیکن اسکے علاوہ جو بڑے بڑے معاشی ذرائع قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں: زراعت ؛ صنعت وحرفت ؛ وراثت اور بیت المال. چنانچہ تجارت تو ہر طرح سے ان تمام اجزاء کا مرکّب ہے .لہذا جو لوگ تاجر پیشہ کہلاتے ہیں، انکا مزاج اسلام پر ڈھالنے کے لئے اللہ تعالی نے انکی تعریف وتربیت کچھ ان الفاظ میں فرمائی ہے:

---

(۱) عزیز، پروفیسر ڈاکٹر فاروق، مروّجہ اسلامی معاشی تصورات قرآنی تناظر میں، بحوالہ سابقہ/ص:۱۵۹–۱۶۰

(۲) قرآنِ کریم ؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۶

(۳) قرآنِ کریم ؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۷

(۴) علاء الدين على المتقى، كنز العمال، ج ۴، كتاب البيوع، فصل ۳، اقراء سينٹر ،لاهور، ۱۹۷۹، رقم: ۹۳۴۲

رجال لا تلهيهم تجارة ولابيع عن ذكر الله واقام الصلوة وايتآء الزكوة ص يخافون يوما تتقلب فيه القلوبِ والابصار ٥ (۱)

ایسے لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ سوداگری یا تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب دل خوف کے سبب اُلٹ جائیں گے اور آنکھیں چڑھ جائیں۔

چنانچہ یہاں اگر دیکھا جائے تو تجارت: معاش کا ایسا اہم ترین ذریعہ ہے جس کی براہ راست راہنمائی اللہ تعالی نے اپنے احکامات سے فرمائی اور نبیؑ پاک ﷺ نے اپنے عمل سے اُسے کردکھایا۔ اور آپ ﷺ نے عرب کی جہالت میں اُس پاک صاف دیانت و امانت والی تجارت کی ابتداء کی جسے بڑے بڑے مؤرّخ ماننے پر مجبور ہوگئے۔

زراعت: انبیاء علیہم السّلام کا پُرانا شعبہ ہے، یہاں پر بھی اللہ تعالی نے ؛أ انتم تزرعونه أم نحن الزارعون ٥(۲) یعنی یہ کھیتی جس میں تم بیج ڈالتے ہو، تم اُگاتے ہو یا ہم؟ کہہ کر انسانیت کا یقین اپنی ذاتِ وحدہ لاشریک کے ہونے سے ہٹنے نہ دیا، تاکہ انسانیت شرک میں مبتلا ہونے سے بچ جائے اور اللہ کی پیدا کرنے والی صفت سے متصف رہے۔

صنعت وحرفت: پیغمبرِ اعظم ﷺ سے دریافت کیا گیا معاش کا پاک ترین ذریعہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ عمل الرجل بیده۔ (۳) یعنی وہ صنعت وحرفت جس میں انسان اپنے ہاتھ سے کام کرتا ہو۔ ایک موقع پر ارشاد ہوا 'انسان کی پاک روزی وہ ہے جو اپنے کسب ومحنت سے پیدا کرے۔ اس سے بہتر کوئی روزی نہیں۔ (۴)

وراثت: وہ سرمایہ اور سامانِ معاش جو باپ دادا کی میراث کے طور پر انسان کی معاشی زندگی میں معاون ہوتا ہے۔ اور جاگیرداری نظام کے ظالمانہ طریقوں کو مٹاتا ہے۔

بیت المال: ریاست عامّہ کے خزانہ مرکزی بیت المال کے مالی وسائل اور مدات آمدنی، محصل وغیرہ (۵) کی تفصیل چھٹے باب میں تفصیل سے آچکی ہے۔ چنانچہ اس تمام بحث کو جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب سیاسی معاشیات ہو یا جدید نظریاتِ معاشیات کی لادین پُرامن فضاء کو روشنی دکھلانا ہے۔ چنانچہ ہر شخص جو اسلام کے دیئے ہوئے فارمولے پر صدقِ دل سے یقین کی حالت میں عمل پیرا ہوگا وہ یقیناً فلاح پالے گا۔

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ النور/۲۴:۳۷

(۲) قرآنِ کریم؛ سورۃ واقعہ/۵۶:۶۴

(۳) رواہ احمد عن رافع، مشکوۃ کتاب البیوع؛ص ۲۴۳ طبع اصح (کل بیع مبرور) بحوالہ غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت/ص:۵۳۸

(۴) ابوداؤد، الدارمی (مشکوۃ حوالہ بالا) ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه؛ بحولہ سابقہ

(۵) ایضا/ص:۵۳۸

تجارت کے چند پہلوؤں کا خلاصہ:

تجارت کے خصوصی پہلوجات کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ یہ موضوع تمام بحث کا خلاصہ بن جاتا ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ خود تاجر تھے۔اسلئے مدینہ کی تجارتی جمہوریت کا فضا میں اُنکا حامی ہونا ایک قدرتی بات تھی۔کیونکہ اس جمہوریت کی خوشحالی کا تمام وکمال انحصار تجارت ہی پر تھا۔(۱)

مکّی دور میں ایسی بُرائیاں تجارت میں شامل ہو چلی تھیں، جس پر قرآنِ کریم میں زور دیا گیا کہ تجارت قانون اور انصاف کے مطابق ہونی چاہئے۔جسکی مثالیں سورۃ المطففین، سورۃ الرحمٰن، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں تجارت میں موجود خرابیوں اور اُن سے بچنے کی تدابیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔(۲)

عبادت میں تجارت سے خلل ہونا ایمان کی کمزوریوں کے باعث ہوتا ہے۔جبکہ معاملہ بالکل برعکس ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ جمعہ میں اُن لوگوں کی عادت کو بُرا کہا جنہوں نے وتركوك قائمة (۳) اور آپ ﷺ کو تنہا کھڑا کر کے چلے جاتے تھے جو اللہ کے نبی ہونے کی حیثیت سے یہ لوگ نبی علیہ السّلام کی وقعت میں کمی کرانے کا باعث بنتے تھے۔

صبح کا وقت تجارت کے لئے خاص طور پر مستحب اور نفع بخش ہے۔آمیزش اور فریب سے احتیاط کی تاکید ہے۔کیونکہ اس سے تجارت کی برکت جاتی رہتی ہے؛ مال میں جو خرابی ہو وہ خریدار کو خوب سمجھا دینا چاہئے۔(۴) ''اگر کوئی شخص ناقص مال نقص ظاہر کئے بغیر فروخت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ہمیشہ بیزار رہے گا اور فرشتے اس پر ہمیشہ لعنت بھیجیں گے۔(۵)

تجارت باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے طرفین میں سے کسی پر جبر وقہر کبھی نہیں چاہئے۔جب معاملہ طے ہوجائے تو اسے بائع یا مشتری صرف اس وقت تک فسخ کرسکتے ہیں جب تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں، اس وقت کے اندر ضمنی رضامندی سے بھی بیع فسخ ہوسکتی ہے۔(۶) حدیث شریف میں تاجر کو قسمیں کھا کر مال بیچنے سے منع کیا گیا۔'قسموں کے ذریعے مال تو فروخت ہوجاتا ہے لیکن اُسکی قبول کیسے تھا۔(۷)

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، جلد ۶ طبع اوّل ۱۹۶۲ء/ص: ۱۳۵

(۲) ایضا

(۳) قرآنِ کریم؛ سورۃ الجمعہ/۶۲:۱۱

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، جلد ۶ طبع اوّل ۱۹۶۲ء/ص: ۱۳۷

(۵) ایضا/بحوالہ؛ ابن ماجہ، تجارات، باب ۴۵

(۶) ایضا/بحوالہ: احمد بن حنبل؛ ۲:۵۳۶

(۷) ایضا/ص: ۱۳۸ بحوالہ بخاری: بیوع، باب ۲۶

(۵) اسلام زکواۃ وصدقات کے ذریعے غربت کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیتا ہے.

فی زمانہ مسلمانوں میں غربت عام ہوچکی ہے. اسکی وجہ معاشی نقطہ نگاہ سے کوئی مہنگائی بتاتا ہے اور کوئی روپیہ کیقدر میں کمی یا Inflation جیسی بے شمار بدترین صورتیں بتاتا ہے. لیکن اسلامی معیشت کی تعلیمات کے مطابق ان سب کی اصل وجہ اسلام کے فرائض وواجبات میں کمی ہے. اور اس کمی کی بھی ایک بڑی وجہ ایمان ویقین میں کمی کی ہے. جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: **یمحق اللہ الرّباء ویربی الصدقات** o (۱) یعنی اللہ تعالی سود کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے.

تو اس بات کی اصل روح تک پہنچنے کے لئے کہ صدقات جو کہ بظاہر 'خرچ' سے تعلق رکھتے ہیں، اُنکا حاصل بڑھنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے، جبکہ سود کا لین دین تو محض روپے کی مد میں اضافہ نظر آتا ہے. یہی تو وجہ ہے کہ لوگوں کا جم غفیر سود کے کاروبار کو جائز اور آرام دے سمجھ رہا ہوتا ہے. جبکہ اللہ تعالی نے اسکا بھی اصول یہ بتادیا کہ 'کثیر کسی صورت میں قبولیت کی نشانی نہیں ہوتا' چنانچہ اسکا پیمانہ اللہ تعالی نے تقوی کو ہی بتلایا ہے. اعمال کرماذشدت والی آیت ڈالنی ہے. تو اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ بظاہر خرچ ہونے والا صدقہ سے اسکا محاصل دراصل ایمان ویقین کی قوّت کے مضبوط ہونے کے برابر ہوگا. جسکے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسکا جتنا ایمان ویقین مضبوط ہوگا وہ اتنا ہی اپنے معاملات معیشت میں زیادہ سے زیادہ راحت پاسکے گا.

زکوۃ وصدقات کی مد میں یقین کی کیفیت یہ ہے کہ زکوۃ تو مال کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے اور صدقات آنے والے حوادث سے بچانے کی ڈھال. تو پھر کیوں نہ انسانوں کی معیشت میں مضبوطی آئے گی، خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہوں. مثلاً زکوۃ وہ واحد رکنِ اسلام ہے جسکا احاطہ دنیا کے کسی بھی کونے تک پہنچایا جانا ہوسکتا ہے. اسکے بعد حج وہ رکن اعظم ہے جو دنیا کی تمام معاشرتوں میں یگانگت کا ذریعہ ہے جب ایک مقام عرفات پر تمام دنیا کے مسلمان خواہ کسی بھی زبان کے ہوں یا کسی بھی حیثیت کے تو بھی اُنمیں یگانگت ایمان ویقین کی کیفیت کے باعث ہوا کرتی ہے.

اور نماز کا معاملہ تو سب ارکان میں عجیب ہے وہ یہ کہ چوبیس گھنٹہ کی زندگی میں پانچ وقت یہ کُلی معاشرت کی خبرگیری، اصلاح اور بھائی چارگی کا درس لئے ہوتی ہے. جسے کہا جاتا ہے کہ دنیا کو نصیحت اپنے گھر سے کرنا چاہئے، اُسکے تمام احوال کا خاکہ مکمل کرنے کے لئے نماز کے رکن کی اہمیت سب سے اعلی ہے.

اب اگر ہم دیکھیں کہ زکوۃ دنیا میں کیا تبدیلیاں لاسکتی ہے تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اگر ہم دنیا بھر کے مسلمانوں میں اُمراء کے طبقات کو دیکھیں تو اُنمیں ایک طبقہ وہ ہے جو صرف زکوۃ کو فرض جان کر سالانہ مد کی صورت میں یہ فریضہ سرانجام دیتا رہتا ہے.

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ البقرۃ/۲:۲۷۶

دوسرا طبقہ وہ جو زکوۃ کے علاوہ صدقات سے بھی لوگوں کی مدد کرنا اپنے اوپر واجب قرار دیتا ہے۔ اور تیسرا وہ طبقہ جو انتہاء درجہ پر دونوں باتوں سے باوجود استطاعت کے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتا ہے۔ اور یوں ایک لمبی فہرست ایسے لوگوں کی ہماری دنیائے اسلام میں موجود ہے جو زکوۃ وصدقات جیسے احکام الہیہ سے اعراض کیے رہتا ہے، جسکے باعث آج مسلم دنیا پریشان و بدحال ہو چکی ہے۔ اگر مسلمانوں کی کُل تعداد جو زکوۃ دینے والی ہے مستحقین میں صحیح ٹھیک ٹھیک انداز سے اپنی زکوۃ پہنچادے اور سال بھر میں صدقات وخیرات سے مدد کرتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا سے مسلم امت میں غربت نام کی شئے باقی رہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ جیسے مقتدر صحابہ نہ زکوۃ کے اداء نہ کرنے والوں کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا تھا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک وقت وہ آیا کہ پورے عرب میں زکوۃ دینے والے تو ملتے تھے لیکن لینے والے نہیں۔ کیونکہ اس کی اصل یہ ہے کہ مسلمان کی کوئی عبادت اور کوئی تجارت پوری ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ وہ زکوۃ جیسے فریضہ کو صحیح رخ پر لا کر صرف نہ کرلے۔

غربت سے اخلاقی ونفسیاتی بیماریاں جنم لیتی ہیں

یہ امر مسلم ہے کہ غریبی کا اثر بد انسان کی روح اور اسکی سیرت تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اسکے افکار وخیالات بھی بڑی حد تک اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے جن غریبوں کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کی چیزیں میسّر نہیں آتیں اُن کے لیے کسی بھی مسئلے پر یکسو ہو کر سوچنا درحقیقت ممکن نہیں ہوتا، خصوصا ایسے وقت میں جب کہ اس کے پڑوسی اس سے بدرجہا بہتر حال ہوں۔

چنانچہ محمد بن حسن شیبانی کی طرف یہ حکایت منسو ہے کہ ایک دن بیٹھے مسائل حل کررہے تھے، اتنے میں باندی (گھریلو ملازمہ) نے گھر میں آٹا نہ ہونے کی شکایت کی، امام محمد نے جھنجھلا کر فرمایا:....''تیرا ناس ہو، تو نے بیسیوں مسائل میرے ذہن سے نکال دیئے''...

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو اُس سے مشورہ نہ لو!''۔ یہ اس لیے کہ اسکے خیلات پراگندہ ہوتے ہیں اور یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ذہنی ہیجان اور جذبات کی رو میں بہنے والے کی رائے پختہ نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: (۱)

''لا یعضی القاضی وھو غضبان ''۔(۲) یعنی 'غصہ کی حالت میں قاضی کو کوئی فیصلہ نہی کرنا چاہئے۔

فقہائے امت نے غصہ پر قیاس کرتے ہوئے بھوک پیاس اور اسی قسم کے دیگر زود اثر عوامل پر بھی یہی حکم عائد کیا ہے۔(۳)

---

(۱) القرضاوی، علامہ یوسف، ترجمہ: ملی، نصیر احمد، اسلام میں غریبی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۰۴/ص:۳۱

(۲) ایضا/حدیث نمبر؛ بخاری، کتاب الاحکام، باب ھل یقضی القاضی وھو غضبان، رقم ۷۱۵۸

(۳) ایضا/ص:۳۱

غرباء ومساکین کی مدد کرنا کیوں ضروری ہے؟

چنانچہ غرباء ومساکین کی مدد کرنا اس لئے اور بھی فرض ہوجاتا ہے کہ اس سے دنیا میں جو اخلاقی ونفسیاتی بیماریاں جنم لیں گی اُن سب میں اُن لوگوں کا جو اُنکی مالی امداد کرنے کی استعداد رکھنے کے باوجود، امداد نہیں کرتے وہ سب کے سب گناہ گار ہونگے. جسکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دولت کے ارتکاز کو سختی سے منع فرمایا ہے:

کی لا یکون دولة بین الاغنیآ منکم ۝ (۱)

تا کہ دولت سرمایہ داروں میں ہی گردش نہ کرتی رہ جائے.

یہاں سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جن ممالک کے باشندوں یعنی مسلمانوں میں مشکل سے ۵ یا ۱۰ فیصدی لوگ سرمایہ دار ہیں اُنکی زکوۃ سے اتنی رقم حاصل نہیں ہوسکتی کہ اُن سے ۸۰ یا ۹۰ فیصدی غیر سرمایہ داروں کی مدد کی جاسکے؟ مگر یہ سوال لوگ یا تو کسی غلط فہمی کی بناء پر کرتے ہیں یا پھر عوام کو اسلامی نظامِ معیشت سے متنفر کرنے کے لئے قصداً ایسا کرتے ہیں.(۲) پس یہ سوچ عین سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے. اس لئے کہ اگر سوچا جائے کے عوام کی بہبود وفوائدِ عامّہ کی غرض سے کسی بھی ملک کی حکومت جو رقوم ٹیکس کی صورت میں عوام الناس سے وصول کرتی ہے تو کیا وہ ان انسانوں کی تنخواہوں یا آمدن سے زائد ہوتا ہے، یقیناً نہیں، بلکہ وہ کسی ایک خاص طریقہ پر نکالے گئے فارمولے کے مطابق چند فیصد ہی ہوا کرتا ہے. جس سے پورے ملک کا نظامِ حکومت چلایا جاتا ہے. پس یہ دلیل اس بات کے لئے کافی ہے کہ اگر حکومت صحیح معنی میں زکوۃ وخیرات کی مددوں کو دولتمندوں سے وصول کرکے عوام میں مستحقین تک پہنچائے تو وہ دن دور نہیں جبکہ لوگوں میں اطمینان قلبی میسّر آسکے.

بیت المال کے قیام کا اعلیٰ مقصد غرباء ومساکین کی امداد ہی ہے

موجود دور میں اُن بے روزگاروں، بے کاروں اور اپاہجوں کے لئے تو حکومت کچھ سہولتیں فراہم کرتی ہے جو کسی سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت میں کچھ دن گزار چکے ہوں، اور اسکے بعد کسی مجبوری کی وجہ سے کام نہ کرسکتے ہوں، گو وہ بھی ایک خاص مدّت تک، چنانچہ امریکہ میں ایسے بے کاروں کے لئے ایک تجویز سوچی گئی:(۳)

---

(۱) قرآنِ کریم؛ سورۃ الحشر/ ۵۹:۷

(۲) ندوی، مولانا مجیب اللہ، اسلامی قانونِ محنت واُجرت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جون ۱۹۸۹ء/ص:۵۵

(۳) ایضاً/ص:۶۹

یونائیٹڈ انفارمیشن کی طرف سے ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء کو جو ہفتہ وار بلٹن شائع ہوا ہے اسکی مزدوروں کی امداد کی کچھ نئی اسکیمیں ملاحظہ ہوں:

'اگر مرکزی سرکار نے منظوری دیدی تو نئے معاہدے کے تحت جس مزدور کو کام سے ہٹایا جائے گا وہ بے کاری کے دوران اپنے پینشن فنڈ کے حساب میں سے چالیس ۴۰ ڈالر فی ہفتہ تک حاصل کر سکے گا. اس رقم میں حکومت کی طرف سے ملنے والا بے کاری بھتہ بھی شامل ہوگا اسے ۲۶ ہفتے تک یہ مراعات حاصل ہوسکیں گی. اسکے بعد بھی اگر کمپنی نے اُسے واپس نہ لیا تو کمپنی کو اسے مزید ۲۶ ہفتوں تک ۴۰ ڈالر فی ہفتہ ادا کرنے ہونگے'.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جو مزدور اپنی اُجرت کا ایک حصہ برابر کٹاتا رہے اسکو بیکاری کے زمانہ میں اس کی پس انداز کی ہوئی رقم میں حکومت کچھ اپنی مدد شامل کر کے محض ۲۶ ہفتوں تک مدد دیگی. اسکے بعد پھر مزدور کو کارخانہ دار نے نہ رکھا تو حکومت اس میں اتنی مداخلت کرسکتی ہے کہ وہ ۲۶ ہفتے ت اسکی اور مدد کرادیگی، گویا اسکے بعد حکومت، معاشرہ اور کارخانہ دار سب کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے. اسکے بعد اسکا کوئی قانونی حق نہیں رہتا جسکا وہ مطالبہ کرسکے. یہ حکومت کا احسان ہوگا کہ وہ اسکی کچھ مدد کردے. پھر یہ رقم جو اسکے بے کاری کے زمانہ میں ملے گی وہ بظاہر بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر امریکہ کے معیارِ زندگی کو سامنے رکھا جائے تو اس رقم کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی. غرض یہ کہ مزدوروں کے سلسلہ میں جو زیادہ سے زیادہ مدد کی صورتیں وہاں سوچی گئی ہیں وہ یہی ہیں. وہ بھی ابھی مرکزی سرکار کی منظور پر موقوف ہوگی.

اسکے برخلاف اسلام نے جو اسکیمیں اس سلسلہ میں بتائی ہیں ان میں یہ عیوب نہیں ہیں. اسلامی حکومت کے مالیات کا ایک مستقل ذریعہ آمدنی زکوۃ ہے. اس ذریعے سے جو آمدنی ہوگی اسکا بیشتر حصہ مزدوروں، بے روزگاروں اور ضرورت مندوں کے لیے مخصوص ہوگا. چنانچہ اس فنڈ سے ہر حاجت مند کی بطورِ حق مدد کی جائے گی.(۲) اور اُسکے لئے نہ اُسکا مکان گروی رکھا جائے گا اور نہ کسی خاص عرصے پر آ کر یہ مدد روکی جائے گی. چنانچہ نبی پاک ﷺ سے مرفوع حدیث ہے کہ:

توخذ من اغنیائکم و ترد علی فقرائکم – (۳)

تمہارے دولتمندوں سے لے کر غریبوں کو دیا جائے گا.

---

(۱) ندوی، مولانا مجیب اللہ، اسلامی قانونِ محنت و اُجرت، /ص: ۵۳ بحوالہ 'آج کا امریکہ، ۲۵ اگست، ۱۹۵۵ء'

(۲) ایضا/ص: ۵۳-۵۴

(۳) ایضا/ بحوالہ حدیث، ترمذی شریف، مطبوعہ نور محمد، کراچی- س ن/ص: ۱۱۷

زکوۃ کے صحیح اداء کئے جانے پر دنیا بھر کے مسلمان غربت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں:

دنیا میں اس وقت مسلم دنیا میں جس بدحالی کا ذکر کیا جاسکتا ہے وہ کم ہے، لہٰذا درجہ ذیل اصولوں کے مطابق اگر ہر زکوۃ اداء کرنے والا ٹھیک ٹھیک زکوۃ اداء کرے اور اُسکا صحیح مصرف بھی اپنی جگہ متعین کرلے تو کسی بھی دنیا کے مسلم ملک کو غیر مسلم ممالک سے قرضہ لینے کی ضرورت نہ پڑے گی. اور مسلمان کی تجارت تو ہے ہی فی سبیل للہ جس پر متفق ہونے کی بس ایک ہی شرط ہے اور وہ ایمان و یقین کی محنت ہے جس کے باعث تمام دنیا کے تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے کئے جاسکتے ہیں:

حدثنا ابو نعیم انا العموی عن نافع عن ابن عمر قال: لیس فی شئی من العروض زکاۃ الا التجارۃ. (۱)

ہمیں بیان کیا ابونعیم نے اور خبر دی انکوعموی نے حضرت نافع سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ظاہری مال و متاع میں سے کسی چیم زیں زکاۃ نہیں ہے سوائے تجارت کے....

حدثنا حمیر انامحمّد بن یوسف انا سفیان عن عبد الکریم عن طاؤس قال: کل دین یُرجی، اوعرض ، أو نقد، ففیه الزکاۃ . (۲) قال سفیان : یعنی بالعرض ماکان للتجارۃ .

ہمیں بیان کیا حمیر نے اور انکو خبر دی محمّد بن یوسف نے انکو حمبر دی سفیان نے بہ روایت عبدالکریم نے طاؤس سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر وہ دین جسکی واپسی کی امید ہے یا سامان یا نقدی رقم ان میں سے ہر ایک میں زکاۃ ہے. حضرت سفیان فرماتے ہیں عرض سامان سے مراد وہ ہے جو تجارت کے لئے ہو. (کیونکہ سامان میں وہ بھی شامل ہوتا ہے جو گھر کے استعمال کے لئے ہو).

حدثنا حمید تنا ابونعیم انا سفیان عن حماد عن ابراهیم قال: لیس فی الجواهر زکاۃ الا للتجارۃ . (۳)

ہمیں بیان کیا حمید نے انکو بتایا ابونعیم نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان نے بہ روایت نقل کی ہے حماد نے ابراہیم سے کہ انہوں نے فرمایا کہ جواهرات میں زکاۃ نہیں ہے سوائے اسکے جو تجارت کے لئے ہو.

---

(۱) زنجویۃ ، حمید بن ، المتوفی سنہ ۲۵۱ھ ، تحقیق ، فیّاض ، د، شاکر زیب، کتاب الاموال،لمرکز الملک فیصل للبحوث ، والدراسات الاسلامیة ، الملک العربیة السعودیة ، الریاض،۱۱۵۳۳ —حدیث نمبر:۱۶۸۸ — الجزء الثالث ، الطبعة الاولی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م ،/ص: ۹۳۲

(۲) ایضا/حدیث نمبر: ۱۶۹۱

(۳) ایضا/حدیث نمبر: ۱۶۹۲

اب ہم یہاں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلم امۃ میں صرف پاکستان جیسے غریب ملک میں کتنے ایسے مال دار گھرانے موجود ہیں جنکے گھروں میں صرف زینت و آرائش کی اشیاء، انکے در و دیوار، ڈرائنگ روم اور بیرونی آرائش سے بھری ہوئی بے شمار اشیاء موجود ہوتی ہیں لیکن نہ تو کوئی انہیں زکواۃ کی مد میں شامل کرتا ہے اور نہ ہی اس مد سے زکواۃ نکالتا ہے. چنانچہ تجار کا تو کیا ہی کہنا اگر ہمارے عرب ممالک ملکر کسی بھی مسلم ملک کی صرف زکواۃ سے مدد کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن غریب مسلم ممالک کو کسی غیر مسلم ترقی یافتہ ملک کے آگے کشکول پھیلانے کی ضرورت ہی کیونکر پڑے.

ایثار و قربانی مسلمان امت ہی کا شیوا ہے

لہذا اس تمام بحث سے مراد یہ ہوئی کہ اسلامی نظامِ معیشت میں غرباء و مساکین کا مکمل خیال رکھا گیا ہے. چاہے یہ خیال انفرادیت کا نتیجہ ہو یا اجتماعی اعتبار سے حکومتِ وقت اسکو پورا کرے. کیونکہ مسلمان کی گھٹی میں یہ بات تو طے ہے کہ 'مسلم صارفین کی ایک اہم خصوصیت ایثار اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا ہے.(۱)

> ہیلبرونر Heilbroner اپنی کتاب The Economic Problem میں لکھتا ہے کہ ممکن ہے مستقبل کے کسی اشتراکی معاشرہ میں لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیں گے مگر اس دنیا میں تو علماء معاشیات یہی فرض کرتے ہیں کہ ہر انسان اپنے لئے مال و دولت، ساز و سامان اور منفعت و مسرت کی زیادہ سے زیادہ طلب میں کوشاں ہے اور دوسروں سے اس مسابقت میں آگے ہی آگے رہنا چاہتا ہے.(۲)

ہیلبرونر کو معلوم نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی قیادت میں اس طرح کا مثالی معاشرہ جس کو وہ کسی اور دنیا کی بات سمجھتا ہے اسی دنیا میں ایک بار قائم ہو چکا ہے. قرن اوّل کے مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم کہتا ہے:(۳)

ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ط (۴)

وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود محتاج ہوں!

---

(۱) اصلاحی، عبدالعظیم- 'قرآن مجید کی روشنی میں صارفین کا مطلوب رویّہ' بحوالہ، اقبال، رانا محمد، علوم فی القرآن تحقیقی مقالات، برائٹ بکس، اردو بازار، لاہور/ص: ۲۴۰

(۲) ایضاً/بحوالہ Heilbroner, R.L. and Thurow: The Economic Problem,4th Edition, New Jersey,Prentice-Hall, 1975/p-34

(۳) اصلاحی، عبدالعظیم- 'قرآنِ مجید کی روشنی میں صارفین کا مطلوب رویّہ' بحوالہ، علوم فی القرآن تحقیقی مقالات، /ص: ۲۴۰

(۴) قرآنِ کریم؛ سورۃ الحشر/۵۹: ۹

قرآن نے ایثار اور فی سبیل اللہ دوسروں پر انفاق کو مومنین کی عمومی صفت اور ایمان کی علامت قرار دیا ہے.(۱)

الغرض نماز کے بعد قرآنِ مجید جس چیز کی سب سے زیادہ تاکید کرتا ہے وہ انفاق ہے، لیکن چونکہ ہمارا مقصد اس طرح کی تمام آیتوں کا احصاء و احاطہ نہیں ہے اسلئے مذکورہ بالا چند آیات ہی پر اکتفاء کرتے ہیں. یہ یاد رہے کہ انفاق ایک ہمہ گیر لفظ ہے جس کے اندر فرض انفاق مثلاً زکوۃ، کفارات، انفاق برائے جہاد اور نفلی انفاق دونوں شامل ہویں، اسی طرح اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقرباء اور دیگر سائلین و محرومین سبھی شامل ہیں.(۲)

خلاصہ بحث

اسلام کی حقانیت کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ اس کے ہر شعبہ خواہ معاشرت ہو یا معیشت، میں عدل و انصاف کا تقاضا دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے بڑھ کر پایا جاتا ہے. اسلامی نظام معیشت بھی اُسی ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے، جس نے اس پوری کائنات کو تخلیق کیا. یہ ایک فطری امر ہے کہ خالق اپنی تخلیقات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اُسکی ہر ضروریات کا خیال خود رکھتا ہے. لہٰذا اسلامی معیشت پورے عالم انسانی کے لئے بلاتفریق دین و مذہب، یکسانیت سے اپنانے کی دعوت دیتا ہے. اسلام کا معاشی نظام آمدن سے زیادہ خرچ کے اصول سکھلاتا ہے. تمام کا تمام اسلامی معاشی نظام عادلانہ نظام کی بنیاد پر قائم ہے. اسلامی تعلیمات میں سود کا خاتمہ اور تجارت کے فروغ کا حکم ہے. اسلام زکواۃ و صدقات کے ذریعے غربت کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیتا ہے.

یوں اسلام کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ بنتی ہے کہ یہ اپنے اندر مکمل نظامِ حیات لئے ہوئے ہے، جسکا پایا جانا پوری انسانیت کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے. ہمیں چاہئے کہ تمام عالم کے تمام انسانوں کو اس بات کی دعوت دیں کے ایک سچے مذہب کی تعلیمات سے ہر کوئی فائدہ اٹھانے میں آزاد ہے، جسکے باعث یقیناً تمام عالم میں امن و سکون غرباء مساکین کی دیکھ بھال، قیمتوں پر سودی قرضوں کے باعث آنے والی گرانی سے ہر شخص محفوظ ہو سکتا ہے.

اور آخیر میں یہ بات تمام دنیا کے لوگوں میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص عرض کی جاتی ہے کہ وہ اگر اسلام کے اصولوں ضوابط کو اپنالیں تو پوری دنیا امن کا گہوارا ہ بن سکتی ہے.

✿✿✿

---

(۱) اصلاحی، عبدالعظیم۔ 'قرآنِ مجید کی روشنی میں صارفین کا مطلوب رویّہ' بحوالہ، علوم فی القرآن تحقیقی مقالات، /ص: ۲۴۰

(۲) ایضاً/ص: ۲۴۱

تجاویز وسفارشات

الحمدللہ العلّی الکبیر العلیم الحکیم – فصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمّدو آلہ وصحبہ وسلم .

''**اسلام کی معاشی تعلیمات کا دیگر آسمانی مذاہب سے تقابلی مطالعہ**'' کے موضوع پر میری اس تحقیق کا اختتام بالخیر ہوا۔ لیکن یہ موضوع اتنا عمیق ہے کہ اسکے لئے زندگیاں کم ہیں اس لئے کہ یہ موضوع بحر بیکراں ہے۔اس تحقیق کے دوران جو تجاویز ذھن میں آتی چلی گئیں انہیں بطور سفارشات کے پیش کر رہا ہوں:

☆ سب سے پہلے عرض ہے کہ ہمیں بحثیت امتِ مسلمہ اپنے شاندار ماضی کی داستانوں کے محض بیان کرنے سے باہر قدم رکھنا چاہئے اور وہ یوں کہ واقعتاً ماضی میں اگر مسلم حکومتیں ایک شاندار تاریخ رکھتی تھیں تو اسکی وجہ دینی اعتبار سے مضبوط ہونے کے علاوہ معاشی حالت کا بہتر ہونا بھی تھا، جسے تاریخ کے ابواب میں شامل ہونا چاہئے تھا،لیکن تاریخ اسلام کے نام پر جو تواریخ مرتبہ ہیں وہ محض سطحی احوال وفتوحات کے واقعات سے لبریز نظر آتی ہیں ،جس میں کہیں بھی جامع تحریر انکی معیشت کی بہتری کی نظر نہیں آتی ، ماسواء چند ایک نکات کے! میری تجویز ہے کہ مسلم یونیورسٹیوں اور مدارس میں تاریخ کے موضوع پر بڑے پیانے پر تحقیق وجستجو کی ضرورت ہے۔جسے ہر حال میں آج کی مسلم امہ کو پورا کرنا چاہئے.

☆ تقابلِ ادیان کا موضوع دنیا میں جدید وروشن خیال لوگوں کا ہتھیار بن چکا ہے، وہ لوگ مسلمانوں کو اسی ہتھیار سے زیر کرنے کی باتیں کر رہے ہیں.مسلمانوں کے مذہبی شعبوں میں اسکالرز کی کمی ہمیشہ سے ہے،لہذا اس کمی کو دور کرنے کی غرض سے تقابلِ ادیان کے موضوع پر علمائے حق کو تیاری کرنی چاہئے.

☆ اسلام کی معاشی تعلیمات کا موضوع مستقل بنیادوں پر پڑھایا جانے والا مضمون ہونا چاہئے.جس میں جدید اسلامی معاشیات کو پڑھایا جائے.

☆ پاکستان ماشآء اللہ دنیا کے اُن خوش نصیب ممالک میں سے ایک ہے جس میں اسلامی معیشت لاگو کرنے کا قانون سپریم کورٹ سے پاس ہو چکا ہے.اس قانون کے ضمن میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اسلامی تعلیمات پر مبنی معیشت کی تعلیم کو بنیادی وانفرادی حیثیت دے کر اسکولوں ،مدارس ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں باقاعدہ کورس کے طور پر شروع کردیا جاتا.لیکن اربابِ اختیار طبقہ نے اس قانون کو محض 'اسلام کے نام پر کھولے جانے والے بینکوں' کی مد میں صرف کرنے پر بس کیا.

☆ دیر آید درست آید کے پیشِ نظر اب بھی وقت کہیں نہیں گیا، میری تجویز یہ ہے کہ پورے ملک میں قومی سطح پر ایک '**ادارہ برائے اسلامی معیشت کی ریسرچ**' کا کھولا جائے ، اور اس ریسرچ سینٹر میں ایک طرف تو تعلیم وتعلم کا شعبہ قائم ہو جو اسکولوں کی سطح سے لیکر یونیورسٹیوں کی سطح تک کا اسلامی معیشت کورس مقرر کرے اور دوسری طرف اس ریسرچ سینٹر کو بااختیار ادارہ بنا کر

اسلامی بینکوں کی عملی حرکات وسکنات کی نگرانی کا کام بھی تفویض کیا جائے .جس سے یہ ادارہ ایسے بینکوں سے با قاعدہ فیس لیکر انہیں شرعی کاروبار کرنے کا اجازت نامہ جاری کرے .جس سے نہ صرف یہ ادارہ اپنی علمی خدمات کے لئے خود کفیل ہو جائے گا، بلکہ اس ادارہ کے عوض ایسے بینکوں کی جانچ پڑتال کا کام بھی اچھی طرح لیا جاسکتا ہے ، جو اسلام کے نام پر دھوکہ دہی exploitation میں ملوث ہیں.

☆ اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کروانے والے خوش نصیب مما لک میں سے ایک ہمارا ملک پاکستان بھی ہے جس نے سنہ ۵۰ کی دھایوں میں اس کی ابتداء کی تھی.لہذا میری تجویز یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان میں اسلامی معیشت پر انٹرنیشنل کانفرنس ہر سال منعقد کی جائے ،جس میں دنیا بھر کے امراء کو زکوۃ وانفاق فی سبیل اللہ پر متوجہ کیا جائے اور دنیا بھر کے اسلامی بینکوں کے کاروبار کو آپس میں وسیع پیمانے پر پھیلانے کے لئے سفارشات دنیا بھر کے اسلامی مما لک کو بطور تجویز بھیجی جائیں ، تا کہ دنیا میں اسلامی مما لک کی کثیر تعداد جب ایک جیسی معیشت کے اپنانے پر یکجہتی کا مظاہرہ کرتی نظر آئے گی تو یقینا امۃ مسلمہ کا دنیا میں وقار بلند اور امۃ مسلمہ کی غربت وافلاس کے مسائل بھی کم سے کم ہوتے چلے جائیں گے.

☆ ہمارا ملک پاکستان دنیا کے ان مما لک میں سے ایک ہے جس کی ترقی وخوشحالی کے لئے دنیا کی تمنا ئیں اور خواہشات اس ملک کے لئے بالکل نیک و پاکیزہ ہیں.لہذا ہمارا ملک دنیا میں مسلم تجارت کے فروغ کے لئے اگر اپنی آواز بلند کرے تو تمام دنیا اس کی ایک آواز پر لبیک کہے گی.لہذا مندرجہ بالا کانفرنس منعقد کراتے رہنے سے ملک پاکستان دنیا میں اسلامی معیشت کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرسکتا ہے.

☆ ہمیں کسی بھی IMF کا مقروض رہنے کی ضرورت پیش نہ آئے ،اگر ہمارے ملک کے امراء محض اللہ تعالی کی رضاء جوئی کے لئے اپنے ملک کے باسیوں تک اپنی زکوۃ ، خیرات وصدقات کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ازخود اس نیک کام میں حصہ لیں .اس کے لئے ممبر رسول ﷺ سے ہر جمعہ کو آواز لگنی چاہئے ، اس موضوع پر سیمینار اور چھوٹے ، بڑے پیمانے کی ورکس شاپس ہوتی رہنا چاہئیں ,تا کہ یہ احساس ذمہ داری ہماری پوری قوم میں جاگ جائے ، اسکے لئے ہمارے علماء وفقہاء کو اپنا کردار بھر پور انداز میں اداء کرنا چاہئے.

☆ گلوبلائزیشن کے اس دور میں جب بین المذاہب کلمات کی دوڑ سامنے آ ہی چکی ہے تو ہمارا ملک کیوں اس دوڑ میں پیچھے رہے .ہمیں چاہئے کہ بین الاقوامی کانفرنسز مقرر کر کے اسمیں غیر مسلم خصوصا اھل کتاب کو دعوت دینا چاہئے تا کہ وہ اسلام کی فیاضی وفراخدالی سے ازخود متاثر ہو سکیں اور اگر انہیں اسلام کی معاشی تعلیمات پسند آئیں تو یقینا کچھ ہی عرصے میں دنیا میں ایک عظیم انقلابی معیشت کا دور دورہ ہوسکتا ہے .جس کی پہچان محض اسلام کی معیشت کے حوالے سے ہوگی.

☆ ہمارے ملک پاکستان میں غیر مسلم رعایا عرصہ دراز سے قیام پذیر ہے ، بلکہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بھی جدوجہد آزادی میں اپنی قربانیاں پیش کیں ہیں ,لیکن پاکستان جس طرح کہ دنیا کی وہ دوسری ریاست ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی اور جس کے باشندوں نے اسلام کے نام پر ہجرت کی ، لہذا اسلام میں چونکہ ذمیوں سے خراج وصول کیا جاتا ہے،

لیکن پاکستان میں اسطرح کی کوئی بھی صورت اختیار نہیں کی گئی، لہٰذا اب پاکستان میں غیر مسلم اقوام پاکستانی کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ایسی صورت میں میری تجویز یہ ہے کہ ہم تمام اقوامِ عالم کو اسکی مثال پیش کر کے یہ بات باور کرا سکتے ہیں کہ پاکستان کسی بھی مذہب سے بلاجواز عناد نہیں رکھتا، لہٰذا دنیا کی معیشت میں پاکستان کو کھل کر اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملنا پاکستان کا استحقاق ہے۔

☆ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق روشن خیالی اپنانا کوئی بُری بات نہیں، لیکن ہمیں 'کوّا چلا ہنس کی چال سو اپنی بھی بھول گیا!' کے مصداق روشن خیالی اپنانے میں اسلامی شعار کو مٹنے سے بچانے کے لئے انتہائی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ محض تعلیم و تعلم کے میدان میں مسلمان جتنی ترقی کر سکیں انہیں اُس ترقی میں کسی مذہبی منافرت میں نہیں آنا چاہئے۔اور کم و بیش ہمارے اساتذہ کرام کو بھی اپنی طلباء کو محظ علوم و فنون سے محبت اور اسکی اشاعت و ترویج پر مشق کرنے کی ترغیب دینی چاہئے۔

☆ امّۃ مسلمہ کے معاشی و اقتصادی مسائل کا ایک حل یہ بھی ہے کہ عالمی سطح پر **International Islamic Trade and Commerce Association** کی بنیاد ڈالی جائے تا کہ یہ ادارہ دنیا بھر کے مسلم و غیر مسلم طبقہ سے جو تجار بلاسودی کاروبار کرنا چاہتے ہوں اُن کو ایک مرکزی پلیٹ فارم کی حیثیت سے انکے کاروبار کی وسعت کے لئے راہنمائی کا ذریعہ بن سکے۔

☆ اس مقصد کے لئے عالمی سطح کی اسلامک اکنامکس کی یونیورسٹیوں کا قیام بھی عمل میں لانا چاہئے۔

☆ پاکستان پر ایک بھاری ذمہ داری پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے یہ عائد ہوتی ہے کہ پاکستان کے پاس اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، ہدایت یافتہ مسلم سائنسدان و ماہرینِ معاشیات موجود ہیں جنکی نگرانی میں پوری عالمی مسلم برادری کی رہنمائی ممکن ہے، بالکل اُسی طرح جس طرح کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدینہ منورۃ ہجرت سے پیشتر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے باسیوں کو قرآن پڑھانے کا استاذ مقرر فرمایا تھا۔اسی طرز پر پاکستان اپنے اس قیمتی سرمایہ کو دنیا بھر کی مسلم برادری کو اسلامی معیشت کی تعلیم دینے کے لئے دنیا کے مختلف ممالک بھیجے، جس سے اس ملک پر اپنی مسلم برادری کا دینی و دنیاوی حق اداء ہوگا۔

☆ آخر میں تمام اہل کتاب سے عرض ہے کہ وہ اس تجویز پر غور و خوض کرتے ہوئے پاکستان کے اندر معاشی تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لیں تا کہ پاکستان کو تعلیمی سطح پر جو مشکلات درپیش ہیں انکا سدِّ باب کیا جا سکے۔

✿✿✿

مصادر و مراجع

کتابیات

الف

☆ احسان، محمد آصف، اسلام اور سودی نظام، فاران پبلی کیشنز، پیپلز کالونی نمبر۲، فیصل آباد، جنوری ۱۹۹۸ء

☆ احمد، پروفیسر ڈاکٹر نثار، خطبۂ حجۃ الوداع - حقوقِ انسانی کا عالمی منشور، ناشر: بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆ احمد، خورشید پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تحقیق و تصانیت، یونیورسٹی آف کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء

☆ احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام کا معاشی نظام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفتم ۲۰۰۵ء

☆ احمد، مولوی رشید (مترجم)، انگرام، کیلس ڈاکٹر، تاریخ معاشیات، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء

☆ اردو انسائیکلو پیڈیا، تیسرا ایڈیشن، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، جنوری ۱۹۸۴ء

☆ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، زیرِ اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور - جلد۲ تا جلد۲۱، طبع ۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۹ء

☆ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد۲، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی، ۱۹۸۹ء

☆ اسحاق، حکیم محمد، اسلام کا معاشی معیارِ اخلاق، ناشر، حکیم محمد اسحاق، حویلیاں ضلع ایبٹ آباد، پاکستان، ۱۹۸۰ء

☆ اسعدی، مولانا محمد عبید اللہ، سود کیا ہے؟، ادارۃ القرآن، گارڈن ایسٹ کراچی، جولائی ۲۰۰۲ء

☆ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، منشی محبوب عالم، ج ۱ - لاہور، س ن

☆ اسلم، حافظ محمد (مترجم) مشکوۃ المصابیح، حذیفہ اکیڈمی، لاہور، ستمبر ۲۰۰۰ء

☆ اسلم، ڈاکٹر سیّد علی، اسلام کا جمہوری نظام، احسن برادرز، انارکلی لاہور، س ن

☆ اعظمی، مولانا ظہور الباری (ترجمہ وشرح)، بخاری، محمد بن اسماعیل، الامام ابوعبداللہ، صحیح بخاری، جلد اوّل، حذیفہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، س ن

☆ اعظمی، مولانا ظہور الباری، بخاری، محمد بن اسماعیل حضرت الامام ابوعبداللہ، صحیح بخاری، تفہیم البخاری عربی اردو شرح، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، س ن

☆ الاسعدی، محمد عبید اللہ مولانا، علوم الحدیث۔ مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد، کراچی، س ن

☆ الاصفہانی، راغب، مفردات القرآن، مطبوعہ دار صادر الدین، بیروت، س ن

☆ الازہری، مجیب الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر..مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ۔یہودیت۔تاج کتب خانہ، پشاور۔جولائی ۱۹۸۹ء

☆ الازہر، مولانا محمد مسعود، فتح الجواد فی معارف آیاتِ الجہاد، مکتبہ عرفان، لاہور، ج ا، اپریل ۲۰۰۷ء

☆ الحق، مولانا شیخ الحدیث سمیع، اسلام کا نظام اکل و شرب اور شریعت کا فلسفہ حلال و حرام، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک نوشہرہ، پاکستان، س ن

☆ الدمشقی، الامام ابی زکریا یحیٰی بن شرف النوی 'ریاض الصالحین' مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۱ء

☆ الرحمان، مولانا عزیز (مترجم)، مسلم شریف، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، س ن

☆ السیوطی، للعلامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، قرآنِ کریم۔موافق فی الرسم لمصحف سیّدنا عثمانؓ، المکتبۃ الشعبیۃ، سعودیہ عربیۃ۔س ن

☆ العبادی، الدکتور عبدالسّلام داؤد، الملکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ طبیعتھاو وظیفتھاو قیودھا دراسۃ مقارنۃ بالقوانین الوضعیۃ، ج ۱ مکتبۃ الاقصی، س ن

☆ العطار، نادی فرج درویش، 'شرح الاحکام الشرعیہ فی التوراۃ، شرعیۃ موسی النص والتفسیر، کلیۃ الحقولہ، جامعہ القاہرۃ، مرکز ابن العطار للتراث۔الطبع الاولی ۲۰۰۴ء

☆ القادری ڈاکٹر محمد طاہر، اقتصادیاتِ اسلام (بنیادی تصورات)، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، اشاعتِ دوم، نومبر ۲۰۰۷ء

☆ القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، اسلام میں انسانی حقوق، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع سوم، مارچ ۲۰۰۶ء

☆ الماوردی؛ احکام السلطانیہ، ابن کثیر؛ سیرۃ النبیؐ (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

☆ المتقی، علاء الدین علی، کنز العمال، ج ۴، کتاب البیوع، فصل ۳، اقراء سینٹر، لاہور، ۱۹۷۹ء

☆ المسدوسی، احمد عبداللہ،، مذاہب عالم، مکی دارالکتب، ۲۳، میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور۔مئی ۲۰۰۴ء

☆ المنجد فی اللغۃ، الطبعۃ الثامنۃ والعشرون، منشورات دارالمشرق ش م م: ص، ب، ۹۴۶، بیروت، ۱۹۸۶ء

☆ المورد، Al-Mawrid الطبعۃ الحادیۃ عشرۃ: بیروت 1967- Dar-el-il, lil-malayen لبنان

☆ امینی، مولانا محمد تقی، اسلام کا زرعی نظام، مجلسِ نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۷ء

☆ امینی، مولانا محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی۔ستمبر ۱۹۹۱ء

☆ امیر علی، سیّد، روحِ اسلام، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء

☆ انصاری، مولانا محمد حلیم (مترجم)، سیوطیؒ، علامہ جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن

☆ انصاری، پروفیسر بزم، عبدہ ورسولہ، پاک اورینٹل پبلیکیشنز، سی-۱، فرسٹ فلور، ارشد پلازہ، ناظم آباد، کراچی، س ن

☆ انصاری، محمد عبد اللطیف، تاریخ عالمِ اسلام، المؤتمر العالم الاسلامی، ۴ بہادر آباد، روڈ نمبر ۲، کراچی، ستمبر ۱۹۸۶ء

☆ انور، شہناز، 'اسلام میں بیت المال کی تاریخ' غیر مطبوعہ مقالہ برائے، ایم اے علوم اسلامیہ، منعقدہ، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۰ء

☆ ایل بیون جونز، مسیحی دین کا بیان برائے اہل جلد دوم، اسلام۔پنجاب رلچس بک سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۵۹ء

ب

☆ بٹ، محمد احسن (مترجم)، اسرائیل شحاک/ نارٹن میزونسکی، اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی، جمہوری پبلیکیشنز، نیلا گنبد، لاہور، اگست ۲۰۰۴ء

☆ بلگرامی، سیّد علی (مترجم)؛ گستاؤلی بان، تمدنِ عرب، انڈیا، 'مفید عام آگرہ'، ۱۸۸۶ء

☆ بیگ، مرزا اشفاق (مترجم)، ولادیسلاف کیلیے ماتوے کوائزون، تاریخی مادیت، سٹی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی۔۲۰۰۷ء

پ

☆ پاریکھ، عبدالکریم مولانا، قومِ یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں، مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد کراچی، س ن

ت

☆ تھانوی، اشرف علی مولانا حضرت حکیم الامت، مکمل بیان القرآن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س ن

ث

☆ ثانی، پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین، 'خدمت خلق و رفاہ عامہ کی اہمیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں' ناشر، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی، اورنگی ٹاؤن، کراچی، مارچ ۲۰۰۶ء

☆ ثناء الحق صدیقی (مترجم)، موریس بوکائیے، بائبل، قرآن اور سائنس، ناشر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، اشرف منزل ڈی/۴۳۷ گارڈن ایسٹ کراچی، جولائی ۱۹۸۵ء

ج

☆ جعفری، سیّد سعید احمد، نفسیات المذاہب، ناشر، سیّد مختار علی جعفری، اے، ایم ۲۹۸-آغاز پرنٹرز صدر، کراچی. مارچ، ۱۹۷۵ء

☆ جمیل، سہیل، بائبل مقدس (ابتداء سے انتہا تک) قدیم اور جدید عہد نامہ، کراچی، پاکستان PY-2005-BIU س ن

☆ جوزف، میزینی، فرائض انسان، خادم تعلیم پنجاب، لاہور، ۱۹۰۰ء

☆ جوناگڑھی، مولانا محمد (مترجم)، ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء حافظ، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، س ن

چ

☆ چاٹگامی، مفتی مولانا محمد عبدالسلام، اسلامی معیشت کے بنیادی اصول، ناشر، اسلامی کتب خانہ، کراچی ۱۹۹۳ء

☆ چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء

ح

☆ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، خطبات بہاول پور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۱۴۰۱ھ

☆ حقانی، مفتی مختار اللہ، اسلام کا نظام اکل و شرب اور شریعت کا فلسفہ حلال و حرام، ناشر، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، س ن

خ

☆ خان، مولوی شمس تبریز، (مترجم)، چلپی، متولی یوسف، مسیحیت علمی و تاریخی حقائق کی روشنی میں، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، س ن

☆ خان، محمد یحیی، ، ذکر محمد ﷺ آسمانی صحیفوں میں - ناشر: نگارشات پبلشرز، مزنگ روڈ، لاہور - ۲۰۰۵ء

☆ خان صاحب، مولانا محمد اجمل، آداب القرآن، مکتبہ اشاعت اسلام، لاہور، نومبر، ۱۹۶۸ء

☆ خان ، مولانا وحید الدین ، دین کیا ہے؟ مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ ، دہلی ، س ن

☆ خلاف ، عبد الوہاب ؛ السیاسۃ الشرعیۃ - دار الاحصار ، قاہرہ ، ۱۳۹۷ھ ،

☆ خلیل احمد (مترجم) ، لیلی احمد ، عورت جنسی تفریق اور اسلام ، مطبوعہ مشعل ، لاہور ، ۱۹۹۵ء

☆ خاں ، برکت اے ، (مترجم) ، ناصر ، ڈاکٹر کے ایل ، فلسفہ وحدت الوجود ، بیت الشمس ، پوسٹ بکس 2465 ، اسلام آباد ، اگست ۲۰۰۳ء

☆ خاں ، شریف احمد (مترجم) ، عبد العاطی ، ڈاکٹر حمودہ ، اسلام ایک روشن حقیقت ، ہندوستان پبلیکیشن ، دہلی نمبر ٦ ، س ن

د

☆ دانا پوریؒ ، مولانا حکیم ابو البرکات عبد الرؤف ، اصح السیر ، میر محمد کتب خانہ ، آرام باغ ، کراچی ، س ن

☆ دریا بادی ، مولانا عبد الماجد ، ترجمہ و تفسیر القرآن الحکیم ، (تفسیر ماجدی) ، تاج کمپنی لمیٹڈ ، کراچی ، س ن

☆ دہلوی ، حافظ العلامہ محمد ایوب ، مقالاتِ ایوبی ، مکتبہ رازی ، ١۵ شہاب مینشن ، محمد بن قاسم روڈ کراچی ، س ن

☆ دیوبندی ، مولانا شیخ الہند محمود الحسن ، ، ادلہ کاملہ ، قدیمی کتب خانہ ، مقابل آرام باغ ، کراچی نمبر ١ ، س ن

ر

☆ رحمانی ، مولوی محمد داؤد خاں راغب (مترجم) ، ابن کثیر ، عماد الدین ابو الفداء حافظ ، تفسیر ابنِ کثیر ، مدرسہ نجمیہ ، دہلی کالونی ، کراچی ، ۱۹۶۸ء

☆ رام ، منشی نہقو نند ، فرائضِ انسان ، مطبع خادم التعلیم پنجاب - باہتمام منشی عبد العزیز . لاہور ، ۱۹۰۰ء

☆ رامپوری ، عبد الغفور خان و انصاری ، محمد حلیم ، (مترجمین) ؛ یوفرانسیسی ، موسیو سیّد ، تاریخ عرب ، ناشر ، بیت القرآن اردو بازار ، لاہور ، س ن

☆ رشید ، مولوی احمد (مترجم) ، یل ، یل ، ڈی ، کیلس انگرام ڈاکٹر ، تاریخ معاشیات ، دار الطبع جامعہ عثمانیہ ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۳۲ء

ز

☆ زکریا ، شیخ الحدیث مولانا محمد ، فضائل صدقات ، مکتبہ امدادیہ ، ملتان ، پاکستان ، ۱۹۸۳ء

☆ زیارت گل ، مولانا ڈاکٹر عبد الحق ، مضاربت اور بلاسود بینکاری ، ناشر ، مکتبہ غفوریہ نزد جامعہ اسلامیہ درویشیہ ، مطبع ایجوکیشنل پریس ، کراچی ، شعبان ۱۴۲۲ھ

س

☆ سباعی، مصطفی ،المرأة بین الفقه و القانون ، 'المکتب الاسلامی' بیروت، ١٤٠٣ھ
☆ سعد اللہ، حافظ محمد ، نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی، برائٹ بکس، اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، جون ۲۰۰۱ء
☆ سعید، حکیم محمد ، میموریل لیکچر، ہمدرد یونیورسٹی مشاہراہ مدینۃ الحکمہ ،محمد بن قاسم ایونیو، کراچی، ۱۱ اپریل ۲۰۰۵ء
☆ سلفی، زبیر احمد (مترجم) ،الجوزیہ، امام ابن القیم، یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینہ میں، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور ۱۹۹۳ء
☆ سموئیل، جیک (مترجم)، کارسن، جین، خواتین کے ساتھ مسیح کا رویہ، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فریوز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۸ء
☆ سنگھ، وکلف اے (مترجم)، ایون وارن، ، ازدواجی زندگی کا آغاز، ایم آئی کے، فیروز پور روڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء
☆ سنگھ، وکلف اے (مترجم)، ڈیٹن ، ہاورڈ، 'آپ اور آپکا پیسہ' ایم، آئی، کے، ۳۶، فیروز پور روڈ، لاہور، ۲۰۰۲ء
☆ سیفی، مولانا رشید اشرف، درسِ ترمذی، مولانا محمد تقی عثمانی کی تقریر 'جامع ترمذی'، مکتبہ رشیدیہ، محلہ مفتی سہارنپور، ۱۹۹۵ء
☆ سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن ؛ اسلام کا اقتصادی نظام ، ندوۃ المصنفین ، دہلی ، ۱۹۵۹ء
☆ سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارۃ اسلامیات، انارکلی، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۴ء
☆ سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن ، قصص القرآن ، پروگریسو بکس ، اردو بازار ، لاہور، س ن

ش

☆ شاہ ، حکیم محمد اختر ، راہِ مغفرت ، کتب خانہ مظہری ، گلشن اقبال ، کراچی ، س ن
☆ شفیع ، مفتی مولانا محمد ، معارف القرآن ، ادارۃ المعارف ، کراچی اکتوبر ۱۹۷۶ء
☆ شفیع ، مفتی مولانا محمد ، قرآن کا نظامِ زکوۃ ، ادارہ المعارف ، کراچی، ۱۹۶۳ء
☆ شفیع ، مفتی مولانا محمد ، اسلام کا نظام تقسیم دولت، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، دسمبر 1973ء
☆ شفیع ، مفتی مولانا محمد ، مسئلہ سود، دارالاشاعت، کراچی، س ن
☆ شیرازی، سیّد معروف شاہ (مترجم)، شہید، سیّد قطب، فی ظلال القرآن، منشوراتِ اسلامی، رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، س ن
☆ شہید، سیّد قطب ، معرکۂ اسلام اور سرمایہ داری، ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار، لاہور، جون، ۱۹۸۹ء

ص

☆ صارم، قاضیعبد الصمد، تاریخ القرآن، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ روڈ، کراچی، س ن

☆ صدیقی، ڈاکٹر مولانا ساجد الرحمٰن، (مترجم)، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، فقہ الزکواۃ، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۱ء

☆ صدیقی، ڈاکٹر مولانا ساجد الرحمٰن، اسلامی قانون اور تصوّرِ ملکیت، دارالاشاعت، کراچی، مارچ ۲۰۰۶ء

☆ صدیقی، پروفیسر سعید احمد، معاشی نظریات، کارمرس پبلیکیشنز، کراچی، اگست ۲۰۰۵ء

☆ صدیقی، ڈاکٹر محمد یسن، عہد نبوی ﷺ کے معاشی حالات، تحقیقاتِ اسلامی، لاہور، س ن

☆ صدیقی، عبدالحمید (مترجم)، ڈاکٹر یوسف القرضاوی: اسلام اور معاشی تحفظ، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، فروری ۱۹۷۸ء

☆ صدیقی، نعیم - اسلام اور شخصی ملکیت، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، اشاعت بارِ دوم، جون ۱۹۶۹ء

☆ صمدانی، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ادارۃ المعارف، کراچی، جنوری ۲۰۰۷ء

ظ

☆ ظفیر الدّین، مولانا محمد، اسلام کا نظامِ عفت و عصمت، مکتبہء نذیریہ، اچھرہ، لاہور، س ن

ع

☆ عاصی، عیمانوئیل فادر-توریت اور تربیت-مکتبہ عناویم پاکستان، جی ٹی روڈ سادھوکے-ضلع گوجرانوالہ-اکتوبر ۲۰۰۱ء

☆ عامر، یونس (مترجم)، ڈاکٹر بی، فارنہیم، المسیح کی حیات و تعلیمات، ایم آئی کے ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۹

☆ عبدالسبحان، بشپ جان (مترجم)، ایل بیون جونز، مسیحی دین کا بیان برائے اہل اسلام، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۵۹ء

☆ عبدالرّشید، پروفیسر ڈاکٹر، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، طاہر سنز-کراچی، چوتھا ایڈیشن دسمبر ۱۹۹۵ء

☆ عبدالقیوم، مولانا (مترجم)، الجصاص الحنفی، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، س ن

☆ عثمانی، شبیر احمد علامہ، تفسیر عثمانی القرآن الکریم، شیخ الہند محمود الحسن (مترجم)، مطبع المملکۃ العبیۃ السعودیہ-س ن

☆ عثمانی، مولانا ڈاکٹر مفتی محمد تقی، عیسائیت کیا ہے؟ دارالاشاعت، کراچی، س ن

☆ عثمانی، مولانا ڈاکٹر مفتی محمد تقی، جسٹس ڈاکٹر، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، مارچ ۱۹۹۹ء

☆ عثمانی، مولانا ڈاکٹر مفتی محمد تقی، ہمارا معاشی نظام، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ

☆ عثمانی، مولانا محمد تقی، درسِ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ، امام ترمذیؒ کی حدیث پر تقریر و جامع ترمذی، ناشر مکتبہ رشیدیہ، محلّہ مفتی سہارنپور، ۱۹۹۵ء

☆ عُرفی، عبدالعزیز، جمالِ مصطفیٰ، سیرت ایوارڈ ۱۹۸۰ء، گیلانی پبلشرز، کراچی ۱۹۸۷ء

☆ عزیز، پروفیسر ڈاکٹر فاروق، مروجہ اسلامی معاشی تصوّرات قرآنی تناظر میں، اسلامک بک سینٹر، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۴ء

☆ عزیز الرحمان، مولانا، (مترجم)، صحیح مسلم شریف، مکتبہ رحمانیہ، اقراء سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاھور۔س ن

☆ عزیز الرحمان، مولانا، (مترجم) صحیح مسلم شریف للامام ابی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوریؒ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س ن

☆ عزیز الرحمٰن، حافظ، نظامِ زکوٰۃ کی برکات، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، س ن

☆ عظیم، سیّد۔ تجارتی لوٹ مار کی تاریخ اور نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت۔ دارالشعور، اے جی آفس، مزنگ روڈ لاہور۔ مئی ۲۰۰۶ء

☆ علی، مولوی مسعود (مترجم)، سمز مین، سر ہنری، قدیم قانون، ادارۃ الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، انڈیا۔ ۱۹۳۳ء

☆ علی، سیّد نواب، پروفیسر، تاریخ صحف سماوی، مکتبہ افکار، رابسن روڈ، کراچی پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۳ء

☆ علیم اللہ، مولوی صاحب، مسلمانوں کا نظم مملکت، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن

☆ علیم اللہ، مولوی (مترجم)، علی و ابراھیم حسن، پروفیسر، النظم الاسلامیہ، 'مسلمانوں کا نظم مملکت'، ناشر۔ دارالاشاعت، کراچی، س ن

غ

☆ غازی، حامد الانصاری مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، مطبوعہ، جید برقی پریس، دھلی، انڈیا، ۱۹۴۳ء

☆ غفاری، نور محمد ڈاکٹر مولانا، اسلام کا قانونِ تجارت، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور۔س ن

☆ غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس اور اسلام کا نظام کفالتِ عامہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء

☆ غفاری، نور محمد پروفیسر ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء

☆ غلام حُسین، حافظ، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، س ن

ف

☆ فرید آبادی، سیّد ہاشمی (مترجم)، بجمن براؤن، مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا، شیش محل کتاب گھر، لاہور نمبر ۲، مئی ۱۹۶۲ء

☆ فیاض، د، شاکر زیب، (تحقیق)، زنجویۃ، حمید بن، التوفی سنہ ۲۵۱ھ، کتاب الاموال، لمرکز الملک فیصل للبحوث، والدراسات الاسلامیۃ، الملک العربیۃ السعودیۃ، الریاض، الجزء الثالث، الطبعۃ الاولی ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۶م،

☆ فیروز اللغات اُردو جدید- فیروز الدّین، مولوی، فیروز سنز، لاہور- ۱۹۸۳ء

ک

☆ کاندھلوی، مولانا عابد الرّحمٰن (مترجم)، امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، ادارۃ اسلامیہ، لاہور، س ن

☆ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ﷺ، مکتبہ عثمانیہ، ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۲ء

☆ کریمی، مولانا مشتاق احمد، 'بینک کا سود حلال ہے؟ شبہات و ازالہ' ناشر- الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی، کٹیہار، بہار، انڈیا، بارسوم اردو، ۲۰۰۵ء

☆ کامل، مظہر علی مولانا، علاّمہ تقی الدّین نبہانی، نظام الحکم فی الاسلام، دائرۃ المعارف، کراچی، ۱۹۵۷ء

☆ کتابِ مقدس، پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، 1980ء

☆ کلیانوی، عمران الحق، مفتی مولانا ڈاکٹر، کتاب الکفالہ والنفقات، یعنی اسلام کا نظامِ کفالت، ایک تحقیق جائزہ، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۳ء

گ

☆ گریوال، شیر محمد- اسلامیانِ ہند کا شاندار ماضی- اسلامک بک سروس- اردو بازار، لاہور- ۱۹۸۹ء

☆ گرین فیلڈ، مس ایم، آر؛ اور ویسٹرن، ڈاکٹر آر، ایچ، (مؤلفین)، 'مضامینِ کتابِ مقدس'، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، ۲۰۰۳ء

☆ گل، مختار مولانا - اسلامی نظام میں معاشیات کا مقام- مکتبہ تحریک اسلام، پاکستان، راولپنڈی -س ن

☆ گنگوہی، محمد حنیف مولانا، حالاتِ مصنفین درسِ نظامی، دارالاشاعت، کراچی، مارچ ۲۰۰۰ء

☆ گیلانی، سیّد مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن

ق

☆ قادری، طاہر رسول، اسلام کا نظام کفالت، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء

☆ قاری، ملا علی، مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۹: ۳۶۸ مکتبہ امدادیہ ملتان - س ن

☆ قاریؒ، ملا علی، عمدۃ القاری، ج ۱۱، ادارۃ طباعۃ منیریہ، قاہرۃ، س ن

☆ قاسمی، مفتی نسیم احمد، اسلامی کاروبار، ادارۃ القرآن، اردو بازار، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

☆ قاسمی، الحاج مولانا محمد آصف، تفسیر بصیرتِ قرآن، مکتبہء بصیرت انٹرنیشنل مسی ساگا، (ٹورانٹو) کینیڈا، س ن-

☆ قاسمی، مولانا محمد حبیب اللہ، تعلیم سیرت سوال جواب کے آئینے میں، ادارۃ القرآن، کراچی، ستمبر ۱۹۹۸ء

☆ قاسمی، مولانا عتیق احمد، زکواۃ کے مصارف سادات اور زکوۃ، ادارۃ القرآن، کراچی، ستمبر ۲۰۰۲ء

☆ قاضی، پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ، قرآن و حدیث کا موضوعاتی مطالعہ، زیر اہتمام این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی، جولائی ۲۰۰۵ء

ل

☆ لکھنوی جسٹس تبریم خان، مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، ۱۹۸۸ء

☆ لیاقت، ممتاز، تاریخ بیت المقدس، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء

م

☆ مضامین کتاب مقدس - فیلڈ مس ایم آر گرین - ویسٹرن، ڈاکٹر آر ایچ (مؤلفین)، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶، فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۳ء

☆ ملّی، نصیر احمد (مترجم)، القرضاوی، علامہ یوسف، اسلام میں غریبی کا علاج، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۰۴ء

☆ مودودی، سیّد ابوالاعلی، مسئلہ ملکیت زمین، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، نومبر ۱۹۸۰ء

☆ معجم القرآن - فضل الرحمٰن، سیّد، (مؤلف)، ادارہ مجددیہ، ناظم آباد نمبر ۳، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز - کراچی ۲۰۰۳ء

ن

☆ ندوی، علامہ سید سلیمان ، نعمانی، شبلی علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی، اگست ۱۹۸۴ء
☆ ندوی، مولانا مجیب اللہ، اسلامی قانونِ محنت و اُجرت، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جون ۱۹۸۹ء
☆ ندوی، محسن عثمانی مولانا ڈاکٹر، مطالعہ مذاہب، مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد کراچی ۱۹۹۹ء
☆ ندوی، محمد ظفیر الدّین مفتاحی مولانا، اسلام کا نظامِ امن، ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۹۱ء
☆ ندوی، شاہ معین الدّین، تاریخ اسلام، جلد اوّل، غضنفر اکیڈمی، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء
☆ نعمانی، شبلی علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، حصہ اوّل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۶۲ء
☆ ندوی، شاہ معین الدّین، تاریخ اسلام، جلد اوّل، غضنفر اکیڈمی، کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء
☆ ندوی، مولانا عبدالباری، تجدید معاشیات، نفیس اکیڈمی، بلاسس اسٹریٹ، کراچی، جولائی ۱۹۶۲ء
☆ نظامی، رانا صابر، سرمایہ دار اور مزدور، ادارہ تفہیم الاسلام، اردو بازار، لاہور، س ن
☆ نیازی، ڈاکٹر لیاقت علی خان، جدید دور کے مسائل اور انکا حل قرآن اور سیرت طیبہ کی روشنی میں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء

و

☆ وِکلف اے، سنگھ (مترجم)، ایوون وارن-'ازدواجی زندگی کا آغاز' ناشر-ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۱ء
☆ وِکلف اے، سنگھ (مترجم)، ڈیٹن، ہاورڈ-'آپ اور آپ کا پیسہ' ناشر-ایم آئی کے، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء

ی

☆ یوسف، حافظ صلاح الدّین، ترجمہ، جوناگڑھی، مولانا محمد، تفسیر احسن البیان، دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض، سعودی عرب، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۸ء
☆ یوسف الدّین، محمد، اسلام کے معاشی نظریے، پاک اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۲ء

کتابیات

رسائل و جرائد

☆ اقبال۔سہ ماہی مجلہ؛مدیر، ذوالفقار، پرفیسرڈاکٹرغلام حسین، بزمِ اقبال،کلب روڈ لاہور،جلد۵۴،شمارہ۲،اپریل جون۲۰۰۷ء

☆ الفاروق ،نعمانی ،شبلی علامہ ، مدینہ پبلشنگ کمپنی ، بندر روڈ کراچی ، حصہ اوّل ،

☆ الفجر۔ماہنامہ، مدیر،سلیمان طاہر،جلد ۵،شمارہ ۸ ، چغتائی ،محمد اشفاق ،شعلۂ نوا، کراچی ،اپریل۱۹۹۴ء

☆ المعارف ۔ ماہنامہ، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور.شمارہ جولائی ،۱۹۹۳ء .

☆ المیزان۔سہ ماہی ، ملک ، غلام مرتضی ڈاکٹر،سورۃ یسن کی منتخب آیات کی تفسیر،جنوری تا مارچ 1999ء،اسلام آباد

☆ تسخیر۔ہفت روزہ،قومی پریس، لاہور، مدیراعلی، گیلانی ،صاحبزادہ خورشید احمد،جلد۲ شمارہ نمبر۴۸، یکم جولائی تا ۷ جولائی ۱۹۹۷

☆ تحقیقاتِ اسلامی ۔ سہ ماہی ، فارم۴ ، رول ۹ ، پان والی کوٹھی ، دودھ پور علی گڑھ ، یوپی ، ہندوستان

☆ جریدہ ۔ جلد اوّل شمارہ ۲۹ ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ، جامعہ کراچی ،۲۰۰۴ء

☆ روزنامہ قومی اخبار ، کراچی ، خان ، عبدالوحید ، جمعہ ۲۳ جنوری ، ۲۰۰۹ء

☆ علوم الاسلامیہ انٹرنیشنل۔ششماہی ،ناشر: ثانی ،صلاح الدین ،ڈاکٹر پروفیسر، سیرتُ النّبی ﷺ نمبر، جلد۴، شمارہ نمبر۷، کراچی، فروری تا اگست ۲۰۰۸ء

☆ علوم فی القرآن۔تحقیقی مقالات۔مدیر۔رانا محمد اقبال۔حیدر پبلی کیشنز۔اردو بازار۔لاہور، مئی۲۰۰۳ء

☆ قافلہ ادبِ اسلامی۔سہ ماہی ،مدیراظہر،ظہور احمد ڈاکٹر ،رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ ، پاکستان، المجلد ۴، العدد ۱-۲، ینائر۲۰۰۳م-یونیو۲۰۰۳م

☆ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی ، عدد ۴۷، شوال ۱۴۰۵ھ رجون ۱۹۸۵ء

☆ معاشیات ۔ ماہنامہ ، جلد۔۴ ، شمارہ نمبر ۹ ؛ انجمن ترقی اردو ، کراچی ، ستمبر ۱۹۵۰ء

☆ معاشیات ۔ ماہنامہ ، جلد۔ ۵ ، شمارہ نمبر ۶ ؛ انجمن ترقی اردو ، کراچی ، جون ۱۹۵۱ء

☆ معاشیات ۔ ماہنامہ ، جلد۔ ۵ ، شمارہ نمبر ۱۰ ؛ انجمن ترقی اردو ، کراچی ، اکتوبر ۱۹۵۱ء

☆ مقالاتِ سیرت النبی ﷺ ،قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۲ھ، وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

☆ مقالاتِ سیرت النبی ﷺ ، عصرِ حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں - شعبہ تحقیق و مراجع - وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، اٹھارویں سیرت کانفرنس ۱۹۹۴ء

☆ مقالات قومی سیرت کانفرنس، ۲۰۰۱/۱۴۲۲ھ، شعبہ تحقیق و مراجع، وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر، حکومت پاکستان، اسلام آباد

☆ مقالاتِ سیرت، سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء، شعبہ تحقیق و مراجع، وزارتِ مذہبی امور، زکواۃ و عُشر، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

☆ مقالاتِ شامِ ہمدرد، سعید، حکیم محمد، ہمدرد کمیٹی، کراچی، ۱۹۷۲ء

☆ مقالات مذاکرہ ملّی تعلیمات نبوی ﷺ ، مرتبہ، سعید، محمد حکیم، تیسری ہمدرد سیرت کانفرنس، ۱۴۰۲ھ، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۸۳ء

☆ منہاج -سہ ماہی، اسلامی معیشت نمبر، مدیر، حافظ غلام حسین، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، جنوری و اپریل ۱۹۹۲ء جلد -۱۰/شمارہ ۱-۲

☆ میثاق - ماہنامہ، مدیر مسئول، ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، جلد، ۴۶، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۹۷ء

☆ میموریل لیکچر -شہید حکیم محمد سعید، ہمدرد یونیورسٹی مشاہراہ مدینۃ الحکمہ، محمد بن قاسم ایونیو، کراچی، ۱۱ اپریل ۲۰۰۵ء

☆ نقوش رسولؐ نمبر، مدیر، طفیل، محمد، جلد ۱ تا جلد ۴ شمارہ نمبر ۱۳۰ تا ۱۴۳؛ ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۳ء تا ۱۹۹۸ء

✿✿

Bibliography

A

☆ Abul Majid, Maulana, English Translation of Holy Quran, Volume-I & II, Taj Company, Dacca, 1971

☆ Abdus Salam, 'Urdu English Dictionary', Ferozsons (Pvt) Ltd-Lahore-1985

☆ Al-Hilali, Taqi-ud-Din Muhammad Dr & Khan, Muhammad Muhsin Dr, The Noble Quran, King Fahd Complex for the printing of the Holy Qur'an, Madinah, K.S.A,/page-248 under explanation of Chapter 9:29 of Holy Qur'an.

B

☆ Banjemen Brown,Translation of "The East and West Must Meet" A symposium,1959, Michiagan State University Press.

☆ Boardman, John, The Oxford History of the Classical World, Oxford University Press, NY-1988

C

☆ Channan Op FR James , Christian =Muslim Dialogue in Pakistan , Dominican Vice-Province, Ibn-e-Mariam Pakistan, National Commission for Christain-Muslim Relations, Pakistan, Publisher:Qaumi Advertising, Mool Chand Street Nila Gumbad, Lahore, Pakistan, 1995

☆ Chapra, M. Umer, Islam and the Economic Challenge, The Islamic Foundation, Markfield Dawah Centre, Ratby Lane, Markfield, Leicester LE6 0RN, U-K.,1992

☆ Cross, F.L., The Oxford Dictionary of the Christian, Oxford University Press, NY, 1974

D

☆ Derek Prince - God's Plan for your Money - Publisher:Whitaker House-USA -1993

☆ Davis, Charles, Religion and the making of Society, Cambridge University Press, 1994

E

☆ Encyclopedia of Religion & Ethics - Article 'Christianity' - P/581, Vol-III

F

☆ Fraser, Aggrey, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton-London, 1959

☆ F .Row, Ernest, Gide's Principles of Political Economy, George G. & Company Ltd; London, January, 1933 Harrap

☆ Friedman, H. Hershey Prof. 'Biblical Foundations of Business Ethics' Journal of Markets & Morality 3, No.1 (Spring 2000),

☆ F.L. Cross,The Oxford Dictionary of the Christian Church, Oxford University Press-NY, 1974/p-1258

☆ FR James Channan OP, Christian-Muslim Dialogue in Pakistan, Dominican Vice-Province,Ibn-e-Mariam, Pakistan, National Commission for Christian-Muslim Relations, Pakistan,1995

G

☆ Gide Charles, *Translated by* Ernest F Row; Principles of Political Economy, George G Harrap & Co.London-1933

☆ Good News Bible - Today's English Version - United Bible Societies - 146 Queen Victoria Street, London EC4V4BX/7th Edition - 1980

☆ *Green, Ronal M."Religion and Moral Reason"(a new method for Comparative Study), Oxford University Press, New York, 1988*

H

☆ Heilbroner, R.L. and Thurow: The Economic Problem,4th Edition, New Jersey,Prentice-Hall, 1975

☆ Henry Hazlitt, The Failure of the "New Economics" (An Analysis of the Keynesian Fallacies), D Van Nostran Company, Inc., Princeton, New Jersey, 3rd Edition, November, 1963

☆ Hull . Brooks B., Religion, Afterlife, and Property Rights in the High Middle Ages. . . . Vol. 12, No. 1 / Studies in Economic Analysis Spring 1989

J

☆ JOSEPHUS, FLAVIUS (C.37-C.100) A JEWISH HISTORIAN The Oxford Dictionary of the Christian Church-Oxford Universiyt Press, NY-1974

☆ John L. Esposito and Ansari, Zafar Ishaq, "Muslims and the West: Encounter and Dialogue", Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, and Center for Muslim-Christian understanding, Georgetown University, Washington, D.C., 2002

L

☆ Lane, Edward William, An Arabic English Lexicon Dictionary, Edinburgh,1865.

☆ Lane, Edward William, An Arabic English Lexicon, Williams and Norgate, 14 Henrietta Street, Covent Garden, London; 1867

M

☆ Maqsood, Ruqaiyyah Waris, 'A basic ditionary of Islam' Goodword books, Pvt, Ltd, 1, Nizamuddin West Market, New Delhi, India, 2003

☆ M. A. Mannan, Islamic Economics Theory and Practice, Sh. Muhammad Ashraf , Kashmiri Bazar, Lahore-1975

☆ Melvin Urolsky, Rights of the People Confrefs of the Unite States, A NY publication, 2002

☆ Murtaza, Prof. Dr. Malik Ghulam, Socio-Economic System of Islam, Pakistan Model Public School, 16-A,-1, Township Lahore. year NA.

O

☆ *Old Testament; Leviticus 27:1-8 / Good News Bible -Today's English Version,United Bible Societies, London, 1980*

P

☆ Perry, F.E., A Dictionary of Banking-Second Edition, Macdonal & Evans-UK,1983

☆ Pickthall, Marmaduke, The Glorious Quran, Taj Company Ltd, Karachi.

☆ Popular Oxford Practical Dictionary - published by Ch. Ghulam Nabi Chohan,Oriental Book Society, Lahore-1980

☆ Prince , Derek, God's Plan for your Money, Whitaker House, USA, 1993

☆ Pranaitis, Rev. I. B.- The Talmud Unmasked - the Secret Rabbinical Teachings concerning Christians; -Publisher; IMPRIMATUR- St. Petersburg; KOZLOWSKY; Archbishop metropolitan or Mochileff- April 13, 1892.(Translation of the author's Latin Text)

S

☆ Schuon, Frithjof, "Understanding Islam", Suhail Academy Lahore, Pakistan, 1985

☆ Smart, Ninian, The World's Religions, Cambridge University Press,UK, 1993

☆ Steingass, F. *Ph.D*, 'Arabic English Dictionary', Sang-e-meel Publication, 25 Shara-e-Pakistan (lower mall)-Lahore-2001

T

☆ Taleghani, Aytaullah Sayyid Mahmood, Society and Economics in Islam , Mizan Press Berkeley, 1982

☆ The Cassell Concise Dictionary -Cassell Willington House, London-1997

☆ The Oxford Dictionary of the Christian Church-Oxfor University PressNY-1974

☆ The Holy Gospel,The New Testament, United Bible Societies;Aistralia;study edition, 2001

☆ Timothy, The New Testament, The Holy Gospel, United Bible Societies Asia Pacific Region, Brishane, Australia, Study Edition,2001

☆ Toynbee, Arnold - Mankind and Mother Earth - a narrative History of the World, Oxford University Press, NY-1976

U

☆ Urdu English Dictionary-Feroze Sons-Lahore

W

☆ Ward, Barbara, Five Ideas that Change the World, Hamish Hamilton London, November, 1959

☆ Watt, Montgomary W, Islam and the Integrtion of Society, Routiege & Kegan Paul, London, 1961

☆ Watt, W. Montogmery, Muhammad at Medina, Oxford University Press, NY,1981

☆ Will Durant, A Story of Civilization, Vol-I, MJF Books, Ist Edi:1935;Updated:1993

Z

☆ Ziaul Haque, "Islam & Feudalism, The Economics of Riba Interest and Profit",VanguardBooksLtd.,8-DavisRoad,Lahore,1985

✿✿

www/web bibliography

☆ http://www.biblefoundation.com
accessed on 07/08/2006

☆ http://www.davidduke.com/general/index.php?p=89
accessed on 12/29/2004

☆ http://debate.org.uk/topics/history/xstnc-5.html ; accessed on 27-10-2008

☆ http://www.gutenberg.net/etext
accessed on 07/08/2006

☆ http://www.gospel/CATHOLIC ENCYCLOPEDIA/Usury-03.htm
by Kevin Knight. 2006 (Now it is availabe on the following)
http://www.newadvent.org/cathen/15235c.htm-july 2009

☆ http://images.google.com.pk/imgres?imgurl
accessed on 2 january, 2008 and now available on:
http://www.freequran.com/html/his_family_tree.htm

☆ http://www.isurvived.org/TOC-IV.html
accessed on 10-05-2009

☆ http://www.jewfaq.org/index.htm
accessed on september-2007

☆ http://judaism.about.com/library/3_askrabbi_o/bl_simmons_charitytzedakah.htm ;
accessed on 10-08-2009

☆ http://www.religion-online.org/www.christiancentury.org.
accessed on July 05, 2008

☆ http://en.wikipedia.org/wiki/Constantine_I
accessed:28-05-2009